جلد ۳۳ | بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ مطابق مئی ۱۹۶۵ء | شمارہ (۱)

اگر اس دائرہ میں (   ) سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ مئی تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کاغذ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔ ڈاکخانہ کی رسید ہم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیجئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں ان کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

... پرنٹر پبلشر ... نے ... میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

۳۴ واں سال

شمارہ نمبر ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

آج کے ہندوستان میں کوئی مسلمان، خواہ وہ کتنا ہی پکا اور پرانا نیشنلسٹ کیوں نہ ہو، اگر وہ عملاً دین سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہو یا کم از کم مسلمانوں کے دکھ درد میں ملی جذبے کے ساتھ شریک ہوتا ہو، وہ اکثریت کے اہلِ سیاست کی نظر میں بلاشبہ مسلمان "پہلے" ہو اور ہندوستانی "بعد" میں۔ اسلئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور ان کے مختلف حلقہائے فکر سیاسی نظریات کے لحاظ سے آپس میں اگرچہ کتنے ہی مختلف الخیال ہوں لیکن ہیں ایک ہی کشتی میں سوار۔ وہ آپس میں جسقدر چاہیں تفریق کرلیں مگر جن لوگوں سے واسطہ ہے اُن کی نظر میں کوئی فرق ان سب میں حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

یہ بات کوئی راز نہیں ہو جسے ہم پہلے پہل فاش کر رہے ہوں بلکہ مذکورہ بالا خصوصیات رکھنے والا جو جتنا پکا اور پرانا نیشنلسٹ ہو اس کا دل اس حقیقت کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ لیکن پھر یہ کونسی ہوشمندی ہے کہ ہمارے جس نیشنلزم کی کوئی قیمت نہیں اس میں ایک دوسرے سے فائق تر ہونے کے دعووں کی بساط بچھائیں۔ اور ایک جماعت دوسری جماعت کی طرف انگلی اُٹھائے کہ

"فکر و عمل کے لحاظ سے وہ متحدہ قومیت اور سیکولرازم کی مخالف ہے۔"

اور — "آج اپنا مستقبل سنوارنے کی فکر میں متحدہ قومیت اور سیکولرازم کا دم بھرنے لگی ہے۔"

ہمیں بہت ہی افسوس ہوا جب ہم نے ایک جماعت کی طرف سے یہ شکایت پڑھی کہ ایک دوسری جماعت کے انتہائی ذمہ دار عہدیدار نے اپنے ایک سرکلر میں (یہ بتانے کیلئے کہ ان کی جماعت ہی کا راستہ صحیح ہے) اس طرح کے جملے اس جماعت کے بارے میں تحریر کیے ہیں۔ اور پھر یہ سرکلر اپنے اخبار میں بھی شائع کیا گیا۔ البتہ یہ غنیمت ہو کہ سرکلر میں اس جماعت کا صاف نام نہیں لیا گیا تھا جسکے بارے میں یہ باتیں کہی گئی تھیں صرف اشاروں پر اکتفا کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس رجحان کو بہرحال دیکھا نہیں جا سکتا ہم ان معاملات میں رقیبانہ انداز کی باتیں اشاروں میں بھی کسی طرح مناسب نہیں۔ کسی جماعت کے ذمہ دار

اگر اپنے لوگوں کے سامنے یہ باتیں اشارات کی زبان میں لائیں گے تو اوروں کی زبانوں سے اس کی شرح بھی ہوگی اور پھر اس کا نقصان اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ اُسی ایک جماعت تک محدود رہے گا تو یہ انتہائی بھول اور بڑی نادانی ہے۔ ایک جماعت تو بڑی چیز ہے کسی فرد واحد کو بھی اگر آپ ہندستان کے موجودہ حالات کے اندر اس قسم کے معاملات میں مطعون کرتے ہیں تو نتیجۃً آپ سارے مسلمانوں کے مطعون کیے جانے کا سامان کرتے ہیں۔ یہاں انصاف کی فضا نہیں ہے کہ ایک کی بات ایک ہی کے سر رہے یہاں تو ثبوت سے بھی پہلے ایک کے سر الزام کا خمیازہ آئے دن سیکڑوں اور ہزاروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ کیا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے؟ دن رات ہم یہ تماشہ نہیں دیکھ رہے ہیں؟ پھر یہ آخر کیسی نادان رقابت ہے کہ اتنا خطرناک انجام بھی نظر انداز ہو جائے! یہ وقت تو ایک دوسرے کی پشت پناہی کا ہے نہ یہ کہ ایک دوسرے کیلئے مشکلات پیدا کریں۔ نظریات کا کچھ بھی اختلاف ہو کشتی ایک ہے۔ اس ایک کشتی کے اندر رہتے ہوئے ایک دوسرے کو ڈبونے کی کوشش کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پوری کشتی ڈوب کر رہے۔ آپ اپنے زعم میں کتنا ہی فرق آپس میں کر لیجئے مگر حالات نے سب کو اس طرح ایک دوسرے سے باندھ دیا ہے کہ اب تفریق کی کوشش خودکشی کے سوا کچھ نہیں ـــ یہ بات ان لوگوں کے لیے ہم سے کہیں زیادہ قابل توجہ ہے جو مسلمانوں کی کسی جماعت کی قیادت کر رہے ہوں۔

اس ناخوشگوار قضیے سے قطع نظر، جہاں تک متحدہ قومیت اور سیکولرزم کا تعلق ہے، ملک کے سیاسی ماحول میں جو مرتبہ بھی ان چیزوں کا ہو اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے کسی بات کا بھی قائل ہونا قابل فخر کسی حالت میں نہیں، اور نہ ہی اہل دین کی کسی جماعت کیلئے زیبا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ان باتوں کے قائل نہ ہونے پر مطعون کرے۔ ہندستان کے اہل دین میں جن لوگوں نے بھی ان سیاسی تصورات کی حمایت کی ہے، مگر انھوں نے بھی یہی کہا ہے کہ موجودہ دور کے اندر ہندستان جیسے ملک میں شرعاً مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان تصورات پر قائم ہونے والے سیاسی نظام پر راضی ہو جائیں، نہ یہ کہ اسے کوئی قابل فخر آئیڈیل بنا لیں! اس لحاظ سے ہمیں انتہائی حیرت بھی ہے کہ ان بزرگوں کے حاشیہ نشین کسی مسلمان گروہ کے اس معاملے میں مختلف الخیال ہونے پر اس طرح طعن کریں جیسے یہ کوئی بڑا عیب ہو، اور اس کے ساتھ اس سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن لوگوں پر طعن کیا گیا ہے انھیں صاف صاف یہ کہنے میں کیا جھجک ہے کہ ہندستان کے سیکولر نظام ریاست کے بارے میں ان کا وہ ٹوک موقف کیا ہے جو [illegible] [illegible] اپنے آپ کو غلط پوزیشن میں ڈال رہے ہیں [illegible]

دو ہیں کر پاتے تو انھیں جرأت سے کہنا چاہیے کہ ہم بے شک مخالف تھے مگر حالات نے ہماری رائے بدل دی ہے۔
یا پھر صفائی سے یہ کہنا چاہیے کہ ہم آج بھی سیکولر ریاست کے تصور کے علی الاطلاق مخالف ہیں۔
سیکولر ریاست کے تصور کی کچھ بھی تعبیر کی جائے "اجتماعی معاملات میں خدائی احکام سے بے نیازی"
کے عنصر کو اس کے مفہوم سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

مثلاً ہندوستان کے سیکولرزم کی تعبیر اگر کوئی شخص یہ کرتا ہے کہ "گورنمنٹ کا کوئی مذہب
نہیں ہے" تو اس میں بھی یہ عنصر پوری صفائی کے ساتھ موجود ہے۔ جس گورنمنٹ کا کوئی مذہب ہی
سرے سے نہیں ہوگا اس کے متعلق یہ تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں
خدائی رہنمائی کی قائل ہوگی۔ پس اس تعبیر پر اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ "ہم اس معنیٰ میں سیکولرزم کے
ہرگز مخالف نہیں ہیں" تو پھر اس کے بعد یہ کہنا بالکل بے کار ہے کہ

"لیکن اگر اس کے معنیٰ الحاد کے ہوں تو یقیناً ہم اس کے خلاف ہیں"۔

کیونکہ جب آپ اجتماعی معاملات میں خدائی احکام سے بے نیازی کو بھی "الحاد ہی کی ایک قسم" قرار
دے رہے ہیں تو الحاد کی یہ قسم تو مذکورہ بالا تعبیر میں بھی موجود تھی۔ لہٰذا اقرار ہو تو اقرار ہی ہونا ہے
اور انکار ہو تو انکار ہی ہونا چاہیے۔ معنیٰ اور حقیقت ایک ہوتے ہوئے محض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ
اگر اور مگر کا استعمال کوئی بھی معنیٰ نہیں رکھتا، بات صاف ہونی چاہیے اور اس میں ضرورت ہے کہ مسئلہ
کی صحیح نوعیت سامنے رکھی جائے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ ملک کا دروبست ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے،
جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے یا جو فیصلہ کن پوزیشن رکھتے ہیں (اور وہ غیر مسلم ہیں) وہ کسی بھی مذہب کی
رہنمائی سے آزاد رہ کر اگر ریاست کا نظام چلانا چاہیں تو کیا اس پر راضی ہو جانا اور ضرورت کی حد
تک اس نظام سے تعاون کرنا کوئی گناہ ہے؟۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر سیکولرزم کے معنیٰ کے ساتھ ساتھ یہ دوسرے مسئلہ بھی سامنے رکھی جائے تو
شاید دو ٹوک جواب کا مرحلہ آسان ہو جائے۔

مکتوبِ حجاز

از : ——————— مولانا محمد منظور نعمانی

(حضرت مولانا امسال رابطہ عالم اسلامی (حجاز) کی مجلس تاسیسی کے رکن کی حیثیت سے حجاز تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں سے مناسک حج سے فراغت کے بعد جو پہلا مفصل مکتوب موصول ہوا ہے اس کا کچھ حصّہ ہدیۂ ناظرین ہے ——— عتیق)

یہاں مکہ معظمہ پہنچے آج بیسواں دن ہے، الحمد للہ پوری صحت وعافیت نصیب ہے گھر سے چلتے وقت دانت کے درد اور بازو کے زخم کی جو تکلیفیں تھیں اللہ تعالےٰ کا کرم ہے کہ یہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں رہی، احرام کے زمانہ میں سر کھلے رہنے سے مجھے بڑا خطرہ تھا مگر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور کوئی تکلیف نہیں پیدا ہوئی، مکہ معظمہ کے قیام میں ہر قسم کی راحتیں اللہ تعالےٰ نے نصیب فرما رکھی ہیں اگرچہ کے ایام بھی انھی راحتوں کے ساتھ گزرتے تو حج کے مجاہدہ کا کوئی حصّہ نہ ملتا، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس سے بھی محروم نہیں رکھا اپنی موٹر ساتھ ہوتے اور اسی طرح ضرورت وراحت کے سارے دوسرے سامان موجود ہوتے ہوئے اتفاقی اور اضطراری طور پر مجاہدہ کا خوب حصّہ بھی آیا خاص کر مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے بڑا حصّہ تیز دھوپ میں پیدل طے کیا قربانی بھی بہت تعب اٹھا کر اور بہاڑیوں کو عبور کرکے کی جاسکی، پھر کل جب کہ منیٰ سے واپسی ہونے لگی تو کافی دور پیدل چلنا ہوا اور خاص اسباب کی وجہ سے میں نے اور مولانا نے دن کا [illegible] نہ کیا تھا اور نہ دوپہر کو کھانا کھایا [illegible] تھا عجب حالت

یہ ہوگئی کہ خاص کر مولانا کو خشکی اور ضعف کی وجہ سے ایک ایک قدم اٹھانا مشکل تھا تو ملا ایک موٹر ملی لیکن راستہ صاف نہ ہونے کی وجہ سے حرم شریف سے تقریباً آدھا میل پہلے اس کو بھی چھوڑ کر پیدل حرم شریف آئے۔

الحمدللہ مناسک سے تو اب فراغت ہوگئی مؤتمر جو پہلے پروگرام کے مطابق [illegible] ۱۵؍اپریل سے شروع ہونے والی تھی دو دن تاخیر سے ۱۷؍اپریل شنبہ کے دن سے شروع ہوگی اور ۲۴؍اپریل تک چلے گی اس کے بعد دو تین دن رابطہ کی نشستیں ہوں گی، اس حساب سے مدینہ طیبہ روانگی اخیر اپریل میں ہوسکے گی کم از کم ہفتہ عشرہ وہاں قیام رہے گا اس کے بعد ان شاء اللہ واپسی۔

اس مرتبہ حجاج کی تعداد سال گزشتہ سے بھی زیادہ ہوگئی ابھی خود سعودی عرب کے حجاج کے اعداد و شمار معلوم نہیں ہوئے، بیرونی ممالک کی تعداد تین لاکھ سے کچھ ہی کم تھی اندازہ یہ ہے کہ سعودی عرب کے حجاج کی تعداد آٹھ دس لاکھ کے لگ بھگ رہی ہوگی معلوم نہیں کیوں ٹریفک وغیرہ کے انتظامات میں بہت ڈھیل دیکھنے میں آئی۔

حجاج کی بے عنوانیاں دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ صحیح اور برحق ہے کہ حج کے موسم بلکہ اس کے ایک ایک دن میں یہاں اللہ کا جتنا نام لیا جاتا ہے اور جتنی اخلاص سے دعائیں کی جاتی ہیں اور جس طرح کی جاتی ہیں اتنی ساری دنیا میں نہ ہوتی ہوں گی، مگر حجاج کی عام عملی اور اخلاقی حالت بہت ہی مایوس کن ہے یہ باتیں خواہ مخواہ زبان پر اس وقت آگئیں اس طرح خطوط میں ان باتوں کے لکھنے سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ دل میں اس کا فکر اور درد پیدا ہو اور اس کی اصلاح کے لئے الحاح کے ساتھ دعائیں اور امکان بھر کوششیں ہوں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے حادثہ کی اطلاع

یہاں دوسرے دن یعنی سنیچر کی شام کو ہم لوگوں کو ملی تھی لیکن چونکہ اس وقت تک
قابل وثوق نہیں تھا اور یہاں موسم حج میں اس طرح کی سنسنی خیز خبریں معلوم نہیں
کیوں اکثر اڑا کرتی ہیں اس لئے ہم لوگوں نے یقین نہیں کیا، اتوار کے دن ظہر کی نماز
کے لئے جب ہم لوگ حرم شریف گئے تو اتفاق سے میری نظر ڈاکٹر اسمٰعیل صاحب پر
پڑ گئی یہ خبر انہی کے نام کے حوالہ سے گشت کر رہی تھی یہ ہمارے دوستوں میں سے ہیں
کراچی کے رہنے والے ہیں کئی سال سے سعودی عرب کے محکمہ صحت سے وابستہ ہیں۔ میں
جلدی سے اٹھ کر ان سے ملا۔ انھوں نے بتایا کہ میں پرسوں جمعہ کے دن کراچی
تھا اور اسی دن مجھے یہاں کے لئے روانہ ہونا تھا، پانچ بجے شام کے مجھے ایک دوست
نے فون سے بتایا کہ لاہور میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا اچانک وصال ہو گیا
پھر کراچی کے تبلیغی مرکز مکی مسجد سے بھی اسکی تصدیق ہو گئی۔ میں کراچی سے اسی شب
میں روانہ ہو کر کل شب میں جدہ پہنچا اور آج ہی مکہ معظمہ پہنچ سکا ہوں، خبر صحیح اور
مصدق ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کو بھی یقین کرنا پڑا، پورے عالم اسلامی کے لئے
اور خاص کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے یہ بہت ہی بڑا حادثہ ہے جو لوگ نہیں جانتے
وہ شاید مبالغہ سمجھیں گے لیکن یہ بالکل واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت میں دینی حرکت
اور فکر آخرت پیدا کرنے کا کام جتنے وسیع پیمانہ پر صرف بیس سال کی مدت میں مولانا
مرحوم سے لیا اسکی نظیر قریب کی پچھلی صدیوں میں تلاش کرنے سے بھی مشکل سے ملے گی
کم از کم میرے علم میں تو نہیں ہے۔ اللہ کی شان ہے ہندوستان میں اللہ کا ایک بندہ
ایک مسجد میں بیٹھ کر لاکھوں بندوں کو، حقیقۃً لاکھوں بندوں کو دین کی فکر اور کوشش
میں متحرک کئے ہوئے تھا دنیا کے دور دراز ملکوں میں جماعتوں پر جماعتیں بھیج رہا تھا
ہزاروں غریب ملک بملک اسکے حکم سے پیدل پھرتے تھے سفروں میں ہر قسم کی تکلیفیں
اٹھاتے تھے دین سیکھتے سکھاتے تھے اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے اور اسی کے لئے
اکساتے تھے اسی طرح ہزاروں صاحب استطاعت ریلوں اور موٹروں سے اسی مقصد
کے لئے [illegible] کے ساتھ ہفتوں اور مہینوں کے لئے نکلتے تھے، بہت سے لوگ ہوائی جہازوں

سے دور دراز ملکوں کا سفر اسی کام کے لئے کرتے تھے امت میں ایمان اور ایمانی زندگی پیدا کرنے کے لئے اتنی وسیع حرکت اور جد وجہد صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی اللہ تعالیٰ نے یہ کام ہندوستان سے کرکے دکھایا اور اپنے ایک بندہ کو اس کا ذریعہ بنایا۔——

هو الذي ينزل الغيث من بعد ما قنطوا وينشر رحمته وهو الولي الحميد۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت تک کام بہت محدود اور ابتدائی درجہ میں تھا لیکن اس وقت یہ بھی امید نہ تھی کہ جس درجہ میں اب ہو رہا ہے یہ بھی باقی اور جاری رہ سکے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ذریعہ سینکڑوں درجہ آگے بڑھا دیا اسکی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے بلکہ ہمیں یہی امید کرنی چاہیئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد بھی اسکی قدرت و رحمت اسی طرح اپنا کام کرے گی۔

دوسری قسط

حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے مراسلات کی روشنی میں

از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب حضرت شاہ اہل اللہ[۱] پھلتیؒ برادر خرد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بنام شاہ ابوسعید حسنیؒ

بخدمت حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات دستگاہ سیدنا سید ابوسعید جیو سلمہم اللہ و ابقاہم ——— از فقیر اہل اللہ بعد از سلام ملتمس است کہ خط بہجت خط

---

[۱] الشیخ الکبیر اہل اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین العمری الحنفی الپھلتی احد علماء الربانیین و عباد اللہ الصالحین
آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اخذ علوم دین کیا۔ طب بھی پڑھی اور اس میں کمال حاصل کیا۔ آپ کی کئی تالیفات و تصنیفات ہیں ان میں سے ایک مختصر ہدایۃ الفقہ ہے جو کہ ہدایہ کا انتخاب ہے (۲) مختصر تفسیر قرآن (۳) چہار باب (در فقہ و عقائد) (۴) تکملہ ہندیہ (در علم طب) غالباً ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ایک مکتوب (محررہ ۱۱۸۷ھ) سے واضح ہوتا ہے۔
ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۶۔ (مزار پھلت ضلع مظفر نگر میں ہے۔ راقم نے زیارت کی ہے)

رسید آنچہ از راہ مہربانگی و شفقت کہ درباره ایں فقیر مبذول میدارند عنایات و توجہات ظاہری و باطنی مصروف فرمودند شکر آں بکدام زبان بیان نمودہ آید........

حضرت سبحانہ و تعالیٰ ترقیات دارین و کمالات کونین نصیب آں باذل نفسہ فی مرضات اللہ گرداند چنانچہ ایں نیازمند را از فکر معاش نجات بخشید ند او جل وعلا از جمیع حاجات از دین و دنیا ذات سامی را خلاص و نجات عنایت فرماید—— توقع آنست کہ ایں ورد کہ بہ بخشی رام حوالہ شدہ است بوضع جریان دادہ شود کہ اینجا یا بہ دیگر پرگنہ کہ بلا کلفت میسر آمدہ باشد ماہ بماہ بلا دقت بدست می آمدہ باشد زیادہ چہ - و ہر چہ صلاح دید صاحب بود بہتر است۔ بخدمت میاں محمد عتیق جیو سلام رسد۔ حسب الایمائے خط شکر گذاری بخان رفعت نشان مرقوم شدہ اگر مناسب دانند بگذرانند ——

ترجمہ —— حقائق و معارف آگاہ، فضیلت و کمالات دستگاہ سیدنا سید ابو سعید صاحب سلمہم اللہ والقاہم —— کی خدمت میں فقیر ابل اللہ کی طرف سے بعد از سلام نیاز عرض ہے کہ خط بہجت نمط پہونچا۔ از راہ مہربانی و شفقت —— جو کہ اس فقیر پر مبذول فرماتے رہتے ہیں —— جو کچھ ظاہری و باطنی عنایات و توجہات آپ نے کی ہیں اس کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے ..... اللہ تعالیٰ آپ کو کہ آپ اس کی مرضیات میں اپنی جان کو خرچ کرنے والے انسان ہیں —— ترقیات دارین اور کمالات کونین نصیب فرمائے —— آپ نے جس طرح اس نیازمند کو فکر معاش سے نجات دی اللہ جل شانہ آپ کو بھی دین و دنیا کی جمیع حاجات سے بے فکر فرمائے —— امید یہ ہے کہ یہ وظیفہ جو کہ بخشی رام کے حوالے کیا گیا ہے اس طور پر برابر جاری رہے گا کہ اس جگہ (ڈہلت) یا کسی دوسرے پرگنے میں ماہ بماہ بلا دقت حاصل ہو جایا کرے گا —— زیادہ کیا لکھوں۔ جو بھی آپ کی صوابدید ہو بہتر ہے —— میاں محمد عتیق صاحب کی خدمت میں سلام پہونچے۔ آپ کے حسب الایماء خان رفعت نشان (ابراہیم خلیل خاں) کو بھی خط شکر گذاری مرقوم کر دیا گیا ہے اگر مناسب سمجھیں تو (آپ ہی) اس کو وہاں پہونچا دیں۔

ایک مکتوب گرامی میں حضرت شاہ اہل اللہ حضرت رائے بریلوی کو تحریر فرماتے ہیں۔

احوالِ یومیہ کہ از توجہ وجیہہ صورت
گرفتہ است بفضلِ الٰہی تاحال
تحریر جاری است و ایں نیازمند
با دیگر کس دعوئے خود رطب اللسان
شکرگزاری است اللہ تعالیٰ دیرگاہ
سلامت دارد فقیر زادہ محمد مقرب اللہ
سلام نیاز می رساند ــ زیادہ
چہ نویسد ــ

احوال یومیہ جو آپ کی توجہ سے
درست ہو گئے ہیں تادم تحریر ہذا
ٹھیک چل رہے ہیں۔ یہ نیازمند اپنے
متعلقین سمیت آپ کی شکرگذاری
میں تر زبان ہے۔ اللہ تعالیٰ دیر
تک آپ کو سلامت رکھے فقیر زادہ
محمد مقرب اللہ سلام کہتا ہے زیادہ
کیا لکھوں۔

مکتوب حضرت شاہ اہل اللہ بنام شاہ ابو اللیث[1] حسنی ملقب بہ ابو العیش فرزند حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ

عزیز القدر سیادت مرتبت سید ابو العیش سلمہ ربہٗ بعد از سلام شوق التیام مطالعہ نمایند کہ شوقِ دیدار ایشان از استماعِ سعادت مندیٔ شان زبانیٔ والدِ بزرگوار بحدِ کمال است اللہ سبحانہٗ تعالیٰ بعافیتِ طرفین و خیریتِ جانبین ملاقات مسرت آیات میسر فرماید ــــ یقین است کہ باشتغال علوم ظاہری و تحصیل سلوک باطنی از جناب قبلہ گاہ خود کہ مجمع کمالات دارین اند مشغول خواہید بود کہ بزرگ زادۂ خاندان عالیہ را

[1] السید الشریف ابو اللیث بن ابی سعید بن محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شیخ الکبیر علم اللہ النقشبندی البریلوی احد الرجال المعروفین بالفضل والصلاح ــــ آپ نے اپنے والد سے علم حاصل کیا اور انھیں سے طریقہ اخذ کیا اور ارشاد و تلقین میں اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے۔ سفر حرمین میں اپنے والد کے ہمراہ تھے مدراس میں اقامت اختیار کر لی تھی، ایک زمانہ تک وہاں رہ کر روحانی فیض پہنچایا اسی علاقے میں انتقال ہوا۔ آپ کی قبر بندرگاہ کوٹیال میں ساحل سمندر پر ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۷) آپ کا لقب ابو العیش تھا۔ ان مکتوبات اکابر کے جامع آپ ہی ہیں۔

ازیں ہر دو چیز ناگزیر است ۔ زیادہ بجز شوق و دعا چہ نویسد۔

ترجمہ ــــ عزیز القدر سیادت مرتبت ...... بعد از سلام شوق مطالعہ کریں۔ مجھے تمہارے دیکھنے کا اشتیاق بحد کمال ہے اس لیے کہ میں نے تمہارے والد بزرگوار کی زبانی تمہاری سعادت مندی کی باتیں سنی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ طرفین و جانبین کی خیر و عافیت کے ساتھ ملاقات میسر فرمائے ــــ یقین ہے کہ تم اپنے والد کی خدمت میں ــــ جو کہ مجمع کمالات وارین ہیں ــــ اشتغال علوم ظاہری اور تحصیل سلوک باطنی کے اندر مشغول ہو گے اس لیے کہ خاندان عالی کے ایک بزرگ زادے کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ زیادہ بجز شوق و دعا اور کیا لکھوں۔

مکتوب مولانا نور اللہ بڈھانوی[۱] بنام حضرت شاہ سید ابو سعید حسنی رح

مجمع محامد و فضائل معدن محاسن و فواضل، سعادت و کرامت مآب معارف و کمالات انتساب کرمی مہربان میر سید ابو سعید جیو سلمہ اللہ المجید ــــ ازیں فقیر نور اللہ بعد سلام نیاز مطالعہ فرمایند۔ ملاطفت نامہ وصول فرمود ابتہاج و سرور بخشید یاد آوری بزرگان بشارت سعادت است الحمد للہ علیٰ ذلک ــــ اکثر اوقات بذکر اخلاق و اشفاق

---

[۱] الشیخ العالم الکبیر المحدث نور اللہ الصدیقی البڈھانوی احد فحول العلماء ــــ آپ قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے ۔ تحصیل علم ہی کے لیے دہلی کا سفر کیا اور شیخ الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے ۔ طویل زمانے تک حضرت شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت سے مستفیض ہوئے ــ آپ کا شمار اپنے استاد معظم کی حیات ہی میں اکابر علماء میں ہونے لگا تھا ــ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے آپ سے کتب علم فقہ پڑھیں ۔ حضرت شاہ عبد العزیز آپ کے داماد تھے ۔ غالباً ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز کے ایک مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے (نزہۃ الخواطر جلد ۶) حضرت مولانا شاہ عبد الحی ابن ہبۃ اللہ بڈھانوی رفیق حضرت سید احمد شہید ؒ انہیں مولانا شاہ نور اللہ بڈھانوی کے پوتے تھے۔

رطب اللسان است اللہ تعالیٰ بجمعیت قلبی و قالبی محفوظ دارد و از نا مرضیات محفوظ ــــ از مژدۂ عزم قدوم میمنت لزوم اشتیاقِ دیدارِ فرحت آثار دو بالا شد۔ او تعالیٰ زود بوجہ احسن مشتاقان را بملاقات سامی مسعود سازد۔ بالجملہ فقیر بدعائے خیر مشغولی دارد انّہٗ قریبٌ مجیب ــــ و نام شخصے کہ از اقربائے اینجانب است محمد راجی است اگر آنجا باشد البتہ پیشِ خود طلبیدہ فرمایند کہ خبر خیریت بنویسد۔ نیازمند عطاء اللہ مع برادران و قاضی جیو و میاں سراج الدین و دیگر اعزہ سلام نیاز میرسانند...

ترجمہ ــــ مجمع محامد و فضائل..... مکرمی مہربان میر سید ابو سعید صاحب سلمہ اللہ اس فقیر نور اللہ کی طرف سے بعد سلام مطالعہ فرمائیں ــــ التفات نامہ وصول ہوا، مسرت بخشی۔ بزرگوں کی یاد آوری بشارت سعادت ہوتی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ــــ اکثر اوقات آپ کے اخلاق و اشفاق کے ذکر میں رطب اللسان رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جمعیت ظاہری و باطنی کے ساتھ محفوظ رکھے اور اپنی نامرضیات سے محفوظ ــــ آپ کی تشریف آوری کے قصد کا مژدہ پڑھ کر اشتیاق دیدار دوبالا ہو گیا ــــ اللہ تعالیٰ جلد بوجہ احسن مشتاقوں کو ملاقاتِ گرامی سے سعادت اندوز فرمائے ــــ بالجملہ فقیر دعائے خیر میں مشغول ہے۔ انّہٗ قریب مجیب ــــ اور اس شخص کا نام جو میرے اقربا میں سے ہے محمد راجی ہے اگر وہاں ہو تو اپنے پاس بلا کر فرمائیں کہ دو کم از کم اپنی خیریت تو لکھ کر بھیج دے ــــ عطاء اللہ مع برادران، قاضی صاحب اور میاں سراج الدین نیز دیگر اعزہ سلام پہونچاتے ہیں......

مکتوبات حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ[۱] بنام حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ

مکتوب (۱)۔ سیادت و نقابت مرتبت خلاصہ دودمان (نجابت) حقائق و معارف آگاہ فضائل دستگاہ میر ابو سعید جیو سلمہ اللہ تعالیٰ ــــ بعد از سلام اشتیاق الیت اماء از

۱۔ الشیخ العالم الکبیر المحدث محمد عاشق بن عبید اللہ بن محمد الصدیقی البھلتیؒ ــــ بچپن ہی سے آپ نے علم سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ الحمد للہ علی العافیۃ و نسئل اللہ تعالیٰ ان یدیمہا لنا ولکم ایاہا ــــ اشفاق نامہ کہ بنام میاں شاہ نوراللہ جیو و فقیر ارقام فرمودہ بودند ورود تودد نمود ــــ الحال کہ فقیر بجہت تحصیل شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلہ کونین مدّ اللہ ظلہم العالی رسیدہ عرضی ایشاں را کہ بجناب حضرت ارسال داشتہ بودند مطالعہ نمود و مواجید خاصہ کہ بفضل الٰہی نصیب ایشاں شدہ ملاحظہ کردہ دریں معنیٰ موجب نہایت خوشی و شادی گردید و حمد الٰہی و شکر وے تعالیٰ بجا آورد اللّٰھُمَّ زِدْ فزد ثم زد ــــ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد وصول وطن نیاز نامہ بخدمت خواہد نوشت امید کہ بدعائے خیر یاد دارند ــــ زیادہ حد التماس نماید والسلام ــــ میاں محمد عتیق جیو سلام مطالعہ نمایند از محمد فائق سلام مطالعہ باد ــــ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اشتغال رکھا اور حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلویؒ کی خدمت میں تکمیل کی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے ماموں زاد بھائی تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے آپ نے علم و معرفت کو اخذ کیا حرمین شریفین کے سفر (۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ) میں آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہمراہ تھے۔ حرمین کے جو اساتذہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہیں وہ آپ کے بھی ہیں جن میں سب سے بڑے حضرت شیخ ابو طاہر محمد ابن ابراہیم کردی مدنیؒ ہیں۔ حضرت شیخ ابو طاہر کردیؒ نے بھی آپ کو اجازت حدیث دی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ اور خلفاء میں سب سے اونچا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحب السر تھے جیسا کہ شیخ ابو طاہر کردیؒ نے اپنے اجازت نامے میں اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے اور آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کا آئینۂ کمال قرار دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے عربی اشعار میں آپ کو کمالات عالیہ کی خوشخبری دی ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلویؒ جیسے باکمال مشائخ اور ایک خلق کثیر نے آپ سے اخذ فیض کیا ہے۔ آپ کے مصنفات میں سے ایک کتاب سبیل الرشاد ہے جو فارسی زبان میں سلوک کے اندر ایک مبسوط کتاب ہے القول الجلی فی مناقب الولی بھی آپ کی کتاب ہے جس میں اپنے شیخ و مربی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حالات و مناقب لکھے ہیں۔ ایک کتاب شرح دعاء الاعتصام ہے۔ اصل کتاب پیر و مرشد کی ہے جو حقائق و معارف سے بیان میں ہے۔ اور آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مصفیٰ شرح موطا للشیخ ولی اللہ المحدثؒ کا مبیضہ تیار کیا حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف زیادہ تر آپ کے ذریعہ محفوظ اور اشاعت پذیر ہوئے۔ مکتوبات شاہ صاحب کو بھی آپ نے اور آپ کے صاحبزادے شیخ عبد الرحمٰن مرحوم نے جمع کیا تھا ــــ آپ کی وفات غالباً ۱۱۸۷ھ میں ہوئی جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے ایک مکتوب گرامی سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۶)

ترجمہ مکتوب (۱) ــــ سیادت و نقابت مرتبت ..... میر ابو سعید سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد از سلام اشتیاق التیام فقیر محمد عاشق کی طرف سے واضح ہو کہ الحمد للہ عافیت سے ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو ہمیشہ عافیت سے رکھے ــــ اشفاق نامہ جو میاں شاہ نور اللہ (بڈھانوی) اور فقیر کے نام (مشترک طور پر) ارقام فرمایا تھا پہونچ گیا تھا ــــ اس وقت فقیر شرف ملاقات حاصل کرنے کی غرض سے حضرت قبلۂ کونین مدّ اللہ ظلہم العالی (حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ) کی خدمت میں شاہجہان آباد (دہلی) آیا ہوا ہے ــ آپ کی وہ عرضداشت جو حضرتِ والا کو آپ نے بھیجی ہے نظر سے گذری، اُس میں آپ کے اذواق و مواجیدِ خاصّہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو نصیب ہوئے ہیں، مطالعہ کیے ــ اس سے بڑی مسرّت حاصل ہوئی اور حمدِ الٰہی اور اس کا شکر بجا لایا ــ اے اللہ اس ذوق کو زیادہ اور زیادہ اور زیادہ کر ــــ اللہ نے چاہا تو وطن (پھلت) پہونچنے کے بعد آپ کی خدمت میں (دوسرا) نیاز نامہ لکھوں گا ــ امید کہ دُعائے خیر میں یاد رکھیں گے ــ زیادہ کیا لکھوں ــ والسّلام ــ میاں محمد عتیق صاحب سلام مطالعہ کریں ــــ محمد فائق کی طرف سے سلام قبول فرمائیں ــ

مکتوب (۲) ـ فضائل و کمالات دستگاہ میر ابو سعید صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ ــــ

فقیر محمد عاشق کان اللہ لہٗ بعد سلام نیاز تمام میرساند کہ الحمد للہ تعالیٰ جمیع احوالِ ایں نیاز مند مستوجب حمد و شکر ایزدِ متعال است جمعیت صوری و باطنی و استقامت امورِ ظاہری و باطنی آں کرم فرمائے من از جناب مجیب الدعوات مسئول و مامول است ــ شوقے کہ بملاقاتِ فیض آیاتِ ایشاں است بر عالم الغیب و الشہادۃ نیک روشن است آنرا بزبانِ قلم دادن خلافِ طریقۂ اہلِ دل میداند لہٰذا ..... بہ دعائے دیگری پردازد ــ عنایت نامہ مشتمل بر شکایت ایذائے بعض الاقارب کا لعقارب و سعیٔ خلل اندازی ہمکاراں دیدہ کہ بفضلِ الٰہی تا زنگی در تصرف آمدہ رسیدہ ــ مطالعہ آں موجب تشویش خاطر فاتر گردید ملل بے اختیار طبعی است کہ بفضلِ الٰہی خویش مخالف را اقتدار انداختہ بچشمہ توفیق و فساق را

کرامت فرماید و مساعی مخالفت را مراد نرساند۔ بالفعل خطے در باب بذل مساعی جمیلہ درشدہ مدِ خیال ایذا و مخالفت در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بجناب ذی شان سید شمور علی خاں کہ بخدمت ایشاں ہم غالب است کہ رابطۂ اخلاص داشتہ باشد۔ نوشتہ ارسال نمودہ است۔ غالب است کہ توفیق ایں امیر خیر بیابد۔ و با نجیب الدولہ فقیر را چنداں نوشت و خواند نیست مع ہذا از مقدور دریغ نیست۔ دیگر آنکہ از مرحمت نامہ، وعدۂ توجہ با منصوب قبل رمضان یا بعد آں واضح شدہ بود۔ وعدۂ قبل رمضان خود رفت و بعدیت قریبۂ رمضان ہم تمام شد باید دید کہ تمنائے وصال کے رو نماید۔ حق سبحانہٗ زود میسر آرد امیداز خدمت گرامی آنکہ دعائے در حق ایں نیازمند مبذول شود تا حق سبحانہٗ از آفت ہستی و خود پرستی نجات کرامت فرماید۔ زیادہ بجز شوق ملاقات فیض سمات چہ نگارد والسلام اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً۔ فقیر زادہ محمد فائق سلام نیاز خود فرا یاد میدہد۔ حاجی بلال و محمد سلیم سلام نیاز میرسانند۔ دیگر التماس آنکہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشاں نوشتند نقل آں برداشتہ بایں فقیر عنایت فرمایند و ہمچنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرمایند و دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند۔

ترجمہ مکتوب (۲) ـــــ فضائل و کمالات دستگاہ میر ابوسعید سلمہم اللہ تعالٰے ـــــ فقیر محمد عاشق کان اللہ لہٗ ـــــ بعد سلام لکھتا ہے کہ الحمد للہ تمام احوال اس نیازمند کے لائق حمد و شکر ایزد تعالٰے ہیں ـــــ مجیب الدعوات سے آپ کے لیے جمعیت صوری و معنوی اور استقامت امور ظاہری و باطنی کی درخواست ہے۔ شوق ملاقات کا جو عالم ہے اُس کو عالم الغیب والشہادۃ خوب جانتا ہے۔ اس شوق کو زبان و قلم کے حوالے کرنا خلاف طریقۂ اہل دل سمجھتا ہوں لہذا...... دوسری بات لکھتا ہوں ـــــ عنایت نامہ جو بعض اقارب کی تکلیف دہی اور جائداد ـــــ جو آپ کے تصرف میں دی آئی ہے ـــــ کے کاموں میں خلل اندازی کی شکایات پر مشتمل تھا۔ پہونچا ـــــ اس کے مطالعے سے دل کو تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے میرا دل بے اختیار التجا کرتا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے مخالف کو ایذا کی قدرت نہ دے اور موافقت

کی توفیق عطا فرمائے ۔ نیز مخالف کی مساعی کو کامیاب نہ کرے ۔ مخالف کی ایذا کا اندیشہ کرتے ہوئے سرکار شجاع الدولہ بہادر میں خان ذی شان سید تہور علی خاں کو ایک خط لکھ دیا ہے غالباً وہ آپ سے بھی رابطۂ اخلاص رکھتے ہوں گے امید کہ وہ امر خیر کی توفیق پائیں گے ۔ نجیب الدولہ سے فقیر کی چنداں خط و کتابت نہیں ہے اس کے باوجود ممکن کوشش سے دریغ نہ ہوگا ۔ ایک بات یہ لکھنا ہے کہ آپ کے مرحمت نامے سے اس طرف قبل رمضان یا بعد رمضان آنے کا وعدہ واضح ہوا تھا ۔ وعدۂ قبل رمضان تو ختم ہوا ہی تھا اب رمضان کی بعدیت قریبہ بھی ختم ہوگئی دیکھا چاہیے کہ تمنائے وصال کب پوری ہو ۔ اللہ تعالیٰ جلد ملاقات میسر کرے ۔ آپ کی ذات گرامی سے یہ امید ہے کہ اس نیاز مند کے حق میں دعا کرتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ آفت خودی و خود پرستی سے نجات دے ۔ زیادہ بجز شوق ملاقات کے اور کیا لکھوں ۔ والسلام اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً فقیر زادہ محمد فائق بھی اپنا سلام یاد دلا رہا ہے ۔ حاجی بلال اور محمد سلیم اپنا سلام پہونچاتے ہیں ۔ دیگر التماس یہ ہے کہ وہ خط جو حضرت میاں صاحب (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) نے آپ کو لکھا ہے اس کی نقل کر کے اس فقیر کو عنایت فرمائیں ۔ اسی طرح خطوط سابقہ کی بھی نقل مرحمت فرمائیں اس بارے میں تغافل کو ہرگز جائز نہ رکھیں ۔

مکتوب (۳) ۔ حق سبحانہٗ ذات مجمع کمالات آں عارف المکاشف صاحب الاذواق والمواجید (را) مصدر فیوض ظاہری و باطنی گرداناد آمین برب العباد ۔ فقیر محمد عاشق عفی عنہ (بعد از) تبلیغ سلام و اظہار شوق و غرام ملاقات فیض آیات مشہود ضمیر منیر میگرداند کہ مدتے مدید و عہدے بعید بر آمدہ کہ سوائے یک مکتوب کہ مشحون حقائق و معارف جلیلہ بود نرسیدہ ۔ بنا بر آں دل این مہجور بالصبر ور مشتاق لقائے بہجت افزائے و شوق مند مطالعۂ کلمات معارف سمات می باشد ۔ اللہ تعالیٰ بمحض عنایت خویش لطیفہ انگیزد کہ حجاب بُعد صورت از میاں برخیزد و تمنائے دلی بوجہ احسن میسر آید ۔ معلوم نیست کہ دریں ایام بکدام مقام تمکن دارند ۔ امید کہ بہت آئندہ از اسرار دقائق آں اطلاع بخشند تا مشتاقاں ہم ازاں حظے و لذتے حاصل نمائیم ۔ دیگر الحمد للہ کہ

بفضل اللہ سبحانہ ما فقرائے باب اللہ دریں ایام فتن کہ بخصوصیت دریں ملک از دست بکہ..... حادثہ روداده کہ تذہل کل مرضعۃ عما ارضعت و تضع کل ذات حمل حملہا ــــ حکایت ازاں میتواں شد ــ بہمہ وجوہ محفوظ ماندیم ــ ۵

گر بر تن من زباں شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

امید کہ ایں فقیر رائع الاولاد والاحباب والاصحاب بدعائے ظہر الغیب یاد فرمایند تا در فتن صوریہ و معنویہ محفوظ مانیم و بر صراط مستقیم ثابت قدم باشیم ــ زیادہ بجز استدعائے یاد آوری چہ اظہار نماید والسلام علیکم اولاً و آخراً ــ مخدوم زادہ میر ابو العیش سلمہ اللہ سلام و شوق مطالعہ نمایند ــ فقیر زادہ محمد فائق و وحید الزماں و محمد احسان و محمد نعمان و ابو الفتح و عبد السلام سلام نیاز میرسانند حاجی بلال نیز ــ

بخدمت گرامی میاں سید علی تقی جیو صاحب کہ فقیر غائبانہ مشتاق ملاقات فیض آیات ایشان است سلام رسانند و استدعاء دعا نمایند کہ حق سبحانہ بیمن آں از آفت خودی و خود پرستی نجات کرامت فرماید و حاجی میر محمد نعمان جیو سلمہ اشتیاقیہ مطالعہ نمایند، میاں آل محمد و میاں محمد ہمام و قائم خاں سلام شوق مطالعہ نمایند ــ

---

۵ حضرت سید محمد عدل عرف سید لعل بن سید محمد بن حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی۔ آپ نے اپنے بھائی سید محمد حکم سے اخذ علوم کیا پھر اپنے والد سے طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا اور درجۂ کمال کو پہونچے اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ سرزمین اودھ میں اپنے زمانہ کے یگانۂ روزگار بزرگ تھے آپ سے مولانا ازہار الحق فرنگی محلی، مولانا ذوالفقار علی دیوی، قاضی عبدالکریم جورسی، مولانا احمدی بن محمد نعیم کرسوی، شیخ محمد یحییٰ بن محمد ضیاء جائسی، سید محمد نعمان ابن محمد نور نصیرآبادی وغیرہم کثیر التعداد علماء و مشائخ نے فیض حاصل کیا۔ ۱۱۹۲ھ میں انتقال ہوا تکیہ شاہ علم اللہ حسنیؒ میں مزار ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۶) مؤلف آئینۂ اودھ نے ص ۲۵ پر آپ کو حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کی پانچویں پشت میں بتلایا ہے جو غلط ہے ــ درحقیقت آپ حضرت شاہ علم اللہ قدس سرہ کے ابن الابن ہیں ــ یعنی دوسری پشت میں ہیں۔

ترجمہ مکتوب (۳) ——— اللہ تعالیٰ آں عارفِ مکاشف، صاحبِ اذواق و مواجید کو مصدرِ فیوضِ ظاہری و باطنی بنائے آمین ——— فقیر محمد عاشق عفی عنہ تبلیغ سلام اور اظہارِ شوقِ ملاقات کے بعد لکھتا ہے کہ ایک مدت دراز ہوگئی کہ سوائے ایک مکتوب کے جو کہ حقائق و معارفِ جلیلہ سے بھرا ہوا تھا اور کوئی مکتوب نہیں پہونچا اس بنا پر اس مہجور کا دل مشتاقِ دیدار اور شوق مند مطالعہ کلماتِ معارف رہتا ہے! اللہ تعالیٰ محض اپنے کرم سے ایسی صورت پیدا کر دے کہ یہ ظاہری پردۂ دوری درمیان سے اٹھ جائے اور تمنائے دلی بوجہ احسن میسر آئے ——— معلوم نہیں کہ ان دنوں آپ کون سے مقامِ سلوک پر فائز ہیں، مجھے امید ہے کہ کسی آنے والے کے ہاتھ اپنے (موجودہ) اسرار و آثار سے اطلاع بخشیں گے تاکہ ہم مشتاق بھی اس سے حظ و لطف حاصل کرلیں ——— دوسری بات یہ ہے کہ الحمد للہ ہم آستانۂ خداوندی کے فقیران ایامِ فتن میں کہ خصوصیت کے ساتھ اس علاقے میں سکھوں کے ہاتھ سے حادثہ رونما ہوا اور جو قیامت کا نمونہ تھا ——— بہمہ وجوہ محفوظ رہے ——— اگر جسم کے تمام رونگٹے زبان بن جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کا ہزار میں سے ایک شکر ادا نہیں ہوسکتا ——— امید ہے کہ اس فقیر کو اور اس کی اولاد، احباب اور اصحاب کو غائبانہ دعا سے یاد کرتے رہیں گے تاکہ ہم ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ اور صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہیں۔ زیادہ بجز استدعائے یادآوری اور کیا لکھوں۔ والسلام علیکم اولاً و آخراً۔ مخدوم زادہ ابوالفیض سلمہٗ سلام و شوق مطالعہ کریں، فقیر زادہ محمد فائق کے علاوہ، وحید الزماں، محمد احسان، محمد نعمان، ابوالفتح، عبدالسلام، سلام کہتے ہیں اور حاجی بلال بھی ——— میاں سید لعل صاحب کی خدمتِ گرامی میں ——— کہ فقیر غائبانہ ان کا مشتاقِ ملاقات ہے ——— سلام پہونچا دیں ——— اور دعا کی استدعا کریں تاکہ حق تعالیٰ اس دعا کی برکت سے مجھے آفتِ خودی و خود پرستی سے نجات بخشے ——— حاجی میر محمد نعمان سلمہٗ اور میاں محمد ہمام اور قائم خاں سلام شوق مطالعہ کریں۔

مکتوب (۴) بگرامی خدمت حقائق آگاہ و معارف دستگاہ سلالۂ ساداتِ عظام

نقاوۂ دودمان سلف کرام میر ابوسعید جیو سلمہم اللہ تعالیٰ ـــ فقیر محمد عاشق عفی عنہ بعد اہدائے سلام واشواق واضح میگرداند کہ عنایت نامہ، مُنبی از قدوم بہجت لزوم در اسعد ساعات ورود نمود بمطالعۂ آں ابواب خوشی وشادی ہر چہ تمام تر بر روئے دل مُستہام کشود ـــ از روزیکہ شقۂ شریف مُشعر از توجہ بایں دیار وتشریف آوری تا بلشکر رسیدہ بود ہمیشہ انتظار قدوم مسرت لزوم میداشت خصوصاً دریں روزہا کہ لشکر بایں سمت متوجہ شدہ، شب وروز گوش بر آواز مژدہ میداشت ـــ الحمد للہ کہ آں نوید فرحت جاوید رسید اشواق دل مُقتضی آں بود کہ بمجرد اصغائے ایں مژدہ بتعجیل ہر چہ تمام تر خود را بخدمت رساند لیکن بعضے مخلصان کہ دلداری شاں نیز از اہم مہمات است سدِّ راہ تعجیل شدند پس جہت ضرورت توقف بمیاں آمد ـ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب میرسم بخاطر جمع در آنجا کہ خانۂ ایشاں است تشریف دارند ودر دل صفا منزل، تشویش را راہ ندہند ان شاء اللہ تعالیٰ زود ایں فقیر را رسیدہ دانند واز مژدۂ آنکہ مکاتیب فیض اسالیب حضرت قبلہ ام رضی اللہ عنہ ہمراہ شریف آوردہ اند نہایت شادی روئے آورد ـ شکر ایں عنایت بکدام زبان نمودہ آید کہ از احصائے خارج است ـ زیادہ بجز التماس اینکہ بخاطر جمع در آنجا تشریف دارند ایں فقیر زود میرسد ـ چہ اظہار نماید والسلام از فقیر زادہ محمد فائق سلام نیاز مطالعہ نمایند ـ حاجی ہلال وغیرہ سلام نیاز می رسانند ـ بعالی ہمت شاہ اہل اللہ آداب وتسلیمات ملتمس است، محمد مقرب اللہ ومیاں محمد شاہ ودرحم علی وہمہ یاران سلام مطالعہ نمایند ـ فقط

ترجمہ مکتوب (۲) ـــ حقائق آگاہ معارف دستگاہ..... میر ابوسعید صاحب سلمہم اللہ کی خدمت میں فقیر محمد عاشق عفی عنہ بعد ہدیۂ سلام وشوق فراواں واضح کرتا ہے کہ عنایت نامہ جو قدوم بہجت لزوم کی اطلاع دینے والا تھا سعید ترین ساعت میں وارد ہوا. اس کے مطالعے سے مسرت وخوشی کے دروازے کامل طریقے سے دل پریشاں پر کھل گئے ـــ (اس سے پہلے) اُس روز سے جبکہ آپ کا رقعہ اس علاقے کی طرف توجہ فرمانے اور لشکر تک تشریف لانے کا پہونچا تھا ہمیشہ انتظار قدوم

سخت لزوم تھا ـــــ خصوصاً ان ایام میں کہ لشکر اس طرف متوجہ ہوا ہے۔ شب و روز اپنے کانوں کو آپ کی تشریف آوری کی خوشخبری سننے کی طرف متوجہ رکھتا تھا ـــــ الحمد للہ کہ وہ نوید فرحت جاوید[1] پہونچی۔ شوق دل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس خبر کو سنتے ہی ممکن تعجیل کے ساتھ خود کو آپ کی خدمت میں پہونچا دوں لیکن بعض مخلصین کہ اُن کی دلداری بھی بہت ضروری ہے تعجیل سے مانع ہوئے ـــــ پس ضرورت کی وجہ سے چند روز کا توقف ہوگیا اللہ نے چاہا تو جلد پہونچ رہا ہوں۔ اطمینان کے ساتھ وہاں (پھلت میں) تشریف رکھیں وہ گھر آپ ہی کا ہے ـــــ دل صفا منزل میں کسی قسم کی تشویش کو راہ نہ دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد اس فقیر کو وہاں پہونچا ہوا جانیں۔ اس خوشخبری سے کہ آپ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) کے مکتوبات بھی اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ بہت ہی خوشی رونما ہوئی آپ کی اس مہربانی کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے کہ احاطۂ [illegible] سے خارج ہے۔ زیادہ بجز اس ہکر یا التماس کے کہ اطمینان کے ساتھ وہاں تشریف رکھیں فقیر جلد پہونچ رہا ہے ـــــ اور کیا اظہار کروں ـــــ فقیر زادہ محمد فائق کی طرف سے سلام مطالعہ فرمائیں۔ حاجی بلال وغیرہ بھی سلام پیش کرتے ہیں ـــــ بعالیحضرت شاہ اہل اللہ (پھلتی) سلام عرض ہے، محمد مقرب اللہ۔ میاں محمد شاہ اور رحم علی نیز (پھلت کے) تمام احباب سلام مطالعہ فرمائیں۔

مکتوب (۵) .... الحمد للہ تا حالت تحریر کہ بست و دوم شہر ذی قعدہ سن ہشتاد بعد الالف و المائۃ است، احوال ایں فقیر مع صغیر و کبیر مستوجب شکر و ثنائے حق جل

---

[1] اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ جب پھلت ضلع مظفر نگر پہنچے تو شاہ محمد عاشق پھلتی مع اہل و عیال دہلی میں تھے۔ تشریف آوری حضرت شاہ ابو سعیدؒ کی خوشخبری آپ کو دہلی میں ملی ـــــ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وصال ہو چکا ہے ـــــ پچھلے مکتوب میں حضرت شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا مطالبہ حضرت شاہ محمد عاشقؒ نے کیا تھا اب وہ اس تقاضے کے مطابق مکتوبات ہمراہ لائے ہیں۔ یہ مکتوبات وہی ہیں جن کا پہلی قسط میں اندراج ہو چکا ہے ـــــ کتنی خوشی ہو مکتوبات کے ہمراہ لانے کی۔ درحقیقت اسی شوق و ذوق نے بزرگوں کے قلمی تبرکات کو ہم تک پہونچانے میں مدد دی ہے۔

است ..... گاہ گاہ مصحوب آیندگان ایں صوب از کوائف عافیت واز اذواق و مواجید خاصہ خویش شرف اطلاع بخشیدہ باشند ـــ واشتیاق بوصال فیض مالامال چہ نویسد کہ بہ تحریر نمی گنجد .... ہ

اشتیاقیکہ بدیدار تو دارد دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من

بعد ہٰذا آنکہ فقیر بحسب قسمت در موضع نوگانواں سادات کہ قریب بلدۂ امروہہ است رسیدہ بود در آنجا معلوم شد کہ پسر غلام انبیاء کہ عاشق علی نام دارد بے رخصت از خانہ ہمراہ دو یک اطفال دیگر عزم آں دیار کردہ و از مدتے از حال وے خبرے نرسیدہ ازیں جہت جدّ و مادر وے اضطراب تمام دارند و پدر وے شنیدہ است کہ مشار الیہ بخدمت شریف رسیدہ بود و چند روز اقامت نمودہ ـــ بنابراں ازیں فقیر استدعائے کردہ کہ بخدمت گرامی خطے متضمن استفسار احوال وے نویسد لہذا متصدع اوقات شریف گردیدہ ـ اگر آں سید زادہ در آنجا بودہ باشد یا از احوال وے اطلاع باشد البتہ اطلاع بخشند زیادہ بجز استدعائے دعائے ظہر الغیب چہ التماس نمودہ آید ـ والسلام مع الاکرام ـ میر ابو النعیش سلام شوق مطالعہ نمایند، میر محمد نعمان سلام مطالعہ فرمایند ـــ از میاں آل محمد، میاں رحم علی و میاں غلام امام و محمد قاسم سلام مطالعہ باد ـــ دیگر آنکہ صاحبزادہائے مع قبائل باخیر وخوبی در بڈھانہ تشریف می دارند ـ میاں اہل اللہ صاحب و شاہ نور اللہ جیو بخیریت اند ـــ محمد فائق و محمد مقرب اللہ و حمید الزماں و محمد احسان و میاں محمد جواد و حاجی بلال و جمیع خورد و کلاں بخیریت اند و بخدمت شریف سلام می رسانند ـ

ترجمہ مکتوب (۵) .... الحمد للہ اس وقت تک کہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۱۱ھ ہے ـ اس فقیر کے حالات مع صغیر و کبیر لائق شکر و ثنائے حضرت حق ہیں ..... کبھی کبھی اس طرف کے آنے والوں کے ہاتھ اپنے کوائف عافیت اور اذواق و مواجید خاصہ سے مطلع فرماتے رہا کریں ـ شوق ملاقات کا حال کیا لکھوں کہ احاطۂ تحریر میں نہیں سما

سکتا ......ہ

اشتیاقیکہ بدیدار تو دارد دلِ من[1]

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

اس کے بعد تحریر ہے کہ فقیر بجب قسمت موضع توگانواں سادات[2] جو کہ شہر امروہہ کے قریب ہے گیا تھا وہاں معلوم ہوا کہ (سید) غلام انبیاء[3] کا لڑکا جس کا نام عاشق علی ہے گھر والوں کی اجازت کے بغیر دو ایک لڑکوں کے ساتھ اس طرف (اودھ) کو چلا گیا ہے اور ایک مدت سے اس کے حال کی کوئی خبر نہیں آئی اس وجہ سے اس کے ماں باپ بہت مضطرب ہیں۔ اس کے باپ نے سُنا ہے کہ عاشق علی مذکور آپ کی خدمت میں بھی پہونچا تھا اور چند روز (رائے بریلی میں) اقامت کی تھی اس بنا پر انھوں نے (سید غلام انبیاء نے) مجھ سے استدعا کی کہ میں ایک خط آپ کو اُس کے احوال کے استفسار میں لکھوں اسی وجہ سے میں آپ کے اوقات شریف میں خلل انداز ہو رہا ہوں۔ اگر وہ سید زادہ وہاں ہو یا اس کے احوال سے اطلاع ہو تو ضرور ضرور تحریر فرمائیں ــــ زیادہ بجز غائبانہ دعائے خیر کے آپ سے اور کیا التماس کیا جائے والسلام : مع الاکرام میر ابو العیش سلام شوق مطالعہ کریں اور میر محمد نعمان بھی سلام مطالعہ کریں، میاں آل محمد، میاں رحم علی، میاں غلام امام اور محمد قاسم کی طرف سے آپ سلام مطالعہ فرمائیں ــــ دوسری بات یہ ہے کہ (اس وقت) صاحبزادگانِ حضرت شاہ صاحبؒ مع متعلقین بخیر و عافیت قصبہ

---

[1] کتنا وجد انگیز اور کیف آور شعر ہے ــ یہ اُن اشعار میں سے ہے جن کا ترجمہ کرنا اصل کیفیت کا زائل کرنا اور بے ذوقی کا ثبوت دینا ہے ــ

[2] توگانواں سادات امروہہ سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود قدس سرہ کے داماد سید بدرالدین اسحٰقؒ کی اولاد میں یہاں کے اکثر باشندے ہیں مگر ایک دو گھر چھوڑ کر سب شیعہ ہو گئے ہیں۔ اب تقریباً دو سو سال پیشتر تک اس بستی کے اندر کئی خانقاہیں تھیں آج ایک کا بھی نشان نہیں۔

[3] اللہ تعالیٰ نے سید غلام انبیاء اور ان کے صاحبزادے عاشق علی اور عاشق علی کی نسل کو اہلسنت و جماعت کے مسلک پر قائم رکھا۔ حاجی سعادت علی بن عاشق علی کا ذکر خیر انوار العارفین اور تذکرۃ الکرام میں بحیثیت ایک اہل دل درویش کامل کے موجود ہے۔ حاجی [illegible] کا سفر حج سے واپسی میں انتقال ہوا تھا۔ (انوار العارفین)

بڑھانہ ضلع مظفر نگر میں تشریف رکھتے ہیں۔ میاں اہل اللہ صاحب اور شاہ نور اللہ صاحب بخیریت ہیں۔ محمد فائق، محمد مقرب اللہ، وحید الزماں، محمد احسان، میاں محمد جواد، حاجی بلال اور تمام خرد و کلاں بخیریت ہیں اور آپ کی خدمت میں سلام پہونچاتے ہیں۔

مکتوب (۶) بنام سید ابو اللیث ملقب بخواجہ ابو العیش صاحبزادہ حضرت شاہ سید ابو سعید حسنی رائے بریلوی

سلالۂ سیادت، خلاصۂ نجابت خواجہ ابو العیش عاش سعیداً و حمیداً از فقیر محمد عاشق عفی عنہ بعد سلام و ادعیۂ درویشاں مطالعہ نمایند کہ اطوار سعادت آں نقاوۂ صفوت و شوق ملاقات ایں فقیر مسموع گردید ازیں معنی نہایت فرح و سرور بدل رسید حق سبحانہٗ ملاقات باحسن وجوہ میسر کناد و سعادت مند کونین رابترقیات کمالات صوری و معنوی باقصی الغایات رساناد و از علم و فضل بہرۂ وافی بخشاد و در شریعت و طریقت تقوی و طہارت رسوخ کمال کہ موروث خاندان حضرت میر صاحب قدس سرہ است کناد و در سیر حقیقت باعلی المراتب فائز گرداناد و السلام علیکم اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً۔ از فقیر زادہ محمد فائق سلام مشتاقانہ مطالعہ نمایند۔

ترجمہ۔۔۔ سلالۂ سیادت خلاصۂ نجابت ..... فقیر محمد عاشق عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام اور درویشانہ دعاؤں کے مطالعہ کریں۔ تمھاری سعادتمندی کا طور طریق اور اس فقیر سے تمھارا شوق ملاقات سننے میں آیا اس بنا پر دل کو بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ باحسن وجوہ تم سے ملاقات میسر کرائے اور سعادتمند کونین کو (یعنی تمھیں) کمالات صوری و معنوی میں ترقی عطا کرکے انتہائی درجے پر پہونچائے نیز علم و فضل سے بہت کچھ حصہ عنایت کرے اور شریعت و طریقت، تقوی و طہارت میں۔۔۔ جو کہ حضرت شاہ میر علم اللہ قدس سرہٗ کی میراث ہے۔ کمال نصیب کرے اور سیر حقیقت میں اعلیٰ مرتبے پر فائز فرمائے۔

والسلام اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً

فقیر زادہ محمد فائق کی طرف سے سلام مشتاقانہ مطالعہ کریں۔

(تصحیح متعلق قسط اوّل۔ ص ۱۶ سطر ۲ میں لفظ "فاطر" کو "فاتر" بنالیا جائے۔)

تحقیق کے نئے گوشے

(از :- جناب وحید الدین خاں صاحب)

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب " الغزالی " کے دوسرے حصہ میں " معاد یا حالات بعد الموت " کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ــــــــ " مذہب کی رُوح رواں جو کچھ کہو ، معاد کا اعتقاد ہے ۔ مذہب میں جو کچھ تاثیر ہے اور افعال انسانی پر مذہب کا جو اثر پڑتا ہے ، وہ اسی اعتقاد کی بدولت ہے ۔ لیکن جس قدر وہ مہتم بالشان ہے اسی قدر عسیر التصور ہے ۔ ایک بدوی شاعر الحاد کے لہجہ میں کہتا ہے :-

أموتٌ ثم بعثٌ ثم نشرٌ — مرنا ، پھر زندہ ہونا ، پھر چلنا پھرنا !
حديثُ خرافةٍ يا امَّ عمرٍو — میری بیگم ! یہ تو خرافات کی باتیں ہیں

اس مرحلے میں جو مشکلیں ہیں ، ان میں پہلا اور سب سے مشکل بقائے روح کا مسئلہ ہے ۔ یعنی یہ ثابت کرنا کہ روح جسم سے جدا کوئی چیز ہے ۔ مادیین کا خیال ہے کہ روح کوئی جداگانہ چیز نہیں ، بلکہ جس طرح دواؤں کی ترکیب دینے سے ایک مزاج خاص پیدا ہو جاتا ہے یا تاروں کی خاص ترکیب سے خاص خاص راگ پیدا ہوتے ہیں ، اسی طرح عناصر کی خاص طور پر ترکیب پانے سے ایک مزاج خاص پیدا ہو جاتا ہے جو ادراک اور تصور کا سبب ہوتا ہے اور اسی کا نام روح ہے ۔

روح کے ثابت کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ اس کی بقا کا ثابت کرنا ہے یعنی یہ کہ جسم کے فانی ہونے پر وہ باقی رہ سکتی ہے ۔" (صفحہ ۱۰۱-۱۰۲)

اس کے بعد مضنون صغیر اور مضنون کبیر سے امام غزالی کے خیالات ان مباحث

پر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :- " امام صاحب نے روح کی جو حقیقت بیان کی اور اس پر جو دلائل پیش کئے ، یونانیوں سے ماخوذ ہیں۔ ارسطو نے اثولوجیا میں بعینہ یہی تقریر کی ہے۔ اور بوعلی سینا نے اس کو مختلف پیرایوں میں آب و رنگ دے کر ادا کیا ہے ، لیکن یہ امر بظاہر تعجب انگیز ہے کہ جو سب سے مقدم امر تھا یعنی روح کا اثبات ، امام صاحب نے اسی کو چھوڑ دیا۔ روح کا جوہر ہونا ، غیر جسمانی ہونا ، یہ فرعی امور ہیں۔ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ روح کوئی شے بھی ہے یا نہیں " (صفحہ ۱۷۴)

اس کے بعد اپنی طرف سے لکھتے ہیں ——— " اصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک و تعقل محض مادہ کا کام نہیں۔ مادہ ایک بے حس ، بے جان اور لایعقل چیز ہے۔ دقیق خیالات اور علوم و فنون مادہ سے انجام نہیں پا سکتے۔ بلکہ کوئی اور جوہر لطیف ہے جس سے یہ کرشمے سرزد ہوتے ہیں اور اسی کا نام روح ہے لیکن یہ استدلال وجدانی ہے۔ (بوعلی سینا نے روح کے اثبات پر اشارات میں لمبی چوڑی دلیل پیش کی ہے ، لیکن وہ یونانیوں کے عام دلائل کی طرح صرف لفظوں کا کھیل ہے) اگر کوئی منکر ، انکار پر آمادہ ہو اور کہے کہ ——— " تم نے جو کچھ کہا عین دعوے کا اعادہ ہے ، دلیل نہیں۔ ممکن ہے مادہ ہی ایک خاص ترکیب پاکر ان نیرنگیوں کا مظہر ہو۔ کلوں سے جو عجیب و غریب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں ، ارغنون سے جو دلکش اور موثر نغمے پیدا ہوتے ہیں ، ان میں روح کا کون سا شائبہ ہے " تو ہم دلیل سے اس کی زبان بند نہیں کرسکتے۔ یہی سبب تھا کہ امام صاحب نے روح کے ثبوت پر کوئی منطقی دلیل نہیں پیش کی " (صفحہ ۱۷۵)

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے اس بحث کو یہیں ختم کر دیا ہے اور ایک عالم کی ۱۹۰۱ء کی تصنیف میں شاید اتنا ہی کہا بھی جا سکتا تھا۔ مگر میں اس پر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جدید تحقیقات نے واقعات و حقائق کے کچھ ایسے نئے گوشے کھولے ہیں جس کے بعد ایک حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کا جسم سے الگ ایک مستقل وجود ہونا یا جسم کے فنا ہونے کے بعد روح کا باقی رہنا محض وجدانی چیز نہیں رہا ، بلکہ ایک ایسی حقیقت بن چکا ہے جس کو تجرباتی دلیل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

جسم کے بارے میں سائنس نے دریافت کیا ہے کہ وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے خلیوں (CELLS) کا مرکب ہے جن کی تعداد ایک متوسط جسم میں ایک ہزار ارب کے قریب ہوتی ہے۔ یہ خلیے ہر آن ٹوٹ کر ختم ہوتے رہتے ہیں۔ غذا ہضم ہو کر ہمارے جسم کے لئے وہ خلیے مہیا کرتی ہے جو ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے ہر روز درکار ہوتے ہیں۔ گویا جسم نام ہے ایک ایسی عمارت کا جو کھربوں اینٹوں سے مل کر بنا ہو اور ہر آن اپنی اینٹوں کو بدلتا رہتا ہو۔ اب اگر روح جسم ہی کا ایک مظہر ہے تو جس طرح مشین کا ایک پرزہ ٹوٹنے سے پوری مشین متاثر ہو جاتی ہے اور باجے کا ایک تار خراب ہونے سے اس کی آواز پر اثر پڑ جاتا ہے اسی طرح جسم کے مرکبات بدلنے یا ضائع ہونے سے روح میں بھی تبدیلیاں ہونی چاہئیں مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم سے الگ ایک چیز ہے جو بذات خود اپنا وجود رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک سائنسداں نے انسانی ہستی کو اس کے جسم کے مقابلے میں ایک ایسی مستقل بالذات چیز قرار دیا ہے جو مسلسل تغیرات کے اندر غیر متغیر حالت میں اپنا وجود باقی رکھتی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں :-

PERSONALITY IS CHANGELESSNESS IN CHANGE

اس خیال کی مزید تصدیق نفسیات کے اُس انکشاف سے ہوتی ہے جس کو تحت شعور یا لاشعور کہا جاتا ہے اور جو انسانی ذہن کا نسبتاً زیادہ بڑا حصہ ہے۔ لاشعور کے بارے میں اب یہ تقریباً مسلمہ طور پر مان لیا گیا ہے کہ جو خیالات اس کے اندر جگہ پاتے ہیں وہ تاحیات بالکل یکساں حالت میں باقی رہتے ہیں۔ فرائڈ اپنے اکتیسویں لکچر میں کہتا ہے :-

"منطق کے قوانین علی الخصوص اضداد کے اصول کو، لاشعور کے عمل پر حاوی نہیں ہوتے مخالف خواہشات ایک دوسرے کو زائل کئے بغیر اس میں پہلو بہ پہلو ہمیشہ موجود رہتی ہیں ...... لاشعور میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفی سے مشابہت رکھتی ہو اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ لاشعور کی دنیا میں فلسفیوں کا یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کہ ہمارے تمام دماغی افعال وقت اور فاصلہ کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ لاشعور کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو وقت کے تصور سے مطابقت رکھتی ہو۔ لاشعور میں

وقت کے گزرنے کا کوئی نشان نہیں اور یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جس کے معنی سمجھنے کی طرف ابھی تک فلسفیوں نے پوری توجہ نہیں کی کہ وقت کے گزرنے سے ذہنی عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایسے خیالات (CONATIVE IMPULSES) جو کبھی لاشعور سے باہر نہیں آئے بلکہ وہ ذہنی تاثرات بھی جنھیں روک کر لاشعور میں دبا دیا گیا ہو، فی الواقع غیر فانی ہوتے ہیں۔ اور دسیوں سال تک اس طرح محفوظ رہتے ہیں گویا ابھی کل وجود میں آئے ہیں"

NEW INTRODUCTORY LECTURES ON PSYCHO-ANALYSIS (LONDON 1949) P.99

لاشعور کے عمل کا وقت کی گرفت سے آزاد ہونا، ظاہر کرتا ہے کہ لاشعور جسم سے الگ اپنا کوئی وجود رکھتا ہے۔ کیونکہ جسم کے بارے میں یہ مسلّم ہے کہ وہ وقت اور فاصلہ کے قوانین کا پابند ہے اور انھیں حدود کے اندر اسکے تمام مظاہر واقع ہوتے ہیں۔ اب اگر روح جسم ہی کا ایک ظہور خاص ہوتی تو جسم کی طرح اس کو بھی لازماً وقت اور فاصلہ کے قوانین کا پابند ہونا چاہیئے تھا اور جبکہ تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہے تو اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ روح اپنی نوعیت میں جسم سے مختلف ایک چیز ہے جو اس سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔ جسم سے روح کا تعلق مشین اور حرکت یا باجے اور راگ کا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جس طرح حرکت اور راگ پر بعینہ وہی قوانین مرتب ہوتے ہیں جو مشین اور باجے پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح روح پر بھی یقیناً انھیں قوانین کا ترتب ہوتا جو جسم کے اوپر اثر انداز ہوتے ہیں۔

دوسری چیز جس کا میں یہاں حوالہ دینا چاہتا ہوں وہ سائیکیکل تحقیقات (PSYCHICAL RESEARCH) کے نتائج ہیں جو خالص تجرباتی اور مشاہداتی سطح پر موت کے بعد زندگی کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ اس میں ہمارے نقطۂ نظر سے مزید دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہ بقائے محض کو ثابت نہیں کرتے بلکہ عین اس شخصیت کی بقا کو ثابت کرتے ہیں جس سے ہم موت سے پہلے واقف تھے۔

انسان کی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو بذات خود تو پہلے سے موجود تھیں مگر ان پر سائنسی انداز سے غور و فکر نہیں ہوا تھا۔ مثلاً خواب دیکھنا انسان کی قدیم ترین خصوصیت ہے۔ مگر جدید دور میں خواب کے مطالعہ سے جو نفسیاتی حقائق معلوم کئے گئے ہیں' ان سے قدیم دور کے لوگ ناآشنا تھے۔ اسی طرح کچھ اور مظاہر ہیں جن کے متعلق موجودہ زمانے میں باقاعدہ اعداد و شمار جمع کیے گئے اور سائنسی انداز سے ان کا تجزیہ کیا گیا۔ اس طرح جدید مطالعہ کے ذریعہ ان واقعات سے نہایت اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ انہی میں سے ایک سائی کیکل ریسرچ ہے جو جدید نفسیات کی ایک شاخ ہے اور جس کا مقصد انسان کی مافوق العادت صلاحیتوں کا تجرباتی مطالعہ ہے۔ اس قسم کی تحقیقات کے لئے سب سے پہلا ادارہ ۱۸۸۲ء میں انگلینڈ میں قائم ہوا اور ۱۸۸۹ء میں اس نے سترہ ہزار اشخاص سے رابطہ قائم کر کے وسیع پیمانے پر اپنی تحقیقات شروع کر دیں۔ یہ اب بھی مطالعۂ نفسیات کا ادارہ (SOCIETY FOR PSYCHICAL RESEARCH) کے نام سے موجود ہے اور اسی نوعیت کے دوسرے ادارے دوسرے ملکوں میں کام کر رہے ہیں۔ ان اداروں نے مختلف مظاہروں اور تجربات کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی شخصیت کسی پر اسرار شکل میں باقی رہتی ہے۔

ایک سفری ایجنٹ مسوری (امریکہ) میں سینٹ جوزف ہوٹل کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا اپنے آرڈر نوٹ کر رہا تھا کہ "یکایک" وہ لکھتا ہے "مجھے احساس ہوا کہ میرے دائیں جانب کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا تو صاف طور پر مجھے نظر آیا کہ وہ میری بہن ہے۔" اس کی یہ بہن نو سال پہلے مر چکی تھی۔ کچھ دیر بعد بہن کا یہ پیکر اس کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ مگر اس واقعہ سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اپنا سفر جاری رکھنے کے بجائے وہ دوسری ٹرین سے اپنے وطن سینٹ لوئی (ST. LOUIS) واپس ہو گیا۔ گھر آکر اس نے واقعہ کی پوری تفصیل اپنے اعزہ کو بتائی۔ جب وہ کہتے کہتے اس جملہ پر پہنچا کہ ـــ "میں نے بہن کے چہرے کے دائیں طرف سرخ رنگ کی ایک روشن خراش دیکھی۔" تو اس کی ماں یکایک کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور اس نے بتایا کہ "لڑکی کی موت کے بعد

یک اتفاقی سبب سے مجھ سے یہ خراش اس کے چہرے پر پڑ گئی تھی۔ اس بدنمائی کا مجھے سخت احساس ہوا اور فوراً پاؤڈر لگا کر میں نے خراش کے تمام آثار اس کے چہرے سے مٹا دیئے اور پھر کبھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔"

HUMAN PERSONALITY AND ITS SURVIVAL OF BODILY DEATH, BY F.W.H. MYERS, N.Y. 1903, VOL. II, 27-30

اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو مرنے کے بعد شخصیتوں کی موجودگی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کو وہم و خیال نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ چہرے کی خراش کا علم یا تو ماں کو تھا یا مردہ لڑکی کو۔ تیسرا کوئی بھی شخص اس کو قطعاً نہیں جانتا تھا۔

دوسرے قسم کے واقعات جو زندگی بعد موت کا تجرباتی ثبوت فراہم کرتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خود کار (AUTOMATISTS) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مرد یا عورتیں ہیں جن سے ایسے افعال ظاہر ہوتے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی مرنے والے کی روح اس کے اندر رہتی ہے۔ ایسا شخص اپنے تجربہ کرنے والوں کے سامنے چند ایسے جزئی واقعات پیش کرتا ہے جن کو صرف ایک مرا ہوا آدمی جانتا ہے اور جو چند دن بعد صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مثلاً دیکھا جاتا ہے کہ وہ کسی شخص سے بات کر رہا ہے اور اسی کے ساتھ ہاتھ میں پنسل لئے ہوئے بالکل دوسرے موضوع پر لکھ رہا ہے جس کے مضمون کی اسے خود بھی اس وقت تک اطلاع نہیں ہوتی جب تک وہ لکھنے کے بعد اسے پڑھ نہ لے۔ گویا اس کے اندر اس کے سوا کوئی اور شخصیت ہے جو اس کے ہاتھ سے لکھوا رہی ہے۔

A PHILOSOPHICAL SCRUTINY OF RELIGION, 407-10

اس استدلال کو قبول کرنے میں بہت سے جدید ذہنوں کو تامل ہے۔ سی، ڈی، براڈ (C. D. BROAD) لکھتا ہے:۔

"سائیکیکل ریسرچ کے شعبہ کے استثنا کے علاوہ سائنس کی مختلف شاخوں میں سے کوئی شاخ زندگی بعد موت کا ادنی امکان بھی ثابت نہیں کرتی۔"

RELIGION, PHILOSOPHY AND PSYCHICAL RESEARCH
(LONDON 1953) P. 236

مگر یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ " سوچنا " ایک مشتبہ فعل ہے۔ کیونکہ انسان کے سوا کوئی ایسا وجود اس کائنات میں ہمارے تجربے میں نہیں آیا جو " سوچنے " کے مظہر کی تصدیق کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ زندگی کا باقی رہنا یا باقی نہ رہنا ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اس لئے نفسیات ہی سے اس کا ثبوت یا عدم ثبوت ملے گا۔ کسی اور سائنس میں اسکی تصدیق ڈھونڈنا ایسا ہی ہے جیسے سوچنے کے فطری مظہر کو سمجھنے کے لئے نباتات اور فلزیات سے تصدیق طلب کی جائے۔ یہی نہیں، بلکہ خود انسان کے جسمانی حصے کے مطالعہ کو بھی اسکی تصدیق یا تردید کے لئے بنیاد بنایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جس چیز کی بقا کا دعویٰ کیا گیا ہے، وہ موجودہ مادی جسم نہیں، بلکہ وہ روح ہے جو جسم سے ماسوا جسم کے اندر موجود رہتی ہے۔

چنانچہ فلسفہ نفسیات کے بہت سے علماء جنھوں نے ان شواہد کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا ہے، وہ زندگی بعد موت کو بطور واقعہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ براؤن یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر رہے، ڈوکاس (C. J. DUCASSE) نے اپنی کتاب کے سترھویں باب میں زندگی بعد موت کے تصور کا فلسفیانہ اور نفسیاتی جائزہ لیا ہے۔ پروفیسر موصوف اگرچہ مذہب کے معنوں میں اخروی زندگی کے تصور پر عقیدہ نہیں رکھتے مگر ان کا خیال ہے کہ ایسے شواہد موجود ہیں کہ مذہب کے عقیدے سے الگ کر کے زندگی کے بقا کو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ اس باب کے آخری حصے میں وہ سائیکیل ریسرچ کی تحقیقات کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں:۔

" کچھ بہت ہی ذہین اور نہایت ذی علم افراد جنھوں نے سالہا سال تک نہایت تنقیدی نظر سے متعلقہ شہادتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کم از کم کچھ شواہد ایسے ضرور ہیں جن میں صرف بقائے روح کا مفروضہ ———— (SURVIVAL HYPOTHESIS) ہی معقول اور ممکن نظر آتا ہے۔ ان کی دوسری کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ اس مفروضے کے انتہائی نمایاں افراد میں سے

چند کے نام یہ ہیں:-

الفرڈ رسل ولیس (ALFRED RUSSEL WALLACE)

سر ولیم کروکس (SIR WILLIAM CROOKES)

ایف، ڈبلیو، اتچ، میرس (F. W. H. MYERS)

کیسر لومبراسو (CESARE LOMBROSO)

کیمل فلیمیرین (CAMILLE FLAMMARION)

سر اولیور لاج (SIR OLIVER LODGE)

ڈاکٹر رچرڈ ہاگسن (DR. RICHARD HODGSON)

مسز ہنری سڈوک (MRS. HENRY SIDGWICK)

پروفیسر ہسلوپ (PROFESSOR HYSLOP)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد زندگی کا عقیدہ جس کو بہت سے لوگ مذہبی طور پر مانتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ صحیح ہو سکتا ہے بلکہ شاید وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کو تجرباتی دلیل (EMPIRICAL PROOF) سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو تو قطع نظر اس من گھڑت کے جو زندگی بعد موت کی نوعیت کے متعلق اہل مذاہب نے فرض کر لی ہے، قطعی معلومات بالآخر اسکے بارے میں حاصل ہو سکیں گی مگر ایسی صورت میں اسکی مذہبی نوعیت کو ماننا ضروری نہیں ہوگا۔"

A PHILOSOPHICAL SCRUTINY OF RELIGION, P. 412

یہاں تک پہنچنے کے بعد زندگی بعد موت کے متعلق مذہبی عقیدے کو نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسے کسی دیہاتی آدمی کا اصرار ہو کہ ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ دو آدمی ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے آپس میں بات کر لیں۔ اس کے بعد اس کے ایک عزیز کو دور کے شہر سے ٹیلی فون کر کے ریسیور اس کے کان پر لگا دیا جائے۔ مگر جب وہ بات کر چکے تو کہے ــــ "کیا ضروری ہے کہ وہ میرے عزیز کی آواز ہو، ہو سکتا ہے کوئی مشین بول رہی ہو۔"

دربارِ عالمگیری

(از مولانا مصطفےٰ حسن علوی۔ ایم اے پی ایچ ڈی)

(۲)

ملا جیون کی تصانیف یوں تو عام طور پر مشہور معلومات یہی ہیں کہ ملا جیون نے نور الانوار اور تفسیر احمدی یہ دو کتابیں لکھی تھیں لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے، غالباً یہ شہرت اس بنیاد پر ہے کہ نور الانوار مطبوع ہو کے درس نظامیہ کے نصاب میں عام طور پر مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے اور عموماً تذکرہ نویس تفسیر احمدی کا بھی ذکر دیتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہ ہے کہ آپ کی عمر ابھی ۱۴ سال سے قدرے متجاوز ہی تھی کہ آپ نے اسرار و سلوک میں آداب احمدی لکھی عیدین اور جمعہ کے خطبات بکمال فصاحت و بلاغت ترتیب دیئے۔ اپنے جد امجد شیخ عبید اللہ اور شیخ علیم اللہ کی کتابوں کو ایڈٹ کیا اور ایک رسالہ علم تجوید و قرأت میں لکھا۔ بزرگوں کے حالات میں مناقب الاولیاء کے نام سے فارسی میں کتاب لکھی۔ غلبۂ سکر و محبت میں مولانا رومی کے طرز پر ایک مثنوی بھی فارسی میں لکھی جس میں چھ دفتر اور ۲۵ ہزار اشعار تھے۔ حافظ شیرازی کے رنگ میں [illegible] ہزار اشعار لکھے قصیدہ بردہ کی روش پر تقریباً ۲۲۰ اشعار کا ایک قصیدہ اس کے علاوہ ہے۔ اس پر مستزاد عقدہ یہ ہے کہ اس کی شرح بھی عربی میں لکھ ڈالی۔ اور غلبۂ شوق و اشتیاق عربی میں تقریباً ۲۹ قصائد مزید لکھے اور علماء حرمین شریفین سے ان کی داد لی۔ مدینہ کے دوران قیام میں ایک رسالہ سوانح پر مجازات لوائح جامی علم تصوف میں بھی ان کے قلم سے نکلا۔[1]

---

[1] سوانح خود نوشت ملا جیون۔ قلمی

علم اصول الفقہ اور نور الانوار (ملا جیونؒ)

آج بالخصوص ہندوستان کے مدارس عربیہ کا کون منتہی اور فاضل ہے جو ملا جیونؒ کے اس شاہکار سے واقف نہیں۔ خاصکر جس نے فقہ حنفی پڑھی اور اس کی درسیات میں یہ موضوع داخل تھا درس نظامیہ کے عنوان سے جو نصاب شائع ذائع ہے اس کا پڑھنے والا کتاب الاصول الشاشی پڑھ کے اصول فقہ سے فی الجملہ روشناس ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نور الانوار میں اسے اجنبیت کا شکوہ نہیں ہوتا نہ اسے غیریت محسوس ہوتی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپی ہے اور اس کے حواشی صاحب قمر الاقمار مولانا عبد الحلیم کی توضیحات اور تشریحات سے مزین ہیں۔ یہ کتاب ایسی کچھ ہر دلعزیز ہوئی کہ اس کا خلاصہ مولانا رستم علی قنوجی نے بنایا اور اس کا اردو میں مولانا عبد الجبار نے ضیاء الابصار کے نام سے ترجمہ بھی کر دیا۔ نور الانوار در اصل امام ابو البرکاتؒ عبد اللہ ابن احمد حافظ الدین نسفی المتوفی ۷۱۰ھ کی کتاب منار الانوار کی شرح ہے ابو البرکاتؒ رحمہ اللہ احناف کے ایک جلیل القدر عالم گزرے ہیں اور جن کی کتاب کے متعلق حاجی خلیفہ کشف الظنون میں یوں رقم طراز ہیں۔[1]

متن متین جامع مختصر نافع و هو فیما بین کتبه المبسوطة و مختصراته المضبوطة اکثرها تداولاً و اقربها تناولاً۔ لکنه مع صغر حجمه وجازة نظمه بحر محیط بدرر الحقائق الخ۔	عبارت ٹھوس اور قوی ہے مختصر ہے جامع ہے اور نفع بخش ابو البرکاتؒ کی مختصر اور مطول تمام کتابوں میں یہ ہی زیادہ پڑھی جاتی ہے اور سہل الحصول بھی ہے۔ ہے تو چھوٹا سا رسالہ اور عبارت میں مصنف نے ایجاز سے کام لیا ہے لیکن حقائق کے موتیوں کا ایک بڑا سمندر ہے۔

اس منار الانوار کی ایک شرح خود مصنف نے لکھی اور دوسری ہندوستان کے ایک

---

[1] کشف الظنون حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۱۸۲۵۔

سعدالدین ابوالفضائل دہلوی المتوفی ۸۹۱ھ نے افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے علاوہ سید یوسف جمال ملتانی نے کتاب توجیہ الکلام میں بھی اسی کی شرح کی تھی۔ ملا عبدالسلام دیوی مضافات بارہ بنکی اودھ نے بھی ایک شرح لکھی۔ کتاب نورالانوار کیا ترتیب مضامین کیا قوت استدلال کیا استنباط مسائل کتاب سنت اجماع قیاس وغیرہ کے مباحث ضروریہ سے مالامال ہے۔ طرز بیان دلکش اور اس کے افہام کے طریقے آسان اور سہل تر ہیں۔ عبارت میں ثقل نہیں کہ پڑھنے والے کو بوجھل ہو جائے سطروں میں غموض نہیں کہ الجھن پیدا کرے ادبیت کا وہ رنگ نہیں کہ طالب علم اسی میں کھو جائے اور کتب لغات اور قاموس کی طرف مراجعت کی اسے ضرورت لاحق ہو۔ ایک متوسط استعداد والا دقیق مباحث اور نکات کو سمجھے نہ سمجھے تاہم ترجمہ سمجھ لے گا۔

ملا صاحب نے یہ کتاب مدرسہ نبوی میں بیٹھ بیٹھ کے لکھی تھی اور تائید ایزدی اور مدد غیبی آپ کے شامل حال تھی کہ اس کی تالیف میں صرف دو ماہ ربیع الاول اور ربیع الثانی ۱۱۱۲ھ صرف ہوئے اور جب عرب اور عجم کے حلقۂ علماء میں پہونچی تو مقبول اور نہایت مقبول ہوئی۔

جہاں تک معلومات کا تعلق اور تحقیق کی رسائی ہے ارباب علم و تحقیق امام شافعیؒ کو اصول فقہ کا موجد اور بابا آدم سمجھتے ہیں اور بقول امام رازی رحمہ اللہ امام شافعی نے ہی سب سے پہلی اینٹ اس عمارت کی رکھی تھی چنانچہ فرماتے ہیں۔

اعلم ان نسبۃ الشافعی الی	علم اصول فقہ کا امام شافعیؒ کے ساتھ
علم الاصول کنسبۃ ارسطا	وہی تعلق ہے جو علم منطق کا ارسطا
طالیس الی علم المنطق وکنسبۃ	طالیس اور علم عروض کا خلیل بن احمد
الخلیل بن احمد الی علم العروض	کے ساتھ۔

یہ واقعہ ہے کہ علم منطق کو ارسطا طالیس کی تنظیمی شکل میں لانے سے پہلے لوگ اپنی اپنی سلامتی طبع کو ہی دلائل اور براہین کے لیے کام میں لاتے لیکن شایان شان ترتیب نہ ہوتی اور نتائج نکالنے اور اخذ کرنے میں اضطراب بے ڈھنگا پن ظاہر رہتا اور جب ارسطا طالیس نے

حدود اور مصطلحات قائم کردیں اور غور و فکر کے بعد قوانین وضع کر دیے تو ان کا تتبع آسان ہوگیا۔ ایسے ہی جیسے کہ شعرار عرب و جاہلیت اشعار لکھتے اور وہ موزوں ہوتے۔ لیکن لاقانونیت کے تحت۔ اور جب خلیل نے تتبع اور استقرا سے علم عروض کے نام سے اوزان شعری کے قوانین وضع کر دیے تو شعرار کی طبائع نے فی الجملہ گویا اسی کی تقلید شروع کر دی۔ اور بالکل اسی طرح فقہار اسلام استدلال لانے اور مخالف کے سامنے معارضہ کرنے میں اپنی طبائع سلیمہ کو کام میں لاتے جو افہام اور تفہیم کے لیے معاون اور مددگار ہوتیں۔ لیکن اللہ جزائے خیر دے امام شافعیؒ کو کہ انھوں نے غور و فکر تتبع استقرا سے ان امور کو ایک قانونی اور آئینی شکل دے کے مدون کر دیا اور ان قوانین کو شرعی دلائل سمجھنے اور سمجھانے میں معاون اور مساعد بنا دیا۔ عام و خاص ناسخ منسوخ اجماع رائے اجتہاد قیاس کی اصطلاحیں قائم کرکے ان کی جامع اور مانع تعریفیں مدون کر دیں۔ اور ان کے دائرے متعین کر دیے بہرکیف بقول علمار اسلام اصول فقہ سے امام شافعی کو وہی نسبت ہے جو علم عروض کو خلیل اور علم منطق کو ارسطاطالیس سے۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی نے اس فن پر ایک رسالہ بغداد کے قیام کے دوران لکھا تھا جو گو مختصر تھا مگر اس میں قواعد و قوانین ضروریہ سب ہی آگئے تھے۔ ان سے ہی متاخرین علمار نے اس میں اضافات کیے۔ جو بھی کیے لیکن ابن ندیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حسن شیبانی نے بھی ایک رسالہ اسی فن پر لکھا تھا۔ لیکن امام شافعی کا رسالہ اب بھی موجود ہے اور امام محمد کے رسالہ کا کہیں بھی کتب خانوں میں سراغ نہیں ملتا واللہ اعلم۔ کاش یہ رسالہ مل جاتا تو اس کو سامنے رکھ کے علمار اور اہل تنقید و تحقیق کو اس کے مواقع حاصل ہوتے کہ معلوم کر لیں کہ امام شافعی نے اس پر کیا کیا اضافات کیے ان سے کیا کیا استفادے اور کہاں تک ان کی خود طبیعت نے معقول اختراعات کیے اس لیے کہ ان اختراعات کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ مخترعہ قواعد کے تحت ہی قرآن حدیث اجماع اور قیاس سے مسائل شرعیہ کا استنباط آسان تھا اور انھیں اصول کے تحت فروع کی تفریع اور استخراج سہل۔ امام شافعی نے ان اصول اور قواعد کو اپنے رسالہ ہی میں لکھ کے انھیں پر اکتفا نہیں کی بلکہ

اپنی کتاب "کتاب الام" میں بھی موقع موقع سے کچھ مزید تفصیلیں لکھیں اور نئے قواعد تحریر فرمائے۔[۵]

امام شافعیؒ کی اس فن میں اسبقیت کے متعلق سطور بالا میں روشنی ڈالی جا چکی لیکن امام ابو الہلال عسکری نے لکھا ہے[۶] کہ اس فن کا بانی اور موجد واصل ابن عطا ہے۔

وھو اول من قال الحق یعرف	واصل ہی پہلا شخص ہے جس نے یہ
من وجوہ اربعۃ کتاب ناطق	بتایا کہ شرعی احکام کے استنباط کے
وخبر مجتمع علیہ وحجۃ عقل	چار ذرائع ہیں۔ کلام اللہ، حدیث صحیح
واجماع من الامۃ۔	اجتہاد اور اجماع امت۔

لیکن ان بیانات میں تطبیق اس طرح سے کی جا سکتی ہے کہ مشہور فقہاء اسلام میں اس فن کو منصۂ تحریر میں لانے کا سہرا اور ایک خاص تنظیم کا امتیاز امام شافعیؒ کو ہی حاصل ہوا، گو اس سے پہلے بھی اس کی بنیاد فی الجملہ قائم ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ مدتوں امام شافعی نے ابو الہذیل العلاف معتزلی کی شاگردی اختیار کی تھی، طریقہ استنباط و استدلال کے انداز انھیں سے سیکھے تھے اور یہ ابو الہذیل عثمان بن خالد الطویل کے شاگرد تھے اور خالد الطویل واصل بن عطا[۷] کے بہرکیف شہرت اسی کو ہے کہ امام شافعی اس کے موجد اور مخترع تھے اور وہ بھی اس شکل موجودہ کے ساتھ اور ان کے بعد علماء انھیں کے نقش قدم پر چلے اور شاید ابو الہذیل وغیرہ کے طرز انشاء کی جھلک اس میں کہیں کہیں پائی بھی جاتی ہو، اس لیے کہ اصول فقہ میں علم کلام کے کچھ انداز بیان[۸] ملتے جلتے ہیں۔

علماء اصول فقہ نے اپنی کتابوں میں دو مسلک اختیار کیے تھے۔ ایک متکلمانہ اور دوسرا فقیہانہ۔ متکلمانہ مسلک میں زیادہ تر توجہ قواعد، قوت استدلال اور دفع اعتراضات وغیرہ پر

---

[۵] الرازی صفحہ ۱۵ او ابجد و کتاب الشافعی و منہج اصول الفقہ مصنفہ استاد مصطفےٰ عبد الرزاق [۶] کتاب الاوائل (مخطوطہ ندوۃ العلماء) [۷] المنیۃ والامل فی شرح کتاب الملل والنحل امام مہدی لدین اللہ مرتضیٰ الیمانی مطبوعہ دکن۔ [۸] کشف الظنون جلد اول صفحہ ۱۱۰۔

کی جاتی ہے اور فقیہانہ مسلک میں قواعد کے ساتھ امثلہ اور نظائر بھی پیش کر دی جاتی ہیں۔ نیز فقہی نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی مسائل کی تفریع کر دیتے ہیں۔ انھیں متکلمانہ انداز میں لکھنے والوں کی دو جماعتیں اور دو علیحدہ علیحدہ گروپ ہوئے ہیں۔ ایک تو معتزلہ اور دوسرے اشاعرہ۔ اور چونکہ بقول شخصیکہ اس فن کی عمارت خشت اول معتزلہ ہی نے رکھی یا داغ بیل انھیں نے ہی ڈالی اس لیے معتزلیوں میں اس کا لٹریچر بھی بہت زائد اور خاصی تعداد میں کتابیں بھی لکھی ہوئی ملتی ہیں چنانچہ حاجی خلیفہ بھی اس حقیقت کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو گیا وہ لکھتا ہے

واکثر التصانیف فی اصول الفقہ لاھل الاعتزال[1] اصول فقہ پر زیادہ تر کتابیں معتزلیوں نے لکھیں۔

انھیں معتزلیوں کی کتابوں میں دو کتابوں کو خاص شہرت حاصل ہوئی ایک تو کتاب العہد ہے جو قاضی عبد الجبار معتزلی نے اور دوسری کتاب العہد کی شرح ہے جو ابوالحسن بصری نے لکھی تھی۔ اسی طرح اشاعرہ کی دو کتابیں خاص الخاص اہمیت سے متصف ہیں۔ ایک کا نام کتاب البرہان جو امام الحرمین کی تصنیف ہے اور دوسری امام غزالی کی المستصفیٰ۔ امام رازی نے انھیں چار کتابوں کا ایک خلاصہ بنایا تھا جو کتاب المحصول کے نام سے مشہور ہے پھر ان چار کتابوں یعنی کتاب العہد شرح کتاب العہد، کتاب البرہان اور مستصفیٰ الاصول کا بھی سیف الدین آمدی کتاب الاحکام کے نام ملخص تیار کیا تھا اسی کتاب المحصول اور آمدی کی کتاب الاحکام کو سامنے رکھ کے امام بیضاوی نے منہاج الاصول ایک کتاب تیار کی۔

علماء احناف میں سے امام ابو زید دبوسی نے تقویم الادلہ اور اس کے کچھ زمانہ بعد امام فخر الاسلام بزدوی نے کشف الاسرار یہ دو کتابیں اصول فقہ میں لکھیں۔

(باقی)

---

[1] کشف الظنون جلد اول صفحہ ۱۱۱

مجاہد کبیر مولانا محمد یوسفؒ

از مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف (مدیر المنبر لائل پور)

آج سے شاید ۳/۴ سال قبل کا ذکر ہے، محترمی مختار احمد صاحب انجینیر ٹیلیفون، لائلپور میں تھے، ایک رات ان کا فون آیا کہ صبح لاہور کا پروگرام ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریر نماز فجر کے بعد ہوگی۔ ہم تین بجے (سحری کے وقت) یہاں سے روانہ ہوں گے اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو آپ کو گھر سے لیتے جائیں، ہم حسب پروگرام لائلپور سے چلے فجر کی نماز غالباً "چیچکی" میں ادا کی، بلال پارک پہونچے تو مولانا کا خطاب ہو رہا تھا حسب معمول مولانا پورے جوش سے خطاب فرما رہے تھے، دنیا کی حقیقت کو بے نقاب کرنے اور آخرت کی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے بے پناہ دلائل دیے چلے جا رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک لاوا ہے جو پورے جوش و خروش کے ساتھ پھوٹ رہا ہے۔ اور ماحول کو گرمائے بلکہ پگھلائے جا رہا ہے۔ ۸ ۱/۲ بجے خطاب ختم ہوا، محب مکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی عنایت خاص سے ناشتہ کرنے کے بہانے حضرت مرحوم و مغفور کی معیت کا شرف حاصل ہوا اور قریب سے یہ دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا کہ شرق و غرب میں پھیلنے والی اس دعوت کا داعی کس انداز سے سوچتا ہے۔ اسے اپنی دعوت سے کس قدر لگاؤ ہے اور اس کی اپنی ذات پر یہ اجتماعی جد و جہد کس قدر غالب ہے۔

اللہ اللہ! انہماک محیر العقول تھا، اور اللہ کے اس بندے کا دل صحیح معنوں میں اس بات کے لیے تڑپ رہا تھا کہ جو شخص بھی انھیں مل جائے وہ اس کے دل و دماغ

کو دستک دیں، موثر سے موثر انداز میں اپنی دعوت اس کے سامنے رکھیں اور مدلل ترین طریق سے اسے یہ سمجھائیں کہ اسلام کا وہی مفہوم و معنی اور وہی ماحول عنداللہ مقبول اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے جو سیدالکونین بابا ئنا ہو دامہاتنا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں لوگوں نے سنا اور دیکھا تھا۔

مولانا محمد یوسف نوراللہ مرقدہ نے، ناشتہ کے دسترخوان پر بیٹھتے ہی گفتگو شروع فرمادی اور اس انداز سے فرمانے لگے کہ کوئی شخص ان کی گفتگو کے زور، استدلال کی ندرت اور مطالب کی آمد کا مشاہدہ کر کے یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہیں جو ابھی تین گھنٹے کے زوردار خطاب سے فارغ ہوئے ہیں ـــــــ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ایک تازہ دم خطیب ہیں، ایک ایسے داعی مصروف گفتگو ہوئے ہیں تاریخ کے صفحات جن کے سامنے کھلے پڑے ہیں اور وہ ایک ایک واقعہ سے عہد رسالت کی تصویر کشی اس انداز سے کر رہے ہیں کہ سننے والے کا دماغ ہی نہیں دل بھی یقین کر رہا ہے کہ آپ درست فرما رہے ہیں۔

اس یادگار صحبت میں مولانا علیہ الرحمۃ اس عنوان پر گفتگو فرما رہے تھے کہ بعض لوگ اپنے موجودہ ماحول میں رہتے ہوئے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اسلام فلاں مشکل کو کیسے حل کرتا ہے اور فلاں پیچیدگی کو کس طرح دور کرتا ہے۔ مثلاً یہ پوچھا جاتا ہے کہ عہد حاضر کی معاشی مشکلات کو اسلام کس طرح حل کرتا ہے؟

مولانا نے فرمایا:-

"جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کیا۔ حضور نے ان کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم جتنے اوقات معاش کے لیے وقف کیے ہوئے ہو، ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لیے فارغ کرو۔ دوسرا ارشاد یہ ہوا کہ فلاں ذریعہ کو ترک کردو، یہ ناجائز ہے فلاں معیشت سے دستکش ہو جاؤ، یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے ـــــــ معیشت کے ان دو حکموں کے بعد تیسرا ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کماتے

ہو، یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے اس میں تمہارے ان بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں اور چوتھی بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ، اس میں سے بہت سا دین کی خدمت، خدا کے لیے کلمۃ الحق کی سربلندی اور بنی نوع انسان تک اپنی دعوت کو پہونچانے اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو ——— گویا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ کہ صحابہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو کچھ کماتے تھے اس کا دائرہ محدود کیا، جتنے اوقات کمانے پر صرف کرتے تھے ان کی مقدار کم کر کے ان اوقات کو دین کے لیے وقف فرمانے کا حکم دیا، جو کچھ کماتے تھے اس میں دوسروں کا حصہ مقرر فرمادیا اور اس کے بعد بھی جو بچا اس کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اسلام پر خرچ کرو ——— یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس زندگی کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا۔"

راقم مولانا ممدوح کی یہ گفتگو سن رہا تھا اور محو حیرت تھا کہ یہ معاشی فلسفہ ہے کس کتاب میں؟ اور پھر خود ہی اپنے آپ کو جواب دیا کہ بلاشبہ قرآن، سنت اور تاریخ عہد نبوت تو اس فلسفۂ معیشت کو پیش کرتے ہیں، البتہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اس کے ساتھ جس بات کا گہرا اثر راقم الحروف نے اس مجلس میں لیا وہ یہ تھی کہ مولانا محمد یوسف نوّرہ اللہ برحمتہ تین گھنٹے کے خطاب کے بعد اس کمرے میں (آہ! یہ وہ کمرہ تھا، جہاں آپ نے اس حیات ناپائیدار کے آخری لمحات گزارے) تشریف تو لائے تھے ناشتے کے لیے مگر آپ اپنی دعوت کے ایک پہلو کی وضاحت میں اس قدر مستغرق تھے کہ نہ صرف یہ کہ انھیں ناشتے کی جانب کوئی توجہ نہیں تھی بلکہ ہوا یہ کہ ایک رفیق نے چائے کی پیالی پیش کی تو آپ نے پکڑ لی۔ دس پندرہ منٹ تک وہ یونہی پیالی ہاتھ میں پکڑے رہے اور پھر ایک شریک مجلس کے توجہ دلانے پر آپ نے وہ چائے جو اب پانی کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی، حلق میں انڈیل لی۔ دوسری پیالی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ حضرت یہ گرم ہے، پی لیجیے اور یہ بسکٹ بھی تناول فرمائیے تو اللہ کے اس بندے نے اس پیالی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا، گفتگو میں مستغرق رہے اور ۱۰۔۱۵ منٹ بعد اسے

بھی پانی کی طرح پی لیا۔

اس کے بعد اٹھے اور ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کے لیے تشریف لے گئے اور یہ پہلے سے معلوم تھا کہ دوپہر سے قبل ایک تیسرا خطاب بھی آپ کو فرمانا ہے۔

یہ مجاہدہ ـــــ ٹھیک عملی شہادت تھی۔ اس تصور مجاہدہ کی جو حضرت مرحوم و مغفور اپنی تقریروں میں پیش فرمایا کرتے تھے ـــــ گویا قول و عمل دونوں میں وہ صادق بھی تھے اور یکساں بھی (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)۔

مولانا علیہ الرحمۃ سے ملاقات اور بالمشافہ آپ کے خطابات سننے سے پہلے راقم اس سوءِ فہمی کا شکار تھا کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کا فکر صرف ان ہی چھ باتوں یا چھ اصولوں تک ہی محدود ہے جو حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے پیش فرمائے تھے ـــــ ـــــ اسی طرح یہ پریشانی بھی اس کو لاحق تھی کہ تبلیغی جماعت تو اپنے کام اور افراد کی تعداد کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے۔ لیکن اس کے ذمہ دار حضرات، اس جماعت کی ان کمزوریوں اور کوتاہیوں کا کوئی مداوا نہیں کر رہے ـــــ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خیال تھا کہ وہ ان کمزوریوں کو محسوس ہی نہیں کر رہے ـــــ جو اس قسم کی بڑھنے اور پھیلنے والی جماعتوں میں ہمیشہ پیدا ہوا کرتی ہیں اور جماعتیں ان ہی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے ہی ختم ہو جایا کرتی ہیں ـــــ اس پریشانی کو بیک وقت دو چیزوں نے بڑی حد تک کم کیا۔ ایک تو محب مکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی شخصیت اور اس عنوان پر ان کے احساسات نے اور دوسرا سہارا اس پریشانی کو مغلوب کرنے کے لیے میسر آیا۔ مولانا محمد یوسف (یرحمہ اللہ تعالیٰ) کی چند مختصر صحبتوں اور چند مفصل خطابات کے سننے سے مولانا علیہ الرحمۃ ان تمام نفسیاتی امراض سے کما حقہٗ آگاہ تھے جو تبلیغی جماعت کی طرح پھیلنے والی جماعتوں اور داعی و مبلغ کی حیثیت سے دوسروں کو نصیحت اور تبلیغ کرنے والے افراد میں پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ میں نے دیکھا کہ مولانا رائے ونڈ کے اجتماعات میں خصوصیت سے، دنیا کی محبت، شہرت کی ہوس، دین کے نام پر کام کرنے والوں کی طمع و حرص اور آپس میں مسابقت، منافست اور بالآخر مشاجرت و نفاق اور اسی طرح نمازوں کا اہتمام

کرنے والوں میں، غرورِ نفس، بے جا زعم، اپنے کام پر فخر اور اسی قسم کے دوسرے عنوانات بڑی وضاحت سے بیان فرماتے، بڑے موثر اور مدلل انداز میں فرماتے اور حق یہ ہے کہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے فرماتے جو ایک جانب تو کام کی توسیع کے لیے اپنی توانائیوں کو داؤں پر لگانے کا فیصلہ کر چکا ہو اور دوسری طرف وہ اس غم سے پگھلا جا رہا ہو کہ جو قافلہ وہ تیار کر رہا ہے کہیں وہ ان بیماریوں کا شکار نہ ہو جائے جو اس سے پہلے اس قسم کے قافلوں کو ناکام و نامراد بنانے کا باعث بن چکی ہے۔

اللہ کی راہ میں بے پناہ محنت، اپنی دنیا سے یکسر غافل ہو کر، ہر وقت دین کا فکر اور امت کی بہی خواہی کا کرب رکھنے والا یہ انسان، اس دنیا میں بلاشبہ اللہ کی ایک حجت تھا اور اللہ وہاب حقیقی نے اپنے اس بندے کو بیک وقت، قول، عمل، تبلیغ، نور، ایمان و یقین اور جہاد و اجتہاد ہر قسم کی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ سفر و حضر میں یکساں رہتا تھا، نوافل، ذکر، دعا، خطاب، گفتگو، غرض ہر کام میں وہ دوسروں پر فائق رہتا تھا اور بیسیوں اہلِ علم و اصحاب رشد گواہ ہیں کہ جس غیرت و جوش ایمانی سے ہزاروں انسانوں کو اپنے رب کی جانب، دین کی عظمت رفتہ کو واپس لانے اور امت کی اصلاح و بہبود کے لیے جدوجہد کرنے کی دعوت دیتا تھا، وہ جب خلوت میں اپنے رب سے مناجات کرتا اور جب اسے اپنے رب کے گھر میں حاضری کا موقع ملتا، تو وہ غلاف کعبہ کو ہاتھ میں تھامے، بچوں کی طرح بلبلاتا، روتا "یا رب البیت یا رب البیت" کہہ کر دھاڑیں مار مار کر روتا اور کفر کے باہمی ٹکراؤ، اسلام کی سربلندی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہدایت و رفعت کی دعائیں اس انداز سے کرتا کہ سننے دیکھنے والوں کو اس کی آہ و زاری پر ترس آنے لگتا۔

آہ! ہم اس عظیم المرتبت، داعی اور رفیع المنزلت مجاہد سے اس کی معرفت بھری تقریروں سے اور اس آہ سحرگاہی اور بیت اللہ کے دروازے پر رو رو کر اس کے دعا کرنے کی برکت و رحمت سے محروم ہو گئے، یقیناً آج مولانا محمد یوسف علیہ الرحمۃ کی والدہ ماجدہ مستحق ہیں کہ ملت کے گوشے گوشے افراد ان سے اظہار ہمدردی کریں کہ اس

پیرانہ سالی میں انھیں یہ عظیم صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ آج حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نفعنا اللہ بطول حیاتہ۔ لائق تعزیت ہیں کہ ان کا قابل فخر داماد اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور آپ کو ضعیفی کے عالم میں ان کی جدائیگی کا زخم سہنا پڑا۔ آج مولانا محمد ہارون بلاشبہ مستحق ہیں کہ ان کے بلند مرتبہ باپ کی رحلت پر ان سے تعزیت کی جائے لیکن حق یہ بھی ہے کہ آج ہر وہ شخص ان تینوں شخصیتوں کی طرح تعزیت کا مستحق ہے جس نے مرحوم کو پہچانا، ان سے محض اللہ کے لیے لگاؤ پیدا ہوا اور اس دور زوال میں اس نے مرحوم و مغفور مولانا محمد یوسف کو اسلام کی خدمت کے لیے قابل اعتماد پایا۔

مولانا کی رحلت اگر صدمہ ہے تو سب مسلمانوں کے لیے اگر نقصان ہے تو پوری امت کا۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔ (شکریہ المنبر لائلپور)

(بقیہ مضمون صفحہ ۵۶)

کیا جائے۔ (مغربی بنگال)

۴۔ انگریزی اور ہندی دونوں کو سرکاری زبان بنایا جائے (وزیر اعلیٰ مدراس)

۵۔ ہندوستان کی کوئی بھی زبان ہو مگر انگریزی کو ختم کیا جائے (ڈاکٹر رام منوہر لوہیا)

۶۔ مشترکہ زبان کا درجہ صرف انگریزی کو دیا جائے اور دستور کے سترھویں حصہ کو ختم کیا جائے (راجہ جی)

۷۔ ہندوستان کی مشترکہ زبان سنسکرت تسلیم کی جائے اور جب تک سنسکرت انگریزی کی جگہ لینے کے قابل ہو انگریزی کو سرکاری زبان رکھا جائے اور اس غرض کے لیے دستور میں تبدیلی کی جائے۔ (اکھل بھارتیہ سنسکرت بھاشا سمیلن کلکتہ)

مرکزی حکومت نے تامل ناڈ کے مظاہرین کو یقین دلایا ہے کہ پنڈت نہرو کی اس یقین دہانی کو لسانی ایکٹ میں ترمیم کرکے قانونی شکل دے دی جائے گی جب تک غیر ہندی علاقوں کے لوگ چاہیں گے اس وقت تک سرکاری زبان کی حیثیت سے ہندی کے ساتھ انگریزی باقی رہے گی۔ لسانی ایکٹ میں ترمیم کا مسودہ ابھی تک عام نہیں کیا گیا ہے اس لیے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اسی لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مجوزہ ترمیم کا مسئلہ کا حل ثابت ہوسکے گی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی مستقل حل نہیں ہے بلکہ عارضی ہے۔ (باقی)

"اللہ والوں کا اجتماع"

آنکھوں دیکھا حال

از جناب ——— محمد اسلم صاحب

[مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ ذیل کا یہ مضمون جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات سے صرف ایک ہفتہ پیشتر کے ایک ایسے تبلیغی اجتماع کے مشاہدات و تاثرات پر مشتمل ہے جس میں حضرت مرحوم نے خطابات فرمائے۔ معاصر شہاب لاہور کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے ——— ادارہ]

کافی دنوں سے شہر کی اکثر مساجد میں یہ دیکھنے میں آ رہا کہ عصر یا مغرب کی نماز کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوتے اور بڑی نرمی سے یوں گویا ہوتے۔

"بھائیو! دعا کے بعد تشریف رکھیے دین کی بات ہوگی"

کہنے والے کی اتنی سی بات میں جو سادگی اور خلوص ہوتا، وہ سب کو مجبور کر دیتا کہ رُک جائیں۔ اس کے بعد امام صاحب دعا کرتے اور پھر انہی کہنے والوں میں سے کوئی ایک اللہ کا بندہ کھڑا ہو جاتا اور بغیر کسی تصنع کے، وہ امنٹ نہایت سادہ الفاظ میں کچھ بیان کرتا جس کا خلاصہ یہ ہوتا کہ اس دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، اس طرح کے کام کریں کہ حشر کے میدان میں رسوائی سے بچ جائیں۔ بات واقعی دل کو لگتی اور جی چاہتا کہ یہ اس طرح بولتا رہے تاکہ سنتے سنتے شاید اس دنیا کی بے ثباتی کا یقین آ جائے۔ آخر میں یہ کہا جاتا کہ اس مہینہ کی ۲۱، ۲۲، ۲۳ کو لاہور کے قریب رائیونڈ میں ایک اجتماع ہو رہا ہے جس میں حضرت

کی زندگی کے بارے میں باتیں ہوں گی۔ آخر ۲۰ ۔ تاریخ بھی آن پہونچی ، شوق ابھرا کہ چلو دیکھیں ہم خوت کی زندگی کے کیا نقشے بنائے جاتے ہیں۔ کچھ دوستوں کو آمادہ کیا ، شام کو چلتے وقت کچھ بزرگوں سے تذکرہ کیا انھوں نے بروقت ہی اطلاع دینے کا گلہ کیا۔ ندامت ہوئی کہ اس دُنیا کے جھمیلوں میں لگے رہے اور پہلے سے کیوں نہ حاضر ہوسکے۔

رات ۱۰ بجے اسٹیشن پہونچے ، ٹکٹ خریدنے لگے دیکھا کہ ہزاروں لوگ کھڑے ٹکٹ لے رہے ہیں۔ اپنی باری آئی ۱۳ آنے نکال کر "بابو" کو دیئے۔ ٹکٹ دیکھا ۹ ، پیسے کا تھا چاہیئے دو پیسے واپس ملنے چاہئیں تھے۔ شاید ان دو پیسوں کی کوئی حیثیت نہ جانتے ہوئے واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اور گرد کے لوگوں سے پوچھا سبھی سے ۱۳ آنے (۸۱ پیسے) لیے جارہے تھے۔ اندازہ لگائیے صرف ان دو تین دنوں میں کیا کچھ جمع ہوا ہوگا۔ اور آخر کیوں نہ ہو ریلوے کے محکمے کو ۹ ، پیسے دینے کے بعد ان "خدمت" کرتے والوں کو بھی تو دو پیسے بچ جانے چاہئیں۔

کراچی ایکسپریس ۱۰ بج کر ۲۵ منٹ پر چلی ، کوئی ڈبہ ایسا نہ تھا جو اندر اور باہر بھرا نہ ہو۔ بڑے اطمینان سے سفر گزرا ، کوئی تو تکار نہ ہوئی ، کوئی دھکم پیل نہ ہوئی۔ دوسرے کے لیے جگہ خالی کرنے کا جذبہ موجود تھا۔ سوا گیارہ بجے رائے ونڈ اسٹیشن پر اُتر گئے کوئی تین فرلانگ پر اجتماع گاہ تھی ، سادہ سی مسجد ، باہر صحن میں شامیانے تنے ہوئے اور تِل دھرنے کو جگہ نہیں۔ ایک طرف بیسیوں لمبی لمبی کاریں کھڑی تھیں ، دوسری طرف تین چار بسیں معلوم ہوا کہ ہیلی کالج اور چیف کالج کے طالب علم اکٹھے ہو کر بسوں میں آئے ہیں۔ مسجد کے فرش پر جو جس کے پاس تھا بچھا لیا گیا اور چند گھنٹے آرام کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

---

۲۱ کی صبح نماز فجر کے بعد دہلی سے تشریف لائے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب کا (جو اس جماعت کے امیر ہیں اور مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے بھی) خطاب ہوا تین گھنٹے تک لوگ ہمہ تن بیٹھے سنتے رہے ، باتوں میں وزن تھا حقیقت تھی ، خلوص تھا۔ آخر اللہ اور اس کے رسول کی باتوں میں یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا۔ مولانا نے فرمایا۔

"بھائیو! انسان اس دُنیا میں دو چیزوں پر محنت کرتا ہے۔ ایک اس دُنیا کی چیزوں پر دوسرے اپنی ذات پر۔ اس دُنیا کی چیزوں پر — مثلاً مکان، دوکان، زمین، تجارت، کارخانے، ملازمت، غرضیکہ جس چیز پر بھی محنت کی جائے گی پورا دھیان اس طرف ہوگا۔ دل انہی چیزوں میں اٹکا رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی ذات کی تکمیل رہ جائے گی۔ مرنے پر ان چیزوں پر کی گئی محنت ساری کی ساری دھری رہ جائے گی اور انسان اس دُنیا سے بالکل خالی جائے گا اور جب حشر کے میدان میں اپنی ذات پر محنت کرنے والوں کو دیکھے گا تو اپنے آپ پر ایسے گا، اتنا روئے گا کہ آنسوؤں کے دریا بہہ نکلیں گے۔"

پھر فرمایا:۔

"اپنی ذات پر محنت کرنے (یعنی اپنی زبان پر محنت، اپنے کانوں پر محنت، اپنی آنکھوں پر محنت، اپنے دل پر محنت، غرض ہر حصۂ جسم پر محنت کرنے سے) اس درجہ تک پہونچ جائے گا کہ صرف ایک آنکھ کے جھپکنے سے اس پوری کائنات سے کروڑوں درجے زیادہ قیمتی جنت عطا کی جائے گی۔ آپ جا رہے ہیں سامنے سے غیر محرم عورت پر نگاہ پڑی، دل نے کہا بس اب اگر آنکھ اٹھائی تو برباد ہو جاؤ گے، آنکھ دوسری طرف پھر گئی اس ایک بار کے بچنے پر اللہ رب العزت وہ کچھ عطا فرمائیں گے، تصور ناممکن، ان عطا کی جانے والی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر اس دُنیا میں آجائے تو پوری دُنیا حاصل کرنے کے لیے لڑ پڑے۔"

باتیں دل میں اُترتی چلی گئیں، اپنے آپ ندامت ہوئی کہ زندگی یوں ہی گزر گئی جس طرح اب تک گزری تو کیا ہوگا؟ آٹھ سے دس ہزار کا مجمع، جس طرف نظر اٹھی انسان ہی نظر آئے وہ انسان جو محض اللہ کی خاطر اتنی دور دراز سے سفر کر کے صعوبتیں جھیل کر اس ویرانے میں اکٹھے ہو گئے تھے۔

مولانا نے فرمایا:۔

"محض اللہ کی خاطر یوں جمع ہونے والوں پر اللہ کے فرشتے آسمان سے زمین تک حلقہ بناتے اور سلامتی بھیجتے ہیں، اللہ کرے آج دنیا میں صرف اللہ ہی کی خاطر لوگ جمع ہوا کریں تاکہ اللہ کی رحمتیں اس زمین پر اتریں اور انسان سکونِ قلب سے ہمکنار ہوں۔"

اس مجمع میں امیر بھی تھے، غریب بھی، چھوٹے بھی تھے، بڑے بھی، بچے بھی تھے، بوڑھے بھی، پنجابی بھی تھے، سندھی بھی، سرحدی بھی تھے بنگالی بھی، عرب سے آئے ہوئے بھی تھے، ہندوستان سے بھی، ملوں والے بھی تھے اور خوانچہ فروش بھی، دینی مدارس کے طلبا بھی تھے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم بھی، غرض کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے محض خدا کی خوشنودی کی خاطر جمع ہو گئے تھے۔ جس کو مسجد میں جگہ نہ مل سکی وہ باہر ہی بیٹھ گئے، خواہ امیر تھا یا غریب۔ کوئی نمائش گاہ نہ تھی۔ کوئی تین تین چار چار رنگے بڑے بڑے پوسٹر نہ تھے کوئی پچھلی کارگزاریوں کے بیان نہ ہوئے بس ایک ہی تڑپ تھی کہ ہم سدھر جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کو اپنی ذات کی کوتاہیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا احساس تھا۔ دوپہر کو الگ الگ حلقوں میں بٹ کر تعلیم ہوئی۔ سنا گیا کہ نماز کیا ہے، دعا کیا ہے، نمازیں پڑھنے سے کیا ملے گا اور جن لوگوں نے یوں پڑھی انھوں نے کیا پایا۔ دعاؤں سے کیا ہوتا ہے۔ جس طرح دعا مانگنے کا حق ہے اس طرح مانگی جائے تو کیا ملتا ہے۔ اور اس طرح جنھوں نے مانگی کیا پایا۔ پچھلوں کے تذکرے تھے۔ دولت والوں کا تذکرہ آیا تو قارون وہامان کی دولتوں کے قصے بتائے گئے، غربت کا ذکر ہوا تو صحابہ کرام کی زندگیوں کے واقعات بتائے گئے۔

فاقوں کا ذکر چھڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بتلائی گئی۔ خدا کو خوش کرنے والوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ یہ معلوم ہوا۔ دو گھنٹے کی تعلیم کے بعد کھانے اور نماز کا وقت ہوا۔ ایک طرف کھانے کا انتظام کیا گیا تھا دوکان داروں نے دوکانیں بھی لگائی ہوئی تھیں۔ جس کا جہاں جی چاہا کھالیا۔ اجتماع والوں کی طرف سے کھانے کا کوئی پیسہ نہ لیا جاتا عصر کے بعد لائل پور کے مفتی زین العابدین صاحب کا بیان ہوا۔ تھوڑے سے وقت میں بہت کچھ سمجھا دیا گیا۔ خدا نے بولنے کا خوب ملکہ دیا ہے سن کر وجدانی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ بتایا گیا کہ

"انسان جب اپنے آپ محنت کرتے کرتے اس درجہ پر پہونچتا ہے جس پر اللہ راضی ہو کر اس کے صرف ہاتھ اٹھنے پر ہی فیصلے فرما دیتے ہیں تو دنیا میں کیا ہوتا ہے دنیا کس طرح اسکے پیچھے آتی ہے۔ آج ہم لوگ دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں اور وہ ہے کہ ہاتھ ہی نہیں آتی"

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے واقعات سنائے گئے اور کچھ اس انداز سے کہ ایمان تازہ ہوگیا۔ بتایا گیا کہ

"انسان جب بیٹھا ہے تو اس ڈر سے کہ اس کے مرنے کے بعد کہیں فرشتے اسے غسل اور دفن نہ کرنے لگ جائیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم عجلت سے غسل دیتے اور جلدی جنازہ لے جاتے ہیں۔ اللہ کے پاک رسول جنازہ کے ساتھ پنجوں کے بل چلتے ہیں اور پوچھنے پر فرمایا جاتا ہے کہ اتنے فرشتے آسمان پر سے اتر کر ساتھ ہو لیے ہیں کہ پورا پاؤں رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

مغرب کے بعد عرب سے آئے ہوئے اللہ کے ایک بندے کا بیان شروع ہوا، زبان عربی تھی لہجہ انتہائی خوبصورت، جی چاہتا اللہ اور اس کے پیارے رسول کی زبان بولتا رہے۔ مترجم صاحب ساتھ بیٹھ گئے۔ پون گھنٹہ دین کے مختلف پہلوؤں پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالتے رہے، عدل و انصاف، معاشرت و معیشت اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ پر معلوماتی تقریر کی۔

رات کے خطاب میں مولانا محمد یوسف صاحب کا بیان ہوا۔ لاہور اور قریب ہر شہر کے مختلف حلقۂ فکر کے علمائے کرام موجود تھے۔ مولانا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی، کھانسی اور نزلہ کا زور رہا لیکن دین کی محبت کچھ اس طرح غالب ہے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلسل بولتے ہیں۔ عام اجتماع ہو یا خاص، شہری حضرات کے اجتماع میں بولنا ہو یا میواتی حضرات میں اس بولنے اور پوری قوت سے بولنے، میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، بتایا جاتا رہا کہ

"نمرود کی خدائی پوری قوت سے اس کوشش میں لگی رہی کہ آج کی رات کسی بچے کے وجود کی بنیاد نہ پڑنے پائے، تمام ملک کے مرد الگ اور عورتیں الگ کر دی گئیں۔ پہرے دار بٹھا دیے گئے۔ لیکن ہوا کیا۔ خدا کے حکم کے بموجب جو کام ہونا تھا ہو کے رہا۔ دشمن کے گھر ابراہیم علیہ السلام پل رہے ہیں۔ تو خدا جب کرنے پر آتا ہے دنیا کی کوئی طاقت کچھ نہیں کر سکتی۔"

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بتائے جاتے رہے۔ ایک طرف اس دنیا

اور اس کے اندر کی تمام چیزوں کی بے بسی، دوسری طرف خدائے بزرگ و برتر کی عظمت، دل میں یہ سب کچھ یوں نقش ہوتا رہا جیسے ہونے کا حق ہے۔ آخر کیوں نہ ہو کہنے والا پورے یقین سے کہہ رہا ہے، زبان کے ساتھ دل کی گہرائیوں کی آواز شامل ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ

"اگر کوئی فاسق اور جھوٹا شخص تمھارے پاس اس قسم کی خبر لائے کہ کوئی گروہ یا فرد تمھارے مال اور جان کے بارے میں برے ارادے کر رہے ہیں تو اس امر کے باوجود کہ اس کا جھوٹا ہونا تمھارے نزدیک مسلم ہے تم اپنے مال اور جان کی فکر میں لگو گے۔ لیکن جس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا یہ ایمان ہے کہ سچے نبی ہیں۔ اگر اس ایمان میں کچھ بھی کمی ہے تو ہم مسلمان ہی نہیں، وہ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! اس دنیا کی حقیقت کچھ نہیں اللہ کے نزدیک اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، مردہ بکری کے بچے کے برابر بھی نہیں، جو کچھ بھی ہے آخرت کی زندگی ہے۔ اس کے لیے کچھ کر لو ورنہ اس نہ ختم ہونے والی زندگی میں تڑپو گے لیکن یہ سن کر ہمیں یقین نہیں آتا۔ کیوں؟ اس دنیا کے مال و اولاد ہمارے مشاہدے میں ہیں اور آخرت کی زندگی غیب میں۔ بس اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ جب دیکھ لیا تو غیب کہاں رہا۔"

"رات گیارہ بجے تک یوں ہی دین و ایمان کی باتیں ہوتی رہیں، نماز پڑھی گئی، ایک ہی صف میں ہر درجے، ہر زبان، ہر عمر اور مختلف رنگ و نسل کے دینی بھائی اللہ کے حضور میں یوں کھڑے ہوئے جیسے ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ چاروں طرف ایک سناٹا۔ امام صاحب ان سب کی طرف سے اللہ کے حضور عرض گزار رہے ہیں۔ بارہ بجے کچھ آرام کی فکر میں لگ گئے کچھ اللہ سے باتیں کرنے میں، ۴ بجے آنکھ کھلی، آگے پیچھے دائیں بائیں، بہتوں کو کھڑے پایا۔ اللہ اکبر۔ کیا سرور ہے اس کھڑے ہونے میں۔

۲۲ کی صبح نماز کے بعد پھر تقریر ہوئی، دوپہر کو تعلیمی حلقے بنائے گئے، عصر کے بعد ہندوستان سے آئے ہوئے علی گڑھ یونی ورسٹی کے گریجویٹ اور پھر علم دین سے پوری واقف مولوی محمد عمر صاحب کی تقریر ہوئی۔ خوب سلیقے سے بیان فرماتے ہیں۔ تھوڑے سے وقت میں ہر انداز کا خوب مواد ذہنوں میں بسایا، زبان اللہ کی عظمت کے ترانے خود بخود گانے لگی۔

غرض اس طرح یہ تین دن کا روح پرور اجتماع چلتا رہا۔ احساس دلایا جاتا رہا کہ سب بگاڑ اپنی ذات میں ہے اگر یہ درست ہوجائے تو سب درست ہوجائے گا۔

آخری بعد اللہ کے راستے میں اپنی ذات پر محنت کرنے کے لیے جن لوگوں نے وقت دیئے ان کی تشکیل جماعتوں کی شکل میں ہوئی، ہر جماعت میں ۸ سے بارہ تک اللہ کے بندے جمع کردیئے گئے۔ سو کے قریب جماعتیں بن گئیں جن کو ملک کے کونے کونے میں بھیجا گیا تاکہ ان فانی چیزوں سے کچھ دیر کے لیے کٹ کر آدمی اپنی ذات پر محنت کرسکے، ہر جماعت کا ایک امیر مقرر کردیا گیا۔ اپنے اپنے بستر، اپنا اپنا خرچ اور اپنی اپنی ذات پر محنت کرنے کا جذبہ اور دوسرے بندگانِ خدا تک اللہ کی بات پہونچانے کی فکر، یہ سب منظر اس قدر روح کو بالیدگی بخشنے والے کہ سینکڑوں وعظ بھی یہ نہ کرسکیں۔ اختتام پر دعا ہوئی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے دُعا کی اپنے گناہوں کی توبہ، مغفرت، آخرت کی سرخروئی، دین کی عظمت، تمام انسانوں کے لیے ہدایت طلبی، یہ سب باتیں اللہ سے طلب کی گئیں۔ دعائیں مانگی گئیں جس طرح مانگنے کا حق ہوتا ہو۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روئی نہ ہو، کوئی زبان نہ تھی جو ہلی نہ ہو، کوئی دل نہ تھا جو پھوٹ پڑنے پر نہ آیا ہو، بس ایک ہی احساس تھا کہ اتنی زندگی جو گزری ناکامی میں گزری، میں ہی سراپا معصیت ہوں سب برائیاں مجھ ہی میں ہیں، اے اللہ ان سب کوتاہیوں کو معاف فرما اور میری زندگی کو اپنے راستے پر لگا دے۔

اس طرح ۲۲ کی دوپہر کو یہ مبارک اجتماع ختم ہوگیا۔

ضروری بات

۱۔ دفتر الفرقان اور کتب خانہ الفرقان سے جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر صرف "منیجر" کے نام فرمائیے۔ کسی شخص کا نام نہ لکھئے۔

۲۔ ادارتی امور میں براہ راست اڈیٹر کو لکھئے۔ دفتری خطوط کے اندر ان امور کے بارے میں کچھ نہ لکھا جائے — منیجر

حالاتِ حاضرہ

ہندوستان میں زبان کا مسئلہ

ایڈیٹر صاحب "مدینہ" بجنور

ہندوستان کا دستور بننے سے پہلے طے تھا کہ مرکز کی سرکاری زبان ہندوستانی ہوگی جو ناگری اور فارسی دونوں رسم الخطوں میں لکھی جائے گی۔ ہندوستانی کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ جو زبان شمالی ہندوستان کے عوام بولتے ہیں اور جسے اردو اور ہندی دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے وہ ہندوستانی ہے۔ یہ فیصلہ اس بنا پر کیا گیا تھا کہ ہندوستان کی ہر دوسری زبان کے مقابلہ میں ہندوستانی ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر ہندوستان کی قومی زبان بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہندوستان فی زمانہ قومی زبان کی نعمت سے محروم ہے۔ سوائے ہندوستانی کے یہاں کی سب زبانیں علاقائی ہیں۔ قومی زبان وہی ہو سکتی ہے جسے ہندوستان کی اکثریت بولتی اور سمجھتی ہو اور جس میں اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتی ہو۔ ہندوستان مختلف مذہبوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف کلچروں کا گہوارہ ہے۔ اس لیے یہاں کی قومی زبان میں ان سب کے اظہار کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ جو زبان بھی اس صلاحیت سے محروم ہوگی وہ ہندوستان کی قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔

ہندوستان کا دستور بننے سے پہلے ہندوستان کے لیڈروں نے اور کانگریس نے ہندوستانی کے حق میں نہ صرف فیصلہ ہی کیا تھا بلکہ اس فیصلہ کی عام اشاعت بھی کی تھی مگر دستور سازی کے وقت یہ فیصلہ طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا اور صرف ہندی دیوناگری رسم الخط میں مرکزی حکومت کی سرکاری زبان تسلیم کی گئی۔ یہ بات جاننے والوں کے لیے انوکھی نہ تھی کیونکہ بقول علامہ دتاتریہ کیفی سب جانتے تھے کہ حکومت کے نیتاؤں کو مہاتما جی کے اس فارمولے کی ذرا پروا نہیں ہے کہ ہندوستان

کی سرکاری زبان ہندوستانی ہوگی جو اردو اور ناگری حروف میں لکھی جائے گی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بعد سے جب صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئی تھیں تو کئی صوبوں میں حکومت کے اطوار سے معلوم ہو گیا تھا کہ پوری آزادی ملنے پر ان کا طرزِ عمل زبان کے بارے میں کیا ہوگا؟ بہر حال دستور کا سترھواں حصہ سرکاری زبان سے متعلق ہے جس کے دو باب ہیں۔ پہلا باب یونین (مرکز) کی زبان سے متعلق ہے اور دوسرے باب کا تعلق علاقائی زبانوں سے ہے۔ باب اول کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دستور سازوں نے ناگری رسم الخط میں ہندی کو یونین کی سرکاری زبان تسلیم تو کر لیا ہے مگر انہیں اپنے اس فیصلہ کی صحت کا یقین نہیں ہے چنانچہ انھوں نے یہ بات تو صاف طور پر کہدی ہے کہ آئندہ پندرہ برس تک یونین کی سرکاری زبان انگریزی رہے گی مگر ہندی کے مکمل نفاذ کے لیے کوئی میعاد یا تاریخ مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس کے بتدریج نفاذ کی راہ کو بھی طرح طرح کی رکاوٹوں سے ناہموار بنا دیا ہے، یہ صورت حال اس حقیقت کی غماز ہے کہ ہندی کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ با دل نخواستہ کسی مجبوری یا مصلحت کی بنا پر کیا گیا ہے۔

۱۹۴۳ء کی بات ہے کہ آل انڈیا ریڈیو بمبئی نے اپنے سننے والوں سے پوچھا کہ وہ کس زبان میں پروگرام سننا پسند کریں گے۔ جواب ملاحظہ ہو۔

ہندوستانی (اردو) ۲۵۶۷۔ انگریزی ۲۵۳۲، گجراتی ۱۷۴۲، مرہٹی ۱۵۵۹، ہندی صفر۔
احاطۂ بمبئی کے پانچ ہزار ریڈیو سیٹ رکھنے والوں میں سے ساٹھ فیصدی اردو کے یعنی ہندوستانی کے حق میں تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر صرف ایک ہی زبان میں براڈکاسٹ کیا جائے تو کون سی زبان کو ترجیح دی جائے گی۔ جواب ملاحظہ ہو۔

ہندوستانی (اردو) ۳۶۵۰، انگریزی ۱۰۴۰، گجراتی ۹۲۰، مرہٹی ۳۵۰، ہندی صفر۔
یہی سوالات کلکتہ، مدراس اور دہلی والوں سے بھی پوچھے گئے تھے۔ جواب ملاحظہ ہو۔
کلکتہ: ہندوستانی (اردو) ۹۵۳۵، انگریزی ۱۷۵۴، بنگالی ۳۹۹، ہندی صفر۔
مدراس: ہندوستانی (اردو) ۲۵۲۵، انگریزی ۱۷۸۱، تامل ۳۸۴۳، تیلگو ۲۲۹، ہندی صفر۔
دہلی: ہندوستانی (اردو) [illegible]، انگریزی ۱۷۲۶، ہندی صفر۔

[نوٹ : ابتدائی سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے پیش نظر ہندوستانی کو اردو کا نام دینا اور ہندی کو ہندوستانی سے خارج کر لینا عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن جس زمانے کے اعداد و شمار دیے گئے ہیں اس زمانے کے ہندوستانی اور آج کے ہندی نشریات کی زبان کے فرق کو اگر سامنے رکھ لیا جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہندوستانی نشریات اردو نشریات ہی تھے۔ دوسرے جس زمانے کا ذکر ہے اسی زمانہ میں مسٹر آر ایس شکلا نے "آل انڈیا ریڈیو کی لسانی پالیسی" نام کی ایک کتاب لکھی تھی جس میں ہندوستانی نشریات کو اردو کی نشریات بتا کر ہندی کا کیس پیش کیا تھا۔ اس کتاب کا دیباچہ سمپورنانند جی نے لکھا تھا اور اسے ہندی ساہتیہ سمیلن یو پی نے شائع کیا تھا۔]

مذکورہ بالا اعداد و شمار جہاں ہندی کی کل ہند حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں وہاں اردو کی مقبولیت کا پتہ بھی دیتے ہیں۔ ان حالات میں ہندی کو یونین کی زبان تسلیم کرتے وقت دستور سازوں کے سامنے اگر کچھ خدشات اور خطرات نمایاں ہونے لگے تھے اور وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئے تھے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ بہرحال ہندی یونین کی سرکاری زبان قرار پا گئی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ہندی کو قومی زبان بنانے کی کوشش کا آغاز کیا جاتا لیکن ہوا اس کا بالکل الٹا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہندی کو عام فہم بنایا جاتا دوسری علاقائی زبانوں کے الفاظ شامل کیے جاتے اور بالخصوص ہندوستانی یا اردو کے سرمایہ سے فائدہ اٹھایا جاتا مگر ہوا یہ کہ ہندی کو سنسکرت کے نامانوس اور ثقیل الفاظ سے لادا جانے لگا اور اسے اتنا مشکل بنا دیا گیا کہ اس کے عوامی زبان بننے کے سارے امکانات ختم ہو گئے، مستزاد یہ کہ دوسری علاقائی زبانوں اور خاص کر اردو کے وہ الفاظ نکال کر پھینک دیے گئے جو زبان زد عوام و خواص تھے اور ان کی جگہ سنسکرت کے وہ الفاظ اپنی اصلی شکل میں استعمال ہونے لگے جن سے کسی کے کان آشنا نہ تھے۔ ہندی کا اپنا سرمایہ بہت قلیل تھا، اس کی عمر ہی کیا تھی۔ تقریباً سو برس ہوئے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اس کا جنم ہوا تھا۔ سو برس کا زمانہ ایک نئی زبان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک زبان سو برس میں کیا بنے گی، ہزار برس کے بعد بھی اس میں نئے نئے الفاظ، نئی نئی اصطلاحیں، نئی نئی تشبیہیں اور نئے نئے استعارے شامل ہوتے رہتے ہیں بلکہ یہ عمل زبان کی زندگی کے ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ ہندی والوں نے اپنی زبان کو سرکاری حیثیت دلا کر یہ سمجھ لیا کہ ان کی زبان ہندوستان کی اور دنیا کی تمام زندہ زبانوں سے بے نیاز ہے بلکہ اسے ایک مردہ زبان کا سہارا

کافی ہے جسے سنسکرت کہتے ہیں مگر اس طرح انھوں نے ہندی کو قومی زبان بن جانے سے محروم کر دیا۔ دوسری ایسی ہی غلطی ان سے یہ ہوئی کہ ہندی ریاستوں میں اردو کو نیست و نابود کرنے کی مہم شروع کر دی۔ کبھی ارشاد ہوا کہ اردو کوئی جداگانہ زبان نہیں ہے بلکہ ہندی ہی کا ایک روپ ہے جبکہ اسی دستور نے جس نے ہندی کو سرکاری حیثیت عطا کی ہے اردو کو ہندی سے علیحدہ ایک زبان تسلیم کیا ہے۔ کبھی کہا گیا کہ اردو ملکی زبان نہیں ہے غیر ملکی ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ پاکستان کے علاوہ جو کل تک ہندوستان ہی میں شامل تھا اور اردو کس ملک کی زبان ہے؟ کبھی فرمایا گیا کہ اردو عوامی زبان نہیں ہے بلکہ اس میں "ہے" اور "نہیں" کے علاوہ تمام الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں جبکہ بقول فراق گورکھپوری اردو میں دو چار ہزار الفاظ عربی اور فارسی کے اور پچاسوں ہزار خود ہندی کے شامل ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اردو کے خلاف بے سر و پا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور ساتھ ہی ہندی ریاستوں نے اردو کے دستوری حقوق بھی دینے سے انکار کر دیا۔ مثال کے طور پر حکومت ہند نے ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کو لسانی پالیسی کے متعلق ایک بیان شائع کیا جن پر ہندی ریاستوں نے مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔

اس اعلان میں اردو سے متعلق اکثر غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ تسلیم کیا گیا تھا کہ جن علاقوں اور خطوں میں اردو زبان رائج ہے ان میں مندرجہ ذیل سہولتیں مہیا کی جائیں (۱) پرائمری درجوں میں ان طلبا کو جن کے والدین یا سرپرست یہ بیان کریں کہ ان کی مادری زبان اردو ہے اردو میں تعلیم حاصل کرنے اور امتحانات دینے کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ (۲) اردو کے اساتذہ کی تربیت اور اردو میں موزوں نصابی کتابیں مہیا کرنے کے انتظامات کیے جائیں (۳) ثانوی درجوں میں بھی اردو میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں مہیا کی جائیں (۴) تمام دفاتر اور عدالتیں اردو میں دستاویز قبول کریں۔ ان کے ترجمہ یا کسی دیگر زبان کے رسم الخط میں ان کو منتقل کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ دفاتر اور عدالتیں اردو میں عرضیاں اور درخواستیں بھی قبول کریں۔ (۵) جن علاقوں میں اردو رائج ہے اور جن کو اس غرض کے لیے مخصوص کر دیا جائے وہاں اہم قوانین، قواعد و ضوابط اور اعلانات اردو میں جاری کیے جائیں۔ اعلانیہ میں اس دفعہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ "یہ ضروری نہیں کہ مجالس قانون ساز اردو میں قوانین پاس کریں۔ یا ہر ایک قانون اردو میں جاری کیا جائے بلکہ اہم قوانین، قواعد

وضوابط اور اعلانوں کو مشتہر کرنے کی غرض سے مخصوص علاقوں میں ان کو یا ان کے بعض مضامین کو اردو میں جاری کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح اگر دو ریاستوں کے درمیان کوئی سرحدی علاقہ دو زبانوں والا خیال کیا جاتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ حکومت ان اعلانوں کو اردو زبان میں شائع کرے۔" خاص سہولتوں کے ضمن میں مذکورہ بالا دفعات کے بعد چھٹی دفعہ میں تاکید مزید کے طور پر کہا گیا ہے۔" ہندی کو نہ صرف ہمارے آئین میں ممتاز مقام حاصل ہے بلکہ یہ اتر پردیش اور بہار نیز ہندوستان کی کچھ دیگر ریاستوں میں بھی سرکاری زبان ہے۔ ہندی اور اردو کے درمیان کسی رقابت کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ لازمی طور پر ان ریاستوں میں ہندی کو بلند ترین مقام حاصل ہے لیکن آئین کی دفعات کے منشا کے مطابق ہندوستان کی ایک زبان کی جسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بولتی اور استعمال کرتی ہے، حوصلہ افزائی کے خیال سے، جو لوگ اسے استعمال کرنے کے عادی رہے ہیں اور جو اپنی مادری زبان خیال کرتے ہیں ان کو اردو استعمال کرنے میں آسانیاں مہیا کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا مناسب ہے۔ اس کا اطلاق خاص طور پر اتر پردیش اور بہار نیز دہلی پر ہوگا جو سینکڑوں برس سے اردو کے اہم مراکز رہے ہیں۔"

مرکزی حکومت کے اعلانیہ اور اس پر ہندی ریاستوں کی مہر تصدیق کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ چند معمولی احکام جاری ہوئے جن پر عملدرآمد کی ضرورت برائے نام سمجھی گئی اور اردو کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔ یہی حال سہ لسانی فارمولے کا ہوا کہ اس کے فائدے سے اردو کو محروم کر دیا گیا۔ یہ تمام حالات غیر ہندی ریاستوں سے بھی پوشیدہ نہ تھے اور نہ آج ہیں۔ ہندی ریاستوں نے اردو کے ساتھ جو غیر منصفانہ برتاؤ کیا ہے وہ ہندوستان کے غیر ہندی علاقوں کی نگاہوں میں ہے۔ ان کے ذہن میں یہ حقیقت رچ بس گئی ہے کہ ہندی نے مسند اقتدار پر بیٹھ کر جو سلوک اردو کے ساتھ کیا ہے اس سے دوسری زبانیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ لسانی مسئلہ از سر نو پیدا ہو گیا ہے اور طرح طرح کی تجویزیں سامنے آ رہی ہیں۔ مثلاً

۱۔ ہندی کو ہندوستان کی مشترکہ زبان بنایا جائے (ہندی ریاستیں)

۲۔ انگریزی کو مشترکہ زبان کی حیثیت سے باقی رکھا جائے (مدراس)

۳۔ دستور میں جو ۱۴ زبانیں درج ہیں ان سب کو سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا

(باقی صفحہ [illegible])

حیاۃ الصحابہؓ اردو عکسی
چہارم پنجم ششم ہفتم
تالیف: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم
ترجمہ
حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب فیض آبادی مدظلہ
شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس سرہ
مؤلف مدظلہ کی شہرہ آفاق کتاب حیاۃ الصحابہؓ عربی جو ہند، و پاک کے علاوہ ممالک اسلامیہ میں بھی قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کی جلد اول کے ترجمہ کے تینوں حصوں کی اشاعت کا عالم یہ ہے کہ ایک ہی سال کے اندر دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہا ہے اب عربی کی جلد دوم کے اردو ترجمہ کو چار برابر حصوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔
اردو ترجمہ کی خصوصیت
اس میں بھی مترجم موصوف نے اصل عربی الفاظ کو ترجمہ میں اس طرح سمویا ہے کہ مطلب واضح بھی ہو جائے اور ترجمہ با محاورہ سلیس اور دلکش بھی بن جائے اور حضرات علمائے اہل حق کی نظر میں ترجمہ کی خوبی و پسندیدگی نے تو کتاب کا معیار کافی بلند کر دیا ہے۔
کتاب خریدتے وقت
فاضل مترجم حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کا اسم گرامی ضرور دیکھ لیں کیونکہ کتاب کے پہلے تینوں حصوں کا ترجمہ بھی موصوف ہی کا ہے۔
کاغذ سفید، کتابت واضح، طباعت عکسی، ٹائٹل حسین رنگین، ہر حصہ میں تقریباً دو سو (۲۰۰) صفحات۔
ناشر: احمد انیس احمد غفرلہٗ ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳
حصہ اول، دوم، سوم یکجا مجلد ریگزین -/۱۰
حصہ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم یکجا مجلد ریگزین -/۱۲

سنہ آغاز
۱۹۳۳ء
الفرقان
لکھنؤ
33(2)
مرتبہ
عتیق الرحمٰن سنبھلی
مسئول
محمد منظور نعمانی
فی پرچہ ساٹھ نئے پیسے

جلد ۳۳ | بابتہ ماہ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق جون ۱۹۶۵ء | شمارہ (۲)

اگر اس دائرے میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ر جون تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔ ڈاکخانہ کی رسید ہم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یونہی کیا کم مسائل تھے کہ ایک مجسم مسئلہ مسٹر چھاگلا بن گئے ہیں۔ بمبئی ہائی کورٹ کی چیف جسٹسی سے سبکدوش ہو کر جب وہ برطانیہ میں ہندوستانی ہائی کمشنر کی حیثیت سے متعین ہوئے تھے تو انھی دنوں جبلپور وغیرہ کے دلدوز حادثات پیش آئے اور ایک خاص اتفاق کے ماتحت برطانوی اخبارات میں ان حادثات کا بہت چرچا ہوا۔ اس وقت مسٹر چھاگلا نے اپنی زندگی میں ہندوستانیت اور قوم پرستی کا سب سے پہلا ثبوت پیش کرتے ہوئے ایک مراسلہ بعض اخبارات کو دیا جس میں بڑی قطعیت کے ساتھ یہ اعلان تھا کہ ان تمام حادثات کے ذمہ دار خود ہندوستانی مسلمان ہیں جو ہمیشہ سے ہندوستان کی قومی زندگی کے دھارے میں ضم ہونے سے انکار کرتے آئے ہیں اور آج بھی علیحدگی پسندی کی راہ پر ہی چلنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں یہ مصائب ان کے سر آتے ہیں۔

کچھ عرصے کے بعد مسٹر چھاگلا مرکزی وزیر تعلیم کے عہدہ پر فائز ہو کر دہلی آ گئے اور اس عہدے کے ذریعے ہندوستان کی جس سب سے بڑی خدمت کا انھوں نے اپنے دل میں عزم کیا وہ شاید یہی تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کی زندگی سے علیحدگی پسندی کا "زہر" نکال کر انھیں قومی دھارے میں غرق کر کے ہی دم لیں گے۔ ظاہر ہے وہ وزیر اعظم نہیں وزیر تعلیم تھے۔ اس لیے اپنے خاص میدان کار ہی میں اپنے اس عزم کو جامۂ عمل پہنانے میں کوئی مؤثر رول ادا کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس میدان میں ان کی نگاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف گئی کہ یہ مسلمانانِ ہند کی "علیحدگی پسندی" کا ایک بہت بڑا مظہر ہی نہیں اس کا سرچشمہ بھی ہے۔ اور پھر یہ نگاہ اپنی تمام توجہات کے ساتھ اس پر مرکوز ہی کیوں نہ ہو گئی۔

سب سے پہلے جو چیز اس نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکی وہ یونیورسٹی کے نام میں "مسلم" کا لفظ تھا۔ اور اس لفظ کو ہٹانے کے لیے مسٹر چھاگلا نے اپنے ارادوں کا اظہار شروع کر دیا۔ لیکن یونیورسٹی کی خوش قسمتی تھی کہ ان ایام میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر بدرالدین طیب جی تھے۔ وہ آئے تھے تو خود ان کی ذات سے اندیشہ تھا کہ وہ یونیورسٹی کے مسلم کیریکٹر کو فنا کرنے کے خواہش مندوں کا آلۂ کار بنیں گے لیکن وہ اقبال کی زبان میں

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

کا مصداق ثابت ہوئے اور اس سستی نیشنلزم کے سامنے مضبوطی سے کھڑے ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی نبض ٹٹولنے والوں کی قوت مزاحمت شل کر دینے کے جس انداز میں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے یہ بات اٹھائی جا رہی تھی چلتے چلاتے بھی نہایت بے باکی سے اس کے بارے میں کچھ کر گئے کہ

"یونیورسٹی کے نام کے مسئلے پر یہ آنکھ مچولی اب بند ہو جانی چاہیئے"۔

افسوس ہو کہ طیب جی کو بہت جلد چلا جانا پڑا (اور وہ وزیر تعلیم سے اس کھلے ہوئے اختلاف کے بعد آسانی سے وہ بھی کیا کر سکتے تھے) اور ابھی وہ نکلے ہی تھے کہ یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر کے ساتھ طلبا کی نہایت نامناسب حرکت کا وہ واقعہ پیش آ گیا جسے ۲۵ اپریل کے واقعے سے یاد کیا جا رہا ہے۔ یہ افسوسناک واقعہ گویا ایک سنہرا موقع تھا جس نے فائدہ اٹھا کر مسٹر چھاگلا یونیورسٹی کے ساتھ جو چاہیں کر گزریں اور کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو۔ چنانچہ مسٹر چھاگلا جتنا زہر اس یونیورسٹی کے خلاف اگل سکتے تھے وہ سب کا سب اس موقع پر انھوں نے اگل دیا۔ اور پھر اس زہر پاشی سے ایسی فضا بنانے میں بھی وہ کامیاب ہو گئے کہ یونیورسٹی کی آئینی خودمختاری کو صدر جمہوریہ کے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ معطل کرا کے رکھ دیں۔

ہمیں نہ اس آرڈی نینس پر اس وقت کوئی تبصرہ کرنا ہے اور نہ مسٹر چھاگلا کی زہر چکانی پر۔ ہمارے سامنے اس وقت سوال یہ ہے کہ کیا وہ اقلیت باعزت زندگی کا کوئی حق نہ رکھتی ہو جس کے نام کی وزارتیں ایسے لوگوں کو ملاش ہوں جو اس اقلیت کو بدنام کرنے اور اس کی ہستی کے ایک ایک نشان کو فنا کر ڈالنے کی دلچسپی میں اکثریت کے تنگ دل عناصر میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے ہوں اور یہ اقلیت ایک آواز ہو کر کھڑی نہ ہو سکتی ہو کہ حکومت میں ہماری نمائندگی کا حصہ ایسے لوگوں کو دیا جانا ناقابل برداشت ہے؟۔

کہنے کو یہ بات ٹھیک ہے کہ حکومت میں نہ کوئی ہندو ہندوؤں کا نمائندہ ہے اور نہ مسلمان مسلمانوں کا نمائندہ بلکہ سب مشترک نمائندگی رکھتے ہیں۔ کیونکہ واقعی چھاگلا صاحب یا کسی اور کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر حکومت میں نہیں بھیجا ہے۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسلمان یا دوسری اقلیتوں کے افراد کو حکومت میں لیے جانے کا اصل منشا یہی ہوتا ہے کہ حکومت میں ان اقلیتوں کی حصہ داری کا اظہار ہو۔ اور کسی حد تک یہ بھی کہ اقلیتوں کے معاملات میں خود اُن کے افراد کے ذریعے زیادہ بہتر معلومات حاصل ہو سکیں۔ بیرونی ممالک میں ہمارے سفارت خانے مسلم وزرا اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کی فہرستیں آخر اور کیا دکھلانے کے لیے شائع کرتے ہیں؟۔ خصوصاً شری چھاگلا کے بارے میں تو یہ خصوصی واقعہ اتنی جلدی ہم کیسے بھول سکتے ہیں کہ گزشتہ سال جب وہ ادارۂ اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کی پرزور وکالت کر کے آئے اور پھر دہلی میں ایک جلسہ گویا اُن کے اعزاز میں ہوا تو وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے اسی جلسۂ عام میں انھیں یہ ہدایت بھی کی کہ وہ اپنا پورا نام واضح طور سے محمد علی کریم بھائی چھاگلا لکھا کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ وہ ایک مسلمان ہیں۔

ظاہر ہے کہ شری چھاگلا کے اسلامی نام کی نمائش تنہا اُن کی ذات کی بنیاد پر تو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی تھی اس کا فائدہ تو صرف اس نسبت کی بنیاد پر ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت ہند میں پانچ کروڑ مسلمانوں کے حصے کی نمائندگی کرنے والے ایک وزیر ہیں۔ پس اسی بنیاد پر مسلمانوں کو پورا پورا حق ہے کہ وہ حکومت

میں اپنے حصے کی نمائندگی کرنے کے لیے شری چھاگلا کے وجود پر سخت سے سخت اعتراض اور احتجاج کریں کیونکہ وہ مسلمانوں سے برسرپیکار ہونے کے بعد نہ تو اُن کے نام سے کچھ پانے کا استحقاق رکھتے ہیں اور نہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے کسی مسئلے میں اُن سے کوئی متوازن رہنمائی کا بینہ کو مل سکتی ہے۔ وہ اگر مسلمانوں کو برسرِ غلط سمجھتے ہیں اور اُن کی اصلاح کے لیے اُن سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جگہ مسلمانوں کے نام سے پائی ہوئی وزارت کی کرسی نہیں ہے، یہ کام وہ راجیہ سبھا کے محض ایک ممبر کی حیثیت سے راجیہ سبھا میں کریں یا اور زیادہ ہمت ہو تو پبلک میدان میں نکل کر آئیں۔ لیکن وزارت کی کرسی پر رہتے ہوئے نہ صرف اُن کے لیے اس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ کسی غیر مسلم وزیر کے لیے بھی اُس وقت تک اس کا کوئی حق نہیں تسلیم کیا جا سکتا جب تک ہندوستان کی حکومت کو ایک مشترک اور جمہوری حکومت کہا جاتا ہے۔

مسئلے کی یہ نہایت صاف اور واضح تصویر ہمیں اس بات کا سو فی صدی حقدار بناتی ہے کہ ہم وزیرِ اعظم اور صدرِ جمہوریہ ہند سے مسٹر چھاگلا کی حکومت ہند سے علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ اور یہی نہیں بلکہ اس تصویر میں ہمارے لیے ہر پہلو سے اس بات کا بھی جواز موجود ہے کہ ہم اس مطالبہ کو حکومت سے تعاون اور عدم تعاون کی شرط بنالیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری اُن لوگوں کی ہے جو باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر حکومت یا حکمران پارٹی کو کسی بھی قسم کا سیاسی تعاون دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ان کے دل ملت کے درد سے بیگانہ نہیں ہو گئے ہیں۔ یقیناً ان لوگوں کا اس وقت کوئی جراتمندانہ قدم مسلمانوں کے ہاتھ بے حد مضبوط کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ہماری بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بھی اس جرأتِ قلندرانہ کا حامل نہیں نکل سکتا، تب بھی مسلمانوں کی ہر چھوٹی بڑی تنظیم کا فرض ہے کہ وہ مسٹر چھاگلا کی حکومت سے علیحدگی کے مطالبے کو منظم کریں اور تمام مؤثر آئینی ذرائع سے چند دن کے لیے اپنی ساری طاقت اس مطالبے پر لگا دیں۔

ہم ابھی اس گزارش کو پھر دہرانا چاہتے ہیں کہ اگر ہم ہندوستانی جمہوریت میں اپنے ایک ایسے صاف اور واضح حق پر بھی اصرار کرنے کے لیے بے تابانہ کھڑے نہیں ہو سکتے جس میں ملک کے کسی دوسرے طبقے سے ٹکراؤ کا سوال نہیں ہے یعنی یہ کہ ہمارے نام سے جن لوگوں کو شو (Show) کیا جائے وہ کم از کم ہمارے کھلے دشمن نہیں ہونے چاہئیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم اس ملک میں کسی ادنیٰ درجہ کی باعزت زندگی کے بھی حقدار نہیں ہیں۔ اور پھر ہمارے وہ حقوق تو ابھی ہی طرح پامال ہونے چاہئیں جن میں اس ملک کے اندر ہمارا کوئی حریف طبقہ بھی پایا جاتا ہو! ——

جو لوگ مسٹر چھاگلا سے معافی کے مطالبے پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں ہمارے نزدیک وہ صحیح نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم تو اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ خود مسٹر چھاگلا سے استعفے کا مطالبہ کیا جائے۔ ہمارا مقدمہ ایک اصول کو منوانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو منوانے کی شکل صدرِ جمہوریہ اور وزیرِ اعظم سے مطالبہ ہے۔

حرمین پاک کی حاضری

محمد منظور نعمانی

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

اب سے دو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حرمین پاک کی حاضری نصیب فرمائی تھی، حج کے متعلق جو قانون ہمارے ملک میں کئی سال سے نافذ ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم جیسوں کے لیے پانچ سال تک تو حاضری کا بظاہر کوئی امکان ہی نہیں تھا، لیکن رب کریم نے محض اپنے فضل سے ایک شکل پیدا فرمائی اور اس سال پھر حاضری نصیب فرمائی ــــ چونکہ اس سفر کے تذکرہ میں ذکر کرنے والے کے لیے بھی لذت و سرور کا سامان ہے اور سننے اور پڑھنے والوں کے لیے بھی اس لیے کچھ باتیں حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔

محمد منظور نعمانی

رمضان مبارک سے چند دن پہلے دسمبر کی آخری تاریخوں میں اچانک مجھے اطلاع ملی کہ "رابطہ عالم اسلامی" (مکۂ مکرمہ) نے مجھے اپنی مجلس تاسیسی کا رکن منتخب کر لیا ہے (اس مجلس کا اجلاس سال میں کم از کم ایک دفعہ مکۂ مکرمہ میں ہوتا ہے) ــــ انتخاب کی اس اطلاع کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ رابطہ کا اجلاس حج سے کچھ پہلے مکۂ مکرمہ میں ہوگا۔ نیز رابطہ ہی کی دعوت پر پورے عالم اسلام کی ایک مؤتمر بھی اس سال حج کے بعد متصلاً مکۂ مکرمہ میں منعقد ہوگی اور عنقریب ان دونوں کا دعوت نامہ بھی مجھ کو مل جائے گا۔

میرے پاس چونکہ ہندوستان سے باہر سفر کے لیے پاسپورٹ نہیں تھا اور بعض تجربوں

کی بنا پر آسانی سے اور جلدی ملنے کی امید بھی نہیں تھی اس لیے میرا ارادہ ہوا کہ میں رابطہ کی رکنیت قبول کرنے سے شکریہ کے ساتھ معذرت کر دوں۔ لیکن رفیق محترم مولانا علی میاں نے (جو رابطہ کی تاسیس کے پہلے دن سے اس کے رکن ہیں) اور دوسرے دوستوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا، اور سب کی یہ رائے ہوئی کہ رکنیت قبول کر لینی چاہیے اور پاسپورٹ کے لیے پوری کوشش کرنی چاہیے ــــ مجھے چونکہ طبعاً ایسے کاموں سے بہت بُعد ہے جن کے لیے سرکاری دفاتر میں جانا پڑے اور ملاد باب اقتدار سے عرض معروض کرنی پڑے، اس لیے ان سب باتوں کے بعد بھی میری طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ آخر ایک دوست نے ذمہ داری لی کہ اس سلسلے میں جو کچھ کرنا ہوگا وہ خود کریں گے اور مجھے صرف درخواست پر دستخط کرنے ہوں گے۔ اس بات نے میرا خاص عذر تو ختم کر دیا لیکن رکنیت کے قبول کرنے میں بعض دوسری وجوہ سے بھی مجھے تردد تھا، چنانچہ میں نے کئی دن استخارہ کیا اور بالآخر آخر رمضان میں میں نے رابطہ کو منظوری کی اطلاع دے دی۔

اسی درمیان اخبارات سے معلوم ہوا کہ ہماری حکومت کی وزارت خارجہ نے یہ طے کیا ہے کہ جن لوگوں کو رابطہ کی طرف سے مدعو کیا جائے گا حکومت اُن کے لیے پاسپورٹ وغیرہ میں سہولت فراہم کرے گی ــــ وسط شوال میں میری طرف سے پاسپورٹ کی درخواست دی گئی اور جن مخلص دوست نے ذمہ داری لی تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے انھوں نے ہی ساری کوشش اور دوڑ دھوپ کی اور خلاف توقع چند ہفتوں میں سب مجھے انٹرنیشنل پاسپورٹ مل گیا۔

رابطہ کی مجلس تاسیسی کا اجلاس مکہ مکرمہ میں ۲۷ مارچ سے شروع ہونے والا تھا، ہم لوگ (رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور یہ عاجز) ۲۲ مارچ کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۲۳ کی صبح دہلی پہونچے، پی فارم کی کارروائی (جس کے بغیر ملک سے باہر کا سفر نہیں کیا جا سکتا) ۲۴ تک اس کی تکمیل ہو سکی اس لیے ہم ۲۵ مارچ کی شام کو دہلی سے جدہ کے لیے روانہ ہو سکے، راستہ کراچی اور بحرین ہو کر اختیار کرنا پڑا اور ان دونوں جگہ ہوائی جہاز بدلنے کے لیے کافی ٹھہرنا پڑا جس کی وجہ سے جدہ ۲۶ اور ۲۷ کی درمیانی شب میں پہونچ سکے۔

ہمارے بہت ہی عزیز دوست ارشد صاحب مرحوم جو ہمارے اس سفر سے ۲ ہی مہینے پہلے ایک تبلیغی سفر میں بحالت احرام میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان موٹر کے ایک حادثہ میں شہید ہو گئے تھے، ان کے اہل وعیال جدہ ہی میں مقیم ہیں۔ ۲۷ر مارچ کی صبح سب سے پہلے مرحوم کی تعزیت میں اُن کے گھر گئے (ان کے سب گھر والے مولانا علی میاں سے بہت ہی خاص تعلق رکھتے ہیں) پھر ظہر کی نماز جدہ ہی میں پڑھ کے اور اپنے خاص عنایت فرما الحاج عبدالقادر نورولی صاحب کے ہاں کھانا کھا کے اور تھوڑی دیر آرام کر کے مکۂ معظمہ روانہ ہوئے۔ اور ایسے وقت وہاں پہونچے کہ حرم شریف میں عصر کی اذان ہو رہی تھی۔

اس رب کریم کا شکر کس طرح ادا کیا جائے جس نے پھر اپنے حرم پاک کے در و دیوار دکھلائے اور حاضری کی توفیق دی۔ اندر داخل ہونے کے بعد بیت اللہ شریف پر نظر پڑی اور دل و زبان نے کہا

اللّٰھم زد بیتك ھذا تشریفاً
وتعظیماً وتکریماً ومھابۃ وزد
من شرفه وکرمه ممن حجه او
اعتمرہ تشریفاً وتکریماً وبرًّا
اللّٰھم انت السلام ومنك السلامُ
فحینا ربنا بالسلام

(اے اللہ اپنے اس مقدس بیت کی تشریف
وتکریم اور تعظیم وہیبت میں اضافہ فرما اور
حج وعمرہ کرنے والے جو بندے اس کی تعظیم و
تکریم کریں اُن کی بھی تشریف وتکریم اور ان کے
ساتھ احسان میں مزید اضافہ فرما، اے اللہ
تو سراپا سلامتی ہے اور سلامتی کا تو ہی
سرچشمہ ہے۔ تو ہمیں سلامتی کا تحفہ دے۔)

اس کے علاوہ اور بھی جن دعاؤں کی توفیق ملی ۔

اللہ کے ہزاروں بندے بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے پورا مطاف گویا بھرا ہوا تھا اس لیے حجر اسود کے قریب جانے کا ارادہ بھی نہ کر سکے دور ہی سے استلام پر قناعت کی اور عمرہ کا طواف شروع کیا۔ بار بار اپنے قلم سے لکھنے اور پچاسوں سیکڑوں دفعہ دوسروں کو بتانے کے باوجود طواف شروع کرتے وقت میں خود رمل کرنا بھول گیا۔ مولانا علی میاں یا مولانا معین اللہ صاحب نے یاد دلایا تو رمل شروع کیا ـــــ سات چکر پورے کر کے طواف ختم کیا اور رکعتین طواف پڑھیں۔ طائفین کے اس سمندر ہی میں کسی طرح باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ملتزم تک پہونچنا

بھی نصیب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے ہاتھ میں بندوں کے قلوب ہیں طواف میں بھی پھر تینوں طواف میں بھی اور اس کے بعد ملتزم پر بھی دعا نصیب فرمائی۔ اس کے بعد زمزم شریف پر آکر اس کا تازہ تازہ پانی پیا اور الحمدللہ خوب پیا اور دعا کی۔ اس سال دیکھا کہ زمزم شریف کے اوپر والی عمارت ختم کردی گئی ہے اور زمزم شریف میں مشین لگاکے اور پائپ کے ذریعہ دور تک اس کا پانی دوڑا کے اور پھر دو طرفہ سیکڑوں ٹونٹیاں لگاکے ایسا انتظام کردیا گیا ہے کہ سیکڑوں حجاج بیک وقت ان ٹونٹیوں کے ذریعہ زمزم کا تازہ تازہ پانی پی سکتے ہیں اور اپنے برتنوں میں بھر سکتے ہیں۔ ایک جانب کی ٹونٹیاں مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور دوسری جانب کی خواتین کے لیے۔ یہ انتظام بلاشبہ بہت اچھا کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حجاج میں جو ایک بڑی تعداد ناتربیت یافتہ اور بے سلیقہ لوگوں کی ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہاں بھی ہر وقت کشمکش کا سماں رہتا ہے۔

اس کے بعد ہم حجر اسود کا استلام کرکے سعی کے لیے صفا پر آئے، پہلے دعا کی، پھر "اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" کہہ کے سعی شروع کی اور سات پھیرے پورے کیے، ہر پھیرے کے خاتمہ پر صفا اور مروہ پر دعا کا اہتمام نصیب ہوا۔ آخری شوط کے بعد مروہ پہ دعا کرکے سعی سے فارغ ہوئے اور حلق کے لیے قریب ہی کی حجام کی ایک دکان پر آگئے اور حلق کرایا ——— الحمدللہ عمرہ پورا ہوا۔ جس رب کریم نے یہ عمرہ نصیب فرمایا وہی قبول بھی فرمائے۔

تبلیغی اخوان و احباب حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب، بھائی فضل کریم صاحب اور قاری سلیمان صاحب وغیرہ کو ہماری آمد کی اطلاع ہوگئی تھی وہ حضرات ہماری تلاش میں حجام کی اس دکان ہی پر آگئے ——— برسوں کے بچھڑے ایسے باخدا دوستوں کا ملنا اور اللہ کے ایسے نیک اور مقبول بندوں کی زیارت اور ان کی دعاؤں سے مستفیض ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

رابطہ کے ارکان اور مدعوین کے قیام وغیرہ کا انتظام رابطہ کی طرف سے عام طور سے سرکاری مہمانوں کی طرح ہوٹلوں میں ہوتا ہے۔ لیکن مولانا علی میاں ہمیشہ اپنے طور پر مولانا

عبداللہ عباس ندوی کے یہاں قیام کرتے ہیں اور ان ہی کے مہمان ہوتے ہیں۔ مولانا کی رفاقت اور معیت کی وجہ سے ہم لوگوں نے بھی یہی طے کیا تھا اور بلاشبہ مولانا عبداللہ عباس کے مخلصانہ تعلق کا یہی حق ہے۔ انھوں نے اس سال حرم شریف کے بالکل قریب "عمارۃ الاشراف" میں ایک پورا پلاٹ تقریباً ۴۔۵ ہزار ریال کرایہ ادا کر کے لے رکھا تھا۔ یہ مکہ معظمہ کی جدید طرز کی نہایت عظیم الشان دس گیارہ منزلہ ایک عمارت ہے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے گویا ایک مستقل آبادی ہے۔ مولانا عبداللہ عباس صاحب کے پاس اس کے ۴۔۵ کمرے تھے ان میں سے پورے دو کمرے انھوں نے ہم لوگوں کے لیے خالی کر رکھے تھے۔ ہمارا سامان وہاں پہونچ چکا تھا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مغرب سے کچھ پہلے ہم لوگ مکان پر پہونچے۔ اسی وقت غسل کیا اور کپڑے پہن کر مغرب کی نماز کے لیے حرم شریف آ گئے۔

رابطہ کا پہلا افتتاحی اجلاس آج بعد مغرب اس کے دفتر "قصر ملکی" میں ہونے والا تھا۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر مولانا علی میاں اور یہ عاجز "قصر ملکی" پہونچے —— رابطہ کے اجلاس میں شرکت کا میرے لیے یہ پہلا موقع تھا اور میں اس کی نوعیت اور ہیئت ترکیبی سے اسی دن واقف ہوا —— اس دن تو صرف ابتدائی کارروائی ہوئی۔ پھر اس کے بعد ایک ہفتہ تک رابطہ کی نشستوں کا سلسلہ جاری رہا۔

رابطہ کی ان مجالس، اس کی کارروائیوں اور پھر مؤتمر کے اجلاسوں کے متعلق تو انشاء اللہ مستقلاً "الفرقان" کی ایک مخصوص اشاعت میں کسی قدر تفصیل سے آئے گا۔ اس صحبت میں تو اس مبارک سفر کے سلسلے کی کچھ دوسری باتیں ذکر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

(۲)

اس سفر مبارک کی سب سے بڑی نعمت اور برکت تو حج و زیارت اور بیت اللہ کا طواف ہے، اور اس کے بعد دنوں اور راتوں کے وہ سارے اوقات ہیں جو مسجد حرام اور مسجد نبوی میں اللہ کی عبادت، اس کی کتاب پاک کی تلاوت اور اس کی یاد اور دعا و استغفار میں گزریں، اور بڑے مبارک ہیں وہ بندے جو ان نعمتوں کی قدر شناسی کے ساتھ ان سے بھرپور حصہ لیں۔ لیکن اس کی ضمنی برکات و منافع میں سے ایک بڑی برکت اور منفعت ساری نسلی

و لسانی تفریقوں اور جغرافیائی، سیاسی حد بندیوں کو توڑ کر مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پورے عالم اسلامی کے اہل ایمان خصوصاً ان کے اکابر داعیان اور علماء و صلحاء کا اجتماع اور ان کی باہم ملاقاتیں و صحبتیں ہیں جو امت مسلمہ کی عالمی برادری کے باہم ربط و تعارف اور ملت اسلامیہ کے بین الاقوامی کردار کی حفاظت و ترقی کا خداوندی انتظام ہے ــــ سوچیے تو ترکی، مصر، شام، الجزائر، مراکش اور مشرق میں چین، جاپان، انڈونیشیا ملایا، دلی اور لکھنؤ سے کس قدر دور ہیں، اور پاکستان اور افغانستان بھی نسبتاً کم دور ہونے کے باوجود درمیان کی سیاسی دیواروں کی وجہ سے کس قدر دور ہو گئے ہیں، اور ان کے رہنے والوں سے ملنا جلنا اور افادہ و استفادہ اب کتنا مشکل ہو گیا ہے لیکن حج کے موقع پر یہ سارے ملک اور وہاں کے رہنے والے مسلمان بلکہ دنیا بھر کے مسلمان مکہ معظمہ میں بلکہ خاص مسجد حرام میں اس طرح یکجا ہو جاتے ہیں جیسے ایک ماں کے بچے اس کی آغوش میں۔

(۳)

حج کا مجمع اس وقت کی امت محمدیہ کا پورا پورا نمونہ ہوتا ہے۔ اللہ کے ایسے بندے بھی نظر پڑتے ہیں جن کا چہرہ اور جن کی آنکھیں بتا دیتی ہیں کہ ان کا دل اللہ کی خشیت و محبت سے لبریز ہے۔ اور یہ "ایں ہمامی سوز ندومی گداز ند" کے پورے مصداق ہیں لیکن جس طرح آج امت محمدیہ میں یہ عنصر کمیاب ہے اسی طرح حج کے مجمع میں بھی اللہ کے ایسے بندے کچھ زیادہ تعداد میں نظر نہیں پڑتے۔ بڑی تعداد ایسوں کی ہوتی ہے جن کو اسلام کا اچھا اور معیاری نمونہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور افسوس ہے کہ خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جن کا حال دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ بے چارے اسلام سے بالکل ناواقف اور حرم پاک کے ابتدائی ادب سے بھی ناآشنا ہیں۔ امت میں اس عنصر کا ہونا اور اچھی خاصی تعداد میں ہونا کوئی نیا انکشاف نہیں ہے لیکن حج کے مجمع میں اور خاص کر حرمین پاک میں ان نمونوں کو دیکھ کر بڑی روحانی اذیت ہوتی ہے۔ قریب قریب ہر ملک سے آنے والوں میں اس طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ وہ طبقے ہوتے ہیں جو مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوئے لیکن دین کی حقیقت جاننے اور اس کی تربیت حاصل کرنے کا انھیں

کبھی موقع نہیں ملا۔ اور حج کے لیے چلے آئے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے سلسلہ میں بنیادی ضرورت تو اس کی ہے کہ ملک بہ ملک عوامی پیمانہ مسلمانوں میں اسلامیت کا صحیح شعور اور ان کی دینی تربیت کی جدوجہد ہو لیکن خاص موسم حج میں حکومت حجاز یا حکومت کے پورے تعاون سے کوئی دینی و اصلاحی ادارہ اگر صحیح طریقہ پر ایک منصوبہ بنا کر اس کے لیے کام کرے اور معلمین کو اس کے لیے استعمال کرے اور پہلے خود معلمین کو تربیت کے ذریعہ تیار کیا جائے تو بہت بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اور یہ کام پورے عالم اسلامی کی دینی اصلاح کا ذریعہ اور وسیلہ بن سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کے لیے ایک مفصل اسکیم بنا کر پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

قادیانی، سعودی حکومت کی نظر میں

اب کے ایک قابل ذکر واقعہ یہ پیش آیا کہ کلکتہ کے قادیانیوں کی ایک جماعت نے حج کو جانے کا پروگرام بنایا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اس حج کے ذریعہ کلکتہ اور اسکے نواح میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے زمین ہموار کر سکیں گے، وہاں سے واپس آکر وہ مسلمان عوام کو بتائیں گے کہ عقائد کی بنیاد پر ہماری مخالفت بس یہ ہندوستان ہی کے مولوی کرتے ہیں۔ مکہ مدینہ میں کسی نے ہماری کوئی مخالفت نہیں کی اور ہمارے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو ایمان والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ الغرض وہ اس حج کو اپنے لیے ایک سند اور سرٹیفکیٹ بنانا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اس کا اچھا خاصا پروپیگنڈا بھی کیا تھا ـــــ کلکتہ کے چند حساس اور بیدار مسلمانوں نے اس خطرہ کو محسوس کیا، اور ایک خط ملک حجاز شاہ فیصل کو لکھا کہ قادیانیوں کی ایک جماعت اس طرح حج کے موقعہ پر حجاز مقدس پہونچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ اپنے کو مسلمان بتا کر سفر کریں گے۔ حالانکہ یہ قادیانی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں اس خط کی ایک کاپی مملکۃ سعودیہ عربیہ کے مفتی اکبر کو، ایک رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری کو اور ایک ہندوستان کے سعودی سفارت خانہ کو بھی بھیجی گئی ـــــ

اس کوشش کے نتیجہ میں ان لوگوں کو ویزا نہ دیئے جانے کا حکم آگیا، چنانچہ بمبئی کے ویزا آفس نے سو آدمیوں کی اس پوری جماعت کو ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ ان کی سیٹیں ہوائی جہازوں میں ریزرو تھیں ـــــ لیکن "بھٹکل" (جنوبی ہند) کے بعض قادیانی خفیہ طور پر حجاز مقدس پہونچ گئے۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک نوجوان فاضل مولانا ریاض احمد صاحب فیض آبادی (جو جنوبی ہند میں قادیانی فتنہ کا مقابلہ کر رہے ہیں) وہ بھی اس سال حج میں تھے انھوں نے حجاز مقدس میں "بھٹکل" کے ان قادیانیوں کا تعاقب کیا، اور حکومت حجاز کو اطلاع دی کہ اس طرح چند قادیانی خفیہ طور پر آگئے ہیں۔ حکومت کی جانب سے ان کی تلاش ہوئی، ان میں سے صرف دو کا پتہ چلا اور وہ گرفتار کیے گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ابتدائی بیان میں قادیانی ہونے سے قطعی انکار کیا۔ لیکن جب ان کی ڈائری وغیرہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ واقعتہً یہ قادیانی ہیں تو بعد میں انھوں نے اقرار کر لیا۔ اس کے بعد اتمام حجت کے لیے ان کو تبلیغ کی گئی اور توبہ کے لیے کہا گیا، انھوں نے توبہ کی اور تحریری توبہ نامہ داخل کیا۔

اس سال کے ان واقعات کے بعد یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے کہ حکومت حجاز قادیانیوں کو مسلمان نہیں مانتی۔ اور اس بنا پر ان کو حج کے لیے حجاز مقدس پہونچنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ان میں سے جو لوگ جاتے ہیں وہ چوری چھپے جاتے ہیں۔

اعتذار اور اعلان

یہ الفرقان کا یہ شمارہ وقت پر کاغذ نہ مل سکنے کی وجہ سے ۱۰-۱۲ دن کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔
آئندہ اشاعت، جس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مضامین ہوں گے انشاء اللہ اپنے وقت پر یعنی جولائی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

اس کے بعد

اگست و ستمبر کا مشترک شمارہ **"رابطۂ عالم اسلامی نمبر"** ہوگا جو مکۂ مکرمہ کی موتمر عالم اسلامی کی کارروائی، قراردادوں اور اہم مقالات اور تقاریر پر مشتمل ہوگا۔

ـــــــــــــ ادارہ

حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے

مراسلات کی روشنی میں

از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوبات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بنام حضرت رائے بریلویؒ

مکتوب (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— حقائق و معارف
آگاہ فضیلت و کمالات دستگاہ السید الحبیب النسیب النجیب النقیب السید ابوسعید الحسنی سلمہ
اللہ واوصلہ الی فوق مناہ آمین ——— الحمد للہ الذی فتح الْسِنَۃَ اولیائہ
لمعارف لا تُعد ولا تحصیٰ وکشف علیھم عوارف لا عدھا یُرجیٰ والصلوٰۃ
والسلام علیٰ سید الاولیاء محمدن المصطفیٰ واحمد المجتبیٰ وعلیٰ
آلہٖ واصحابہ بُدورِ الدجیٰ ونجوم الھدیٰ ——— امابعد ——— از فقیر حقیر
عبدالعزیز عفا اللہ عنہ، والحمۃ بسلفہ الصالحین فی المکارم والمآثر مطالعہ فرمایند ———
الحمد للہ علی العافیۃ والمسئول من جنابہ الکریم ان یعافینا
وایاکم آمین ——— ہر چند بذکر جمیل الشان پیوستہ رطب اللسان

بودیم و در پیش ارباب بصیرت دفتر مناقب و احوال ایشان میکشودیم لیکن بجہت عدم وصول مکاتیب بہجت اسالیب کہ بمنزلہ نصف الملاقات است بلابل شوق در بساتین ارواح نغمات یا آسفی علیٰ یوسفؑ بہوں ہزار داستان در ترنم می آمد و نیران اشتیاق در کانون سرائر شعلہ بر می زد و عساکر اندوہ و فراق بر ولایات قلوب میتاخت و طائر جنان را بلجام افکار در ریاضت می انداخت ــــــ الحمد للہ کہ صحیفۂ شریفہ متضمن معارف حقہ و وجدانیات مطابقہ خاطر فاتر راگل گل شگفانید و از قید انتظار رہانید ــــ

نقلت لہ اہلاً و سہلاً و مرحبا۔ بخیر کتاب جاء من خیر کاتب فان کان منی فی العیان مخیلہ فلیس لدی صدری وقلبی بغائب ــ ہذا و قد طالعت معارفکم المکتوبۃ فی ذیل الصحیفۃ نوجدتہا صحیحۃ المعانی راسخۃ المبانی زاد اللہ فی عرفانکم و در رفع شانکم ــــ الا آنکہ درین معارف تفصیل دیگر کہ از ملفوظات حضرت ولی نعمت قدس اللہ سرہ و از مدرکات این فقیر است نیز فہم باید کرد و آن آنست .... این حالت عجب حالت است کہ بہ سبب غلبۂ ..... سکھ و مرہٹہ و جٹ بر بلاد مسلمین و نہب اموال ایشان و انتہاک حرمت ایشان دل و جان آسائش را فراموش نمودہ چنانچہ فقیر نیز مع قبائل مراد آباد انتقال نمودہ است و تمام میان دو آب زیر و زبر بنعال فرسان این بدکیشان شد لیکن الحمد للہ کہ این فقیر و قریۂ بہلت و برادر صاحب کلاں ہمہ با آبرو و ناموس جان و مال بسلامت ماندیم والسلام ــ از طرف ہمہ صغار و کبار اینجا خصوصاً والدہ صاحبہ و میاں رفیع الدین و عبد القادر و خواجہ محمد امین جیو و سائر یاران سلام شوق خوانند ــــــ

ترجمہ ــــــ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات دستگاہ ...... السید ابو سعید حسنی ــ اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے اور اس درجہ پر پہونچائے جس کی وہ تمنا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبے پر فائز کرے آمین ــــــ

اللہ کی حمد ہے کہ اس نے اپنے اولیاء کی زبانوں کو بے شمار معارف کے ساتھ گویا اور ان پر وہ عوارف ظاہر فرمائے جن کو گنا نہیں جا سکتا ــــ صلوٰۃ و سلام سید الانبیا

والا اولیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ پر اور ان کے آل و اصحاب پر جن میں سے ہر ایک بدر الدجیٰ اور نجم الہدیٰ تھا ــــ بعد حمد و صلوٰۃ ــــ فقیر حقیر عبد العزیز کی طرف سے مطالعہ فرمائیں ــــ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے اور اس کو مکارم و مآثر میں سلف صالحین سے لاحق فرمائے ــــ الحمد للہ عافیت سے ہوں اور رب کریم سے یہی درخواست ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو عافیت سے رکھے آمین ــــ

چونکہ آپ کے ذکر جمیل سے ہم ہمیشہ رطب اللسان رہتے تھے اور ارباب بصیرت کے سامنے آپ کے دفتر مناقب و احوال کھولتے رہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کے مسرت آمیز خطوط نہیں آ رہے تھے جو کہ نصف ملاقات کی مانند ہوتے اس لیے ہم سب کے عنادل شوق باغات ارواح کے اندر غم جدائی میں چہچہا رہے تھے اور اشتیاق کی آگ دلوں کی بھٹی میں بھڑک رہی تھی نیز اندوہ فراق کے لشکر ممالک قلوب پر چڑھائی کر رہے تھے اور ہم کو افکار میں مبتلا کر رکھا تھا۔ الحمد للہ کہ (ایسی حالت میں) صحیفۂ شریفہ پہونچا جو کہ معارف حقہ اور وجدانیات مطابقہ پر مشتمل تھا اور جس نے دل غمگین کو پھول کی طرح شگفتہ کر دیا اور قید انتظار سے رہائی دی ــــ میں نے کہا کہ مرحبا اچھے کاتب کے پاس سے اچھا خط آیا ہے اگرچہ وہ کاتب میری نظر سے غائب ہے مگر میرے سینے اور قلب سے غائب نہیں ہے ــــ میں نے آپ کے لکھے ہوئے معارف کا مطالعہ کیا جو اس مکتوب کے ذیل میں تھے ــــ میں نے اُن کو معارف کو صحیح اور پختہ پایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عرفان کو اور بڑھائے اور آپ کی منزلت کو بلند فرمائے ــــ مگر اتنی بات ہے کہ ان معارف میں ایک اور تفصیل بھی سمجھ لینی چاہیے جو حضرت ولی نعمت قدس اللہ سرہٗ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ذوق کی چیز ہے اور اس فقیر کے مدرکات میں سے ہے ــــ (آگے وہ تفصیل ہے جو یہاں پر دقیق ہونے کی بنا پر پیش نہیں کی گئی) ....

اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلاد مسلمین پر غلبۂ سکھ و مرہٹہ و جٹ کے باعث اور ان کے اموال مسلمین کو لوٹنے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل و جان نے آسائش و آرام کو فراموش کر دیا ہے چنانچہ فقیر بھی مع قبائل و متعلقین مراد آباد

آ گیا ہے۔ دوآبے کی تمام سرزمین مذکورہ بالا قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبر ہو گئی ہے۔ الحمد اللہ فقیر اور قریہ پھلت کے ساکنین اور بڑے بھائی (شیخ محمد قصبہ بڈھانہ میں) بعزت و آبرو اور جان مال کی سلامتی کے ساتھ ہیں —— والسلام۔ یہاں کے تمام خرد و کلاں کی طرف سے خصوصاً والدہ ماجدہ کی جانب سے اور میاں رفیع الدین، عبدالقادر اور خواجہ محمد امین[2] صاحب نیز تمام دوستوں کی طرف سے سلام پہونچے۔

مکتوب (۲) سلالۂ دودمانِ نجابت، خلاصۂ خاندانِ کرامت، مجمع المحاسن میر ابوسعید اسعدہم اللہ تعالیٰ بعد تحیات اشتیاق مرتسمات از فقیر عبدالعزیز واضح باد —— الحمد اللہ علی العافیہ والسلامۃ منہ، والمسئول من اللہ سبحانہ، ان یدیمہا فیادلکم —— قبل ازیں دو مرتبہ مکاتیب محبت اسالیب رسید۔ متضمنِ وقائع عجیبہ و

---

[1] الشیخ العالم المحدث محمد بن ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلویؒ احد رجال العلم والطریقۃ آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بڑے صاحبزادے (حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زوجۂ اولیٰ کے بطن سے تھے) دہلی میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی۔ اپنے والد بزرگوار سے مکمل تعلیم حاصل کی اور ان کے انتقال کے بعد قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۲۰۸ھ میں انتقال فرمایا۔ بڈھانہ کی جامع مسجد میں آپ کا مزار ہے {نزہۃ الخواطر جلد ۷}

[2] الشیخ العالم الکبیر الخواجہ محمد امین الولی اللّٰہی الکشمیری —— آپ اصل کے لحاظ سے کشمیری اور سکونت کے لحاظ سے دہلوی ہیں۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں (آپ پہلے وہ شخص ہیں جو) حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف نسبت کر کے ولی اللّٰہی کہے جاتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان سے بھی اخذ علم کیا ہے جیسا کہ عجالۂ نافعہ سے واضح ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان کے لیے بعض رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ ان کی وفات غالباً ۱۱۸۷ھ میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اگلے مکتوب گرامی سے ظاہر ہے {نزہۃ الخواطر جلد ۶}

کشوف صحیحہ بود خیلے مسرور گردانید حق تعالیٰ در ترقیات مراتب عالیہ افزائش کناد۔ توقع کہ
ہموارہ یاد فرمابودہ بر احوال سعادت مآل مطلع فرمودہ باشند کہ باعث زیادت اطمینان
خواہد بود مزاج فقیر از مدت یکساں بلکہ زیادہ بسبب عارضہ برودت و رطوبت
کسلمند میباشد الحمدللہ دریں ایام اکثر عوارض زائل شدہ طبیعت رو بصحت کلی آوردہ
مگر گاہ گاہ اندک اثرے ظاہر میشود تدارک آں بادویہ مجربہ نمودہ می آید۔ خاطر جمع دارند
برادران عزیز القدر سلمہم اللہ تعالیٰ سلام می رسانند۔ رفیع الدین بفضل الٰہی از
تحصیل علوم فارغ شدہ در مجلس ..... کہ مجمع علماء و فقراء بود دستار تبرک بستہ اجازت
درس دادہ شد۔ الحمد للہ مردم بسیارے از تعلیم وے مستفید اند عبد القادر ہم اکثر
کتب تحصیل را خواندہ است بمرتبہ فضیلت رسیدہ ان شاء اللہ ببرکت ادعیہ طیبہ
عنقریب فارغ التحصیل خواہد شد۔ عبد الغنی قرآن را ختم نمودہ در رمضان مبارک
گزشتہ در محراب استادہ شد باہتمام تمام در حفظ قرآن شریف اہتمام نمود۔ الحال کتب
فارسی شروع کردہ است بعد ماہ مبارک آئندہ قصد ہست کہ شروع در صرف و نحو کنانیدہ
خواہد شد والسلام۔ میر ابو اللیث و دیگر فرزنداں را سلام ہمہ ہا رسانند برادر صاحب
بزرگ شیخ محمد صاحب سلام شوق می رسانند۔ والدہ صاحبہ نیز سلام و دعا گفتہ اند
فقیر محمد امین (کاتب تحریر) سلام شوق ابلاغ می نماید۔
ترجمہ ۔۔۔۔ سلالۂ دودمانِ نجابت، خلاصۂ خاندانِ کرامت، مجمع المحاسن
میر ابو سعید اسعدہم اللہ تعالیٰ فقیر عبد العزیز کی طرف سے بعد سلام واضح ہو کہ
میں عافیت و سلامتی کے ساتھ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہم
کو اور آپ کو ہمیشہ عافیت سے رکھے ۔۔۔۔ اس سے پہلے دو محبت آمیز مکتوب ملے
جو وقائع عجیبہ اور کشوف صحیحہ پر مشتمل تھے، انھوں نے بہت مسرور کیا۔ حق تعالیٰ مراتب
عالیہ میں مزید ترقی عطا فرمائے ۔۔۔۔ امید ہے کہ (اسی طرح) ہمیشہ یاد فرما رہ کر
احوالِ سعادت مآل سے مطلع فرماتے رہیں گے تاکہ زیادت اطمینان کا موقع ملے ۔۔۔۔
۔۔۔۔ فقیر کا مزاج ایک سال سے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ سے عارضہ برودت

درطویت کے سبب کسلمند رہتا ہو۔ الحمدللہ ان ایام میں اکثر عوارض زائل ہوگئے ہیں اور طبیعت صحتِ کلی کی طرف متوجہ ہو مگر کبھی کبھی تھوڑا بہت (بیماری کا) اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تدارک مجرب دواؤں سے کیا جاتا ہے۔ خاطر جمع رکھیں۔۔۔ رفیع الدین بفضل الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ مجمع علماء و فقراء میں دستار تبرک ان کے سر پر باندھ کر اجازت درس دے دی گئی ہے۔ الحمدللہ بہت سے لوگ ان کی تعلیم سے مستفید ہوئے ہیں۔ عبدالقادر نے بھی اکثر کتب درسیہ کو پڑھ لیا ہے اور وہ بھی فضیلت و مولویت کے درجے کو پہونچ گئے ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو اور دولج طلبہ کی برکت سے عنقریب وہ بھی فارغ التحصیل ہوں گے۔۔۔ عبدالغنی نے قرآن شریف ختم کر لیا ہے۔ گزشتہ رمضان المبارک میں انھوں نے پہلی محراب سنائی۔ کامل استعداد کے ساتھ حفظِ قرآن میں انھوں نے اہتمام کیا ہے۔۔۔ اب انھوں نے کتب فارسی پڑھنی شروع کر دی ہیں۔ اگلے ماہ مبارک (رمضان) کے بعد قصد ہے کہ صرف و نحو شروع کرا دی جائے۔ والسلام۔۔ میر ابواللیث اور دیگر فرزندوں کو سب کا سلام پہونچائیں۔ برادرِ بزرگ شیخ محمد صاحب سلام شوق پہونچاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ بھی سلام و دعا فرماتی ہیں۔ فقیر محمد امین (کاتب تحریر) سلام شوق پہونچاتا ہے۔

مکتوب (۳) بزبان عربی ...... السید المجید والشریف الایدطُرّۃُ ناصیۃِ السیادۃ غُرّۃُ جبہتہ السعادۃ، نبوی الاخلاق والمآثر علوی الاعراق والمفاخر سید ابوسعید اکرمہُ اللہ بشہ ودہ وافاض علیہ برکات آبائہ وجُدُودہ الفقیر عبدالعزیز یرفع علیکم التحیات الوافیہ والدعوات الذاکیہ بُکرۃً وعشیّا ویذکر مکارمکم السنیّہ و مناقبکم العَلیّہ اثناء الصباح واطراف المساء .... ھذا وقد مضیٰ زمانٌ طویل لم نطّلع علیٰ خبرٍ من اخبارکم ولم نعرف اثراً من آثارکم ولا اکرمتمونا فی ھذہ المدۃِ المدیدۃِ بصحیفۃٍ وما کان ذالک ظنّا بکم فالمرجو منکم ان لا تنسونا من لطیف مکاتیبکم فانّ

المکاتیب نوع مواصلۃ۔ والسلام

الشیخ الکبیر محمّد و رفیع الدین وعبد القادر و عبد الغنی و شیخ محمد عاشق ومولانا نوراللہ وبابا فضل اللہ وخواجہ محمّد امین وشیخ محمد جواد وشیخ محمّد فائق کلہم یسلمون علیکم ویقبّلون یدیکم والسلام۔

ترجمہ ——— ...... السید الجید والشریف الاید.... سید ابوسعید اللہ تعالیٰ ان کو اپنے شہود سے مکرم کرے اور ان پر ان کے آباؤ اجداد والے فیوض و برکات برسائے

فقیر عبدالعزیز صبح وشام آپ کے لیے دعاہائے فراواں اور رات دن آپ کے مکارم اخلاق اور مناقب عالیہ کا تذکرہ کرتا رہتا ہے...... ایک طویل زمانہ گزر گیا کہ آپ کی کوئی خیر خبر نہیں ملی اور آپ کے آثار میں سے کوئی اثر معلوم نہ ہوسکا اور نہ آپ نے اس مدتِ مدیدہ میں اپنے مکتوب گرامی سے سرفراز فرمایا۔ آپ سے ایسی امید نہ تھی آپ سے تو یہ امید ہے کہ ہمیں اپنے مکاتیب سے فراموش نہ فرمائیں گے اس لیے کہ مکاتیب ایک قسم کی ملاقات ہوتے ہیں ——— والسلام ——— برادر بزرگ شیخ محمد، رفیع الدین، عبدالقادر، عبدالغنی، شیخ محمد عاشق، مولانا نوراللہ، بابا فضل اللہ، خواجہ محمد امین، شیخ محمد جواد اور شیخ محمد فائق (ابن شیخ محمد عاشق) یہ سب کے سب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی دست بوسی کرتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۔میر ابوسعید رائے بریلویؒ بنام صاحبزادگان شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

(بہ زبان عربی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— الحمد للہ الذی جعل المحدثین المجتبین والعلماء ورثۃ الانبیاءِ وعلّمھم اسرار شیونا تہ وتنزلاتہ فی مدرستہ الازلیہ...... وعزّزھم بالعزۃ القدسیۃ حیث تعالیٰ ذو العظمۃ والکبریاء انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ افضل الرُّسُلِ والانبیاء وعلیٰ آلہ واصحابہ الّذین ھُم نجوم الاھتداءِ وعلیٰ مشایخنا الکرام والنقباء ——— امّا بعد فتم الکلام بمفاتح التحفۃ الصیبہ والاکرام فیسلم

علیکم وَیسئل احوالکم الکریمہ المحب المخلص الداعی الی جناب العالی ابوسعید.......... مولانا ومحمد ومنا الشیخ عبد العزیز وشیخ محمد وشیخ رفیع الدین وشیخ عبد القادر وشیخ عبد الغنی سلمکم اللہُ تعالیٰ بالبرکات وامکث اللہُ وجودکم فی الدنیا بالحفظ والامان ولیسترکم فی الدار الآخرۃ باعلی الجنان وصانکم اللہ من الآفات والعاھات بحرمۃ النبی آخر الزمان وبَعدُ فان سألتم عن احوالی فللّٰہِ الحمد والمنۃ شرفنا اللہ تعالیٰ بزیارۃ الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیما ودَخلنا فی شہر ربیع الثانی فی مکۃ الشریفۃ فی آخر ثلث اللیل وکان الوقت مبارکاً منوراً بجذبنا الیہا حتی دخلنا من باب السلام مع ابنی ورفقائی بین یدی الکعبۃ المبارکۃ وشفنا ھا ودعونا فی حقنا وفی حق مشائخنا واصولنا وفروعنا وجمیع المؤمنین والمؤمنات ما کان ینبغی لھم وأدّینا العمرۃ وسعینا بین الصفا والمروۃ ولبثنا فیھا........ واعطانا اللہ فیہا برکۃً معنویۃً ــــــ یوماً کنتُ فی منزلی مضطجعاً متیقّظاً متفکراً فی سرّ الکعبۃ الشریفۃ وطوافہا وخصوصیتہا فی ھذا لمکان المخصوص دون مکان آخر۔ نبّانی اللہ تعالیٰ حقیقۃ الکعبۃ وسرّ طوافہا وھی الخ.............. والملتمس من حضرتکم اذا وَصَلَ ھذ الورق الی جنابکم الاعلیٰ ان تلاحظو مضمونہا وتدعون ما کان الخیر فی حقنا ان اللہ لا یضیع اجرکم کتبت عجلۃً لاتنظروا الی قصورنا فی العلم۔ العاقبۃ بالعافیۃ والسلام والاکرام۔

ترجمہ مکتوب شاہ ابوسعید حسنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ...... بعد الحمد والصلوٰۃ ..... دعا گو ابوسعید آپ حضرات کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے ..... "آپ حضرات" سے میری مراد ....

مولانا و مخدومنا شیخ عبدالعزیز، شیخ محمد، شیخ رفیع الدین، شیخ عبدالقادر اور شیخ عبدالغنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکات کے ساتھ سلامت رکھے اور دنیا میں آپ کا وجود حفظ و امان کے ساتھ قائم رکھے نیز آخرت میں اعلیٰ جنت نصیب فرمائے اور (اس جہان میں) آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ بحرمۃ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔
۔۔۔ اللہ کی حمد ہے اور اس کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً ۔ ہم مکہ معظمہ میں ربیع الثانی کے مہینے میں رات کے آخر ثلث میں پہونچے تھے۔ وہ وقت بڑا ہی مبارک اور منور تھا اور اس وقت ایک خاص کشش خانۂ کعبہ کی طرف تھی ۔۔۔۔ چنانچہ ہم اپنے لڑکے (میر ابو اللیث) اور اپنے رفقاء کے ساتھ باب السلام سے (مسجد الحرام میں) داخل ہوئے اور کعبۂ مبارکہ کے سامنے جاکر کھڑے ہو گئے۔ ہم نے خانۂ کعبہ کی زیارت کی اور اپنے حق میں اور اپنے مشائخ، اصول و فروع اور جمیع مومنین و مومنات کے حق میں دعائے خیر کی۔ پھر ہم نے عمرہ ادا کیا اور (طواف کے بعد) صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ۔۔۔۔ مکہ معظمہ میں ہم کئی دن ٹھہرے اللہ تعالیٰ نے ہم کو مکہ معظمہ میں برکتِ معنویہ عطا فرمائی ۔۔۔۔ وہاں ایک دن میں اپنی قیام گاہ میں لیٹا ہوا تھا۔ جاگ رہا تھا اور کعبۂ شریفہ کی حقیقت کے سلسلے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے طواف میں کیا مصلحت ہے اور دوسرے مقامات کو چھوڑ کر اسی مکان مخصوص کی کیا خصوصیت ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے حقیقتِ کعبہ اور اس کے طواف کی مصلحت و خصوصیت سے آگاہ فرمایا اور وہ یہ ہے ۔۔۔۔۔ [یہ ایک دقیق اور خالص الہامی مضمون ہے اس لیے اس کو یہاں درج نہیں کیا گیا] (آخر میں ہے) آپ حضرات سے التماس ہے کہ جب یہ مراسلہ آپ کی خدمت عالی میں پہونچے تو اس کے مضمون کو ضرور ملاحظہ فرمالیں اور ہمارے حق میں جو خیر ہو اس کی دعا فرمائیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا ۔۔۔۔ میں نے یہ خط عجلت میں لکھا ہے ۔۔۔۔ ہمارے قصور علمی پر نظر نہ فرمائیے گا ۔۔۔۔ انجام عافیت کے ساتھ ہو ۔ والسلام والاکرام ۔۔۔۔۔۔

جواب از طرف حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (بہ زبان عربی)

مکتوب (۲) ـــــ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ الحمد للہ الذی کشف اسرار العوالم صغیرھا وکبیرھا وکلھا وجُزءِ ھا وغیبتھا وشھادتھا و ارواحھا ومثالھا علیٰ من یشاءُ ـــــ لاسیماً النبی الاُمّی الھاشمی البالغ الغایۃ القصویٰ فی الاعتلاءِ صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصَحْبِہٖ ما دامت الارض والسماء ـــــ الیٰ السیّدِ الحبیبِ النسیبِ العارف اللبیبِ صاحبِ الکمالاتِ العالیہ والمعارف السَنیۃ ـ حاج الحرمین الشریفین زائر المکانین المحترمین وارث الاسرار بالاستحقاق، مصداق السعید من سعد فی بطن اُمّہٖ بلاخلاف وشقاق سلمہ اللہ تعالیٰ وعجّل لنا بالخیر والسلامۃ لُقیاہٗ من الفقیر عبد العزیز وسائر اخوانہٖ المشاقین الیٰ لقائکم الراغبین الی اللہ فی طول بقائکم ـ اما بعد ـ فقد وصلتِ الرقیمہ الکریمہ منبئۃً عن سلامۃِ ذاتکم مخبرۃً عن تفاصیل حالاتکم مُبشِّرۃً بحصول الحج الشریف والزیارۃ المنیف لکم ولولدکم الارشد ورفقائکم وانکم قد دعوتُم فی ذٰلک المکان المعظم والمکرم المجسم فی تلک الساعۃ المیمونۃ المبارکۃ المفخمہ لجمیع المومنین والمومنات ولذوی الحقوق منکم علی التخصیص المرجوأنّ دعائکم ان شاء اللہُ مستجابٌ بلاشکٍ ولاارتیاب جزاکم اللہُ تعالیٰ احسن الجزاء ورزقکم حُسن المآب ـــــ فحمدنا اللہ تعالیٰ علیٰ کلّ ذٰلک وشکرناہ وغبطنا لانفسنا وتمنیناہ اِنّ اللہ تعالیٰ علیٰ تحصیلہ لنا قدیر ...... واما ما اشرتم الیہ مِنْ حصول البرکات المعنویہ فی تلک الاماکن العالیہ فذٰلکَ ھو الیقین والصّواب وقرّۃُ عین الاحباب ادام اللہ لکم الترقیات وشرّفکم العوالی التجلیات واما ماکتبتُم

فی سرّ الکعبۃ وطوافہا فہو امر مطابق لکشف الکبار من الاولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین .... وبالجملۃ مکشوفکم حق وصواب ھنیئاً لکم امثال ھذہ المعارف الحقیۃ والعلوم العمیقۃ الدقیقۃ واما ما التمستم من الدعاء فنحن نلتمس منکم اضعافہ ولا نغفل عن الدعاء فی حقکم وفی حق ولدکم وکل من توسل بکم طرفۃ عین — تقبل اللہ منا ومنکم ورزقنا وایاکم سعادۃ الدارین والسلام۔ وقد توفی الی رحمتہ من اصحاب سیدنا وشیخنا قدس سرہ الشیخ اھل اللہ والشیخ محمد عاشق والشیخ نور اللہ وخواجہ محمد امین وحاجی محمد سعید البریلوی فادعوا اللہ تعالیٰ فی حقہم —

ترجمہ — یہ خط عبدالعزیز اور اس کے تمام بھائیوں کی طرف سے ہے — جو مکتوب الیہ کی ملاقات کے مشتاق اور ان کی طول عمر کے اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہیں۔ — اور حبیب و نسیب، عارف لبیب، صاحب کمالات و معارف عالیہ حاجی حرمین شریفین زائر مکانینِ محترمین ...... (میر ابوسعید) کی طرف لکھا جا رہا ہے — اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے اور خیر و عافیت کے ساتھ ہم کو جلد ان کی ملاقات میسر کرائے — — بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ مکتوب گرامی ملا جو آپ کی سلامتی کی اطلاع اور آپکے تفصیلی حالات کی خبر دینے والا تھا — اس میں حصولِ حج و زیارت کی خوشخبری بھی تھی اس خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے (میر ابواللیث) اور آپکے رفقاء کو بھی یہ سعادت حج و زیارت نصیب ہوئی — یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے اس مقام معظم و مکرم (مسجد الحرام) میں ساعتِ سعید کے اندر تمام مومنین و مومنات کے لیے عموماً اور اہل حقوق کے لیے خصوصاً دعا فرمائی۔ امید تو یہی ہو کہ آپ کی دعا ان شاء اللہ تعالیٰ بے شک و شبہ مستجاب ہو گی — اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا دے اور آخرت کی بھلائی عطا کرے — ہم نے (آپ کا خط پڑھ کر) مندرجہ مکتوب باتوں پر اللہ کی حمد کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ ہم کو آپ کی اس کامیابی پر غبطہ و رشک ہوا اور اس

کامیابی کی اپنے لیے بھی تمنا کی ــــ اللہ تعالیٰ اس سعادت و کامیابی کے حاصل کرانے پر قادر ہے ...... آپ نے ان مقامات مقدسہ میں حصولِ برکاتِ معنویہ کا جو ذکر فرمایا ہے وہ بالکل حق و صواب اور احباب کی آنکھوں کا نور ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ترقیات کو دائماً برقرار رکھے اور آپ کو تجلیات سے مشرف فرمائے ــــ آپ نے کعبہ اور طوافِ کعبہ کی حقیقت پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی صحیح اور کبار اولیاء رحمہم اللہ کے کشف کے مطابق ہے ــــ ...

.... حاصل کلام یہ ہے کہ آپ کا مکشوف بالکل صحیح و درست ہے۔ آپ کو اس طرح کے معارفِ حقّیہ اور علوم دقیقہ مبارک ہوں ــــ اور آپ نے دعا کا جو التماس کیا ہے تو ہم بھی آپ سے زیادہ سے زیادہ دعا کی درخواست کرتے ہیں اور آپ کے اور آپ کے صاحبزادے اور آپ کے متوسلین کے حق میں دعا کرنے سے ایک لمحہ غافل بھی نہیں ہیں ــــ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی دعا قبول کرے اور ہمیں اور آپ کو سعادتِ دارین نصیب فرمائے ــــ سیدنا و شیخنا قدس سرہٗ (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) کے اصحاب میں سے یہ حضرات وفات پاکر جوار رحمت خداوندی میں پہونچ گئے ہیں ــــ

(۱) شیخ اہل اللہ (۲) شیخ محمد عاشق (۳) شیخ نور اللہ (۴) خواجہ محمد امین (۵) حاجی محمد سعید بریلوی[1] ــــ ان حضرات مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں ــــ

---

[1] الشیخ العالم الصالح محمد سعید بن محمد ظریف بن خان محمد بن یار محمد ابن خواجہ احمد الافغانی الدہلوی ــــ ــــ آپ افغانستان میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما پائی۔ تحصیل علم کے لیے دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہو کر کمالاتِ علمیہ سے مالا مال ہوئے۔ آپ بھی سفرِ حجاز میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ہمراہ تھے۔ اپنے شیخ کی حیات میں برابر خدمتِ اقدس میں رہے۔ بعد وفاتِ شاہ صاحبؒ آپ دہلی سے بانس بریلی تشریف لے آئے۔ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خان نے آپ کو اپنے صاحبزادے عنایت خاں کا معلم مقرر کیا۔ چنانچہ آپ نے بریلی ہی میں اقامت کرلی۔ اور وہیں ۱۱۸۰ھ سے کچھ پہلے انتقال فرمایا۔ آپ کے پوتے مولانا نجم الغنی نے صاحب نزہۃ الخواطر

(باقی بر صفحہ ۱۲۶)

مکتوب سید محمد نعمان حسنی[1] بنام حضرت شاہ ابو سعید حسنی رحمۃ اللہ علیہ۔

[جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری حالات اور دیگر نادر معلومات پر مشتمل ہے۔]

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ ۔ الحمد للہ علی النعماء والرضا علی القضا والصبر علی المصیبۃ والبلا ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الشاکرین وزبدۃ الراضین وقدوۃ الصابرین شفیع المذنبین ورحمۃ للعٰلمین محمدٍ وآلہٖ وصحبہ الطیبین الطاھرین وعلیٰ ورثتہٖ علماء الراسخین واولیاء المرشدین الیٰ یوم الدین بعد ھذا ۔ اگر شرح سوگواری ... واقعۂ ارتحال امام سنت وجماعت ومقتدائے ارباب کرامت، پیشوائے عرفائے زماں سرآمد اولیائے جہاں قطب زمانی، محبوب سبحانی سیدنا ومرشدنا ولی اللہ فاروقی مجدد مآتہ دوم الف ثانی رضی اللہ عنہ ازیں عالم پُر ملال بصوب دار الافضال بوصال ذو الجلال بر صفحۂ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)
کو ہی سنِ وفات بتایا ہے۔ مکتوب حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قریب قریب یہی سنِ وفات معلوم ہوتا ہے ۔۔۔۔ {نزہۃ الخواطر جلد (۶)} ۔۔۔۔ تاریخ کا یہ ابہام دوست سالکہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کامل رکھنے والی پانچ اہم اور باکمال شخصیتیں ایک سال کے اندر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں ۔ اس کا انکشاف حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب گرامی سے ہوتا ہے ۔۔۔ حضرت شاہ ابو سعید حسنی ۱۱۷۶ھ میں حجاز کو روانہ ہوئے اور ۱۱۷۸ھ میں واپس آئے ہیں۔ واپسی پر ۱۱۷۸ھ میں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو یہ مکتوب لکھا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ۱۱۷۶ھ میں ان سب حضرات کا انتقال ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ۱۱۷۷ھ سب کا سال وفات ہو یا بعض کا ۱۱۷۶ھ میں اور بعض کا ۱۱۷۷ھ میں وصال ہوا ہو لیکن مولانا نجم الغنی نے اپنے دادا کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ ۱۱۷۷ھ سے کچھ پہلے یعنی ۱۱۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے جس سے حاجی محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ۱۱۷۶ھ متعین ہے مگر دوسرے چار حضرات کے متعلق پھر احتمال ۱۱۷۷ھ کا بھی ہے۔ اسی وجہ سے صاحب نزہہ نے احتیاطاً ان بقیہ چار بزرگوں کی تاریخ وفات کو ان الفاظ میں لکھا ہے "قد توفی فی نحو سنۃ سبع وثمانین ومائۃ والف" نزہۃ الخواطر جلد ۶ میں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جس مکتوب گرامی کا کئی جگہ ذکر ہے وہ یہی مکتوب (۳) ہے ۔۔۔۔

[1] مولانا سید محمد نعمان بن سید محمد ابن سید محمد ہدیٰ ابن عارف باللہ سید محمد علم اللہ حسنی رائے بریلوی قدس سرہم۔

روزگار ثبت باد ہر آئینہ مانند حال ما غریبان سر دے

چہ بخاطر رسید یار مرا کہ بہجراں کشید کار مرا

وا مصیبتاہ ـــــــ ایں چہ بے نیازی .... است کہ ہمچنیں روح مقتدائے ما

در کمتر وقت بعر شصت و دو سالگی ندائے ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ دادند و اصحاب بدع و ضلال

را عشرت آگین نمودند و اصحاب دین را اندوہگین کردند یعنی بتاریخ سلخ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ

یک ہزار و یکصد و ہفتاد و شش یوم السبت وقت الظہر بامر داعی برحق روح مطہر آنحضرت

از قالب عنصری مفارقت نمودہ بادرج علیین نشیمن ساختہ ...... حالت تمام اصحاب احباب

از مفارقت آنجناب چناں تباہ و خراب بود کہ از حیز تحریر بیرون است ..... اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

رَاجِعُوْن ۔ رحمۃ اللہ علیہ وَعلیٰ من بجنابہ متوسلون آمدیم بر اینکہ از فضل الٰہی و تصدق

جناب حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم جاذبہ حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ ایں

عاصی را بسوئے خود کشید بشہر ذی قعدہ در بڈھانہ رفتہ بتقبیل آستانہ متبرکہ استسعاد یافتہ

و بملازمت جناب قدسی القاب مشرف گردید و بہ حالات خود و توجہات عالیات بیش از

بیش یافتہ از انجا کہ حضرت ایشاں جہت ندا دی و تدابیر در ماہ ذی حجہ تا تاریخ نہم بشہر

دہلی بمکان ابا فضل اللہ در مسجد روشن الدولہ بچوک سعد اللہ خاں نزول فرمودند از فرزندان

گرامی میاں محمد صاحب و میاں عبد العزیز و میاں رفیع الدین مدظلہم العالی ـــــــ

و میاں محمد عاشق صاحب و میاں اہل اللہ صاحب و میاں محمد فائق و میاں محمد جواد و

محمد امین وغیرہ یاران حاضر خدمت بودند و این غلام و میر محمد عتیق و میر قاسم علی کہ در وقت

آخرین شرف انتساب بیعت یافتہ ـــ ہر روز بشرف حضور پر نور و خدمت گاری وسیلۂ

حضور و در حضور سعادت اندوز میشدیم ۔ متفقا ایں مجلس آخریں عجب مجلسے بود پر فیض دائما

مہبط ملا ملکوت و نزول ارواح طیبہ ارکان عالم ناسوت میگردید و نفحات انس و رحمت و

رشحات قدس و برکت بمثال نزول غیث می بارید ۔ اکثر یاران اہل نسبت بوجدان محو

خودی و ربا فتند ـــــ و احسرتا اہل اللہ و عرفا لا زال در ہر زمان می باشند اما ایں

چنیں مرد با جمعیت اوصاف حمیدہ اعلم بکتاب و سنت با جتہاد مطلق و در حقائق و

و معارف بحرِ مواج و در علوم دیگر محض فیاض پس از صدہا سال می آید ؎

دورہا باید کہ تا یکمرد صاحبدل شود بایزید اندر خراساں یا سہیل اندر یمن

یاراں می باید کہ مصابرت و شکیبائی ورزیدہ نسبتِ رابطۂ حضرت شیخ را بمجامع ہمت در تصور نہادہ بمراقباتِ معلومہ مشغول باشند ان شاء اللہ تعالیٰ فیض صحبت و رابطہ برابر خواہد بود کما یفیض من بعض رسالاتہ رحمۃ اللہ علیہ ـــ و الحمد للہ رضامندیٔ حضرت صاحب قدس سرہ از انصاحب و توجہاتِ عالیات بر حال ایشاں زیادہ از حدِ بیان یافتہ اکثر اوقات استفسارِ احوالِ سامی می فرمودند ما جرائے غارتگریٔ ابدالیاں و رسیدنِ آنصاحب در عینِ رستخیز و انطفاء یافتنِ التہابِ نہیب بسبب قدوم گرامی از زبانِ درفشاں مودی ساختند و شاید کہ منظور لقائے آخرین بضمیر منیر بودہ باشد مرۃً فرمودند کہ "میر ابو سعید ارادہ آمدن دارند اگر زود برسند بہتر باشد" صاحبِ من! ظاہرِ صحبتِ ایشاں رو با ستتار کشیدہ تصنیفات آنحضرت قریب نود بل زیادہ در علوم دین از تفسیر و اصول و فقہ و کلام و حدیث مثل حجۃ اللہ البالغہ و اسرار فقہ و مصفّٰی و ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و ترجمۂ قرآن کہ ہر واحد قریب ہشتاد و نود جزو کلاں بحجم خواہد بود و دیگر رسائل در حقائق و معارف مثل الطاف القدس و ہمعات و فیوض الحرمین و انفاس العارفین و غیرہم کہ نشاں از صحبت و برکت خدمت می دہند می باید کہ عزیمت برایں آرند کہ ہمہ را نویسانیدہ رائج نمایند بالذات توجہات سرانجام خواہد یافت و مثل ایں تصنیفات واللہ اعلم در اسلام تصنیف شدہ باشد یا نہ۔ چنانچہ اربابِ بصیرت عبرت یافتہ اعتراف دارند و کلام ایشاں در ہر باب کہ نوشتہ اند اصول است .... و یقین این فقیر و دیگر صاحبزادہ ہا و یارانِ حضرت بملاحظۂ فرطِ محبتِ سامی بجنابِ حضرت۔ انیست کہ بمجردِ شنیدن ایں حادثۂ عظیمہ جہتِ تاکو روحانیت و زیارت مرقدِ مطہر راہی ایعقوب خواہند شد ـــ لہٰذا منتظرِ قدوم ہستم اگر زود تشریف بیارند بارے بملاقات سامی سرور الوقت شوم و اگر توقف در آمدن باشد اعلام نمایند کہ فقیر ہم عزم مراجعتِ وطن دارد ـــ و دیگر آنکہ میاں محمد عاشق صاحب بعد سلام فرمودہ اند کہ میر ابو سعید جیو را بنویسید کہ ہر مکاتیب

حضرتِ ایشان کہ بجانب آنصاحب شرف صدور یافتہ باشند نقل آنہا البتہ بفرستند کہ داخلِ مکاتیب نمودہ شود از حضرت میاں اہل اللہ صاحب و دیگر یاران و صاحبزادہا سلام اسم باسم مطالعہ فرمائید ـــ و کیفیت ارتحال و وصالِ مرحوم و مغفور غفران پناہ بھائی محمد معین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ...... بجناب عالی حضرت صاحبؒ قبلہ در مقام بڈھانہ عرض کردم فاتحہ بر روحانیت خواندند و تاسفہا نمودند ـــــ

ترجمہ ـــ باسمہ سبحانہ و تعالےٰ شانہٗ ـــ اللہ تعالےٰ کی حمد ہے اس کی نعمتوں پر تیز جذبۂ رضا بالقضا کے حصول پر اور مصیبت و بلا میں صبر کے حاصل ہونے پر اور درود و سلام سید الشاکرین، زبدۃ الراضین، قدوۃ الصابرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ پر اور (آپ کے ضمن میں) آپ کے آل و اصحاب پر جو کہ طیب و طاہر تھے اور آپ کے وارثین یعنی علماء راسخین اور اولیاء مرشدین پر تا قیام قیامت ـــــ

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ امام سنت و جماعت، مقتدائے ارباب کرامت، پیشوائے عرفائے زمان، سرآمدِ اولیاء جہاں، قطبِ زمانی، محبوب سبحانی سیدنا و مرشدنا ولی اللہ فاروقی مجدد وقت رضی اللہ عنہ کے انتقال پُر ملال کا واقعہ اگر تفصیل سے لکھا جائے تو ہم جیسے غمزدہ لوگوں کے مناسب حال ہے ـــ ہمارے دوست کے دل میں کیا آیا کہ ہمیں فراق و مہجوری میں مبتلا کر گیا ـــ وامصیبتاہ ـــ اللہ تعالےٰ کی شانِ بے نیازی کا عجیب نمونہ ہے کہ ایسے مقتدا کی روح کو صرف ۶۲ سال کی عمر میں ارجعی الیٰ ربکِ راضیۃ مرضیہ (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی اور پسندیدہ ہو کر رجوع ہو جا) کی ندا دے دی گئی اور بدعت و ضلالت والوں کو خوش اور اصحاب دین کو اندوہگین کر دیا گیا ـــ یعنی محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کی آخری تاریخ میں ہفتے کے دن ظہر کے وقت حکم خداوندی کے مطابق حضرتِ اقدس کے طائر روح مطہر نے اوج علیین پر اپنا نشیمن بنا لیا ......

اصحاب و احباب کی حالت، آنجنابؒ کی مفارقت سے ایسی خراب و خستہ تھی کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی ...... اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــ

اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ پر اور آپ کے متوسلین پر نازل ہو ——

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں —— فضلِ الٰہی سے اور درگاہ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے صدقے میں اس عاصی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کشش نے اپنی طرف کھینچا چنانچہ ذی قعدہ (۱۲۳۴ھ) کے مہینے میں بڈھانہ ضلع مظفر نگر جاکر آستاں بوسی کی سعادت حاصل ہوئی اور جناب قدسی القاب (حضرت شاہ صاحبؒ) کی صحبتِ اقدس سے مشرف ہوا۔ بڈھانہ سے حضرتِ ایشاں ۷ ذی الحجہ (۱۲۳۴ھ) کو بغرض علاج شہر دہلی تشریف لے آئے اور وہاں بابا فضل اللہ کے مکان پر مسجد روشن الدولہ[1] کے احاطے میں جو چوک سعد اللہ خاں میں واقع ہے۔ فروکش ہوئے —— فرزندانِ گرامی قدر میں سے میاں محمد میاں عبدالعزیز، میاں رفیع الدین مدظلہم العالی (اور اقربا و متوسلین میں سے) میاں محمد عاشق صاحب، میاں اہل اللہ صاحب، میاں محمد فائق، میاں محمد جواد (پھلتی) اور خواجہ محمد امین وغیرہ حاضرِ خدمت تھے۔

یہ غلام اور میر محمد عتیق نیز میر قاسم علی (ساکنان رائے بریلی) جو کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ ہر روز حاضری اور خدمتگاری سے سعادت اندوز ہوتے رہتے تھے ——

شفیقِ من! یہ آخری مجلسیں بھی عجیب پُر کیف اور پُر فیض تھیں ..... نفحاتِ اُنس و رحمت اور رشحاتِ قدس و برکت بارش کی طرح برستے تھے۔ اکثر اہل نسبت حضرات اپنے وجدانِ صحیح سے اس کو محسوس کرتے تھے —— ..... اہل اللہ اور عارف تو ہمیشہ ہر زمانے میں ہوتے ہیں مگر ایسا مردِ حقانی جو جمیع اوصافِ حمیدہ کا حامل ہو اور جو

---

[1] مسجد و مدرسہ روشن الدولہ —— شاہجہان آباد (دہلی) میں دو عمارتیں دریبے کے اندر نواب روشن الدولہ کی بنوائی ہوئی ہیں۔ ۱۱۳۳ھ میں نواب موصوف نے بنوائی تھیں —— مسجد کے برج سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور نہایت خوبصورت ہیں۔ بڑے در کی پیشانی پر کتبہ کندہ ہے مدرسہ کا مکان ۱۲۳۳ھ سے کوتوالی کے متعلق ہو گیا ہے (واقعات دارالحکومت دہلی، مولفہ بشیر الدین احمد دہلوی)

کتاب و سنت کا اجتہادی شان سے بہترین عالم ہو نیز حقائق و معارف میں بحر مواج ہو اور دیگر علوم میں دریائے زخار ہو ۔۔۔ صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہو (جو) بڑی مشکل سے ہوتا ہو چمن میں دیدہ ور پیدا

...... دوستوں کو چاہیے کہ صبر و شکیبائی کو اختیار کر کے حضرت شیخؒ کی نسبت رابطہ کو ہمت کے ساتھ تصور میں لاکر مراقباتِ معلومہ میں مشغول رہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا توفیقِ صحبت و رابطہ برابر باقی رہے گا جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے ۔۔۔ یہ امر بھی لائقِ حمد ہے کہ حضرت صاحب قدس سرہٗ کی آپ سے رضامندی اور آپ پر ان کی توجہات عالیہ کو میں نے حد بیان سے زیادہ پایا۔ اکثر اوقات آپ کے حالات دریافت فرماتے رہتے تھے ۔۔۔ ابدالیوں کی جنگ کا واقعہ اور آپ کا عین اس ہنگامۂ قیامت خیز میں پہونچنا اور آپ کے قدوم گرامی سے آتش فتنہ کا فرو ہو جانا۔ ان باتوں کو حضرت قدس سرہٗ اپنی زبانِ دُرفشاں سے بیان فرمایا کرتے تھے ۔۔۔ شاید آپ سے آخری ملاقات کی تمنا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تھی چنانچہ ایک مرتبہ یوں فرمایا "میر ابوسعید آنے کا ارادہ کر رہے ہیں اگر وہ جلدی آجائیں تو اچھا ہو" ۔۔۔

صاحبِ من! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری صحبت تو اب میسر نہیں آسکتی البتہ علوم دینیہ میں ان کی تصنیفات نوّے کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں ۔۔۔ تفسیر، اصول، فقہ، کلام اور حدیث میں ۔۔۔ جیسے حجۃ اللہ البالغہ، اسرار الفقہ[عـ]، منصور[عـ]، ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء جن میں سے ہر ایک کی کافی بڑی ضخامت ہے ۔۔۔ ان کے علاوہ دیگر رسائل ہیں جو حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔ جیسے الطاف القدس، ہمعات، فیوض الحرمین اور انفاس العارفین وغیرہا۔ یہ کتابیں آپ کے فیوض و برکات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ آپ قصد اس امر کا کریں کہ ان تمام کتابوں کو لکھوا کر رائج فرمائیں۔ یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام پا سکتا ہے ۔۔۔ معلوم نہیں کہ ایسی تصنیفات گزشتہ دور میں ہوئی ہیں یا نہیں؟ واللہ اعلم ۔۔۔ ارباب بصیرت ان کتابوں کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

عـ، عـ یہ دونوں کتابیں حیات ولی کی فہرست تصانیف میں موجود نہیں ہیں۔

کا کلام ہر باب میں اُصولی حیثیت رکھتا ہے۔ ..... اس فقیر کو اور صاحبزادگان نیز تمام یارانِ حضرت کو آپ کی محبت کے پیشِ نظر یہ یقین ہے کہ جیسے ہی آپ اس حادثۂ عظیمہ (وفات حضرت شاہ صاحبؒ) کی خبر سنیں گے (فوراً) فاتحہ پڑھنے اور مرقدِ مطہر کی زیارت کرنے کے لیے دہلی کو روانہ ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے میں منتظرِ قدوم ہوں اگر جلدی تشریف لائیں تو میں ملاقاتِ سامی سے سرور الوقت ہو جاؤں — اگر تشریف لانے میں کچھ دیر ہو تو مطلع فرما دیں کیونکہ فقیر بھی وطن کو واپس جانے کا قصد رکھتا ہے — دوسری بات یہ ہے کہ میاں محمد عاشق صاحب (پھلتی) بعد سلام فرماتے ہیں کہ میر ابوسعید کو لکھو کہ حضرت اقدسؒ کے جتنے مکتوبات بھی ان کے نام صادر ہوئے ہیں ان کی نقول ضرور بھیجیں تاکہ ان کو داخلِ مکاتیب کیا جائے۔ حضرت میاں اہل اللہ صاحب اور دیگر متوسلین نیز صاحبزادگان کی طرف سے نام بنام سلام مطالعہ فرمائیں۔ میں نے بذریعہ خط خدمت میں حضرت اقدسؒ کی خدمت میں مرحوم و مغفور بغفران پناہ بھائی محمد معین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی کیفیت بیان کر دی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کیا تھا اور بڑا افسوس ظاہر فرمایا تھا۔

کائنات میں خدا کی گواہی

(جناب وحید الدین خاں صاحب)

زمین پر زندگی کے پائے جانے کے لیے اتنے مختلف حالات کی موجودگی ناگزیر ہے کہ ریاضیاتی طور پر یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ اپنے مخصوص تناسب میں محض اتفاقاً زمین کے اوپر اکٹھا ہو جائیں۔ اب اگر ایسے حالات پائے جاتے ہیں تو لازماً یہ ماننا ہوگا کہ فطرت میں کوئی ذی شعور رہنمائی موجود ہے جو ان حالات کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔

زمین اپنی جسامت کے اعتبار سے کائنات میں ایک ذرہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی مگر اس کے باوجود وہ ہماری تمام معلوم دنیاؤں میں اہم ترین ہے کیونکہ اس کے اوپر حیرت انگیز طور پر وہ حالات مہیا ہیں جو ہمارے علم کے مطابق اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

سب سے پہلے زمین کی جسامت کو لیجیے۔ اگر اس کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہو جاتی۔ مثلاً یہ کرۂ زمین اگر چاند اتنا چھوٹا یعنی اس کا قطر موجودہ کی نسبت سے ¼ ہوتا تو اس کی کشش ثقل، زمین کی موجودہ کشش کا ⅙ رہ جاتی۔ کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ پانی اور ہوا کو اپنے اوپر روک نہ سکتی جیسا کہ جسامت کی اسی کمی کی وجہ سے چاند میں واقع ہوا ہے۔ چاند پر اس وقت نہ تو پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ ہے۔ ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ رات کے وقت بے حد سرد ہو جاتا ہے اور دن کے وقت تنور کی مانند جلنے لگتا ہے۔ اسی طرح کم جسامت کی زمین جب کشش کی کمی کی وجہ سے پانی کی اس کثیر مقدار کو روک نہ سکتی جو زمین پر موسمی اعتدال کو باقی رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور اسی بنا پر ایک سائنسداں نے اس کو عظیم توازنی پہیہ GREAT BALANCE WHEEL

ؔ MAN DOES NOT STAND ALONE P. 28

کا نام دیا ہے۔ اور ہوا کا موجودہ غلاف اڑ کر فضا میں گم ہو جاتا تو اس کا حال یہ ہوتا کہ اس کی سطح پر درجہ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا۔ اس کے برعکس اگر زمین کا قطر موجودہ کی نسبت سے دگنا ہوتا تو اس کی کشش ثقل بھی دگنی بڑھ جاتی۔ کشش کے اس اضافہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا، جو اس وقت زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک پائی جاتی ہے، وہ کھنچ کر بہت نیچے تک سمٹ جاتی۔ اس کے دباؤ میں فی مربع انچ ۱۵ تا ۳۰ پونڈ کا اضافہ ہو جاتا جس کا ردِ عمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوتا۔ اور اگر زمین سورج سے اتنی بڑی ہوتی اور اس کی کثافت برقرار رہتی تو اس کی کشش ثقل ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی۔ ہوا کے غلاف کی دبازت گھٹ کر پانچ سو میل کے بجائے صرف چار میل رہ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہونچتا۔ اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشو ونما ممکن نہ رہتا۔ ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہو جاتا۔ انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا اور اس میں کسی قسم کی ذہنی زندگی ناممکن ہو جاتی۔ کیوں کہ انسانی ذہانت حاصل کرنے کے لیے بہت کثیر مقدار میں اعصابی ریشوں کی موجودگی ضروری ہے اور اس طرح کے پھیلے ہوئے ریشوں کا نظام ایک خاص درجہ کی جسامت ہی میں پایا جا سکتا ہے۔

بظاہر ہم زمین کے اوپر ہیں۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم اس کے نیچے سر کے بل لٹکے ہوئے ہیں۔ زمین گویا فضا میں معلق ایک گیند ہے جس کے چاروں طرف انسان بستے ہیں۔ کوئی شخص ہندستان کی زمین پر کھڑا ہو تو امریکہ کے لوگ بالکل اس کے نیچے ہوں گے اور امریکہ میں کھڑا ہو تو ہندستان اس کے نیچے ہوگا۔ پھر زمین ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل گھوم رہی ہے۔ ایسی حالت میں زمین کی سطح پر ہمارا انجام وہی ہونا چاہیے جیسے سائیکل کے پہیے پر کنکریاں رکھ کر پہیے کو تیزی سے گھما دیا جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک خاص تناسب سے زمین کی کشش اور ہوا کا دباؤ ہم کو تھامے ہوئے ہیں۔ زمین کے اندر زبردست قوت کشش ہے جس کی وجہ سے وہ تمام چیزوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور اوپر سے ہوا کا مسلسل دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس دو طرفہ

عمل نے ہم کو زمین کے گولے پر چاروں طرف لٹکا رکھا ہے۔ ہوا کے ذریعہ جو دباؤ پڑتا ہے وہ جسم کے ہر ایک مربع انچ پر تقریباً ساڑھے سات سیر تک معلوم کیا گیا ہے۔ یعنی ایک اوسط آدمی کے سارے جسم پر تقریباً ۲۸۰ من کا دباؤ۔ آدمی اس وزن کو محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ ہوا جسم کے چاروں طرف ہے۔ دباؤ ہر طرف سے پڑتا ہے اسی لیے آدمی کو محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پانی میں غوطہ لگانے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ہوا ـــ جو مختلف گیسوں کے مخصوص مرکب کا نام ہے' اس کے بے شمار دیگر فائدے ہیں جن کا بیان کسی کتاب میں ممکن نہیں۔

نیوٹن اپنے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ مگر اجسام کیوں ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں اس کی کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکتا ـــ

وائٹ ہیڈ (A.N. WHITEHEAD) اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے۔

نیوٹن نے یہ کہہ کر ایک عظیم فلسفیانہ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ فطرت اگر بے روح فطرت ہے تو وہ ہم کو توجیہہ نہیں دے سکتی ویسے ہی جیسے مردہ آدمی کوئی واقعہ نہیں بتا سکتا۔ تمام عقلی اور منطقی توجیہات آخری طور پر ایک مقصدیت کا اظہار ہیں۔ جبکہ مردہ کائنات میں کسی مقصدیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔"

THE AGE OF ANALYSIS P. 85.

وائٹ ہیڈ کے الفاظ کو آگے بڑھاتے ہوئے میں کہوں گا کہ کائنات اگر کسی صاحب شعور کے زیر انتظام نہیں ہے تو اس کے اندر اتنی معنویت کیوں پائی جاتی ہے۔

زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے فرض کرو اس کی رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہو جائے اور یہ بالکل ممکن ہے' ایسی صورت میں ہمارے دن اور ہماری راتیں موجودہ کی نسبت سے دس گنا زیادہ لمبے ہو جائیں گے۔ گرمیوں کا سخت سورج ہر دن تمام نباتات کو جلا دیگا۔ اور جو بچے گا وہ لمبی رات کی ٹھنڈک میں پالے کی نذر ہو جائے گا۔ سورج جو اس وقت

ہمارے لیے زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ کا ٹمپریچر ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ اور یہ فاصلہ حیرت انگیز طور پر مسلسل قائم ہے۔ یہ واقعہ ہمارے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے مثلاً سورج نصف کے بقدر قریب آجائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ اس گرمی سے کاغذ جلنے لگے اور اگر موجودہ فاصلہ دگنا ہو جائے تو اتنی ٹھنڈک پیدا ہو کہ زندگی باقی نہ رہے۔ یہی صورت اس وقت پیدا ہوگی جب موجودہ سورج کی جگہ کوئی دوسرا غیر معمولی ستارہ آجائے۔ مثلاً ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کی گرمی ہمارے سورج سے دس ہزار گنا زیادہ ہے۔ اگر وہ سورج کی جگہ ہوتا تو زمین کو آگ کی بھٹی بنا دیتا۔

زمین ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتی ہوئی فضا میں جھکی ہوئی ہے۔ یہ جھکاؤ ہمیں ہمارے موسم دیتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل ہو گیا ہے اور مختلف قسم کی نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہیں۔ اگر زمین اس طرح سے جھکی ہوئی نہ ہوتی تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا۔ سمندر کے بخارات شمال اور جنوب کی جانب سفر کرتے اور زمین پر یا تو برف کے ڈھیر ہوتے یا صحرائی میدان۔ اس طرح کے اور بہت سے اثرات ہوتے جن کے نتیجے میں بغیر جھکی ہوئی زمین پر زندگی ناممکن ہو جاتی۔

یہ کس قدر ناقابل قیاس بات ہے کہ مادہ نے خود کو اپنے آپ اس قدر موزوں اور مناسب شکل میں منظم کر لیا۔

اگر سائنسدانوں کا قیاس صحیح ہے کہ زمین سورج سے ٹوٹ کر نکلی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداءً زمین کا درجہ حرارت وہی رہا ہوگا جو سورج کا ہے۔ یعنی بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ۔ اس کے بعد وہ دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ملنا اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک زمین کا درجہ حرارت گھٹ کر چار ہزار ڈگری پر نہ آجائے۔ اسی موقع پر دونوں گیسوں کے باہم ملنے سے پانی بنا۔ اس کے بعد کروڑوں سال تک زمین کی سطح اور اس کی فضا میں زبردست انقلابات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ غالباً ایک بلین سال پہلے زمین اپنی موجودہ شکل میں تیار ہوئی۔ زمین کی فضا میں جو گیسیں تھیں ان کا

ایک بڑا حصہ خلا میں چلا گیا، ایک حصہ نے پانی کے مرکب کی صورت اختیار کی، ایک حصہ زمین کی تمام چیزوں میں جذب ہوگیا اور ایک حصہ ہوا کی شکل میں ہماری فضا میں باقی رہ گیا جس کا بیشتر جزو آکسیجن اور نائٹروجن ہے۔ یہ ہوا اپنی کثافت کے اعتبار سے زمین کا تقریباً دس لاکھواں حصہ ہے ـــــ کیوں نہیں ایسا ہوا کہ تمام گیسیں جذب ہو جاتیں۔ یا کیوں ایسا نہیں ہوا کہ موجودہ کی نسبت سے ہوا کی مقدار زیادہ ہوتی۔ دونوں صورتوں میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ یا اگر بڑھی ہوئی گیسوں کے ہزاروں پونڈ فی مربع انچ بوجھ کے نیچے زندگی پیدا بھی ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ وہ انسان کی شکل میں نشو ونما پا سکے۔

زمین کی دوہری پرت اگر صرف دس فٹ موٹی ہوتی تو ہماری فضا میں آکسیجن کا وجود نہ ہوتا جس کے بغیر حیوانی زندگی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر سمندر کچھ فٹ اور گہرے ہوتے تو وہ کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن کو جذب کر لیتے اور زمین کی سطح پر کسی قسم کی نباتات زندہ نہ رہ سکتیں۔

اگر زمین کے اوپر کی ہوائی فضا موجودہ کی نسبت سے لطیف ہوتی تو شہاب ثاقب جو ہر روز اوسطاً دو کروڑ کی تعداد میں اوپری فضا میں داخل ہوتے ہیں اور رات کے وقت ہم کو جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ زمین کے ہر حصے میں گرتے۔ یہ شہابیے چھ سے چالیس میل تک فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتے ہیں۔ وہ زمین کے اوپر ہر آتش پذیر مادے کو جلا دیتے اور سطح زمین کو چھلنی کر دیتے۔ شہاب ثاقب کی بندوق کی گولی سے نوے گنا زیادہ رفتار آدمی جیسی مخلوق کو محض اپنی گرمی سے ٹکڑے کر دیتی۔ مگر ہوائی کرہ اپنی نہایت موزوں دبازت کی وجہ سے ہم کو اس آتشیں بوچھار سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہوائی کرہ ٹھیک اتنی کثافت رکھتا ہے کہ سورج کی کیمیاوی اہمیت رکھنے والی شعاعیں (Actinic Rays) اسی موزوں مقدار سے زمین پر پہونچتی ہیں جتنی نباتات کو اپنی زندگی کے لیے ضرورت ہے۔ جس سے مضر بیکٹیریا مر سکتے ہیں، جس سے وٹامن تیار ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

کمیت کا اس طرح عین ہماری ضرورتوں کے مطابق ہونا کس قدر عجیب ہے۔

زمین کی اوپری فضا چند گیسوں کا مجموعہ ہے جس میں تقریباً ۷۸ فیصدی نائٹروجن اور ۲۱ فیصدی آکسیجن ہے۔ باقی گیسیں بہت خفیف تناسب میں پائی جاتی ہیں۔ اسی

فضا سے زمین کی سطح پر تقریباً پندرہ پونڈ فی مربع انچ کا دباؤ پڑتا ہے جس میں آکسیجن کا حصہ تین پونڈ فی مربع انچ ہے۔ موجود آکسیجن کا بقیہ حصہ زمین کی تہوں میں جذب ہے اور وہ دنیا کے تمام پانی کا ۹/۱۰ حصہ بناتا ہے۔ آکسیجن تمام خشکی کے جانوروں کے لیے سانس لینے کا ذریعہ ہے اور اس مقصد کے لیے فضا کے سوا کہیں اور سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتہائی متحرک گیس کس طرح آپس میں مرکب ہوئیں اور ٹھیک اس مقدار اور اس تناسب میں فضا کے اندر باقی رہ گئیں جو زندگی کے لیے ضروری تھا۔ مثال کے طور پر آکسیجن اگر ۲۱ فیصدی کے بجائے پچاس فیصدی یا اس سے زیادہ مقدار میں فضا کا جزء ہوتا تو سطح زمین کی تمام چیزوں میں آتش پذیری کی صلاحیت اتنی بڑھ جاتی کہ ایک درخت میں آگ پکڑتے ہی سارا جنگل بھک سے اڑ جاتا۔ اسی طرح اس کا تناسب گھٹ کر دس فیصدی رہتا تو ممکن ہو زندگی صدیوں کے بعد اس سے ہم آہنگی اختیار کر لیتی مگر انسانی تہذیب موجودہ شکل میں ترقی نہیں کر سکتی تھی۔ اور اگر آزاد آکسیجن بھی بقیہ آکسیجن کی طرح زمین کی چیزوں میں جذب ہو گئی ہوتی تو حیوانی زندگی سرے سے ناممکن ہو جاتی۔

آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن ڈائی آکسائڈ اور کاربن گیسیں الگ الگ اور مختلف شکلوں میں مرکب ہو کر حیات کے اہم ترین عناصر ہیں۔ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر زندگی قائم ہے۔ اس کا ایک فی ارب بھی امکان نہیں ہے کہ وہ تمام ایک وقت میں کسی ایک سیارہ پر اس مخصوص تناسب کے ساتھ اکٹھا ہو جائیں۔ ایک عالم طبیعات کے الفاظ میں:

SCIENCE HAS NO EXPLANATIONS TO OFFER FOR THE FACTS, AND TO SAY IT IS ACCIDENTAL IS TO DEFY MATHEMATICS (P. 33)

یعنی سائنس کے پاس ان حقائق کی توجیہ کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اس کو اتفاق کہنا ریاضیات سے کشتی لڑنے کے ہم معنی ہے۔

ہماری دنیا میں بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں جن کی توجیہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اس کی تخلیق میں ایک برتر ذہانت کا دخل تسلیم کیا جائے۔

پانی کی مختلف نہایت اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہو کر برف کی کثافت (Density) پانی سے کم ہوتی ہے۔ پانی وہ واحد معلوم مادہ ہے جو جمنے کے بعد ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ چیز بقائے حیات کے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ برف پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے اور دریاؤں، جھیلوں اور سمندروں کی تہہ میں بیٹھ نہیں جاتا۔ ورنہ آہستہ آہستہ سارا پانی ٹھوس اور منجمد ہو جائے۔ یہ پانی کی سطح پر ایک ایسی حاجب تہہ بن جاتا ہے کہ اس کے نیچے کا درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے اوپر ہی اوپر رہتا ہے۔ اس نادر خاصیت کی وجہ سے مچھلیاں اور دیگر آبی جانور زندہ رہتے ہیں۔ اس کے بعد جونہی موسم بہار آتا ہو برف فوراً پگھل جاتا ہے۔ اگر پانی میں یہ خاصیت نہ ہوتی تو خاص طور پر سرد ملکوں کے لوگوں کو بہت بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جب امریکہ میں انڈوتھیا (Endothia) نام کی بیماری شاہ بلوط (Chestnut) کے درختوں پر حملہ آور ہوئی اور تیزی سے پھیلی تو بہت سے لوگوں نے جنگل کی چھتری میں شگاف دیکھ کر کہا "یہ شگاف اب پُر نہیں ہوں گے۔" امریکی شاہ بلوط کی بالادستی کو ابھی تک کسی اور قسم کے اشجار نے نہیں چھینا تھا۔ اونچے درجے کی دیرپا عمارتی لکڑی اور اس طرح کے دوسرے فوائد اس کے لیے خاص تھے۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۰ء میں ایشیا سے انڈوتھیا نام کی بیماری کا ورود ہوا۔ اس وقت تک یہ جنگلات کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب جنگلات میں یہ درخت تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔

لیکن جنگلات کے یہ شگاف جلد ہی پر ہو گئے۔ کچھ دوسرے درخت (Tulip Trees) اپنی نشوونما کے لیے شاید انہیں شگافوں کا انتظار کر رہے تھے۔ شگاف پیدا ہونے سے پہلے تک یہ درخت جنگلات کا معمولی حصہ تھے اور شاذ ہی بڑھتے اور پھولتے تھے۔ لیکن اب شاہ بلوط کی عدم موجودگی کا کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب دوسری قسم کے درخت پوری طرح ان کی جگہ لے چکے ہیں۔ یہ دوسرے درخت سال بھر میں ایک انچ موٹے اور چھ فٹ لمبائی میں بڑھتے ہیں۔ اتنی تیزی کے ساتھ بڑھنے کے علاوہ بہترین لکڑی جو بالخصوص باریک نمونوں کے کام آسکتی ہے ان سے حاصل کی جاتی ہے۔

اسی صدی کا واقعہ ہے۔ ناگ پھنی کی ایک قسم آسٹریلیا میں کھیتوں کی باڑھ قائم کرنے کے لیے بوئی گئی ہے۔ آسٹریلیا میں اس ناگ پھنی کا کوئی دشمن کیڑا نہیں تھا چنانچہ وہ بہت تیزی سے بڑھنا شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ انگلینڈ کے برابر رقبہ پر چھا گئی۔ وہ شہروں اور دیہاتوں میں آبادی کے اندر گھس گئی، کھیتوں کو ویران کر دیا۔ اور زراعت کو ناممکن بنا دیا۔ کوئی تدبیر بھی اس کے خلاف کارگر ثابت نہیں ہوتی تھی۔ ناگ پھنی آسٹریلیا کے اوپر ایک ایسی فوج کی طرح مسلط تھی جس کا اس کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ بالآخر ماہرین حشرات الارض دنیا بھر میں اس کا علاج تلاش کرنے کے لیے نکلے۔ یہاں تک کہ ان کی رسائی ایک کیڑے تک ہوئی جو صرف ناگ پھنی کھا کر زندہ رہتا تھا۔ اس کے سوا اس کی کوئی خوراک نہیں تھی۔ وہ بہت تیزی سے اپنی نسل بڑھاتا تھا اور آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ اسی کیڑے نے آسٹریلیا میں ناگ پھنی کی ناقابل تسخیر فوج پر قابو پا لیا اور اب وہاں سے اس مصیبت کا خاتمہ ہو گیا۔

قدرت کے نظام میں یہ ضبط و توازن (CHECKS AND BALANCES) کی عظیم تدبیریں کیا کسی شعوری منصوبے کے بغیر خود بخود وجود میں آجاتی ہے۔

کائنات میں حیرت انگیز طور پر ریاضیاتی قطعیت پائی جاتی ہے۔ یہ جامد بے شعور مادہ جو ہمارے سامنے ہے۔ اس کا عمل غیر منظم اور بے ترتیب نہیں بلکہ وہ متعین قوانین کا پابند ہے۔ "پانی" کا لفظ خواہ دنیا کے جس خطہ میں اور جس وقت بھی بولا جائے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہوگا ———— ایک ایسا مرکب جس میں ۱۱ء۱۱ فیصد ہائیڈروجن اور ۸۹ء۸۸ فیصد آکسیجن۔

ایک سائنسداں جب تجربہ گاہ میں داخل ہو کر پانی سے بھرے ہوئے ایک پیالے کو گرم کرتا ہے تو وہ تھرمامیٹر کے بغیر یہ بتا سکتا ہے کہ پانی کا نقطۂ جوش ۱۰۰ درجہ سنٹی گریڈ ہے جب تک ہوا کا دباؤ (ATMOSPHERIC PRESSURE) ۷۶۰ ایم۔ ایم ہے۔ اگر ہوا کا دباؤ اس سے کم ہو تو اس حرارت کو وجود میں لانے کے لیے کم طاقت درکار ہوگی جو پانی کے سالمات توڑ کر بخارات کی شکل دیتی ہے۔ اس طرح نقطۂ جوش سو درجہ سے کم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر ہوا کا دباؤ ۷۶۰ ایم ایم سے زیادہ ہو تو نقطۂ جوش بھی اسی لحاظ سے زیادہ ہو جائے گا۔ یہ تجربہ اتنی بار آزمایا گیا ہے کہ اس کو یقینی طور پر پہلے سے بتایا جا سکتا ہے کہ

پانی کا تصور بوتش کیا ہے۔ اگر مادہ اور توانائی کے عمل میں یہ نظم اور ضابطہ نہ ہوتا تو سائنسی تحقیقات اور ایجادات کے لیے کوئی بنیاد نہ ہوتی کیونکہ پھر اس دنیا میں محض اتفاقات کی حکمرانی ہوتی اور علمائے طبیعات کے لیے یہ بتانا ممکن نہ رہتا کہ فلاں حالت میں فلاں طریق عمل کے دہرانے سے فلاں نتیجہ پیدا ہوگا۔

کیمیا کے میدان میں نو وارد طالب علم سب سے پہلے جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عناصر میں نظم اور دوریت ہے۔ سو سال پہلے ایک روسی ماہر کیمیا منڈلیف (MENDELEEV) نے جوہری قدر کے لحاظ سے مختلف کیمیائی عناصر کو ترتیب دیا تھا جس کو دوری نقشہ (PERIODIC CHART) کہا جاتا ہے۔ اس وقت تک موجودہ تمام عناصر دریافت نہیں ہوئے تھے اس لیے اس کے نقشہ میں بہت سے عناصر کے خانے خالی تھے جو عین اندازے کے مطابق بعد کو پُر ہو گئے۔ ان نقشوں میں سارے عناصر جوہری نمبروں کے تحت اپنے اپنے مخصوص گروپوں میں درج کیے جاتے ہیں۔ جوہری نمبر سے مراد مثبت برقیوں PROTONS کی وہ تعداد ہے جو ایٹم کے مرکز میں موجود ہوتی ہے۔ یہی تعداد ایک عنصر کے ایٹم اور دوسرے عنصر کے ایٹم میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ ہائیڈروجن جو سب سے سادہ عنصر ہے، اس کے ایٹم کے مرکز میں ایک پروٹون ہوتا ہے۔ ہیلیم میں دو اور لیتھیم میں تین۔ مختلف عناصر کی جدول تیار کرنا اسی لیے ممکن ہو سکا ہے کہ ان میں حیرت انگیز طور پر ایک ریاضیاتی اصول کارفرما ہے۔ نظم و ترتیب کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ عنصر نمبر ۱۰۱ کی شناخت محض اس کے ۱۰۱ پروٹونوں کے مطالعہ سے کر لی گئی۔

قدرت کی اس حیرت انگیز تنظیم کو ہم دوری اتفاق (PERIODIC CHANCE) نہیں کہتے بلکہ اس کو دوری ضابطہ (PERIODIC LAW) کہتے ہیں۔ مگر نقشہ اور ضابطہ جو یقینی طور پر ناظم اور منصوبہ ساز کا تقاضا کرتے ہیں، اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنس اگر خدا کو نہ مانے تو وہ خود اپنی تحقیق کے ایک لازمی نتیجے کا انکار کرے گی

"۱۱ اگست ۱۹۹۹ء میں ایک سورج گرہن واقع ہوگا جو کارنوال [illegible] میں مکمل طور پر دیکھا جا سکے گا" ـــــ یہ محض ایک قیاسی تخمین گوئی نہیں ہے؛

علمائے فلکیات یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی کے موجودہ گردشی نظام کے تحت اس گہن کا پیش آنا یقینی ہے۔ جب ہم آسمان میں نظر ڈالتے ہیں تو ہم لاتعداد ستاروں کو ایک نظام میں منسلک دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ان گنت صدیوں سے اس فضائے بسیط میں جو عظیم گیندیں معلق ہیں وہ ایک ہی معین راستے پر گردش کرتی چلی جا رہی ہے۔ وہ اپنے مداروں میں اس نظم کے ساتھ آتی اور جاتی ہیں کہ ان کے جائے وقوع اور ان کے درمیان ہونے والے واقعات کا صدیوں پیشتر بالکل صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پانی کے ایک حقیر قطرے سے لے کر فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے دور دراز ستاروں تک ایک فقید المثال نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ ان کے عمل میں اس درجہ یکسانیت ہے کہ ہم اس بنیاد پر قوانین مرتب کرتے ہیں۔

نیوٹن کا نظریہ کشش فلکیاتی کروں کی گردش کی توجیہ کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں (J.C. ADAMS) اور لاویرے (U. LEVERRIER) کو وہ بنیاد ملی جس سے وہ دیکھے بغیر ایک ایسے سیارے کے وجود کی پیشین گوئی کر سکیں جو اس وقت تک نامعلوم تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۴۶ء کی ایک رات کو جب برلن آبزرویٹری کی دوربین کا رخ آسمان میں ان کے بتائے ہوئے مقام کی طرف کیا گیا تو فی الواقع نظر آیا کہ ایسا ایک سیارہ نظام شمسی میں موجود ہے جس کو اب ہم نیپچون (NEPTUNE) کے نام سے جانتے ہیں۔

کس قدر ناقابل قیاس بات ہے کہ کائنات میں یہ ریاضیاتی قطعیت خود بخود قائم ہو گئی ہے۔
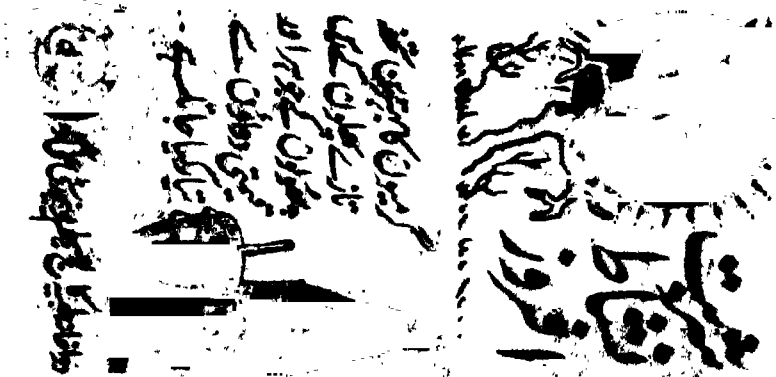
دربارِ عالمگیری

(از جناب مولانا مصطفےٰ حسن صاحب علوی ایم اے، پی، ایچ، ڈی)

(۳)

تفسیر احمدی۔ ان چند الفاظ کو چھوڑ کے جو دوسری زبانوں کے ہیں یہ واقعہ ہے کہ پورا قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جو الفاظ عربی نہیں ان کو معرب کر کے ان پر بھی عربی کے ہی قاعدے اور قوانین کا عمل درآمد ہوا۔ اس کا اسلوب بیان سب عربی کنایہ، تشبیہہ، استعارہ، مجاز حقیقت کے مفاہیم سب عربوں کے نہج اور طریقے کے۔ اور پھر باوجود عربی ہونے کے یہ ضروری نہیں کہ اہل عرب ان کو سب کا سب سمجھتے ہی ہوں شیکسپیر کے ڈرامے، ملٹن کی نظمیں انگریزی میں ہیں مگر ایسا نہیں کہ انگریزی جن کی مادری زبان ہے وہ اس کے مفہوم اور معنی سمجھ ہی لیتے ہوں، غالب کا کلام اردو میں ہے اور سودا کے قصائد بھی اردو میں ہیں مگر یہ اردو دانوں کو بھی سبقاً سبقاً پڑھائے ہی جاتے ہیں جب وہ اسے سمجھ پاتے ہیں۔ اگر کسی کو الفاظ کے معنی آتے ہیں یا وہ لغت دیکھ کے معنی معلوم کر لے تب بھی اس کا مطلب ہاتھ نہیں لگتا۔ یہ ضروری نہ تھا کہ صحابۂ کرامؓ باوجود عرب ہونے کے پھر بھی اکثر قرآن کے مفاہیم اور معانی ان کی سمجھ سے باہر نہ ہوتے "وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ" میں فجر کے معنی ان کو معلوم تھے لیال کے معنی بھی ان کو معلوم تھے اور عشر کے بھی لیکن اس محل پر اس کا مفہوم بغیر پوچھے ان کے ہاتھ نہ لگا۔ سورۃ انعام کی آیات بیشتر مکی ہیں اور ان میں اصول دین اور اصول احکام بتلائے گئے ہیں۔ ان کے مفاہیم میں غموض نہیں ان کو سب سمجھتے تھے لیکن

قرآن میں وہ آیات بھی ہیں جن میں ابہام ہے جن میں غموض ہے اور جنھیں آیات متشابہات کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔ ہر زبان میں بعض جملوں اور فقروں کے مفہوم قرائن سے معلوم ہوتے ہیں اگر قرائن نہ ہوں تو ان کے مفاہیم ہاتھ نہیں لگتے۔ ایک شخص کسی سے ملنے آتا ہے کواڑوں پر دستک دیتا ہے اندر سے آواز آتی ہے "آجائیے پردہ ہے" دوسرا شخص آکے یہی عمل کرتا ہے اندر سے آواز آتی ہے "نہ آئیے پردہ ہے"۔ یہ پتہ ہے کہ دونوں مرادیں قرائن ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ صحابہ سفر حضر جلوت وخلوت میں ساتھ رہتے اور سبب نزول اُن کے علم میں ہوتا اس لیے مفہوم قرآنی کو بھی آسانی سے سمجھ جاتے لیکن پھر بھی تفاوت فہم کی وجہ سے بہتوں کے ہاتھ صحیح مراد نہ لگتی۔ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس آکے خبر دیتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے بتا رہا ہے' اور "یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ" کے معنی اور مفہوم یہ بتاتا ہے کہ قیامت میں ایک دھواں سا اُٹھے گا اور لوگوں کے تنفس پر اس کا اثر پڑے گا انھیں زکام ہوجائے گا یہ سن کے عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جسے رسالتمآب کے ذریعہ معنی کا پتہ چل گیا ہو وہ تو بیان کر دیا کرے ورنہ اللہ کے علم پر چھوڑ دے۔

من علم علما فلیقل به ومن لم	جسے اگر معلوم ہو تو بیان کردے ورنہ یہ
یعلم فلیقل الله اعلم	کہہ دے کہ اس کا مفہوم اللہ جانے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کو وہ ماحول معلوم تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اپنی بدکرداری کی بدولت قریش ایک بار سخت قحط سے دوچار ہوئے تھے کہ انھوں نے اس حالت میں ہڈیاں تک چبا کے بسر کی۔ پریشان ہو ہو کے آسمان کی طرف دیکھتے تو انھیں دھواں سا ہی نظر آتا۔[۵]

وہ صحابہ جو عادات اور رسوم سے بخوبی واقف تھے کہ ایام جاہلیت میں عرب کس کس طرح حج کرتے اور کیا کیا رسمیں ان میں شائع ذائع تھیں۔ بتوں کو کس طرح پوجتے اور اُن سے کس کس انداز سے مرادیں مانگتے وہ اس صنف کی قرآنی آیات کو خوب خوب سمجھ لیتے جن میں ان ان چیزوں اور ان کے ان ان کرداروں کا ذکر آیا ہے۔ مرور ایام کے ساتھ واعظوں اور قصہ گوؤں نے آیات قرآنی کی عجیب عجیب تفسیریں اور توضیحیں اپنے دل سے پیدا کرکے بیان کر دیں ورنہ صحیح تفسیریں وہی ہیں جن کو صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کے بیان کیا

۵ موافقات شاطبی۔

اور شاید یہی وجہ ہو کہ امام احمد بن حنبل جیسی باخبر ہستی نے یہاں تک فرما دیا۔

ثلثۃ لیس لہا اصل التفسیر والملاحم والمغازی — تین موضوع ایسے ہیں تفسیر، ملاحم اور مغازی کہ جن کی کوئی اصلیں نہیں۔

اور اس قول کی ان کے شاگردوں کو یوں توجیہ اور تاویل کرنا پڑی کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ

ان الغالب انہ لیس لہ اسانید صحاح متصلۃ [۵] — اس صنف کی اکثر حدیثوں کی سندیں متصل اور صحیح نہیں ہیں۔

ان بہت سے الفاظ اور آیات ان کے سامنے ایسی بھی آئیں جن کے مفاہیم کو صحابہ اپنی قوت اجتہاد سے حل کرنے پر مجبور ہوئے۔ "ورفعنا فوقکم الطور" میں طور کا مفہوم حضرت ابن عباس ایک مخصوص پہاڑ لیتے اور کوئی بکھرے ہوئے اور منتشر پہاڑ بیان کرتے ہیں، اسی کے ساتھ تابعین کیا بلکہ صحابہ تک جہاں تک ہو تا رائے اور اجتہاد سے گریز ہی اختیار کرتے تھے۔

قرآن تفسیر خاص کر بنی اسرائیل اور پچھلی اقوام کے حالات میں مفسرین کو ان نومسلم یہود ونصاریٰ سے جو تورات اور انجیل کے عالم تھے بہت کچھ سرمائے ہاتھ لگے اور واقعات معلوم ہوئے لیکن ان کے بیانوں میں اختلافات تھے انھیں کی جھلکیاں تفسیروں میں بھی دکھائی دینے لگیں، احکام شرعیہ کی تفسیروں اور مدلولات کو چھوڑ کر جن میں انھوں نے غیر معمولی احتیاط سے کام لیا۔ باقی امور کی تفسیروں میں اختلافات موجود ہیں۔ تفسیر قرآن کے بارے میں ایسے صحابہ کی جن کے اقوال نے شہرت حاصل کی تعداد تھوڑی ہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس وغیرہ وغیرہ یہ چند ہستیاں ایسی تھیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلوت و خلوت میں اختلاط اور اپنی عربیت کی قوت حوادث اور واقعات سے واقفیت اور لغت دانی کی بدولت آیات قرآنیہ کو بہت کچھ حل کیا ان میں بھی عبداللہ بن عباس کو اسبقیت حاصل ہے اور بہت کچھ مشکلات انھیں سے حل ہوتی رہیں اس لیے کہ کاشانۂ نبوت کے یہ ایک فرد ہی تھے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ارباب غرض کو ان کی طرف منسوب کرنے کے بہت کچھ مواقع ہاتھ لگے، حضرت علی بھی

---

[۵] اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۱۴

فرد خاندان تھے وہاں بھی شیعیان علی کو ان کے مراتب کی بلندی کے لیے اس کی ضرورت داعی ہوتی رہی تاکہ ان کی علمی پوزیشن کو غیر معمولی انداز سے بڑھاتے ہی رہیں، عباسیوں کا تو کہنا ہی کیا وہ تو حضرت عباس کی اولاد اور اخلاف میں تھے ہی اُن کو خوش کرنے اور ان کے خلفاء کی خوشنودی کے لیے کیا کچھ انتساب ان کی طرف نہ ہوا، اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی طرف ان تشریحوں اور تفسیروں کا انتساب صحیح نہ تھا تو وہ علمی نقطۂ نظر سے بھی گری ہوئی تھیں۔

عہد تابعین آیا تو اسرائیلیات اور نصرانیات کا تفسیروں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ابن جریر کی تفسیر ایسے مواد سے کیا کچھ کم مالا مال ہے۔ انھیں اسرائیلیات کے بیان کرنے والوں میں ابن جریج کا نام بار بار آتا ہے اور کیوں نہ آتا اس لیے کہ یہ نسلاً نصرانی ہی تھے۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس جس عہد میں جن جن علمی تحریکات اور جن مذاہب اور شاہب کے چرچے رہے اس عہد کی تفسیروں پر وہی رنگ غالب رہے۔

عہد صحابہ اور پچھلے تابعین کے وقت کی تفسیروں میں آیات کے لغوی مفاہیم کا رنگ زائد نظر آتا ہے زائد از زائد اسباب نزول پر بھی بڑی ہوئی روشنی مل جاتی ہے۔ اس کے بعد کے دور میں یہود و نصاریٰ کے واقعات اور حوادث ملتے ہیں۔ پھر قضا و قدر کی بحثیں چھڑیں اور صفات کے ازلی اور ابدی ہونے کی باتیں نکلیں۔ جبر و اختیار کے مباحث زبانوں پر آئے پھر اس کے بعد جب فقہ اور فقہا کا دور آیا اور فقہی احکام نکالنے کی ضرورتیں لاحق ہوئیں تو فقہا نے ان آیات کی تفاسیر پر زور دیا جن سے فقہی احکام و قوانین کا استنباط ہوتا ہے۔ ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ جب قواعد نحوی اور صرفی بلاغت اور اخلاقیات وغیرہ وغیرہ پر توجہات رہی ہیں تو اس عہد کی تفاسیر میں بھی یہی رنگ غالب رہا ہے۔

یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ خواہ موضوع دینی کچھ بھی ہو خواہ تاریخ ہو خواہ احکام دینی ہوں اور خواہ تفسیرات اور توضیحات قرآنیہ سب کا منبع اور سرچشمہ حدیث ہی رہا ہے۔ ایک محدث حدیث کے ذریعہ فقہی حکم ہی نہیں پہونچاتا، غزوات اور حروب اسلامیہ کا ہی ذکر نہیں کرتا، تاریخ ہی بیان نہیں کرتا، بلکہ اس زمانہ کی معاشرت، اجتماعی حالات

اور دوسرے واقعات بھی بیان کرتا رہا ہے اور اس زمانے کے ذخائر احادیث میں سب کچھ ایک مخلوط شکل میں ملتا ہے، پھر ایک دور آیا جب احکام دینیہ کی احادیث کو الگ کیا گیا سیرت کو الگ فقہ کو الگ چنانچہ محمد بن اسحاق نے وہ احادیث الگ کر لیں جن کا تعلق سیرت سے تھا۔ امام مالک نے مؤطا میں وہ حدیثیں جمع کر دیں جن کا تعلق احکام دینیہ اور فقہ سے تھا وغیرہ وغیرہ۔ فنون گو الگ الگ مدون ہو گئے اور ہر فن سے متعلق احادیث الگ الگ بیان کی جانے لگیں پھر بھی محدثین نے اگر کتابیں ترتیب دیں تو عام احادیث کے ساتھ تفسیر کو بھی شامل رکھا۔ بخاری اور مسلم میں تفاسیر کے مستقل ابواب ملتے ہیں جن میں تفسیری حدیثیں شان اور آن کے ساتھ مبوب نظر آتی ہیں۔ سورتوں کے فضائل آیات اور الفاظ کی تفسیریں سلسلوں اور اسناد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ ملتی ہیں۔ یہ بات ذہن سے نہ جائے کہ ابن جریج کی بیان کردہ تفسیری احادیث سب کی سب صحیح ہی ہیں نہیں بلکہ ان میں سقیم اور صحیح دونوں ہیں۔

ان ابن جریج لم یقصد الصحۃ وانما روی ما ذکر فی کل آیۃ من الصحیح والسقیم۔[1]

ابن جریج نے اسکا ارادہ ہی نہیں کیا کہ وہ تفسیر کے بارے میں صحیح حدیثیں ہی بیان کریں بلکہ ہر آیت کے بارہ میں جو صحیح اور سقیم چیزیں ذکر کی گئی ہیں انھوں نے وہ سب روایت کر دی ہیں۔

سدی اور باذان بن نصر کے واسطوں کا تو کہنا ہی کیا ان پر اکثر محدثین کو اعتماد ہی نہ تھا۔[2]

بعض مفسرین کے یہاں یہ اہتمام ملتا ہے کہ سب کی نہیں بلکہ مشکل الفاظ اور جملوں کی تفسیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے ملیں اُن کو لکھتے گئے۔ مرورِ زمانہ کیساتھ ساتھ کل تک جن الفاظ میں غموض نہ تھا ان میں بھی غموض معلوم ہونے لگا، لوگوں میں وہ عربیت نہ رہی نہ وہ ادبیت۔ انکو آگے چل کر تابعین نے حل کیا اور ان کے آسان کرنے میں بڑی بڑی محنتیں صرف کیں۔ یہ کام بڑی ہی ذمہ داری کا تھا۔ شعبی نے تو یہاں تک احتیاط برتی کہ کہدیا۔

ثلاث لا اقول فیھن حتی اموت — تین موضوع وہ ہیں کہ میں تاحیات

[1] الاتقان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ [2] تہذیب التہذیب ابن حجر

القرآن الروح والرای[۱]	ان کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہوں گا قرآن
	روح اور رائے ۔

اصمعی نے باوجود اتنے بڑے لغوی ہونے کے یہی کہا

العرب تقول معنی ھذا کذا ولا	اہل عرب اس لفظ کے یہ معنی کہتے ہیں
اعلم المراد منہ فی الکتاب والسنۃ	لیکن میں جزماً نہیں کہہ سکتا کتاب اللہ
ای شئی ھو[۲]	اور سنت میں کیا مراد لی گئی ہے ۔

تفسیر پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ نحوی اور صرفی بحثوں غیر مانوس لفظوں، بلاغت اور فصاحت کے معیاروں کو متعین کرنے میں لوگوں کا مستدل صرف قرآن کریم ہی رہ گیا تھا۔

پھر بعض کی توجہ اس کی طرف ہوئی کہ وہ آیات لکھیں اور ان کی تفسیر ظاہر کریں جن کا تعلق مسائل فقہیہ سے ہے چنانچہ فقہ حنفی کے مسلک کو ظاہر کرنے اور آیات قرآنیہ سے تطبیق دینے میں امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن کے نام سے کتاب لکھی، امام شافعی نے لکھی اور داؤد ظاہری نے بھی۔ ادھر امام مالک کے مسلک پر بھی احکام قرآنیہ کے نام سے کتاب تیار ہوئی متکلم مفسرین کی تفسیروں میں عقلی اور فلسفی توحید، عدل، صفات باری تعالیٰ جبر و اختیار کے عناصر تو متمیز و ممتاز شکلوں میں ملتے ہیں لیکن احادیث تفسیر میں حدیثوں کی ایک معمولی سی جھلک ہی بس۔ معتزلیوں نے تفسیریں لکھیں تو اپنے مسلک کے مطابق اور شیعوں اور دوسرے فرقوں نے لکھیں تو اپنے مذہب کی تقویت کی نظر سے۔ "طلعھا کانہ رؤس الشیاطین" کی تفسیر ایک بدشکل گھاس سے کی گئی جو یمن میں پیدا ہوتی تھی کسی نے سانپ کے پھن سے کی لیکن جاحظ نے یوں کی۔

لیس ان الناس رأوا شیطاناً قط	ایسا نہیں ہے کہ لوگوں نے شیطان کو کسی
علی صورۃ ولکن لما کان اللہ قد	شکل میں دیکھا ہو بلکہ جب باری تعالیٰ
جعل فی طبائع جمیع الامم استقباح	نے تمام قوموں کی طبائع میں شیطان کو
جمیع صور الشیاطین ... وکراھتہ	بر ہیبت سے شباہت ہی مکروہ شکل ہی میں

[۱] ابن تیمیہ [۲] ابن خلکان جلد ا ص ۲۸۹

واجری علی السنة الناس جمیعھم — ظاہر کیا اور بدشکلی میں اس کو سب کے لیے

ضرب المثل فی ذلک بجمع بالاخباش — ضرب المثل بنا دیا تو ان ہی بنیادوں پر اس سے ڈرانے

.... والاخافة ۱؎ — اور وحشت دلانے کا کام لیا۔

چنانچہ عربوں میں دیو بھوت کا تصور بھی ایک ڈراؤنی حقیقت رکھتا اور خوف و دہشت دلانے اور ہراساں کرنے کے لیے اس کو حقیقت واقعیہ کے انداز سے پیش کرتے اور تہدید کے موقعوں پر اس سے کام لیتے ایام جاہلیت کا شاعر دشمن کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو اس رنگ سے کہ اس کا مجھ پر بس نہیں چل سکتا اور وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے شمشیر براں میرے پاس ہے اور بھوتوں جیسے ڈراؤنے دانتوں کی شکل کے نیزے میرے پہلو میں۔

ایقتلنی والمشرفی مصاجعی — ومسنونة زرق کانیاب اغوال

ابن جریر طبری کی تفسیر کا یہ ممتاز رنگ ہے کہ وہ پچھلے مفسروں کے اقوال اور تفسیریں نقل کرنے کے بعد جو قول ان کے نزدیک مرجح ہے اس کو ظاہر کر دیتے ہیں اور مزید وجوہ سے اس کی تائید بھی اور توثیق بھی۔ (باقی)

۱؎ کتاب الحیوان جاحظ جلد ۲ ص ۱۳۱

ان کی حقیقت
ان مجمل سوالات کا مفصل جواب
آپ کو
مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی تازہ تصنیف
میں ملے گا

ALFURQAN (Regd. N. L. 353) LUCKNOW.

حصہ اول، دوم، سوم یکجا مجلد ریگزین -/۱۰	حصہ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم یکجا مجلد ریگزین -/۱۲

تالیف — مولانا محمد منظور نعمانی
بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے،
لیکن ہماری دنیا اس سے ناآشنا ہے۔ یہانتک کہ اسکو "کلامِ الٰہی" ماننے والی
اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے
(یہ کتاب)
اسی صورتِ حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے۔
یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
جسمیں ۳۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور شرح ترجمہ و تفہیمات کیساتھ جمع کیا گیا ہے
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
یہ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

الفرقان
اشاعتِ خاص
بیادِ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ
مسئول: محمد منظور نعمانی
مرتب: عتیق الرحمٰن سنبھلی
جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸۵ھ
ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء

اردو زبان
اعظم ادب
کے ـــــ اسلامی لٹریچر میں
دینی روح اور علمی افادات سے بھرپور ـــــ ایک
یعنی اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ـــــ احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب
معارف الحدیث
جس میں عوام اور خواص دونوں اپنی اپنی سطح کے مطابق بہترین افادیت پاتے ہیں
زمانے کی نفسیات کا لحاظ ـــــ ہر سطح کے فہم و فکر کی رعایت ـــــ اور حدیث کی اصل مقصدیت پر زور
یہ اس کتاب کے تشریحی حصے کی اہم خصوصیات ہیں
اور تشریحات کے علاوہ ہر باب کے شروع کے تمہیدی نوٹ، شریعت کے نظام حکمت پر
"ما قل و ما دل" کی ایک مثال کہے جا سکتے ہیں
تالیف
مولانا محمد منظور نعمانی
سائز ۲۰×۲۶/۸
عمدہ سفید کاغذ
دیدہ زیب
کتابت و طباعت
جلد اول ـــــ ایمان اور آخرت کے بیان کی حدیثیں ـــــ قیمت ـــــ مجلد ۵/- غیر مجلد ۴/-
جلد دوم ـــــ تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں ـــــ قیمت ـــــ مجلد ۵/۵۰ غیر مجلد ۴/۵۰
جلد سوم ـــــ طہارت اور نماز کے تمام ابواب کی حدیثیں ـــــ قیمت ـــــ مجلد ۸/- غیر مجلد ۷/-
مؤلف کی دوسری مشہور کتابیں
اسلام کیا ہے؟
دین و شریعت
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟
آپ حج کیسے کریں؟
نماز کی حقیقت
برکات رمضان
کلمۂ طیبہ کی حقیقت
آسان حج
ہماری دیگر مطبوعات
تذکرہ مجدد الف ثانی
مکتوبات خواجہ محمد معصوم
حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس
کلمات اکابر
فیصلہ کن مناظرہ
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ
محصول ڈاک بذمہ خریدار

بابتہ ماہ ربیع الاولیٰ، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ

(جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۶۵ء)

بیاد حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۴ھ)

دوسرا ایڈیشن

قیمت -/۵

فہرست

تقریریں

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان،
کچہری روڈ، لکھنؤ سے شائع کیا

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عتیق الرحمن سنبھلی

"حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا کی شخصیت، انکے مجاہدات و کمالات علوم و معارف اور بیس سالہ دعوتی زندگی پر نظر کی جائے تو یہ مجموعہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن جن حالات میں یہ نکلا ہے اور جس انداز سے اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولانا کی کرامت یا مرضی الٰہی کا ظہور کہنا بھی شاید بجا ہو۔

حضرت مولانا کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بنا پر جو الفرقان کو اس سلسلۂ دعوت سے رہا ہے راقم سطور کے دل میں تقاضہ ہوا کہ اس موقع پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے جیسا کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ایک خاص اشاعت الفرقان نے پیش کی تھی، اور وہ آج تک بھی اس تحریک سے الفرقان کے تعلق کی ایک زندہ علامت ہے۔ لیکن یہ فیصلہ میرے کرنے کا نہیں تھا، اُن دو بزرگوں کے کرنے کا تھا جن کے اس تحریک کے ساتھ تعلق پر الفرقان کے اس خاص تعلق کا انحصار رہا ہے۔ یعنی والد ماجد اور مخدومنا مولانا علی میاں مدظلہم۔ اور یہ دونوں بزرگ اس وقت حجاز مقدس میں تھے۔ چنانچہ اپنا یہ خیال اُنکو اس طرح لکھ بھیجا کہ در میں سے کچھ لکھ کر بھیج دیجئے اس لئے کہ واپسی میں تو ابھی بہت دیر ہے اور اُمید تھی کہ جواب تحسین و تائید میں ہوگا، اس بنا پر ناظرین الفرقان کو بھی کچھ ہلکی سی امید دلادی گئی۔ مگر وہاں مولانا کے سانحہ ارتحال کی اچانک خبر نے کچھ اس طرح کا اثر کیا تھا کہ جیسے دونوں

اوس پڑگئی ہو اور طبیعتیں لکھنے لکھانے پر اٹھائے نہ اٹھتی ہوں۔ چنانچہ جو جواب آیا اسکے بعد یہ خیال ذہن سے نکال دینا پڑا۔ حتیٰ کہ ہر دو بزرگوں کی واپسی ہوگئی۔ اور وہاں سے مؤتمر اسلامی نمبر کا خیال ساتھ آیا، جس کی بنیاد وہ اہم مقالات تھے جو اس مؤتمر میں عالم اسلام کے منتخب فضلا نے پیش کئے تھے۔ اور اس نمبر کا اعلان بھی کر دیا گیا ——— مگر اس سے پہلے ربیع الاول (مطابق جون ۱۹۶۵ء) کا جو شمارہ نکلنا تھا اُسکے لئے والد ماجد نے ایک مضمون مولانا مرحوم پر قلمبند فرمایا اور قریب تھا کہ یہ شمارہ اس مضمون کے ساتھ نکل جائے کہ بعض معاصر ماہناموں میں مولانا کی شخصیت اور اُن کی دعوت سے متعلق ایسے مضامین سامنے آئے جنھوں نے ایک بار پھر تقاضہ پیدا کیا کہ مولانا کی دعوت اور اُن کی شخصیت کو اسکی صحیح صورت میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ پوری طرح واقفیت کا موقع نہ پانے والے نہ تو خود اپنی ناواقفی یا غلط فہمی سے مولانا اور انکی دعوت کی غلط اور ناقص صورتیں سامنے رکھ کر گفتگوئیں کریں اور نہ انکی غلط فہمیاں دوسروں کو اس دعوت کے بارے میں غلط تصورات دیں۔ کیونکہ معاملہ صرف مولانا کی ذات کا نہیں ایک عالمگیر دعوت اور دینی جدوجہد کا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا صحیح یا غلط فیصلہ بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر اثرانداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مگر اب ایک طرف تو مسئلہ یہ تھا کہ "مؤتمر اسلامی نمبر" کا اعلان کیا جا چکا تھا اور دوسری طرف جن حضرات کا تعاون اس کوشش کی تکمیل کے سلسلے میں ناگزیر محسوس ہوتا تھا اُن سے تعاون ملنے کے آثار نہیں تھے۔ چنانچہ ایک درمیانی راستے کے طور پر صرف ایک ماہ کی اشاعت کو حضرت مولانا مرحوم کیلئے خاص کر دینے کا فیصلہ کیا گیا، اور جو ایک مضمون اس سلسلے میں تیار ہوا تھا وہ اسی اشاعت کے لئے روک لیا گیا۔

یہ اشاعت جولائی میں نکلنا تھی اور کتابت مکمل ہو کر طباعت کا مرحلہ بھی شروع ہونے لگا تھا کہ دل نے کہا کہ یہ تو دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش ہوگئی۔ مگر کامیاب نہیں۔ یہ چند قطرے تو اہل طلب کی پیاس بھڑکائیں گے، اور پھر تشنہ لبی کا شکوہ بجا ہوگا۔ دیر بھلے ہی ہو جائے مگر اس ظرف کی وسعت میں اضافہ چاہیئے۔ چنانچہ اب جو جو کمی محسوس کی گئی اس کی تکمیل کے لئے پھر سے جدوجہد شروع ہوئی۔ بعض پہلو اب بھی چھوٹ گئے جن کی بڑی اہمیت نظر میں تھی۔

مگر ان کے ماسوا بالکل تائیدِ غیبی کا سا سامان ہوا۔ مولانا کے مکاتیب کے لئے خصوصی جد وجہد تھی اور کسی طرح کامیابی نہیں ہو رہی تھی کہ بالکل مایوسی کے مرحلہ پر جناب افتخار فریدی صاحب نے یکایک نشاندہی کی کہ مکاتیب کا بڑا وسیع ذخیرہ اُن کا جمع کیا ہوا ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اُسے جا کے دیکھا تو بس ساری پریشانی دور ہو گئی۔ بہت سے خط ملے اور اُن میں سے کئی ایک دیئے جا رہے ہیں۔ مگر سب سے نادر چیز مولانا کا وہ خط ملا جس کا حوالہ مرکز نظام الدین سے ملا تھا کہ مولانا نے ایک دفعہ ایک بہت ہی مبسوط خط اس تبلیغی کام کی ماہیت اور اس کے اصول وضوابط پر بعض رفقاء کو لکھا تھا جو اس سلسلے میں تفصیل و جامعیت کے لحاظ سے مولانا کی واحد تحریر ہے۔ اس خط کو پا کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے سب کچھ مل گیا اور اس نمبر میں اور کچھ بھی نہ ہوتا تو مقصد کے لحاظ سے یہ تنہا کافی تھا۔

خطوط کے علاوہ ایک خاص ضرورت کسی ایسے مضمون کی تھی جو اس کام سے گہرا عملی تعلق رکھنے والے کسی صاحب کے قلم سے ہو۔ اور وہ مضمون میسر حاصل بھی ہو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو لوگ فکری اور عملی اعتبار سے اس تبلیغی کام میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے یہاں مضمون نگاری کا کوئی خانہ نہیں۔ کیونکہ اس کام ہی میں اس کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ ہمارے علم میں صرف ایک صاحب ہیں جو اس عموم سے مستثنیٰ ہیں (یعنی محترم مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔ اے، صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور) ہماری خواہش تھی کہ اُن کا مضمون ضرور اس نمبر کے لئے مل جاتا اور یہ کوئی مشکل بات نہ تھی، چنانچہ اُن سے درخواست کی گئی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا، پھر لکھا گیا پھر جواب ندارد حتیٰ کہ تار دیا گیا اور پھر مایوسی ہو گئی۔ کہ یکایک ایک دور کے مقام سے اُن کا تار ملا اور پھر خط آیا کہ وہ ایک ماہ سے تبلیغی دورے میں تھے رائے ونڈ (لاہور) میں اُن کو ہمارا تار پشاور سے اہل خانہ نے بھیجا ہے اور اب ہمارا دیا ہوا وقت ختم ہو گیا ہے، ورنہ وہ ضرور لکھتے بلکہ اُن کو افسوس رہے گا کہ وہ اس بزم یوسفی میں شریک نہ ہو سکے۔ چنانچہ اُن کو وقت بڑھانے کا تار دیا گیا اور اس طرح ان کا مضمون بھی آ گیا۔ جو بلاشبہ قلم برداشتہ ہے مگر ہماری توقع کے مطابق۔

بہرحال جن جن مراحل سے یہ نمبر گزر کر اپنی موجودہ شکل میں آیا ہے اُسے دیکھتے ہوئے

ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ ہی کو کرانا منظور تھا ورنہ اس کی بات تو شروع ہی میں ختم ہو گئی تھی۔ اور اس احساس کے ماتحت اُمید یہی ہے کہ خدا نے چاہا تو اس سے مرتب کرنے والوں اور پڑھنے والوں دونوں ہی کو فائدہ پہنچے گا۔

اوپر جو کہانی اس نمبر کی بیان کی گئی اُسکے بعد اسکے مقصد و مدعا کے بارے میں کسی غلط فہمی کی گنجائش تو نہیں رہتی، پھر بھی اچھا ہے کہ صراحت کے ساتھ یہ بات کہدی جائے کہ اس نمبر کا مقصد خراج عقیدت پیش کرنا یا مولانا کی شخصیت کو منوانا نہیں، کہ یہ کام اگر کسی کے کرنے کا تھا تو اس کے حقدار مولانا کے وہ رفقا کار ہو سکتے ہیں جنھوں نے اپنا دامن مولانا کے دامن سے اس طرح باندھ دیا تھا کہ صرف موت ہی انھیں جدا کر سکی۔ لیکن یہ مولانا سے جتنے زیادہ قریب تھے اتنے ہی دنیا کی اس عام ریت سے دور ثابت ہوئے کہ اپنے محبوب و مقتدا کی وفات کے بعد کچھ وقت اسکی مدح و ثنا اور اُسکے تذکرہ و توصیف کی نذر کریں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ اُن کے ایک نادرۂ روزگار امتیاز کا سخت ترین امتحان تھا جس میں وہ کامیاب ثابت ہوئے۔ تبلیغی تحریک جہاں اور بہت سی باتوں میں زمانے سے جُدا انداز رکھتی ہے وہاں اُس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ رہنما شخصیتوں کی اہمیت اگرچہ عملاً سب جگہ سے زیادہ، مگر اندرونی وابستگی تمامتر دعوت کے ساتھ۔ اور اس کا اندازہ صرف اس چھوٹی سی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کسی تبلیغی اجتماع میں کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی آ رہی ہو تو نہ اُسکے نام سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور نہ اسکی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ کہ خطاب سے پہلے اُسے مجمع سے متعارف کرا دیا جائے — بس دعوت ہی سے اجتماع کا آغاز اور دعوت ہی پر ختم۔ کس نے دعوت دی اور کس نے تقریر کی اسکو اگر کوئی جاننا چاہے تو اپنے آپ جانے۔ اس تحریک کا یہی وہ خالص دینی اور مقصدی مزاج ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مولٰنا جیسی شخصیت گزر گئی اور اپنی عملی اہمیت کے لحاظ سے دلوں میں زخم چھوڑ گئی، مگر عین اس وقت بھی جبکہ اُن کا جنازہ لاہور سے آیا ہوا ان رفقاء کے بیچ میں رکھا تھا ذکر و فکر صرف اُسی دعوت کا تھا جس پر مولٰنا نے اپنی زندگی نثار کی، نہ کہ مولٰنا کے

کمالات و مجاہدات کا ۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ
فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ○

آیندہ اشاعت

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی بعض تقریریں وغیرہ وقت اور صفحات کی تنگی کی وجہ سے اس نمبر میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔ جنھیں اسی نمبر کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ یہ سب چیزیں ان شاء اللہ الفرقان کی آیندہ اشاعت (اکتوبر) میں دی جائیں گی۔ اور اس طرح آیندہ اشاعت کی حیثیت اس نمبر کے ضمیمہ کی ہوگی۔

مدیر

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

(از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

آنچہ قدر ایشاں ما مردم می دانیم شما چہ دانید، احوال مردم ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا فقیر است و بلاد عرب را نیز دیدہ ایم و سیر نمودہ، احوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم، و تحقیق کردہ کہ عزیزی کہ بر جادۂ شریعت و طریقت و اتباع کتاب و سنت ہمچنیں استوار و مستقیم باشد، و در ارشاد طالبان شانِ عظیم و نفس قوی دارد، درین عصر و زمان مثل ایشاں در بلاد مذکور یافتہ نمی شود مگر در گذشتگان، بلکہ در ہر عصر و زمان وجود ایں چنیں عزیزان کمتر بودہ است، چہ جائے ایں زمان کہ پر فتنہ و فساد است۔[1]

ہم لوگوں کی نگاہ میں ان کی جو قدر و منزلت ہے، اس کو تم کیا جانو؟ ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں، کہ یہیں کی پیدائش ہے، اور یہیں عمر بسر ہوئی، ملک عرب کو خود دیکھا ہے، اور اس کی سیاحت کی ہے، افغانستان اور ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے، اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور طریقت پر، اور کتاب و سنت کی پیروی میں انکی طرح استوار و مستقیم ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند، اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو، ہمارے اس دور میں ان ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے

[1] کلمات طیبات ص ۱۶۴-۱۶۵

تذکرہ کیا، پایا نہیں جاتا۔ دورِ ماضی اور بزرگانِ
سلف میں بیشک ہو سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے
تو ہر زمانہ میں ایسے باکمال بزرگ زیادہ تعداد
میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ
میں جو فتنوں اور فساد سے پُر ہے۔

ان الفاظ میں حکیم الامت، امام وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور معاصر حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے متعلق شہادت دی ہے، جس وقت یہ الفاظ کہے گئے ہوں گے، کتنے اہل علم اور واقفین حال کو استعجاب ہوا ہوگا، اور کتنے ابنائے زمانہ نے اس کو مبالغہ اور غلو پر محمول کیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بہت بڑا حجاب ہے اور جب ذوق اور طریق کار کا اختلاف بھی شامل ہو جائے، اور وضعی و رواجی طریقوں کے حجابات بھی درمیان میں حائل ہوں، تو پھر حجاب نہیں بلکہ ایک سنگین دیوار بیچ میں آ کھڑی ہو جاتی ہے اور اس شخصیت کے متعلق کتنے ہی خلوص و صداقت اور کتنے ہی احتیاط اور احساس ذمہ داری سے کہا جائے، اس کو مبالغہ یا خوش عقیدگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تنقیص و تحقیر کے)، اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے، دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت نہ حاصل ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا، یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے

کمالات پائے جاتے تھے، جن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ان کی ایمانی قوت ان کا اعتماد و توکل، ان کی ہمت و جرأت، ان کی نماز اور دعا، صحابۂ کرام کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباعِ سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعاتِ انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت، اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور جن کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت، یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلو ان کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں، اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں ان کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں، اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں، لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے اُن میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) ان کا کوئی سہیم و شریک، اور ان کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا۔ والغیب عند اللہ۔

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی، جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرت کن فیکون اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء، اور انسانی تجربات کی بے اعتباری محسوسات و مشاہدات کی تغیر و نفی، احکام الٰہی اور نظام تشریعی کے سامنے نظام تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملین نبوت، اور اہل ایمان و دعوت کا ارباب اقتدار، اہل حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سنۃ اللہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے تھی دیر کے لیے اس حواس و مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہنچ جاتے

اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدعی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترکِ اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے، لیکن اس دورِ مادیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالم کا عالم اپنی قسمت کو مادی اسباب، اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے، اور کسی دینی دعوت و تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق "آتشِ نمرود" میں بے خطر کود کر عقل کو "محوِ تماشائے لبِ بام" کر دے، بلکہ اس تھوڑے سے ایثار و قربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے، جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت و تقدیس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ و تلقین نے خود اس اُمت کو متاثر کر لیا ہے جس کی ساری طاقت، اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا، مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزاق سمجھ لیا ہے، مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے جن کو عقل و دلائل، حکمت و مصلحت، اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دُنیا کے دُور دراز گوشوں میں پہونچ گئی، ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے مہینوں کے لیے گھر بار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا، اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انھوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی، تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسر آئی ہوگی) معاشرہ کی اصلاح و انقلاب اور دُنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے، اور افراد کی یہ قوتِ ایمانی اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی، ان کی ان مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

کے مجالسِ وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی، جس وقت آدمی ان کے ان مواعظ کو جو فتوحِ غیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بے باکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیت کے ہزاروں بُت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے باہمی تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا، اور جو مادی سعی و جہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف و مامور سمجھتے ہیں، اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو اُن کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اُتار سکے اور ان کے ذہن نے عین ان مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا، لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوتِ ایمانی نے وہ نتائج پیدا کیے جن سے ہماری "متوازن و معتدل" دعوتیں (جن کی عصر حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں، اور صاف اندازہ ہوا کہ

لاکھ حکیم سربجیب، ایک کلیم سربکف

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی وللہیت، اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آئی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا، چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت و انہماک اور ان کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا، اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائیدِ الٰہی اور نصرتِ غیبی

کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینہ کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان مبارک میں بہت بڑھ جاتا، جبکہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں ان کی رات کا بڑا حصہ[1] شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا۔ اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت، تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے، اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں چائے کے دوران اور چائے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا، عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی، اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے، سب کچھ اسی دعا میں مانگ لینا ہے، اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دینا ہے، اس کے بعد بھی مختلف تقریبوں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا، پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے، پھر کھانے کا وقت ہو جاتا، ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھانے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے، ملنے جلنے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا، کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی، اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا، عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرام کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا، کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا، دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا، سننے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے۔ ہم جیسے پست ہمتوں کے لیے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا، میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا کہ بے ہمت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے، لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشۂ عافیت تلاش کر لیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبانِ حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ

---

[1] جہاں تک اس عاجز کو معلوم ہو رمضان مبارک کی راتوں میں مولانا بالکل نہیں سوتے تھے ۱۲ [illegible]

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، ان کی مقدار اور ان کے اوقات کی کوئی تحدید نہیں تھی۔ بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے بولنے کی نوبت آتی اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا اب اسی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے، یہی ہر وقت کی دعا کی کیفیت ہوتی، مجھے حجاز کے آخری سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے بالتواتر سنا ہے کہ وہاں یہ جوش وخروش اور یہ جذبہ و انہماک اپنے نقطۂ عروج کو پہونچ چکا تھا، مسجد نبوی میں صحن مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوجاتی اور دن چڑھ آتا، اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبد خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے، مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانہ کے مطابق بسیط تقریر کی، تقریر کے بعد تشکیل ہوئی پھر دعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے، کہ خدا جانے کہ نکاح کی تقریب ہو یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا، پھر اس طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے۔

یہی حال دعا کا تھا، مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش وخروش، اس کی رقت انگیزی، اور اس کی تاثیر، مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دور دور دیکھنے میں نہیں آئی، جب دعا کرتے حاضرین کا عجیب حال ہوتا، خاص طور پر جب اردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں، اس کی مثال ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آئی۔ کہ بیان کرنے والوں نے

بیان کیا کہ دُعا کے وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آتی نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بے خودی کی کیفیت ہوتی، اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے، واقعہ یہ ہے کہ دعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات اُن کے دلوں پر ہوتے، اگر کچھ دیر بھی باقی رہ جاتے تو لوگ دُنیا کے کام کے نہ رہتے، اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی، لیکن نظامِ عالم اسی طرح سے چل رہا ہے، اور ہم ضعیف البنیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔

ان کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے ان کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد، اور ان کی طبیعتوں میں تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا، ان کی کیمیا اثر صحبت، اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں، اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت، زندگی، معاشرت، اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا۔ سینکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان بولنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہو گئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دعاؤں میں ان کی دعاؤں کا رنگ آگیا، کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سرتاپا مغربی اور عیّاشانہ تھی اور وہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور ایک فقیر منش، اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں۔ اور جن کی گرانقدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصہ، تبلیغ و دعوت، رفقاء کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے، اور ان میں ان کے گھر والوں کا اور ان کا اپنا وہی حصہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجہ کے تاجر کا ہے، کتنی بڑی تعداد ان رفقاء اور نیازمندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوقِ عبادت، جن کا جذبۂ خدمت اور جن کی خشیت و انابت، اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے۔

حقیقی علم تو علام الغیوب کو ہے، لیکن ان کے اخلاص و اخلاق کو دیکھ کر ان کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں (خدا ان کی زندگی میں برکت دے) ان کے متعلق کچھ کہنا خلافِ احتیاط ہے فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ[1] لیکن جانے والوں میں سے

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

متعدد اصحاب کے نام لیے جا سکتے ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہونچ گئے، اور ان کے حالات اتنے رفیع ہو گئے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے میں یہاں صرف اپنے محبوب و عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کروں گا جن کا (اپنے اعلیٰ عہدہ اور ذمہ داریوں کے ساتھ) اخلاص و للہیت، تعلق مع اللہ، دعوت کے کاموں میں انہماک و استغراق، ایثار و قربانی کی کیفیت، تواضع و انکسار، خدمت کا جذبہ، اور پھر اسی راہ کی قابلِ رشک موت اور شہادت، برسوں دل کو تڑپاتی اور ان کی یاد تازہ کرتی رہے گی جاپان میں اشاعتِ اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمایا تھا اور اہلِ حجاز ان کو عرصہ تک یاد رکھیں گے، دُنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بدل گئی اور ان کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان و یقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دُعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت، اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی، ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے بر اعظموں میں بھی ملیں گے[؎]

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیت اپنے پورے شباب اور عروج پر تھی، ان کی ہمت کا طائرِ بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لیے تیار نہ تھا، کوئی دور سے دور جگہ ان کو دور اور کوئی مشکل سے مشکل کام ان کو مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا، انھوں نے اپنی تیز رفتاری، بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بے چینی اور بیتابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور دنوں میں کر لیا، اپنے والدِ نامدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دُنیا کو گھر کا آنگن بنا لیا، حج کا مسئلہ اٹھایا[؎] اور اس میں ایک نئی روح پھونک

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ دنیا سے چلے جانے والوں کی اقتدا کرو۔ اس لیے کہ جو زندہ ہیں اس کے بارہ میں فتنہ سے اطمینان نہیں۔

؎۔ زمانۂ حج میں روح پیدا کرنے اور اس کو تبلیغ و دعوت کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ۔

دی، اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد، اور ان کی کیفیات میں عظیم فرق پیدا ہو گیا، اجتماعات
میوات کے محدود پیمانے سے نکل کر اتنے عظیم و وسیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور
بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) ان کے سامنے ماند پڑ گئے، اور ان کی وہ کثرت
ہوئی کہ مولانا کے لیے نظام الدین کا قیام مشکل ہو گیا، تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب،
حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادی زندگی پر تنقید، اور فساد کے سرچشمے کی نشاندہی کے باب کا
افتتاح کیا، اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے
اور متاثر ہوئے، یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے، لیکن مولانا نے پچاس برس سے کم عمر، اور
اپنی ذمہ داری اور دعوت کے صرف بیس سال کے اندر انجام دیئے، اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے
خالق سے جا ملے۔

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

امت پر جو قحط الرجال کا دور طاری ہے، اس میں اس کی کیا امید ہے کہ جلد ان کی سی شخصیت
اور تاثیر کا کوئی داعی الی اللہ پیدا ہو گا۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

غفر اللہ لہ و رفع درجاتہ۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

چند تجربے اور مشاہدے

محمد منظور نعمانی

۱

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں :-

طلب و استفادہ کی نیت سے اور عقیدت مندی کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں اس عاجز کی پہلی حاضری ان کے وصال سے قریباً ۱۴، ۱۵ مہینے پہلے ہوئی تھی اسکے بعد بعض تبلیغی سفروں میں حضرت کی رفاقت بھی نصیب ہوئی تھی اور نظام الدین آمد و رفت کی توفیق بھی ملتی رہی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی شخصیت کی عظمت اور محبت بھی نصیب فرمائی، اور انکی دینی دعوت کے ساتھ دل کو کچھ تعلق بھی نصیب ہوا۔

چند ہی مہینے کے بعد آپ کی آخری علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس علالت کے آخری چار مہینوں میں یہ عاجز زیادہ تر حضرت کی خدمت میں نظام الدین ہی مقیم رہا — حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے دیباچہ میں میں اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت کی خدمت میں یہ قیام مخدومی و مرشدی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایما بلکہ ارشاد سے کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ابتدائی واقفیت اسی قیام کے زمانہ میں ہوئی اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجہ کتابی مطالعہ اور تصنیف و تالیف کی طرف تھی،

فن حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے[1] ان کے اوقات کا بڑا حصّہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سراسر عملی اس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح کو تحلیل کر دیا تھا اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی ان کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مربّی اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ، کا تھا اور ہے ــــــ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصّہ تو لیتے تھے لیکن یہ ان کے لئے دوسرے درجہ کا کام تھا۔ اصل شغف اور انہماک حدیث نبوی کی علمی اور تصنیفی خدمت سے تھا ــــــ بعد میں خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس عاجز سے بارہا اس واقعہ کا ذکر کیا کہ اس زمانہ میں تبلیغی کام اور اس سلسلہ کی بے پناہ نقل و حرکت کے بارہ میں ان کو ذہنی طور پر بھی پورا شرح صدر نہیں تھا، وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصّہ لیتے تھے وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم کی تعمیل میں اور انکی خوشنودی کے لئے کرتے تھے ــــــ تقویٰ اور تعلق باللہ تو ان کو باپ دادا سے میراث میں ملا تھا اور کہا جا سکتا ہے کہ انکی فطرت میں تھا۔ اس ناچیز کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو ہر طرح کے آدمیوں سے اکرام کے ساتھ ملتے تھے، جن میں بہت سے غیر متشرع بھی ہوتے تھے اور اسی طرح کے بعض معتقدین و محبین کی کار وغیرہ بھی استعمال فرما لیتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب کو اس سے انقباض ہوتا تھا اس زمانہ میں کبھی کبھی انھوں نے ادب کے ساتھ تنہائی میں حضرت سے عرض بھی کیا کہ آپ اس پر غور فرمائیں کہ یہ رویہ کہاں تک صحیح اور اکابر کے طریقہ کے مطابق ہے ــــــ بہر حال اس زمانہ میں مولانا موصوف کا طرز عمل اور طرز فکر یہ تھا، لیکن حضرت والد ماجد کی علالت کے بالکل آخری ایام میں ان کے حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور پھر تو اس ابتدا کی وہ انتہا ہوئی جس کو

---

[1] اسکی دو جلدیں چھپ بھی چکی ہیں، اور اہل علم انکے مطالعہ سے مولانا کے علمی مقام کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

ایک دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۲)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد:۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی علالت وصال سے دو تین مہینے پہلے سے اگرچہ بہت نازک شکل اختیار کر چکی تھی، لیکن حضرت کے بعض خاص حالات کی وجہ سے خدام کو انکی زندگی اور صحت کے بارہ میں ابھی اُمیدیں تھیں، مگر دو ہفتہ پہلے سے حالت اتنی نازک اور سقیم ہوگئی کہ بظاہر اسباب صحت کی اُمید کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت کے دوسرے بیسیوں خدام اور محبین کی طرح وہیں مقیم تھے۔ ہم لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی دینی دعوت سے بھی اچھا خاصا تعلق ہوگیا تھا اس لئے قدرتی طور پر حضرت کی زندگی کے مسئلہ کے ساتھ ہم ان کے بعد انکی دعوت کے انجام کے بارہ میں بھی فکرمند تھے۔ ہمارا احساس یہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت اس دعوت کے کام سے جڑے ہوئے ہیں ان کا تعلق اور انکی محبت دراصل حضرت کی شخصیت سے ہے۔ دعوت سے ان کا تعلق آپ کی اس ذاتی محبت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے یہ امید نہیں ہے کہ حضرت کے بعد بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہے اور جس طرح لوگ حضرت کے سامنے اس کام کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد بھی اسی طرح دیتے رہیں گے۔

ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارہ میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا، اور ہم اس نتیجہ پر پہونچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں اس دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور انکی دعوت سے تعلق و محبت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا، اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی اور ممدوح کی بے انتہا عنایت و شفقت نے ہم لوگوں کو انتہائی محبت و عقیدت کے

باوجود کسی قدر بے تکلف بھی کر دیا تھا، اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہم اس بارہ میں حضرت موصوف سے صاف صاف بات کریں، اور اصرار کریں کہ وہ ابھی یہ فیصلہ فرمالیں اور ہمیں اس بارہ میں مطمئن کر دیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آں کے جانشین کی حیثیت سے وہ نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں گے۔ ہم نے طے کیا کہ آج صبح ہی حضرت ممدوح سے وقت لے کر ہم تنہائی میں اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔

صبح صادق ہوئی، فجر کی اذان ہوتے ہی میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نماز کے بعد آپ سے ایک خاص معاملہ میں کچھ عرض کرنا ہے، اسکے لئے وقت مقرر فرما دیجئے، فرمایا کہ نماز کے بعد متصلاً قاری سید رضا حسن (مرحوم) کی درگاہ میں بیٹھ جائیں گے، چنانچہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ وہاں تشریف لے آئے اور یہ عاجز بھی حاضر ہو گیا، اور اس ناچیز نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اور مولانا علی میاں کی طرف سے وہ بات عرض کی جو رات کے مشورہ میں ہم دونوں نے طے کی تھی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے مرض اور ضعف کی رفتار دیکھتے ہوئے اب اُمید ٹوٹتی جاتی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ دل میں یہ فکر اُبھر رہی ہے کہ حضرت کے بعد اس دینی کام کا کیا ہوگا۔ ہم لوگوں کا اندازہ ہے اور غالباً جناب والا کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت جتنے عناصر کام میں لگے ہوئے ہیں ان سب کا اصل تعلق حضرت کی ذات سے ہے، اور اسی ذاتی تعلق کی وجہ سے وہ اس کام میں جڑے ہوئے ہیں، اس کا کافی اندیشہ ہے کہ حضرت کے بعد آہستہ آہستہ یہ شیرازہ منتشر ہو جائے گا، اور یہ امت کا بہت بڑا خسارہ ہوگا، ہمارے نزدیک اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ حضرت کے بعد جناب یہاں قیام کا فیصلہ فرمالیں، اور یہ کام جناب کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہو، ہمارا اندازہ ہے اور اپنے اس اندازہ پر ہمیں پورا اعتماد ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ سب عناصر اسی طرح جڑے رہیں گے، کیونکہ ان سب کو جناب کے ساتھ

بھی الحمد للہ عقیدت و محبت کا خاص تعلق ہے ـــــــ اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وہابی" ہیں ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہیں ہو گی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے، یہ مسجد ہو جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے ـــــــ اور اگر جناب نے یہاں قیام فرمایا تو انشاء اللہ ہم سب کا تعلق اس کام سے اور اس جگہ سے ایسا ہی رہے گا جیسا آج ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے میری یہ بات پوری خاموشی سے سُنی، اور جب میں اپنی بات عرض کر چکا تو فرمایا۔

مولوی صاحب! حضرت چچا جان کی حالت دیکھ کر جو فکر آپ کو ہو رہی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہاں سب کو ہو رہی ہے، اور سب اسی سوچ میں ہیں، لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ہم اور آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور وہ ہو جائے ـــ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جو اس کے لئے مرتے مٹتے ہیں یہ ہے کہ وہ انکی چیز کو ضائع نہیں فرماتا، ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں کچھ لوگ ان کی محنت اور تربیت سے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں، اور ان سے امید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاء اللہ اس کا سلسلہ اور فیض ان کے ذریعہ جاری رہے گا ـــــــ مشائخ کے ہاں خلافت و اجازت کا سلسلہ دراصل اسی کی ایک علمی اور انتظامی شکل ہے خلافت اور اجازت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت کچھ حاصل ہو گئی ہے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا جو کام شیخ سے لیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ ان سے بھی لیا جائے گا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک دیا بھی ایسا جلتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جا سکے کہ اس کے ذریعہ اس بندہ کا جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اسکے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والے کی نسبت دفعۃً اس کی طرف منتقل ہو گئی ـــــ ایسا بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو نسبت کا یہ انتقال بہت غیر معمولی خارق عادت قسم کا ہوتا ہے۔

حضرت چچا جان کے لوگوں میں میں کسی کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہے اور ان کے اس کام کو وہ جاری رکھ سکے گا، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اسکی پوری امید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا، اسلئے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی کو یہ دولت مل جائے گی، پھر اسکو تم بھی دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، اور پھر انشاء اللہ یہ کام اسی سے لیا جائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارہ میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں، پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہوگے جب بھی نہیں ہوں گا، اور اگر کسی اور کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اسکو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا بس انتظار کرو اور اللہ سے دعا کرو ـــــ اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب! میں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں، میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ کے در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس عاجز کو اب دن تاریخ تو یاد نہیں، لیکن اتنی بات یقین کے ساتھ یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سے یہ گفتگو حضرت کے وصال سے ٹھیک بارہ دن پہلے ہوئی تھی اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت شیخ کا جواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اطمینان نصیب فرما دیا تھا اور فکر کا سارا بوجھ دل و دماغ سے اتر گیا تھا۔

بارہ دن بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔ وصال سے چند گھنٹے پہلے مخدومنا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے ایما اور توجہ دلانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چند خاص متوسلین پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کو اجازت دی اور حضرت رائے پوری نیز حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ ہی پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے لئے خلافت کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ حضرت کی سوانح میں تفصیل سے اسکا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت کا وصال صبح صادق کے وقت ہوا اور فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خلافت اور جانشینی کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اسوقت کے اپنے مستقر بریلی آگیا تھا اور دہلی اس وقت واپس پہونچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہوکر واپس ہو رہے تھے، خلافت و جانشینی کا واقعہ میں نے وہاں پہونچ کر سنا، چونکہ اس وقت اپنی ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف صاحب میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا، اور اپنے علم واندازہ کے مطابق تبلیغی کام سے تو اُن کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی بلکہ اس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پرانے خادم اور رفیق ان سے بہت آگے تھے، اس لئے مجھے اس واقعہ کو سنکر کوئی خوشی نہیں ہوئی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارہ میں بھی دل میں طرح طرح کے وسوسے آئے، اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ انکی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہیں آئی، دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری، اگلے دن صبح کو جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف صاحب کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں، اس وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی وہ بات یاد آئی، اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یقین ہوگیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اس کا ظہور ہے، اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف منتقل فرمادی ہے ——— "وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ"

"انتقال نسبت" کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں بھی پڑھا تھا، لیکن اس کا

مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا۔

(۳)

اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت غیر معمولی درجہ میں دیکھیں ـــــ ایک دین کا درد و فکر ـــــ دوسرے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین ـــــ تیسرے معارف و حقائق کا فیضان۔

دین کے درد و فکر کے لحاظ سے اُن کا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا باکمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، اور اسکی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اسکی مدد پر ان کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو انھوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارہ میں آخرت کے بارہ میں، دین کے بارہ میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحاب درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہوتا ہے۔ اور "وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعۃً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آگئیں، اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے ـــــ آگے درج ہونے والے بعض واقعات سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں تک پہونچایا۔

(۴)

آخر ۴۶ء یا شروع ۴۷ء کا واقعہ ہے، یہ عاجز ہفتہ عشرہ کے قیام کی نیت سے نظام الدین حاضر ہوا۔ اہلیہ بھی اس سفر میں میرے ساتھ تھیں۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی اور مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ مرض دق میں مبتلا تھیں۔ ان کے علاج، دوا کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت

حافظ فخرالدین صاحبؒ نے لے رکھی تھی (رحمۃ اللہ علیہ) وہ روزانہ شہر دہلی سے اسی ضرورت سے تشریف لاتے ——— میں نے ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ان کا حال پوچھا اور مرض کی نوعیت کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، ان کے جواب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ باخبر نہیں ہیں۔ مجھے تعجب سا ہوا لیکن میں نے کچھ کہا نہیں ——— چار پانچ دن کے قیام کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ مولانا کی بیوی اس درجہ کی مریض ہیں کہ مجھے ان کے بچنے کی بھی امید نہیں ہے اور میں چار پانچ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ حضرت مولانا ان کا حال پوچھنے کے لئے بھی کسی وقت ان کے پاس نہیں آتے، وہ عورت ذات ہیں ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی، ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے پوچھا کیا انھوں نے تم سے خود بھی اسکی شکایت کی ہے؟۔ انھوں نے کہا نہیں، انھوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوگا، آپ اسکے لئے مولانا سے ضرور کہیں۔ میں نے اگلے دن مولانا سے تنہائی میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ ایسی مریض ہیں اور آپ کسی کسی دن مزاج پرسی کے لئے بھی ان کے پاس نہیں جاتے۔ رشتہ زوجیت کے علاوہ وہ حضرت شیخ کی صاحبزادی بھی ہیں، ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آئی، آپ کو روزانہ کچھ وقت ان کے پاس ضرور صرف کرنا چاہیئے۔

مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا کہ "ہاں یہ بات تو بالکل صحیح ہے، اور میں نے خود ان سے اس بارہ میں بات کی تھی، مگر انھوں نے میرے حال اور میری مصروفیت کو دیکھ کر خود ہی مجھ سے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں مشغول رہیں، میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو رہا ہے، اگر زندگی ہے تو اچھی ہو جاؤں گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جلدی اٹھانے

؎ حضرت حافظ فخرالدین صاحبؒ اس عہد کے ہمارے اکابر و مشائخ میں سے تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے خلیفہ مجاز یعنی حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے پیر بھائی تھے اور ان حضرات سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے، علاوہ دوسرے معمولات کے روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنا ان کا مستقل معمول تھا — ۱۲

کا ہے تو انشاء اللہ جنت میں اطمینان سے ملاقات ہوگی"۔۔۔ میں نے کہا مجھے تو یہ شبہ ہے کہ انھوں نے یہ بات آپ کی بے فکری اور بے پروائی دیکھ کر کہی ہوگی۔۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ تحقیق کریں، اگر ایسی بات ہوگی تو میں ان کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ان سے اس بارہ میں اس طرح کی جذباتی باتیں کرو کہ ان کے دل کی بات زبان پر آجائے۔۔۔ چنانچہ میری اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی انھوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا کہ وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں، انھیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے، میں نے ہی خود اُن سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے، اگر اللہ نے جنت میں جمع فرما دیا تو وہاں اطمینان سے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا ـــــــ چند مہینوں کے بعد اسی علالت میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہوگیا۔ اللھم اغفرلہا وارحمہا

(۵)

تبلیغی کام کے مرکز نظام الدین میں جس پیمانہ پر کھانے کا لنگر جاری رہتا ہے اور روزانہ سیکڑوں آدمی دونوں وقت جس طرح دسترخوان پر وہاں کھاتے ہیں وہ بلاشبہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں عجائب اور خوارق میں سے ہے، ہمیشہ سے وہاں کا دستور یہ ہے کہ جب پیسے پاس نہیں ہوتے تو سارا غذائی سامان قرض، ادھار آتا رہتا ہے، جب پیسے آتے ہیں ادا کر دیا جاتا ہے۔۔ بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ـــــــ قریباً چودہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قرض کی رقم کچھ زیادہ دنوں تک ادا نہیں کی جاسکی، غلہ وغیرہ جس دکاندار کے یہاں سے آتا تھا اس نے ان صاحب سے تقاضا کیا جو سامان لینے جایا کرتے تھے اور باورچی خانہ کا انتظام جن کے سپرد تھا، اور آگے کے لئے مزید سامان قرض دینے سے معذرت کر دی۔ انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور ہمیشہ پیش آسکنے والی اس مشکل کو مستقل طور سے حل کرنے کے لئے یہ تجویز سوچی کہ دو چار اپنے مخلص صاحب استطاعت احباب رازدارانہ طریقہ پر ایک مناسب رقم امانت کے طور پر آپس میں جمع کر لیں تاکہ جب ایسی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے

لنگر خانہ کے سلسلہ کا قرضہ ادا کر دیا جایا کرے اور جب رقم اپنے پاس آئے تو وہ امانت فنڈ میں واپس کر دی جایا کرے۔ اور چونکہ یہ اندازہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اس کو کبھی پسند نہیں فرمائیں گے اس لئے پوری رازداری کے ساتھ انھوں نے بالا بالا اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ دہلی کے پانچ باتوفیق دوستوں نے پانچ پانچ ہزار روپیہ دیکر پچیس ہزار کی رقم اپنے ہی میں سے ایک کے پاس جمع کر دی اور آپس میں عہد معاہدہ ہو گیا کہ حضرت مولانا سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے بلکہ بات بالکل راز میں رہے اور ہم چھ آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو۔

معلوم نہیں کس طرح دوسرے یا تیسرے ہی دن مولانا کو اسکی اطلاع ہو گئی۔ انھوں نے مطبخ کے ان منتظم صاحب اور اپنے ان پانچوں مخلصوں کو جنھوں نے وہ رقم جمع کی تھی بلوایا اور تنہائی میں بٹھا کر پوچھا کہ مجھے اس طرح کی اطلاع ملی ہے سچ سچ بتائیے کیا آپ لوگوں نے ایسا کیا ہے؟۔ ان بیچاروں کو اقرار کرنا پڑا۔ اس کے بعد مولانا نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا ہے لیکن ہمارے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔ جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو پھر ہم اللہ کی مدد کے قابل نہیں رہیں گے۔ اللہ کی مدد کے قابل ہم اسی وقت تک ہیں جبتک دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ ہو اور ہماری نظر بس اسکے خزانہ اور اسکی مدد پر ہو اور ہم مضطر ہوں ——— اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم واپس لے لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ——— یہ واقعہ اسی زمانہ میں مجھ سے جن صاحب نے بیان کیا وہ خود اسکے شرکاء میں سے تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ اس دن کی تقریر میں حضرت مولانا خود بھی روئے اور ہم سب کو بھی خوب رُلایا۔ اور ہم سب نے توبہ کی اور معافی مانگی۔

۶
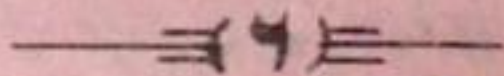
ایک ۷۔۸ سال پہلے مولانا کی اہم تصنیف "حیاۃ الصحابہ" جب مکمل ہوئی اور اسکی طباعت کے بارہ میں طے ہوا کہ "دائرۃ المعارف حیدرآباد" میں چھپوائی جائے۔

تو حیدر آباد کے مخلص دوستوں نے طباعت کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری لے لی، اور بالا بالا اپنے طور پر یہ بھی کوشش کی کہ اسکے مصارف کا انتظام بھی وہ خود ہی کریں، اس مقصد کے لئے انھوں نے بمبئی وغیرہ کے حضرت مولانا کے بعض مخلصین اور معتقدین سے بات بھی کی۔ اور اس رقم کا بڑا حصہ (غالباً ۸۔۱۰ ہزار کے قریب) فراہم بھی کرلیا ـــــــ حضرت مولانا کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو آپنے وہ ساری رقم واپس کرادی، اور کاغذ و طباعت وغیرہ کے لئے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی۔

(۴)
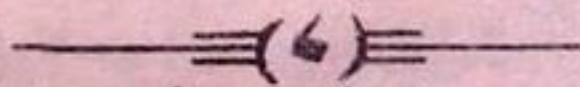
حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے غالباً چند ہی مہینے بعد مراد آباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس وقت تک تبلیغی کام کے سلسلہ میں بڑے اجتماعات اور جلسے میوات میں تو ہوتے تھے لیکن میوات سے باہر بڑے اجتماعات کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک اس ناچیز کو یاد ہے مراد آباد کا یہ اجتماع اپنی قسم کا پہلا بڑا اجتماع تھا۔ باہر کے قریباً سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ تبلیغ کے لئے اوقات دینے کا رواج بھی اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور حسب عادت تقریر میں گویا کلیجہ نکال کے رکھدیا۔ اسکے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا، بہت ہی کم نام آئے۔ حد یہ ہے کہ بجنور، چاند پور اور رامپور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں۔ ہم کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے۔ لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کی اندرونی محراب میں تشریف فرما تھے، لوگوں کی یہ سرد مہری دیکھ کر ان کو جلال آگیا۔ ایکدم اٹھکر تشریف لائے اور میکروفون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا آج تم بجنور، چاند پور، اور رامپور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کا وقت دینے کے لئے تیار

تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج ہو چکا ہو گا اس لئے اجر گھٹ جائے گا۔ مولانا کی اس پُرجلال دعوت پر چند نئے نام اور آ گئے۔ لیکن میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام و عراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا، میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چاندپور اور رامپور کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام و عراق اور مصر جانے والی بات بہت بے موقع ہے۔ مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مراد آباد یو۔پی ہی کی گئی۔

۸

اس عاجز نے پڑھنے کے زمانہ میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانہ میں محنت سے پڑھایا۔ ذہن اور حافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے مرعوب و متأثر نہ ہو سکا۔ لیکن حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے (جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے) اس لئے حسب توفیق ان کے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلمبند بھی کئے۔ بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے) ــــ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطا ہوا ہے، اور قوت بیان مزید برآں ہے۔ اس لئے ان کی تقریر لکھنے کو بھی جی چاہتا تھا، مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات انکی تقریریں لفظ بہ لفظ قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بھی اپنے لئے انکے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا۔ اس عاجز کو پوری بصیرت کے ساتھ یقین

ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً کَثِیْراً"

ان کی تقریر کے پھیلاؤ میں بعض وقت ایسی باتیں بھی آجاتی تھیں جو ہمارے زمانہ کے بعض طبقوں کے ایمان کے لئے آزمائش بن سکتی تھی۔ یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جن کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء کو تنبیہ فرمائی تھی کہ "اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ" لیکن مولانا کی اندرونی ایمانی قوت اور بنیادی دعوت کی طاقت اس طبقہ کو بھی تھام لیتی تھی ——— لیکن ہر ایک کے پاس تو یہ اکسیر اور تریاق نہیں ہے۔

۹

جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں، اور ان کو اس دولت سے کچھ مناسبت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اہل ایمان کو ملتی ہے ان سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی ———

——— زمانہ اور ماحول کے فرق کے ساتھ ان کی تقریروں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔

۱۰

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے اپنے کو کلی طور پر وقف کر دیا تھا۔ اپنی ساری توانائیاں اور اپنی ہر چیز اسکی راہ میں اس طرح لگادی تھی کہ اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لئے بچا کے نہیں رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہزاروں بلکہ لاکھوں بندوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا۔ اس کے کہنے میں انشاء اللہ کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے مقبول اور با اثر لیڈر یا ڈکٹیٹر، کسی جمہوریہ کے محبوب صدر یا وزیر اعظم کی حکومت اتنے دلوں پر نہ

ہوگی۔ جتنے دلوں پر مولانا مرحوم کی حکومت تھی۔ انھوں نے کوئی پارٹی نہیں بنائی۔ اپنے کام یا پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے کوئی اخبار یا رسالہ جاری نہیں کیا (بلکہ وہ دل سے چاہتے اور امکان بھر اسکی کوشش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات ان کا اور ان کے کام کا کوئی ذکر نہ کریں۔ وہ اپنے مقصد کے لئے اسی کو مفید سمجھتے تھے) انھوں نے کبھی کوئی فنڈ جمع نہیں کیا۔ بس خود قربانی دی اور اللہ کے بندوں کو قربانی کے لئے پکارا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہزاروں پھر لاکھوں بندوں کو ان کے گرد جمع کر دیا اور اسلام کی اس غربت کے دور میں چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھنے والے ایک درویش عالم دین اور اللہ کے داعی کی ترغیب و دعوت اور محنت کے نتیجہ میں اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندے یورپ۔ افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شہروں اور قصبوں میں، اور دیہاتی آبادیوں میں ہر وقت پھر رہے ہیں۔ ان میں اُردو بولنے والے بھی ہیں اور عربی بولنے والے بھی، فارسی بولنے والے بھی ہیں اور ترکی بولنے والے بھی، بنگالی بولنے والے بھی ہیں اور پنجابی یا پشتو بولنے والے بھی، انگریزی بولنے والے بھی اور فرانسیسی اور جرمنی بولنے والے بھی۔

——— ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور ان سے بھی پہلے خادمانِ دین اور داعیانِ حق کی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اٹھائے گئے۔ لیکن جو اللہ سب کچھ کرنے والا ہے وہ حی قیوم ہے، اور ازل سے اس کا ایک ہی قانون و دستور ہے۔ اگر اسی خلوص و للہیت کے ساتھ اور انہی اوصاف اور اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے قربانیاں دی جاتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی تعلق رہا جس کا نمونہ ہمارے اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں نے پیش کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی ہوتا رہے گا جو اب تک ہوتا رہا ہے۔

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

تاریخ و سوانح پر عمدہ کتابیں

مخدوم جہانیاں جہاں گشت :-
محمد ایوب قادری 00-7

شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات :-
اعجاز الحق قدوسی 00-10

سید عطاء اللہ شاہ بخاری :-
شورش کاشمیری 00-3

حیات امام ابن حزمؒ :- پروفیسر ابو زہرہ (مصر)
ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری 00-18

حیات وحید الزماں :-
مولانا محمد عبد الحلیم چشتی 00-4

تجلیات عثمانی :- (علامہ شبیر احمد عثمانی)
پروفیسر محمد انوار الحسن انور 50-10

حیات امداد (حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ)
پروفیسر محمد انوار الحسن انور شیر کوٹی 00-4

شمائم امدادیہ (از حضرت تھانویؒ) قیمت -/-/2

تذکرہ علمائے ہند :- تالیف مولانا رحمٰن علی صاحبؒ
ترجمہ محمد ایوب قادری 00-15

حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی :-
سید علی احمد عباسی 00-10

حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی :-
از علامہ مناظر احسن گیلانی 00-12

حیات حضرت امام ابو حنیفہؒ :- تالیف
محمد ابو زہرہ (مصر) ترجمہ غلام احمد حریری کلمہ-15

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ :- تالیف
محمد ابو زہرہ (مصر) ترجمہ سید رئیس احمد جعفری 00-21

امام مالکؒ :- تالیف محمد ابو زہرہ (مصر)
ترجمہ عبید اللہ قدسی 00-10

الغزالی :-
از علامہ شبلی نعمانی 25-5

الفاروق :-
از علامہ شبلی نعمانی 00-6

بزم تیموریہ :-
سید صباح الدین عبد الرحمٰن 00-7

بزم مملوکیہ :-
سید صباح الدین عبد الرحمٰن 50-5

مغل دور حکومت :-
از خافی خاں نظام الملک (کامل) 50-39

عبر دنیا :-
مجلد عز الدین ترجمہ ڈاکٹر محمود حسین 00-12

تاریخ غرناطہ (کامل) لسان الدین ابن الخطیب
ترجمہ سید احمد اللہ ندوی 75-21

تاریخ فاطمین مصر (کامل) :-
ڈاکٹر زاہد علی پی اے ڈی فل (آکسن) 50-17

اقبال نامہ جہانگیری :-
از مرزا محمد معتمد خاں 75-6

مختصر تاریخ ہند :-
مولانا سید ابو ظفر ندوی 00-3

مولانا محمد علی (بحیثیت تاریخ اور تاریخ ساز کے)
محمد سرور صاحب 00-8

سفینۃ الاولیاء :- از شہزادہ دارا شکوہ 75-6

کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

کان مملوکی فاضحی مالکی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے

دو گرامی نامے

(۱)

ہفتہ وار رسالہ "خدام الدین لاہور" نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے تذکرہ پر مشتمل ایک مستقل نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے بھی مضمون کی درخواست کی اور چند متعین باتیں بھی دریافت کیں — حضرت ممدوح نے حسب معمول مضمون لکھنے سے تو معذرت کر دی لیکن سوالات کے جواب لکھوا دیے — سہارنپور کی حاضری کے موقع پر اس گرامی نامہ کی نقل حضرت کے بعض خدام سے حاصل ہو گئی تھی — اس میں مولانا مرحوم کے حال اور مقام کے بارہ میں جو چند سطریں ہیں درحقیقت وہ بجائے خود ایک دفتر ہیں — رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقالہ میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اور اس عاجز نے سابقہ اوراق میں اپنے جن تجربوں اور مشاہدوں کا ذکر کیا ہے ان کے پڑھنے کے بعد حضرت شیخ مدظلہ کے اشارات کو سمجھنا ان شاء اللہ آسان ہوگا — محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنایت فرمائم سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں، ورنہ اس قسم کے

مضامین سے مناسبت ہو۔ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوئے اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر احباب کے اصرار ہوتے رہے۔ مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں اس کی صورت یہ رہی کہ تالیف کرنے والے احباب آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے۔ اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا۔

عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء دوشنبہ کو ہوئی تھی۔ ۲ جمادی الثانی دوشنبہ کو عقیقہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا لکھوں۔

کان حملو کی فاضحی مالکی
ان ھذا من اعاجیب الزمن

ابتدا میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا، شاگرد تھا، زیر تربیت تھا۔ وہ میری الاتقی سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد صاحب یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کی بہ نسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔ چچا جان کے احکام کو وہ پدرانہ ناز کی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا لیکن اس ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا۔ چچا جان کو بسا اوقات یہ فرمانا پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے۔ تمہارے کہنے سے جلدی کر دے گا۔ دہلی کے حضرات کا چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہٗ کو شادی میں ضرور ساتھ لادیں۔ مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو آپ نہ کہیں۔ اور جب چچا جان مجھ سے یہ ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لو۔ تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتدا تھی۔ اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے وہ پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہونچ گیا اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا رہا۔ اس کی بلندی کو دیکھتا رہا۔ چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کی ترقیات

کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد ان کی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ ہو۔ انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہو گئی اس کا اثر تھا کہ گزشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں امراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمہیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو میری انکار کی ہمت نہ پڑی اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے کہا کہ خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ آخر میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے لطف و کرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں۔ اس قسم کی باتیں نہ کہنے میں آتی ہیں اور نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف ایک عورت کے خواب پر اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے۔ لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے نزدیک لفظ بلفظ واقعہ ہے۔ اس لیے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف و تحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی۔ بہت وقت روتی تھی بار بار وضو کرتی تھی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حالت میں ایک موقع وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی ہو گئی۔ عزیز مرحوم کو دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی؟ مرنا تو سب ہی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں بندے سے نہیں۔ اس پر اس نے والہانہ انداز سے یوں کہا حضرت جی آخر یہ ایک دم ہی ہو کیا؟ مرحوم نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ

پڑ گیا اس کے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اس کے ساتھ میری روح نکل گئی بس اتنی ہی سی بات ہوئی فقط۔

عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۳ محرم ۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں ہوئی تھی حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے نکاح پڑھا تھا چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی عین وقت پر چچا جان نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کا ارادہ ہے اس لیے اس وقت رخصت نہ ہوئی تقریباً ایک سال بعد چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی ایک آمد پر اسی طرح فوری طور پر بغیر سابقہ تجویز کے رخصت ہو گئی۔ ۲۳، ۲۴ رمضان ۵۸ھ دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب میں۔ ا بجکر ۴۰ منٹ پر عزیز ہارون سلمہٗ کی ولادت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام۔

زکریا

۱ محرم الحرام ۸۵ھ بقلم محمد عاقل غفرلہ

(۲)

مندرجہ بالا گرامی نامہ میں مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ کا انتقال اور پھر ان کی دوسری بہن کے ساتھ مولانا مرحوم کے دوسرے عقد کا تذکرہ نہیں تھا، ناچیز (محمد منظور نعمانی) نے ایک عریضہ لکھ کر دونوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت شیخ مدظلہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

بعد سلام مسنون ......

عزیز یوسف کی پہلی اہلیہ یعنی والدہ ہارون تقریباً ایک سال تک تپ دق میں مبتلا رہ کر ۶۶ھ کے ہنگامہ میں نظام الدین ۲۹ شوال ۶۶ھ شب دوشنبہ کی مغرب کی نماز کے سجدہ میں جبکہ وہ اشارہ سے نماز پڑھ رہی تھی اور سجدہ کے لیے اشارہ سے سر جھکا رکھا تھا دفعتہً انتقال کر گئی۔ اس کے انتقال کے بعد میں نے عزیز مرحوم کو حکماً منع کر دیا تھا کہ تم دوسرا نکاح نہ کیجیو اس لیے کہ تمہارے مشاغل کا ہجوم تمہیں حقوق کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس وقت تو اس نے بڑی خوشی سے قبول کیا مگر چند سال بعد اس نے ضرورت کا اظہار کیا تو میں نے کہا بڑے شوق سے جہاں تمہاری رائے ہو وہاں تحریک کروں مرحوم نے کہا اگر کردیں گے

تو آپ کے ہاں کردونگا کہیں اور کرنے کا ارادہ نہیں ہے اس پر اس ناکارہ نے بڑے شوق سے قبول کیا اور نکاح ۱۹ ربیع الثانی ۴۹ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدرسہ کی مسجد میں اس ناکارہ کی دوسری لڑکی سے ہوا جو بیوہ تھی اور اس کا پہلا نکاح مولوی لطیف الرحمن کاندھلوی مرحوم کے لڑکے سعید الرحمن مرحوم سے ہوا تھا جس کا انتقال ۴۷ھ کے ہنگامہ ہی کے زمانہ میں ایک طویل علالت کے بعد ہو گیا تھا۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ان واقعات کے ساتھ طویل قصے ہیں جو زبانی تو سنائے جا سکتے ہیں تحریر میں ان چیزوں کا آنا معلوم نہیں مناسب ہوگا یا نہیں.......

پہلا نکاح والدہ ہارون سے ۳ محرم ۴۵ھ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں چچا جان کے ارشاد پر بلا کسی سابقہ تجویز کے فوری ہو گیا تھا اسی طرح رخصتی بھی ایک سال بعد جب چچا جان جو مظاہر علوم کے سرپرست بھی تھے جلسہ سرپرستان میں تشریف لائے اس وقت عزیزان یوسف و انعام ابو داؤد دوبارہ پڑھنے کے لیے سہارنپور آئے ہوئے تھے یہاں موجود تھے جلسہ سرپرستان میں جس میں حضرت اقدس رائپوری بھی تشریف فرما تھے۔ چچا جان نے فرمایا کہ ان بچوں کی رخصتی بھی کر دو اسی دن رات کو میرے ہی گھر میں عزیزان یوسف انعام کی رخصتی بھی کر دی اور دوسرے دن صبح کو مختصر دعوتِ ولیمہ ہو گئی۔

گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

والسلام

زکریا عفی عنہ سہارنپور

بقلم احسان ۲۲ صفر ۸۵ھ

ایک ضروری بات یہ ہے کہ بعض اخبارات میں مولوی یوسف کی پیدائش نظام الدین میں لکھ دی گئی ہے ان کی پیدائش کاندھلہ میں اپنے جدی مکان میں ہوئی تھی، اس وقت چچا جان نور اللہ مرقدہ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ایجنسیاں

(۱) لکھنؤ - اودھ جنرل اسٹورس اسٹور امین آباد - (۲) کانپور - چمن گنج
(۳) کوپا گنج - دیسی دواخانہ (۴) گھوسی - حافظ نذیر احمد
(۶) امرا فی بندوق والا شاب جوہر گیٹ (۷) اعظم گڑھ - محلہ گروٹولہ محمد ولی اللہ
(۸) بہرائچ چوک بازار جان پیر آئیل کمپنی - (۹) بنارس - دال منڈی (۱۰) مئوناتھ بھنجن - صدر بازار

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

اور

اُن کی چند خصوصیات

(مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ جن کے نام کے بعد چند ماہ پہلے ہم مدظلہٗ لکھتے اور بولتے تھے آج رحمۃ اللہ علیہ اور نوراللہ مرقدہٗ کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ دُنیا سے گزرنا سب کو ہے، موت سب کو آنی ہے، سب کو اس عالمِ فانی سے رخصت ہونا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اس عالمِ ناپائدار میں جو بھی آیا ہے یہاں سے مقررہ مدت کے بعد ضرور جائے گا، موت کا آہنی چنگل سب کو اپنی گرفت میں لے گا ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی (ذکر سندیلوی)

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی حیاتِ مستعار میں ایسے کارنامے چھوڑ جاتی ہیں جن سے اُن کا نام نیک باقی رہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ بھی اُن مبارک شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے زندہ و پائندہ علمی و دینی کارناموں کے ذریعے جریدۂ عالم پر اپنی نیک نامی کو ثبت کرا دیا۔ اللہ تعالےٰ انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے معمور کرے (آمین)

مجھے اکیس (۲۱) سال سے حضرت مولانا مرحوم سے یک گونہ تعلق و ربط تھا۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے علمی اور کم حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی ــــ میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لیے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور مشائخ کاندھلہ کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے ــــ میں ان کی حیات میں اپنے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا۔ سچ پوچھیے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی۔ ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پا سکتے جو انھوں نے ۴۸ سال کی عمر پاکر صرف اکیس سال میں انجام دے لیے۔ یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانے کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور در آغوش تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا ــــ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا ــــ دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ دہلی جا کر ــــ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعئ حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا ــــ فائدہ تو اپنے زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اٹھا سکا، اپنی سیہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں ہے مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، سفر

میں دیکھا حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا، خصوصی محافل و مجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں، ان کی پر شکوہ تقریریں سنیں ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عریضوں کے جواب میں تھے یا از خود از راہ کرم فرمائی تبلیغی نقل و حرکت کے سلسلے میں ارسال فرمائے گئے تھے۔ وہ تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسۂ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر ــــ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے" ــــ سلسلہ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے تین اکابر طریقت اس سرزمین پر ابدی نیند سو رہے ہیں ــــ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانے میں جبکہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا، اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پر حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔

الغرض حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے واقفیت کے اسباب مجھے حاصل ہوئے میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا، اس اکیس سال کے عرصے میں میرے قلب کا تعلق ان سے بڑھتا ہی رہا ــــ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ منجملہ دیگر اکابر کے میں نے اپنے عہد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ جیسی یادگار سلف دلنشین شخصیت کو بھی دیکھا ہے اور ان سے واقفیت پیدا کی ہے ــــ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زیادہ قربت حاصل نہ کر سکا اور فیض صحبت سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکا۔ مولانا اپنے بعض خطوط میں تو کبھی کبھی مجھے میری عدم نقل و حرکت پر اشارۃً تنبیہ بھی فرما دیتے تھے مگر جب کبھی حاضر ہوا تو اس "کوتاہی ذوق عمل" کو نظر انداز فرمایا۔ اگر کبھی فرمایا تو مرکز میں کچھ دنوں قیام کرنے کے لیے اور اس کا عنوان بھی اس قدر دلربا ہوتا تھا کہ جی چاہنے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ مرکز میں قیام کر دوں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک کتاب صحابہ کے حالات پر لکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا جس سے اپنی ناقابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت

ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا۔ بعد کو جب حیاتِ صحابہ جلد اول شائع ہو گئی تو از راہِ لطف و کرم اس کا ایک نسخہ ہدیۃً میرے حاضر ہونے پر عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت کے ساتھ فرمایا کہ میوات میں ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا۔ اس اجتماع کی یاد بھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی ــــ وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق ایک بڑی تعداد میں بہ نیتِ ثواب اور بارادۂ تفریغ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع، سلیقے کے ساتھ جلسے کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ارشاداتِ یوسفی کا سننا اور سادگی کے ساتھ اسی اجتماع کے موقع پر اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرانا، یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔ بجھے رہ رہ کر مولانا کی یاد آتی ہے ــــ افسوس کہ وہ اتنے جلد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کی تقریریں کانوں میں گونج رہی ہیں ــــ مرادآباد، رحیم آباد، علی گڑھ، لکھنؤ، ڈاسنہ اور نہٹور ضلع بجنور کے اجتماعات کے پُر کیف روحانی جلوے آنکھوں میں گھوم رہے ہیں جہاں مولانا اپنے رفقاء مرکز کے ہمراہ شریک ہوئے تھے ــــ جہاں ایمان و یقین کی باتیں مولانا کی زبان سے ایمان و یقین کی فضاؤں میں احقر کو بھی سننی نصیب ہوئیں۔ اجتماعوں میں ان کی اندرونی کیفیات کی تاثیر کے اندر اضافہ ہو جاتا۔ مصروفیات بڑھ جاتی تھیں۔ ارشادات و کلماتِ طیبات کا سلسلہ دراز ہو جاتا تھا۔

یوں مرکز کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں نماز فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ بجے تک (قبل ظہر کے ایک دو گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی و خصوصی مجالس میں برابر رشد و ہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت و معرفت کے دُرِّ نایاب تقسیم کرتے رہتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانا کھانے کے وقت تقریر، اور بڑے دلچسپ انداز میں۔ اس کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے ظہر کی نماز کے لیے مولانا مرکز کے حجرے سے باہر تشریف لے آتے، کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرما رہے ہیں۔ اب تکبیر ہو گئی۔

صفوں کو درست فرما رہے ہیں۔ اب نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر تقریر فرما رہے ہیں۔ تقریر سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ باہر کے آئے ہوئے وفود کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش بر آواز ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرما دی ہے ـــــ دین کی نصرت پر نصرت خداوندی کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے وفود کے سامنے پھر تقریر فرما رہے ہیں۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشاداتِ خصوصی سے مستفیض فرما رہے ہیں۔ عشاء کے بعد کتاب سنا رہے ہیں۔ احادیث و آثار کی تشریح فرما رہے ہیں۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جوش و خروش کے ساتھ بیان ہو رہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جا رہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہو رہی ہے دلوں میں عظمت اسلام کے نقوش قائم ہو رہے ہیں۔ تبلیغی کام کی برکات واضح ہو رہی ہیں۔ قرون اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہونچایا جا رہا ہے

صبح سے رات تک پوری قوت و طاقت کے ساتھ تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی، پسینے پر پسینے آتے تھے۔ سینہ تھک جاتا تھا مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیے چلے جاتے تھے۔ آواز کی خستگی میں ایک عجیب دلکشی ہوتی تھی۔ ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا۔ ان کے یہاں کی ایک دن کی حاضری کا کیف و سرور مہینوں باقی رہتا تھا۔ نماز بڑے سوز و گداز اور قلب کی تڑپ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ ان کا اللہ اکبر کہنا جو فضا کو مرتعش کر دیتا تھا کانوں میں گونج رہا ہے ـــــ ان کا دعا کے وقت سراپا تصویر عجز و نیاز بن جانا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا امت مسلمہ کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا تھا اور دعا کے اہتمام کی طرف متوجہ کرتا تھا

میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا اپنا غم غلط کرنے اور اپنے جذبات تپ مردہ میں تازگی پیدا کرنے اور دعاؤں کی برکات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا۔ مجھے مولانا کے

مستجاب الدعوات ہونے کا تجربہ اور پورا یقین تھا۔

مولانا کے بعض وہ ارشادات بھی یاد آرہے ہیں جو احقر کی موجودگی میں احقر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے۔ ۶۳ء میں حاضر ہوا تو پورے وثوق اور یقین کامل کے ساتھ فرمایا:۔

> "یہ حالات باقی نہیں رہیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس ہندوستان میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ہوگا جس سے دین حق کو ترقی ہو اور مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ ہو۔"

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا۔" آج خیر وشر، نیکی وبدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا۔ اگر آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت خیر وشر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے ــــ نمازوں کی تشکیل، زکوٰۃ کا نظام، روزۂ رمضان کا اہتمام، فریضۂ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سدھار کا مسئلہ آگے کا مرحلہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ" ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی اور ــــ نماز وحج کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ایک مرتبہ نظام مسجد اور مسجد کے ذریعے امتِ مسلمہ کے اجتماعی مسائل کی تشکیل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ کے زمانۂ پرسعادت کے واقعات عجیب ترتیب کے ساتھ بیان فرمائے ــــــ

ٹہنور ضلع بجنور کا گزشتہ سال کا اجتماع یو۔پی کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کروں۔ انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ، داخلے کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی۔ جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے اردگرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف پہونچنے بلکہ کچل جانے

کا بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بہزار دِقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبۂ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا تم مجھ ... اجمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے کے لیے آئے ہو؟ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں۔ اگر میری بات سننے آئے ہو تو میری بات سنو۔ پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سُن رہا تھا۔ غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے۔ مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔ انصاف و عدل کی صفت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انصاف و عدل کے سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی کی جنبہ داری اور طرفداری نہیں کی جائے گی۔ بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

مراد آباد میں آخری تشریف آوری کے موقع پر وہاں مدارس میں پہونچ کر علماء و طلباء کو جو پیغامات دیئے وہ بھی یاد رہیں گے۔ مدرسہ شاہی کا اجتماع عوام اور علماء و فضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی، رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا۔ حضرت مولانا سید فخر الدین محدث مدظلہٗ نے بخاری شریف ختم کرائی اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی اس تقریر میں علماء و طلباء کو بصد احترام ان کے فرائض منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس و تدریس کی اہمیت کو واضح کیا ۔۔۔ وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارس عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہار تازہ آجائے اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات اور اشکالات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحاب مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل و حرکت کے سلسلے میں آتے رہتے ہیں۔

مراد آباد سے امروہہ تشریف لائے وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں ختم بخاری کے بعد علماء و طلباء اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ آغاز کلام میں جو بات فرمائی۔ اس کا مفہوم تقریباً یہ تھا کہ ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہوتا ہے۔ اگر علم صحیح ہوا اور اس کا استعمال صحیح

نہ ہو تو بھی خسارے کی بات ہے۔ یہ ایک الہامی اور معرکۃ الآرا تقریر تھی جس نے تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے سنی تھی۔ پھر اس کے بعد موقع ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔

باتیں تو بہت سی یاد آتی ہیں مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی چند خصوصیات کا ذکر کرکے اپنے اس مقالے کو ختم کروں۔

۱۔ بغیر کسی لمبی چوڑی تمہید کے تقریر میں اصل مقصد کو قوت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چیزیں نفع و نقصان پہونچانے میں اللہ کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کلمۂ طیبہ کی تفسیر و تشریح وجد انگیز انداز میں بیان فرماتے تھے ___ اتباعِ رسولؐ کی اور نقشِ قدمِ صحابہؓ پر چلنے کی پرزور دعوت دیتے تھے۔ ان کی تقریر میں ایک محدث و مفسر ایک صوفی و درویش، ایک مفکر و مورخ کا ملا جلا انداز ہوتا تھا۔

۲۔ مایوسی کو کبھی اپنے اندر نہیں آنے دیا۔ عالی حوصلگی اور نصب العین کی بلندی کی طرف رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے والے چند اکابر میں حضرت مولانا کی ذات عالی بھی تھی۔

۳۔ دعاؤں کا خاص اہتمام تھا ___ دعا مانگتے وقت مجسم دعا بن جاتے تھے۔ مولانا نے اپنے اہتمام دعا سے دعا کی اہمیت و عظمت کی بے شمار دلوں میں قائم کرنے کی صورت پیدا کی حضرت مولانا کے دعا مانگتے وقت قلب پر عجیب سکون طاری ہو جاتا تھا۔

۴۔ مولانا قدیم و جدید دونوں حلقوں میں مقبول تھے۔ ان کی معلومات کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان کی تقریر سے ایک عالم اور عامی کاشتکار و دستکار اور ایک سائنس داں اور انجینیر سادی مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نہ صرف مذہبی و روحانی تقریر کرتے تھے بلکہ حسب موقع خصوصی مجلسوں میں اقتصادیات، معاشیات تعلیمات اور سیاسیات کے مسائل بھی حل فرماتے تھے اور اس کے نقشے اور خاکے بتاتے جاتے تھے۔ مگر یہ سب مضامین اسلام کی تعلیمات، سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

کردارِ صحابہ رضؓ کی روشنی میں بیان ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور ذہنی اعتبار سے علوم جدیدہ سے متاثر اشخاص آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ اور بالآخر دلی اطمینان کے ساتھ دینی کام میں نمایاں حصہ لینے لگتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بہت سے طلبا کی اخلاقی و روحانی ترقی میں مولانا کے اس کمال کا بہت بڑا دخل ہے۔

۵۔ مولانا دوسروں ہی سے دینی نقل و حرکت کرنے اور باہر نکلنے کے لیے نہیں فرماتے تھے۔ خود بھی حسب ضرورت مرکز سے باہر رہتے تھے اور مہینوں باہر گزارتے تھے حالانکہ مرکز میں ان کی موجودگی کی ضرورت کچھ کم نہ تھی۔ ہندوستان و پاکستان کے متعدد شہروں، قصبوں دیہاتوں میں عام اجتماعوں اور مدارس و مراکز کے خصوصی مجمعوں میں اپنا دینی پیغام پہونچاتے رہے۔ چنانچہ مسافرت اور غریب الوطنی کے عالم ہی میں دین کی جد و جہد کرتے ہوئے ان کی روح اعلیٰ علیین کو سدھاری۔ حج کا فرض بھی ادا کر چکنے کے بعد نفلی حج اور عمرے کے لیے جماعتیں لے کر کئی مرتبہ حجاز مقدس پہونچے اور وہاں عالم اسلامی کے اجتماع سے دینی فائدہ اٹھایا۔ ملکوں کے لیے جماعتیں وہاں سے روانہ کیں۔ مقدس مقامات میں دنیا کے مسلمانوں کے لیے عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً خیر و عافیت اور دینی و روحانی ترقی کے لیے دعائیں کیں۔ اپنی جد و جہد کے ذریعہ عالم اسلامی سے ایک خاص رابطہ پیدا کیا۔

(۶) اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو ان سے قریبی رشتے داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا، اس کی نظیر موجودہ زمانے میں مشکل سے ملتی ہو۔ آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادت مندی، یہ خلوص اور یہ جذبہ تعظیم و تکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

(۷) مولانا اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات کا اور پرانے کارکنوں

کا بڑا احترام اور اعزاز فرماتے تھے۔ نیز مرکز کے تمام رفقاء اور بیرون مرکز کے تمام کام کرنے والوں سے جن میں امیر بھی تھے غریب بھی۔ عالم بھی تھے عوام بھی۔ تاجر بھی تھے کاشتکار بھی۔ یونیورسٹی، کالج اور اسکولوں کے اساتذہ بھی تھے اور طلبار بھی۔ اسلامی مدارس کے معلمین بھی تھے اور متعلمین بھی۔ دفتر کے ملازمین بھی تھے اور ڈاکٹر و انجینیر بھی سب سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ سب کام کرنے والوں کی طرف سے اپنا سینہ اور دل صاف رکھتے تھے۔ اور اس کا اہتمام کرتے تھے، اگر کسی کی کوتاہی معلوم بھی ہو گئی تو حکمت عملی سے اس کا تدارک فرماتے تھے۔

مختلف مزاج اور مختلف کاروبار کے لوگوں کو یوں جوڑے رکھنا بغیر روحانیت اور نفسیات کی مہارت کے مشکل ہے۔

(۸) مولانا نے تبلیغی کام چلانے کے لیے کبھی مادی ذرائع اور روپے پیسے کا سہارا تلاش نہیں کیا۔ بزرگان ملت کے طریقے اور اپنے خاندانی متوکلانہ درویشانہ روایات پر قائم رہے۔ فتوحات کے طور پر بھی جو کچھ آیا اس میں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال پر بہت کم اور صرف بقدر کفاف اور دینی جدوجہد کی ضروریات اور متعلقین پر بہت زیادہ صرف کیا۔ ان کے لنگر کا خرچ اتنا تھا کہ کسی ریاست کا خزانہ بھی اس کے لیے کفایت نہ کرتا۔ سب کام غیب سے ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔

(۹) سیاسی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اہل سنت وجماعت میں جو تفریق ہو گئی ہے اس کو اپنی حکمتِ عملی سے کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ تبلیغی کام پر معاندین نے سخت سے سخت تنقیدیں کیں۔ اور چھوٹے بڑے رسالے لکھے مگر مولانا نے ان پر کبھی توجہ نہ کی نہ جواب دینے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ بلکہ اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی متواتر کوشش فرماتے رہے جس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

(۱۰) ہند اور بیرونِ ہند میں کام کی اتنی اشاعت ہو جانے اور آپ کی شخصیت اتنی معروف ومشہور ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپ نے خود تو کیا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہ دی کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور لوگوں کو ان کے حلقۂ بیعت میں

داخل کیا جائے۔ آپ نے سب حلقوں کا اکرام کیا، سب مشائخ کا اعزاز کیا، سب مدارس کو اپنا سمجھا، سب علماء کی تعظیم و تکریم کی، اپنے معاصرین سے چاہے وہ دین کے کسی شعبے میں کام کر رہے ہیں اچھے تعلقات رکھے اپنے طرز عمل سے کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ عام و خاص مسلمانوں کے جس اکرام کی اور امت کے مختلف طبقات کو باہم قریب کرنے کی وہ مسلمانوں کو جو تعلیم دیتے تھے خود ان کی ذات اس کا بہترین نمونہ تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادے میاں محمد ہارون سلمہٗ اور ان کے جانشین حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی مدظلہ، اور دیگر رفقاء کو صحت و عافیت کے ساتھ دینی کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے! اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ، کو نیز تمام اکابر کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے (آمین)

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ارشادات کے آئینے میں

از حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب (لائل پور)

[ہمارے بہت سے ناظرین حضرت مفتی صاحب سے شاید واقف نہ ہوں، آپ پاکستان کے سرنشت علماء و اصحاب فتویٰ میں سے ہیں، تبلیغی کام سے آپ کا تعلق بہت عمیق اور قدیم ہے، اس کام ہی کے سلسلہ میں چند سال آپ کا قیام حجاز مقدس میں بھی رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمدین میں سے تھے اور حجاز مقدس کے سفروں اور پاکستان کے دوروں میں عموماً حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہتے تھے۔]

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ "کام یہ ہے کہ کام کرنے والے کا اس ذات پر یقین قائم ہو جائے جس کے کرنے سے کام ہوگا، یعنی اللہ جل جلالہ کی ذات پر، اور اس کی حیثیت کام کرنے والے پر ایسی منکشف ہو کہ اپنی ذات اور کوئی دوسری ذات دکھائی نہ دے، دوسرا یقین یہ ہو کہ جب میں ظاہر و باطن سے حضورؐ کے طریقوں پر آجاؤں گا تو رب العزت دنیا و آخرت میں اچھے حالات لائے گا۔"

حضرت جی رحمۃ اللہ کی ذات میں یہی یقین اتنا نمایاں نظر آتا تھا کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی محسوس کر لیتا تھا کہ اس خدا کے بندے کے نزدیک حکومت، مال و دولت، اکثریت اور کسی بھی طاقت سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا ——

ایک دن ڈھاکہ میں وہاں کے خواص کے ایک اجتماع میں فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا۔ اس پر وحی آئی "وَلَا تَقُولَنَّ لِشَیْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ"[1] اور تمہاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا، ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ خلق کی صفت صرف خالق میں ہے، پوری مخلوق اپنی پیدائش، تربیت اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے۔

ایک دفعہ تقریر کے بعد ایک صاحب نے کہا حضرت یہ کام تو اچھا ہے مگر عالم میں پھیلا ہوا بگاڑ اس سے کیسے درست ہوگا؟ اس پر فرمایا، اگر میرے آپ کے یا جماعت کے کرنے پر ہوتا تو سوچنے کی بات تھی۔ جب خدا کے کرنے سے ہونا کہہ رہا ہوں تو پھر اشکال کیا ہے، کیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام خدا کیسے کرے گا؟

ایک دفعہ فرمایا تم حضورؐ کے نمونہ پر بننا شروع کر دو جتنا بننا ہوگا بن جائے گا، اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لیے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے، تم جن کو بڑی طاقتیں سمجھتے ہو خدا کے نزدیک اُن کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دُنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے جب حضورؐ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جالے صاف کر دیئے تھے، بالکل یہی صورت روس و امریکہ کی ہوگی۔

ایک دفعہ فرمایا ایٹم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے، ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں، ایٹم سے وہ ہوگا جو خدا چاہے گا، فرعون بھی "وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي" کہا کرتا تھا، مگر خدا نے اسی پانی کو اُس کے غرق و بربادی کا سامان بنا دیا۔

---

(۱) ترجمہ۔ اور کسی چیز کے لیے ہرگز یہ نہ کہو کہ میں یہ کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ یعنی یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ نے چاہا تو کروں گا۔ الفرقان

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی گہرائیوں میں خدائے ذوالجلال کی صمدیت کا یقین اتنا بھرپور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک ہر زمانے کے کائناتی اسباب کا وجود و عدم برابر تھا۔ فرماتے تھے جب کچھ نہ تھا خدا نے سب کچھ بنا دیا اور آخر میں کچھ نہیں رہے گا اور پھر سب کچھ بنائے گا۔ وہ پیدا کرنے میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس کی دلیلیں ہیں۔ نیز قیامت کے دن بارش ہوگی اور انسان زمین سے انگوریوں کی طرح نکلتے چلے آئیں گے۔ وہ چاہے تو سامان ہلاکت و ذلت کو ہی سامان تربیت و عزت بنا دے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو، یونس علیہ السلام کے لیے مچھلی کے پیٹ کو، اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے زندگی کے اسباب سے خالی لق و دق بیابان کو، یوسف علیہ السلام کے لیے جیل کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غار ثور کو حفاظت، عزت اور تربیت کا سامان فرما دیا۔

فرماتے تھے، میں دُنیا کو دارالاسباب مانتا ہوں مگر انسانوں کی اجتماعی انفرادی کامیابی، سکون، تمکن، محبوبیت، مرجعیت، قوت اور تمام اچھے حالات کا واحد سبب حضور کی آمد کے بعد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر سے صادر ہونے والے اعمال ہیں۔ جب کسی فرد، خاندان، طبقہ، جماعت، قوم یا ملک میں حضور والے اعمال آجائیں گے خدا ان کو دارین میں کامیاب کرے گا چاہے ان کے پاس کائناتی اسباب ہوں یا نہ ہوں۔

برہمن بڑیا میں مدرسہ میں بخاری کے ختم پر فرمایا۔ "بھائیو آپ نے بخاری ختم کی، علم حاصل ہوا، اب اسی علم پر تین مقصدوں کے لیے محنت ضروری ہے۔ اس علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین، اس علم کے مطابق عمل۔ اور اس یقین و عمل کو عالم میں پھیلانا۔ حضور کے لائے ہوئے علم پر ان تین پہلوؤں پر ابتدا میں محنت کی گئی تو اس زمانہ کے کائناتی نقشوں پر چلنے والا باطل یعنی روم و فارس پاش پاش ہوگیا اور آخر میں دجال اپنی ذات سے اتنی بڑی طاقت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے مقابلہ میں موجودہ طاقتیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس وقت مہدی علیہ السلام زمین سے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آئیں گے اور بعینہٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اس علم پر محنت کریں گے اس پر اللہ جل جلالہٗ اس دجالی طاقت کو ہلاک کرے گا۔ اور جب پہلے یہ ہو چکا اور آخر میں بھی یہ ہوگا تو پھر یہ وسوسہ کیوں ہو کہ درمیان میں کیسے ہو سکے گا، آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے،

بشرطیکہ ایک معتدبہ طبقہ اس علم پر حضورؐ اور صحابہ کی طرح محنت کرڈالے، حضورؐ سے صادر ہونے والے اعمال کو خدا نے ایٹم سے زیادہ طاقتور بنایا ہے اور ایک ایک عمل کو عالم میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ صلوٰۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف چاند سورج کے حالات بدلنے کے لیے ہے۔ دعا اور صلوٰۃ الحاجۃ ہر قسم کے انفرادی اجتماعی ناموافق حالات بدلنے کے لیے ہے۔ حضورؐ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کرا کے یہی ظاہر کیا گیا کہ حضورؐ سے صادر ہونے والا عمل اتنا طاقتور ہے اور یہ اشارہ حضورؐ کا تکوینی عمل تھا۔ تشریعی عمل اس سے بھی طاقتور ہیں۔ اس وقت حکومتی نقشوں والوں کی منت خوشامد ہو رہی ہے کہ ہمارا علم چلا دو، میں کہتا ہوں قرآن و حدیث ان کی منتیں کرنے نہیں آیا، قرآن تو ان نقشوں والوں کے وجود و عدم اور ذلت و عزت کے فیصلے کرنے آیا ہے۔

اسی کے ساتھ حضرت جیؒ کی ایک ایک بات سے اس کامل یقین کا بھی ظہور ہوتا تھا کہ حضورؐ والے اعمال کے بغیر کبھی بھی دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہوسکتی چاہے کائناتی اسباب کتنے ہی ہاتھ آجائیں، بلکہ کائناتی اسباب حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں جب تک حضورؐ والے اعمال کی روح نہ آجائے یہ اسباب مردہ ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو انسان خالق کائنات اور اصل کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی سی ہے انھیں مال و دولت تو مل سکتے ہیں۔ مگر سکون و محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی ——— اور یہ بھی فرماتے تھے کہ خود کائنات کی بقا صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس میں حضورؐ کے اعمال موجود ہیں۔ جب ان کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل نہ رہے گا اس وقت اس مردہ کو دفن کر دیا جائے گا إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ۔ الآیہ

اور اسی بنیادی یقین کی بنا پر فرماتے تھے کہ نماز صرف اعمالِ نبوت کا مجموعہ ہے اسے تمام کائناتی اعمال کو چھوڑ کر بلکہ ان سے دور ہو کر مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز میں کائناتی اعمال تجارت وغیرہ کو صرف چھوڑنے کا حکم نہیں، بلکہ نماز میں ان کا خیال کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا اور پوری کائنات سے یکسوئی والے عمل کی طرف "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" سے پکارا گیا، یہ عمل گویا اس یقین کی مسلسل مشق کراتا ہے کہ کامیابی کا دارومدار صرف اعمالِ نبوت پر ہے اور اعمالِ نبویؐ کے

ساتھ اس درجہ یقین رکھنے والے کو جو شغف اور اہتمام علوم نبوی کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

ایک دفعہ علما کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا جس میں حضرت مولانا عبد الحق مدنی رحمۃ اللہ بھی موجود تھے، کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگا دیں، مگر ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو۔ اسلیے کہ یہ بھی حضور کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو، اسی بنا پر حضرت جی انتہائی اہتمام سے تمام چھوٹوں بڑوں سے چاہتے تھے کہ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھیں اور انتہائی احترام و توجہ سے سنیں۔

ایک دفعہ فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو خدا مجھ سے مخاطب ہے اور جب حدیث پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہیں۔

ایک یہ بات بھی حضرت جی کے لیے آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر اور بدیہی اور ناقابل شک تھی کہ جب تک مذکورہ بالا یقین اور علم نبوت کے مطابق عبادات درست نہ ہو جائیں اخلاق نہیں آتے اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آئیں گے دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا۔ اور فرماتے تھے اغراض کے لیے کسی سے کوئی سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے، بلکہ کوئی کام بھی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں ہے۔ ایک دن ایک مجلس سے اُٹھے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، مفتی صاحب عمل اخلاص کے بغیر مُردا ہی تو ہے اور دیکھو گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء (چہارشنبہ) کی صبح وصال سے صرف دو دن پہلے فرمایا۔ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے کرنا نفسانیت ہے۔ مال مل جائے، مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں، شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے، میری رائے پوچھی جائے، ان اغراض کے لیے عمل کرنا ہرگز اخلاص اور للّٰہیت نہیں ہے، یہاں تک کہ مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کے لیے بھی عمل نہیں کرتے اس لیے کہ موعود موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنا کر کرتے ہیں وہ موعود ہی میں

پھنس جاتے ہیں اور جو لوگ صرف رضاء الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں اُن پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ اُن کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوقِ خدا پر محض رضاء الٰہی کے لیے خرچ کر دیتے ہیں جیسے صحابۂ کرام نے کیا تھا۔

ادھر کئی سال سے حضورؐ کی معاشرت پر نہایت اچھوتے اور محبت بھرے انداز میں تفصیلی گفتگو فرماتے تھے اور اس کے مقابل جب موجودہ معاشرت کا ذکر آتا تو معلوم ہوتا کہ اس معاشرت کی ایک ایک چیز میں انھیں کھلے مفاسد نظر آتے ہیں۔ اور بعض چیزیں ایسی غلاظت ہیں کہ ان سے انھیں گھِن آ رہی ہے۔

ایک دفعہ فرمایا، حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی اور حیا پر ہے، اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی، اسراف اور تعیش پر ہو۔ تمھیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنھوں نے تمھارے اسلاف کے خون بہائے، عصمتیں لوٹیں، ملک چھینے، اور اب بھی تمھیں ادادہ کر اسطرح پال رہے ہیں جسطرح تم مرغیاں پالتے ہو (یعنی ذبح کرنے کیلئے) اور جسنے تمھارے لیے خون بہایا، دانت شہید کرائے، حمزہ جیسے چچا شہید کرائے، تمھارے لیے راتیں جاگتے گزاریں اُنکی معاشرت تمھیں پسند نہ آئی۔ دوستو حضورؐ کی معاشرت بھی قیامت تک کیلئے ہے جیسے انکی نبوت قیامت تک کیلئے ہے۔ جب تم میں نورِ ایمان آئے گا تو تمھیں حضورؐ کی معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔

دعوت کے عمل کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تمام اعمالِ نبویؐ میں زیادہ طاقتور اور انبیاء کا مقصدِ حیات یقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ انبیاء کا خاص الخاص عمل ہے انبیاء والی مددیں اسی عمل کے ساتھ ہیں، بشرطیکہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کیلئے ہر طرح کی انتہائی قربانیاں چاہتے تھے اور تدریجاً بڑھنے کی دعوت دیتے تھے اسوقت عام دعوت یہ تھی کہ وقت کا تہائی حصہ یعنی ہر سال میں چار مہینے بیرونی نقل و حرکت میں صرف کیے جائیں، باقی آٹھ مہینے اپنے مقام پر اسطرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اسکے اعمال میں صرف ہو اور باقی آدھا وقت گھر اور اسکی ضروریات کو دیا جائے ــــ ایک دفعہ یوں فرمایا اس کام کو اصل کام بناؤ، اور بقیہ کاموں کو اسکی سلوٹوں میں کرنا سیکھو اور چاہتے تھے کہ ہر گھر، ہر محلہ، ہر شہر، ہر ملک اس دعوت کا میدان بنے۔ خدا کا احسان ہے انکی دعوت کے کچھ حصوں پر کچھ لوگوں نے لبیک کہا، رب کریم مرحوم و مغفور کی وہ ساری آرزوئیں پوری فرمائے جو ان کے پاکیزہ دماغ میں آئیں۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

صدیقِ وقت یوسفِ اقلیمِ دین و دعوت رح

(نور اللہ مرقدہ)

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم۔اے، صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور)

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں　　ترکشِ مارا خدنگ آخریں

عالم کی سب سے بڑی متاعِ انسان ہے، لیکن ہر زمانہ میں "انسان" کی یافت و معرفت ہی بنی آدم کے لیے سب سے مشکل مسئلہ بنی رہی ہے۔ وہ مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے لیکن انسان کے جواہر اصلیہ سے محروم ہے، انکا تذکرہ نہیں، بات اس انسان کی ہے۔ جو خلیفہ الٰہی، نائب حق، مظہر صفاتِ الٰہیہ، عبدیت و اخلاق کا پیکر، احکام ربانی کا حامل اور اپنی ذات و صفات و اعمال کے لحاظ سے عالم کے لیے سراپا رحمت و ہدایت، باعثِ برکت و خیر ہو جس کی زندگی عالم کی حیات اور جس کی موت عالم کی موت ہو، جو خدا کا ہو جس کا دل جمال و کمالِ الٰہی کے نور سے روشن اور جس کی پیشانی تثبیت، انابت الی اللہ اور معیتِ ربانی سے منور ہو جس کی صحبت ہدایت کا نور بکھیرتی ہو۔ جس کا دل دلوں کو زندگی بخشتا ہو جس کی روح سے روحیں زندہ ہوتی ہوں، جس کا اُسوہ اپنے اندر صحبت نبوت کا پرتو لئے ہوئے ہو جس کی زندگی "ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین" کا عملی ثبوت ہو، جو مخلوق کا نہ ہو، خالق کا ہو، مخلوق کا طالب نہ ہو، مخلوق سے اپنے نفع و ضرر کو حقیقتاً

لہ یہ عجالہ ناگزیر حالات کی بنا پر انتہائی دوا دوی میں قلم برداشتہ املا کرایا گیا ہے اس لیے جیسے لکھنا چاہتا تھا، وہ صورت نہ ہو سکی تاہم جو ہوا۔ خدا کی توفیق سے ہوا والحمد للہ علی ذالک ؎

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ　　دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

متعلق نہ سمجھتا ہو، وہ ہر غیر سے قطعًا بے نیاز اور صرف ایک ذاتِ الٰہی کا نیاز مند ہو، اس کی امنگیں، امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں، آہیں، نالے، سوز و گداز، بے چینیاں اور بے قراریاں کوشش و محنت، سعی و جستجو، سوچ و فکر، سکوت و تکلم، قول و عمل، صرف ایک ذاتِ پاک و بے ہمتا خالق و مالک کے لیے ہو کر رہ گئی ہو، اس کا حال لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کی عملی تصویر ہو، اور اس کا دل ابراہیم خلیلؑ کی طرح خلتِ ربّانی کا ذوق آشنا، اس کا یقینِ محکم و ایمانِ کامل شک و ریب، بے یقینی اور نفاق کے تو بر تو پردوں کو چاک کرنے والا، بے یقینوں کو یقین دلانے والا، بے راہوں کو راہ بیں بنانے والا اور دلوں کی ظلمتوں کو کافور کرنے والا ہو وہ اپنی راہ نبوت کی بتائی ہوئی روشنی میں طے کرتا ہو، زمان و مکان اسے متاثر نہ کرتا ہو، وہ تفرید و تجرید کے اس مقام پر فائز ہو، جہاں "غیر" کلی طور پر مضمحل و محجوب ہو جاتا ہے اور جہاں ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہوتی نظر آتی ہے۔ اس کے لیے مخلوق اور مخلوق پر وارد ہونے والے احوال و تصرفات ایک ہی مصرّف الامور اور مکوّنُ السمٰوٰت والارض کی مختلف تجلیات و افعال کا ظہور و صدور ہوں، وہ عالم کے ہر تصرّف اور کائنات کی ہر حرکت و سکون میں خالق و آمر حقیقی کا غیر مرئی ہاتھ کار فرما پاتا ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام تشریعی و تکوینی کی مصلحتیں اور حقیقتیں اس پر بالقدر (عطاءِ رب) کھل چکی ہوں، نظام تشریعی کی حقیقت نے اس پر واضح کر دیا ہو، کہ تکوینیات کے اوامر تشریعات کے متعلقہ امور کے نتائج و ثمرات ہوتے ہیں، اس لیے شریعت مطہرہ کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام خصوصًا افضل الانبیاء سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال کے جزو کل کی قیمت و اہمیت اس پر اس طرح منکشف ہو چکی ہو، کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت اور حیات نبوی کے معمولی سے معمولی عمل کو وہ پوری کائنات سے زیادہ وقیع و قیمتی سمجھتا ہو، جس کے لیے ایک سنت کا ٹوٹنا قیامت ہو، جان دینا گوارا ہو لیکن طریقۂ نبوت کا اضمحلال برداشت نہ ہو سکے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح وہ قولاً و عملاً پکار رہا ہو "اینقص الدین وانا حیّ" ایسی شخصیت کا مصداق (بقول شاہ ولی اللہؒ) کبریت احمر اور اکسیر اعظم سے کم نہیں، ایسے انسان کی جستجو کے متعلق عارفِ رومی نے کہا ہے ع

کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

ایسے انسان کامل کی یافت دل کا چین، روح کا سکون، اور ہر بیماری کا علاج ہے اس کا ملنا ہی شکوک وریب کے اندھیروں کو اجالے سے بدل دیتا ہے اور دل میں یقین و ایمان کی قندیل روشن کر دیتا ہے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
در علاجش سحر مطلق را ببین — در مزاجش قدرتِ حق را ببین

ایسے "انسان" کی یافت و حصول میں تو بر تو حجابات حائل ہو جاتے ہیں، اور اس سے استفادہ و استفاضہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں وہ خود شہرت و نمود کا طالب نہیں ہوتا، معاصرت کے حجاب اکبر کے علاوہ اعمال کا ظاہری تشابہ، اس کی اپنی بے نفسی، قناعت و تواضع، خلق کی مدح و ذم سے بے پروائی وغیرہ اس کے جمال و کمال کو چھپائے رکھتی ہے۔ بے بصر اشخاص اسے اپنے پر قیاس کر لیتے ہیں اور اس کے فیض و برکت سے بے پروا اور محروم ہو جاتے ہیں اسی کی طرف عارف رومیؒ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر
شیر آن باشد کہ انسان می خورد — شیر آن باشد کہ انسان را درد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیا را دیدۂ بینا نبود — نیک و بد در دیدہ شان یکساں نمود
ہمسری با انبیأ برداشتند — اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ — ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — آبِ تلخ و شیریں را صفا است

جو اشخاص اور جو طبقہ ایسے انسان تک پہنچ بھی جاتا ہے، تو اس کی معرفت و پہچان اور ان سے استفادہ اپنے احوال و ظروف کے مطابق کر پاتا ہے۔ اور اس جہل مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں نے اسے جان لیا، پہچان لیا، اور جو میں نے اس سے اخذ کیا، گویا اس انسان کامل اور

عبقری شخصیت کا وہی سرمایہ اور فضل و کمال تھا، حالانکہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ

فیضِ ساقی ہے باندازۂ ظرفِ میخوار دل حریفِ مئے بسیار کہاں سے لاؤں

افادہ بقدرِ صلاحیتِ استفادہ ہوتا ہے، علوم خاصہ کبھی اپنا محرم تلاش کرتے ہیں نسبت باطنی کبھی اپنے محل و جائے استقرار کی طلب میں ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے کامل انسان ہم جیسے مستفیدوں کو ہمیشہ یوں ہی کہتے رہے،

من بہر جمعیتے نالاں شدم جفتِ بد حالاں و خوش حالاں شدم

ہر کسے از ظنِ خود شد یار من از درونِ من نجست اسرار من

محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست ہم زباں را مشتری جز گوش نیست

ہیچ کس را زہرہ ایں جوش نیست تا کہ گویم در جہاں یک گوش نیست

پچھلے دور کے ایک حکیم شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک ہمہ گفتند با ما آشنا بود

ولیکن کس ندانست ایں مسافر چہ گفت با کہ گفت واز کجا بود

غرض "انسان، کامل" مشکل، اس کا جاننا و پہچاننا، اور اس کی صفات و کمالات، فضائل و مزایا کی معرفت امر مزید دقت طلب اور گراں ہوتی ہے، اب ایسے انسانوں کے پہچاننے کا کیا دعویٰ و اظہار کیا جائے کہ

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است کیں دلیل ہستی و ہستی خطا است

بہر حال ہر شخص اپنے ظرف و استعداد، فہم و دانش، علم و بصیرت کے بقدر جانتا اور تعارف کرا سکتا ہے لیکن ناواقفوں کے لیے یہ تعارف بھی اکثر "باور کرانے" کے مرادف نہیں ہو سکتا۔ مبالغہ اور عقیدت کی اس دنیا میں حقیقت کو بھی افسانہ سمجھ لیا جاتا ہے اور شخصیت نگاری کو شاعری قرار دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایسے باکمال انسانوں کے خد و خال اور جمال و کمال کو کسی حد تک پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں، کہ

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بوئے گل را از کہ جوئیم، از گلاب

اللہ تبارک و تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اس عالم میں انسانوں کی ہدایت کے لیے

نفوسِ کاملین کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور انھیں اپنی ہدایت کا آلہ بنا کر اس عالم کے انسانوں پر اپنی ذات تک پہنچنے کی راہیں کشادہ اور اپنی ذاتِ عالی سے استفادہ کی صورتوں کو استوار فرماتا رہتا ہے۔ یہ نفوسِ کاملین اصلاً انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ عالیہ ہوتی ہیں اب جبکہ ہمارے آقا امام الرسل سید الانبیا خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائمی نبوت اور ابدی رسالت کے ساتھ تشریف لے آئے اور حکمتِ الٰہیہ نے یہ مقدر فرما دیا کہ دورۂ نبوتِ محمدیہ اعلان نبوت محمدیہ سے لے کر تا قیامِ ساعت مستمر رہے گا۔ اس عہد میں جتنے اصحابِ دعوت و ارشاد اور نفوسِ قدسیہ پیدا ہوں گے وہ رسالتِ محمدیہ کے آبِ زلال سے سیراب، آپ کے علوم و انوار سے فیضیاب آپ کے یقین و ایمان، توکل و تفویض، للہیت و انابت، درد و سوز اور غافلوں ناواقفوں پر ترس و ترحم اور آپ کی دیگر باطنی صفاتِ کمال سے متصف ہوں گے ایسی ذواتِ قدسیہ عالم کی ہدایت کا سبب اور نظام ہدایت کی اس عالم میں ظاہری کڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مجاہدات اور دعاؤں کی برکت سے دین کے فروغ کی غیبی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

غربت کدۂ ہند میں اسلام کا قافلہ صحابہ کے عصرِ سعادت ہی میں پہنچ گیا تھا، اس عہد سے لیکر دسویں صدی ہجری تک علماء و دعاۃ، صلحاء و صوفیہ کی ایک کثیر جماعت کفرستانِ ہند و پاک کو اسلام کے نور سے منور کرتی رہی لیکن سیدنا امام ربانی مجدد سرہندیؒ کے دورۂ تجدید سے اس سرزمین کے لیے وہ عہدِ برکت شروع ہوتا ہے جب ہدایت و ارشاد کا خاص مرکز اس سرزمین کو قرار دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے لیکر آج تک علماء و محدثین، اکابر صوفیہ و اصحابِ دعوت و عزیمت جس قدر ہندوستان خصوصاً مضافات دہلی و دوآبہ کی سرزمین سے اٹھے، اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی اور ان سے جو خیر پھیلا اس کے اثرات و نقوش عالمگیر ہیں، اسی سلسلۃ الذہب کی آخری سنہری کڑی

العارف باللہ، المجاہد فی اللہ، الداعی الی اللہ، المؤید من اللہ، معدن الیقین والایمان، لسان الحق والدعوۃ، وارث علوم النبوۃ، قطب الارشاد صدیق دقتہ خلیل عصرہ العلامہ الشاہ محمد یوسف الکاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی ہے۔

حضرت جیؒ قدس سرہ معرفت و للّٰہیت، ایمان و یقین، دعوت و عزیمت، مجاہدہ و فنائیت کے جس مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسوں کی پرپرواز سے بالا ہے تاہم یہ بات بے محابا اور برملا کہی جاسکتی ہے کہ حضرت جیؒ اس دور میں ایمان و یقین کے امام، دعوت الی اللہ کے سب سے بڑے قائد، حکمت تشریعی کے رمز آشنا، اور علوم و معارف نبوت کے وارث کامل تھے مادیت کے اس دور میں جس کا خاصہ روحانی اقدار اور غیبی حقائق سے انکار ہے آپ کا وجود روحانیت کی سب سے بڑی قندیل تھا، روحانیت اور ایمانی حقائق آپ کے لیے ایک نظری و فکری عقیدہ نہیں تھا بلکہ صدیقیت کا وہ مقام آپ کو عطا فرمایا گیا۔ جہاں حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ مغیبات پر یقین شہود کی کیفیت حاصل کر لیتا ہے اور معاملہ عین الیقین سے گزر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد دلائل کی ضرورت نہیں رہتی کہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بات یہ ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عز اسمہ و عم نوالہ کی حکمت بالغہ جن اشخاص کو صدیقیت کے مقام سے نوازنا چاہتی ہے ان کے قلوب پر اپنے بعض خاص اسماء کی خصوصی تجلّی اس شان سے فرماتی ہے کہ ان کا قلب متجلّی و مزکّی ہو کر غیر سے غافل اور ملاءِ اعلیٰ کے فیضان کے لینے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت اسم ہادی کی وہ تجلّی (جس کا سب سے بڑا مظہر اس عالم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے) ان قلوب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور نظام تشریعی کے وہ حقائق و معارف جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندہ پر کھولنا چاہتے ہیں کھل جاتے ہیں اس وقت نسبت الٰہیہ کا ایک خاص القاء ان قلوب پر ہوتا ہے۔ اور اس عالی نسبت کی برکت سے انھیں اپنے نبیؐ سے مناسبت تامہ نصیب ہو جاتی ہے اب جو علوم و احوال نبیؐ کی ذات لے کر آتی ہے، صدیق کا قلب بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اس کی اسی طرح تصدیق کرتا ہے جس طرح ایک انتہائی فاقہ زدہ شخص اپنی بھوک کو محسوس کرتا ہے اور اس وجدان و احساس کے خلاف کسی دلیل سے قائل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے شنید دید، اور قال حال ہو جاتا ہے، نبوت کے ہر قول و فعل، ہر عمل اس کے لیے الٰہی روشنی ہوتا ہے اس کا ماننا اس کا فطری خاصہ طبعی جذبہ اور قلبی داعیہ بن جاتا ہے اسے نبوت سے ایسی مناسبت بخشی جاتی ہے کہ نبوت کا باطنی فیضان اس کے قلب پر

منور اور حقائق سے آشنا کر کے شریعت کو اس کی فطرت بنا دیتا ہے اس کے لیے نبی کی ہر ادا حقیقت و نور، ہر قول و فعل دلیل و روشنی بن جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کا دل یقین کا مستقر اور حقائق و معارفِ ایمانیہ کا مہبط بن جاتا ہے ایمان کا یہی درجہ اس میں تفویض و توکل علی اللہ تفرید و تجرید، اخلاص و رضا، تسلیم و قربانی، صبر و شکر اور توحید کے جملہ مظاہر کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت جی قدس سرہ خود ایک جگہ اپنے خاص انداز میں ارقام فرماتے ہیں:

"مبدأ فیض تو خدا کی ذات ہے اور ضابطہ ائے فیوض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صفات ہیں، لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہونچکر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لیے محنت کر لینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لیے حق تعالیٰ شانہ اپنے فیوض کے فیضان کے لیے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک و محنت کے لیے کھڑی کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی حامل ہوتی ہیں، اور ذات باری تعالیٰ سے اکتساب فیوض اور اور ان کی رحمت و انعامات کے حصول کے لیے ان صفات کا اختیار کرنا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے

...... ایسے ہی انسانوں میں دربارِ الٰہی و دربار رسالت سے انوارات و روحانیت کا فیضان ہو کر عام مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات و انوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر بندگان خداوند قدوس جل و علی مجدہ کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع کا ذریعہ ہو کر عمومی رحمت و انعامات کے دروازے کھلوانے کے ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت و وقعت و محبت کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہو کر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں

...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبت عظیمہ و عالیہ، روحانیہ و نورانیہ اپنے دونوں پہلوؤں (انفرادی و اجتماعی) کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی، محنت کرنے والے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کا ظہور بھی ہوتا رہا۔" (الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر تقدیم و تاخیر)

اس دراز نفسی کا مقصد یہ ہے، کہ فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہ کا مقام صدیقیت ان کے باقی کمالات و جواہر کا منبع و منشأ تھا، آپ کے یقین کی دولت، آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز درون، آپ کی ربانیت و للہیت، آپ کی خشیت و محبت الہٰی، آپ کا زہد و ورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ، دالتجا و دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ دکاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف و استعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت جی قدس سرہ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کر سکتا ہے اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی جو جمال و جلال ربی کی تجلیاتِ خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا جن کا پورا ادراک و بیان اس کوتاہ نگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلب یوسفی پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے اپنے آخری سفر میں جب ٹل میں حضرت نے ازراہ عنایت مصافحہ فرمایا تو حضرت جی قدس سرہ کی قوتِ باطنی اور نسبت عالیہ کا ادراک کچھ اس شدت سے محسوس ہوا۔ کہ کئی دن تک یہ کیفیت رہی،

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی — نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہوں

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ نسبت شیخین سے مناسبت بھی اسی صدیقی نسبت کا نتیجہ تھی، جس سے حضرت جی کو نوازا گیا تھا،

موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی، ارتیاب و شک، مغیبات کا انکار، الہٰی حقائق اور نبوی معارف کا استخفاف ہے۔ ضرورت تھی کہ حکمت الٰہیہ اس دور کے "قائد دعوت" کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

"صدیقیت" کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت جی پر صفات الٰہیہ جس تفصیل و وضوح سے کھلی تھیں اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیا، کاملین اور محقق عارفین ہی کا حصہ ہے، توحید افعالی آپ کا مقام بن چکی

تھی۔ اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، نتیجہ ہر غیر سے برائت اور خلت کا وہ مقام تھا، جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ نہیں برداشت کیا جاسکتا اور یہ مقام سید الانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام خلت کا ظل ہے جس کا اظہار لسان رسالت نے ان الفاظ میں فرمایا تھا،

لو کنت متخذاً خلیلا من الناس	اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا
لاتخذت ابا بکر۔	(ابو بکر کو بناتا (لیکن اس لیے نہیں بنا سکتا کہ
(جامع ترمذی ابواب المناقب)	خلت کے تعلق میں اللہ کے سوا کسی کی گنجائش
	نہیں رہتی)

حضرت جی نور اللہ مرقدہ کا وصال سے کچھ لمحات پیشتر یہ فرمانا کہ "میرے ساتھ کون ہے" اور ساتھیوں کے جواب پر یہ ارشاد کہ "میرے ساتھ کوئی نہیں میرے ساتھ میرا اللہ ہے" اسی مقام خلت کا عکس تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

توحید کے اس ارفع و اعلیٰ مقام کی بنا پر حضرت جیؒ دعوت بھی توحید افعالی کی ہی دیتے تھے، جن خوش نصیبوں کو حضرت جیؒ کے قریب رہنا نصیب ہوا اور جنھوں نے حضرت کی تقریریں اور مجلسی ارشادات سنے اور اللہ نے ان کا فہم بھی نصیب فرمایا ان کو بقدر اپنی استعداد کے اس کا ضرور اندازہ ہوا ہوگا کہ اس باب میں ان کا کیا مقام اور حال تھا۔ حق یہ ہے کہ ان کا وجود "لا الہ الا اللہ" کی مجسم تفسیر اور تصویر تھا۔

نسبت محمدی اور اتباع نبوی

توحید کامل، تعلق مع اللہ اور رضا و قرب حق کا واحد ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت و عظمت، محبت و اتباع (ظاہری و باطنی) ہے حضرت جی قدس سرہٗ جس طرح عظمت و محبت نبوی میں ڈوبے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کے ہر قول و عمل سے ہوتا تھا، آپ کی معرفت و عظمت سا نتیجہ تھا، کہ آپ کی ذات، آپ والے اعمال اور آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز انتہائی عزیز تھی، اور آپ کے طریقۂ عالیہ ہی کو دارین کی فلاح و کامیابی کا واحد و یکتا ذریعہ اور آپ کے والے

اعمال کو خداوندی خزائن سے استفادہ کی الٰہی جابیاں یقین کرتے تھے، اسی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی سنت چھوٹ جانے کو خداوند قدوس کے خزائن رحمت سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے۔ آپ یہاں تک فرماتے تھے کہ محقق صوفیہ نے کہا ہے کہ سنت کے مطابق بیت الخلا یعنی فراغت و استنجا میں جو انوارات ہیں، وہ بعد میں دین کی خدمت کے لیے پیدا ہونے والے بڑے بڑے شغلوں میں نہیں یہی مفہوم ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث نبوی "فتمسك بسنة خير من احداث بدعة" کی شرح میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے" ای (سنة) صغيرة او قليلة کاحياء ادب الخلاء مثلاً علی ما ورد فی السنة خير من احداث بدعة ای افضل من حسنة عظيمة کبناء رباط ومدرسة (حاشیہ مشکوٰۃ ص۳۱)

حضورؐ کی سنتوں کے مٹنے کا غم آپ کے سینہ کا مستقل ناسور تھا، آپ کی جگردوز اور پرسوز آہوں میں نہ معلوم کس قدر حصہ اعمال محمدیہ کے مٹ جانے کا تھا، آخری حج کے بعد ایک دعا، انتہائی سوز ورقت کی کیفیت میں اکثر فرمایا کرتے تھے" اللھم اخرج الیھود والنصاریٰ والمشرکین من جزیرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب" غرض حب نبوی اتباع نبوی حضرت جیؒ کا نفس ناطقہ بن چکا تھا، اسی طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت ان کا اتباع اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سے شغف حضرت جی کی زندگی کا حاصل تھا، اور اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ وہ اپنے انداز فکر و نظر احساسات و جذبات، حوائج و میلانات میں صحابہ کا نمونہ تھے، ع

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا،

مخدومی المکرم حضرت علی میاں نے خوب لکھا ہے اور حق لکھا ہے کہ

قد خالط حب الصحابة لحمه ودمه واستولی علی مشاعره وتفکیره، وقد عاش فی اخبارهم واحادیثهم زمناً طویلاً ...... (حیاۃ الصحابہ کا پیش لفظ ص)

علومی امتیاز اور اس کا سرچشمہ

حضرت جیؒ کے علوم پر گفتگو کرنا مستقل وقت چاہتا ہے، صرف حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات مصنف کے وسعتِ مطالعہ، کتب حدیث و رجال پر نظر اور احوال صحابہ کے مختلف گوشوں پر گہری نگاہ کا بیّن

نبوت ہیں، گو عربی میں مستقل کتابیں اس فن میں لکھی گئی ہیں، جن میں سے متداول اُسد الغابہ، اِصابہ و استیعاب وغیرہ ہیں ابن کثیر نے البدایہ میں بھی وفیات الاعیان کے ذیل میں التزاماً صحابہ کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ لیکن حضرت جیؒ کی حیاۃ الصحابہ محدثانہ ترتیب اور داعیانہ طرزِ فکر کے لحاظ سے صحابہ کی زندگی و کردار، سوانح و اخلاق کا نہایت مؤثر اور اچھوتا مجموعہ ہے۔

"امانی الاحبار" حضرت کی فقاہت و معرفتِ حدیث کی شاہد ہے لیکن ان علمی و تحریری دینی خدمات کے علاوہ جو کہ ایک مشغول ترین زندگی کی زندہ کرامت ہیں، فقیر کے نزدیک حضرت جیؒ کے وہبی علوم خاصہ حضرت جیؒ کے بیانات و ملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جیؒ گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے تھے، بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں کہلوایا جا رہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلادھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرتؒ کا یہ حال بن چکا تھا، کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اُٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاءِ اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی، اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ، اور سب سے بڑھ کر حقائقِ نظامِ تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا، حضرت حکیم الامۃ امام تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ ہے کہ "بعض بزرگ جن کے علوم کی اشاعت ان سے کما حقہ نہیں ہو پاتی اللہ تعالیٰ انھیں "لسان" عطا فرما دیتے ہیں، جیسے شمس تبریزؒ کی زبان مولانا رومؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زبان حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں (او کما قال) فقیر سمجھتا ہے کہ مامور من اللہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ان کی ذات سے کما حقہ اشاعت پذیر نہ ہو سکے، کام اجمال کی صورت میں رہا اور حضرت اشاروں پر قناعت فرماتے رہے، حضرت جی مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ کی طرف جب حضرت مولانا الیاسؒ کی کامل نسبت منتقل ہوئی تو وہ علوم جو اجمالاً حضرت مولانا الیاسؒ کے سینہ میں تھے ان کی "زبان" حضرت جی کو بنا دیا گیا۔ اور مفیض حقیقی نے آپ کی باطنی ترقیات کے ساتھ ان علوم کو خوب وضاحت و تفصیل سے آپ سے کہلوایا، یہاں تک کہ حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانہ میں جو باتیں محض

اشارات تھیں، وہ تفصیلی رنگ میں سامنے آگئیں اور الیاسیؒ علوم کا چشمہ بڑھ کر بحر ناپیدا کنار ہو گیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کہ اہل اللہ پر جن علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ کتاب و سنت کی ہی تبیین و تشریح ہوتی ہے، جسے ذات الٰہی اہل زمانہ کی سہولت کے لیے ان کی زبان سے کھول کھول کر بیان کروا دیتی ہے۔

حضرت جیؒ اور بیعتِ طریقت

حضرت جیؒ نور اللہ مرقدہٗ شیخ طریقت بھی تھے، بیعت چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے واسطے سے کرتے تھے، پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اُس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے اُس کے بعد سلسلہ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت میں خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لیے جان و مال کی قربانی دینے کا عہد بھی لیتے تھے، حضرتؒ کی بیعت کا منظر عجیب رقت انگیز اور پر اثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا، کہ کئی حضرات تکبیر کی طرح پکار پکار کر الفاظ بیعت کو بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے عجیب دلکش منظر تھا، میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جیؒ نے امام شہید (سید احمد صاحب رائے بریلویؒ) کی یاد تازہ کر دی،

یہ تو بیعتِ سلوک کے عام طرز کا تذکرہ تھا، لیکن ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تبلیغی طریقۂ دعوت، خود ایک مستقل "سلوک" کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جس میں سلوکِ صحابہ اور قرب بالفرائض کے طرز کو خاص اہمیت حاصل ہے،

حضرت جیؒ کا اصل امتیاز اور کارنامہ

خیر یہ تو حضرت جیؒ کے بعض کمالات کا سرسری تذکرہ تھا، حقیقتاً آپ فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے، حافظ، قاری، مدرس، محدث، فقیہ، صوفی، مصنف، مبلغ سب ہی کچھ تھے لیکن سب سے زیادہ جس عمل پر آپ نے جان کھپائی اور جو عمل آپ کی زندگی کا مقصد بنا وہ اللہ کی طرف دعوت تھی، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام علمی و عملی صلاحیتیں انھیں اسی لیے ودیعت کی تھیں کہ دعوت علیٰ منہاج النبوۃ کا جو طریقہ مندرس ہو چکا تھا، اسے اپنی وہبی صلاحیتوں سے

پوری طرح سمجھیں، سنبھالیں، زندہ کریں اور آگے بڑھائیں۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دعوت کا یہ طریقہ جسے وہ "قرن اول کا ہیرا" کہا کرتے تھے موجودہ دور میں اولاً کھلا، اور انھوں نے اپنے مجاہدات، مقبولیت عند اللہ اور توفیق ربانی سے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا فَبَلَّغَ اَحْسَنَ الْبَلَاغ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، ہمارے حضرت سید الملتہ[1] قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا الیاسؒ تو مامور من اللہ تھے، ایک مرتبہ اُن کے فضائل و کمالات کا تذکرہ فرما کر عجب وجد آفریں انداز میں دو تین مرتبہ فرمایا "سلامٌ علیٰ الیاسین" حضرت مولانا الیاسؒ کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب و اشبہ ہے، حضرت مولانا الیاسؒ کی زندگی اور دعوت پر حضرت مولانا ابو الحسن علی نے اپنی کتاب "حضرت مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" میں جو لکھا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ ان سے جو لکھایا گیا ہے۔ دعوت کے طریق کو سمجھنے کے لیے اس کا اور اس کے مقدمہ کا سمجھنا بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، حضرت سید الملتہؒ کا مولانا مرحوم کے متعلق مضمون بھی خاص چیز ہے۔

بہر حال حضرت جیؒ نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے جانشین کی حیثیت سے اس کام کو سنبھالا اور اس پر اپنی جملہ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس طرح کھپایا، گویا یہ دعوت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھی، وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے، کسی مقصد میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی ایسی مثالیں تاریخ میں بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، شب و روز میں شاید بمشکل چار پانچ گھنٹے آرام کے ملتے ہوں، دیکھنے والوں کو رحم آجاتا تھا، لیکن اللہ کا یہ مقبول اور فنا فی الدعوۃ بندہ دینی تقاضوں پر مجاہدات کی چکی میں مسلسل اپنے کو پیستا رہتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اسی محنت و دعوت کے لیے پیدا کیا تھا، حضرت امام ربانی مجدد سرہندیؒ کا یہ قول ان پر بھی اس کام کے بارے میں صادق آتا تھا کہ

"اے فرزند با وجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است، کار خانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند، برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است، و کار خانہ دیگر، درین ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والّا لا، معاملہ تکمیل و ارشاد نسبت بآں کار خانہ امرے است، ہمچوں مطروح

---

[1] حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فی الطریق، دعوت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد، ہرچند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت و خصائص آں بطریق تبعیت و وراثت کمل تابعان انبیاء را نصیب است"

(مکتوب ۷۹ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۲)

حضرت جیؒ کے اخلاص عمل، مسلسل مجاہدات، طریق دعوت کی درستگی اور دعاؤں کا یہ اثر تھا، کہ وہ کام جو حضرت مولانا الیاسؒ کے وصال کے وقت ہند و پاک کے صرف چند خاص خاص مقامات تک محدود تھا، وہ بڑھا، پھیلا اور دیکھتے دیکھتے یورپ و امریکہ جاپان و افریقہ، اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پہنچ گیا۔ جماعتوں اور دینی قافلوں کی ہند و پاک اور بیرونی ممالک میں نقل و حرکت سے لاکھوں فیضیاب ہوئے، ہزاروں نے راہ پائی، سینکڑوں متقی کامل بنے، سوتے جاگے، بے طلبوں میں طلب پیدا ہوئی، بے دینوں میں احساس دین آیا، سونی مسجدیں آباد ہوئیں، اللہ کے دین کی آواز گلی گلی کوچہ کوچہ، قریہ، قریہ ملک بہ ملک گونجی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں نے اس دعوت و محنت سے فیض پایا، اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہ پر آئے کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، کتنے فرائض میں جان پڑی، کتنی نئی مساجد تعمیر ہوئیں، کتنے غافل و بے بہرہ دینی علوم کے طالب بنے، کتنے ذاکر و شاغل بنے، کتنوں میں دین کا درد و فکر پیدا ہوا کتنے لذت و حقیقتِ دعا سے آشنا ہوئے، اس کام کے ثمراتِ عاجلہ کا بھی سچی بات یہ ہے کہ احاطہ نہیں کیا جا سکتا، آخرت ہی میں معلوم ہوگا، کہ اس کام کے جالو ہو جانے سے عالم میں کتنی خیر کی صورتیں پھیلیں،

دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس (یا بنیادی ایمان و یقین)

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انھیں تو جانے دیجیے خود بہت تعلق رکھنے والے اور اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا، اور یہ ترتیب وہ تھا کہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش

کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اٹل قوانینِ تشریعی اور نظام ہدایت کی معرفت و یافت سے حاصل ہوا تھا، اس وجہ سے یہ نظام حضرت جیؒ کے عقیدہ کا لاینفک جزء بن چکا تھا اس اجمال کی تفصیل کے سمجھنے کے لیے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب و علل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے نظام تشریعی میں بھی اسباب و علل رکھے ہیں، نظام تشریعی مقصود ہے، نظام تکوینی نظام تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا فرمایا گیا، گویا نظام تشریعی اصل و مقصد ہے، اور نظام تکوینی اس کا ذریعہ اس وجہ سے نظام تشریعی کے قوانین میں انفکاک و تغیر و تبدل نہیں ہوتا لیکن نظام تکوینی کے عادی علل و اسباب کو نظام تشریعی کی حکمتوں و مصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اور ان علل و اسبابِ تکوینیہ کے ارادۂ الٰہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ، خرق عادات یا کرامت ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے سیرت النبی (ج ۳ ص ۳۷۹ و ما بعدہا) میں اس پر قابل دید بحث فرمائی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے، خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لیے قاتل ہے۔ اسی یقین کے ساتھ طبِ روحانی کا واقف کار کہتا ہے۔ کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے۔ پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لیے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے، معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو کس طرح پیش کرتا ہے انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہے۔ اور پھر کیونکر دعوت کے منکر ناکام و خاسر اور اہل ایمان فلاح یاب و کامیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے، لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی

طرف اشارہ ہے۔

فلسفہ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائص نبوت کا اصول و قانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہیں (سیرت النبی جلد پنجم ص ۲۸۹ ج ۵)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

"قرآن مجید میں "سنت اللہ" کا ایک خاص مفہوم ہے اور اس اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُن قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ سنت اللہ ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی، اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، اسی مفہوم میں آیا ہے ..... (اس کے بعد سید صاحبؒ نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں، تاکہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے ہم نمونۃً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں) حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا، سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (فتح ۳)	اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے، تو پیٹھ پھیر دیتے، پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے، اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے (تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت النبی ص ۲۷۹ تا ۲۸۱ ج ۳)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنۃ اللہ جاری ہے کہ نبیؑ آتا ہے، اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے، جو خوش نصیب اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں وہ دارین کی فوز و فلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے، اور نبیؑ کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے، بلکہ اس کے دشمن بن کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آخرش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں، ہر زمانے میں یوں ہی ہوا اور ہمیشہ یوں ہی ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں (مومنین) کے لیے عام ہے۔ کہ ان کی کامیابی اور نجات ہوگی۔ اور اُن سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ. قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ (یونس - ۱۰)	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہدے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں، اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو۔ ہم پر فرض ہے ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو،

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (روم)	اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت سورۂ المومن میں ارشاد ہے:

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (المومن ع ۶)	یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی یہ سنۃ جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی۔ اسی طرح اب جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن کے تشریف لائے اور آپ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر اس عالم میں آئی ارشاد رسالت ہے۔

نحن اٰخر الامم (کنز صفحہ ۲۳ بحوالہ ابن ماجہ) ہم آخری امت ہیں۔

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی اس اُمت میں بھی تا قیامت جاری رہے گی۔ کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے۔ اب اس زمانہ میں (یعنی بعثت محمدیہ سے لے کر تا قیام ساعت) اللہ کی وہ تمام نصرتیں اور مددیں جو طریقہ محمدیہ اور دین حق اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں، باقی اور قائم و دائم ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرما لیا لیکن آپ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لینے کے طریقے اور قدرت خاصہ سے استفادہ کی صورتیں اُمت میں آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ اپنے نبیؐ کی نائب اور خلیفہ ہے اور اس عالم میں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح کی حیثیت سے کام کرنا ہے، اب اس میں جتنے جواہر نیابت و خلافت موجود ہوں گے اور اپنے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہو گی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مددوں سے نوازی جائے گی اور اس کے اعمال پر قوموں کے لیے خیر و شر کا فیصلہ ہو گا۔

(۴) اُمت محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سابقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبی کے طریقے پر ہو گی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے، جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی گئی۔ اور حقیقتاً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی مددوں کو متوجہ فرماتی تھی، اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام اور خاسر و خائب ہوتے تھے۔ اسی بنا پر اس اُمت کی نصرت کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد-۱)

اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمائے گا تمہارے قدم،

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (الحج-۶)

اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا۔ اس کی جو اس کے (دین کی) مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا ہے۔

اس بنا پر جب اُمت اپنے فریضہ دعوت الی الحق والخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں مانگیں گی وہ بھی قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے (دیکھو کنز العمال ص۲۲۶ ج۲ و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

اُمت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت و فوز و فلاح کے پانے کا طریقہ اپنے اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے۔ باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلا دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنانِ ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

(۵) پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو، کتاب اللہ صحیفۂ نظام ہدایت اور راہنمائے طریقۂ دعوت بھی ہے، یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبوی صرف شخصی اور انفرادی اعمال کے لیے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل اور موثر ترین طریقہ ہے۔

(۶) امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے محنت و کوشش اور جہد و مشقت اور ایثار و قربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے، اور دعوت کے مقابل میں

آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے۔ کہ سنۃ اللہ اسی طرح ہی جاری ہے لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

(۷) اُمّت مسلمہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہے۔ یہ قعود و عزلت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی، اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے۔ اس لیے اُمّت کو مختلف احوال و ظروف میں ہجرت و نصرت اور نفر و جہاد کے احکام دیے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفۂ ارشد حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ یہ خاصانِ خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے، وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس اُمّت کے لیے بلکہ سارے عالم انسانی کے لیے خیر و شر کے فیصلہ کا انحصار اب اُمّت محمدیہ کے عملِ دعوت اور اس راہ کی محنت و قربانی پر ہے اگر اس نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کو نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مددوں سے محروم ہوگی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت و رحمت سے محرومی کا باعث بنے گی، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور سینوں کو اس یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے امت کے لیے اور عالم کے لیے خیر اور ہدایت کے فیصلے کرانے کا راستہ یہی ہے کہ اُمّت میں منہاج نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق رخوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے، کہ امت محمدیہ، اگر آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل انسانی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرما دیں گے، ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے، اور ہدایت لینے کا ضابطہ

اعمال محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیو کو پیش کرتا ہے۔ امت محمدیہ کا جب ایک معتد بہ طبقہ صحیح رُخ سے دین کے لیے قربانی پیش کرے گا، اور وہ قربانی عند اللہ مقبول ہو جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ عالم کے لیے ہدایت کا فیصلہ فرما دینگے۔ ہدایت کے لیے ایمان و اعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرط ہیں ملک و مال شرط نہیں، اس لیے جس وقت اُمّت صحیح رُخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائیگی اور اس کی قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالیٰ سے مدد کا فیصلہ کرا لیں گی، اُس وقت باطل کی قوتیں اللہ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کر دی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبت محمدیہ کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوگی اسی قدر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالمی ہے آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ میں بھی زندہ ہو جائیں اور وہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو اخلاص اور جملہ اصولوں کے ساتھ اپنالے تو ان کی دعوت اور دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی جیسے امم ماضیہ میں فرعون و نمرود و شداد، و قوم عاد و قوم ثمود، اصحاب الایکہ اور دوسری متمرد اور باغی اقوام کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا، ـــــ بات یقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو، اور اس کے قوانین تشریعی پر ایمان ہو، تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی۔

بہرحال حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل قوانین اور غیر متبدل سنۃ اللہ کی بنا پر دعوت و ہدایت کا ایک خاص خاکہ و نقشہ تھا، جس پر ان کا ویسا ہی ایمان و یقین تھا جیسا کسی بدیہی سے بدیہی چیز پر ہو سکتا ہے۔ اس خاکہ و نقشہ کا ہر خط و خال انبیاء علیہم السلام کے قصص، قرآن حکیم کی ہدایات، سنن نبویہ اور صحابہؓ کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی تھی، اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ کر اُٹھاتے تھے، یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی، بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی بعض ناواقف جو صورت حال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم نگہی اور سطحیت

کی دلیل ہے، کاش وہ حضرات جنھیں اللہ تعالیٰ نے علمی وعملی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے، چند اعمال کے احیاء کا سوال نہیں، بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے، جو اپنے مقصد، عقائد وایمان، احوال واعمال، عبادات وللّٰہیت، افکار واحساسات، اخلاق ومعاشرت میں صحابہ کا نمونہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت وقدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اسے اُٹھایا، بڑھایا، چمکایا، اور اس سطح پر پہنچا دیا، آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا وماذلك على الله بعزيز، ممکن ہے حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال سے پیشتر بار بار ان کلمات کو پڑھنا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" اسی طرف اشارہ ہو، (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت جیؒ کی شخصیت سازی

کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہے بلکہ شخصیت کے کمال کا ایک بڑا ثبوت شخصیت سازی، میں اس کا کمال اور اس کی تاثیر ہوتی ہے حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تاثیر قلبی، فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کر دیا، آج ہمیں ایسے سینکڑوں اشخاص معلوم ہیں جن کی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی، کل جو ناز ونعمت اور تعیش کی گودوں میں پلے تھے آج ان کے زہد وقربانی کو دیکھ کر مصعب ابن عمیر کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ زندگی کے ظاہری وباطنی خاکے پلٹے بلکہ حضرت جیؒ کی یہ بڑی کرامت ہے کہ کتنے ایسے اشخاص جن کا دین سے خاص تعلق نہ تھا حضرتؒ کے کام کو ایسا اپنا چکے ہیں، اور حضرت کے علوم ومعارف ان کی زبانوں سے اس طرح جاری ہیں، گویا حضرت جیؒ ہی بول رہے ہیں گویا ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی		تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور انعام تھا، جو اس دور کے یوسفؒ کو عطا ہوا، یہ بے بصر یوسف زمانہ کے کون کون سے جمال وکمال کو بیان کرے ؏		دامن نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار

وہ مجموعہ کمال تھے، دین کا ایسا ہمدرد وغمخوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوتِ حق کا ایسا شیدائی اور اس کی راہ میں مر مٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے ؎

سالہا در کعبہ وبُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مہد سے لحد تک

از مولانا سید محمد ثانی حسنی ایڈیٹر ماہ نامہ "رضوان" لکھنؤ

ولادت حضرت مولانا محمد یوسفؒ کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس وقت مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں مدرس تھے۔

۲ جمادی الثانی دوشنبہ کے دن عقیقہ ہوا اور نام محمد یوسف رکھا گیا۔

ماحول اور بچپن مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اس میں مرد تو مرد عورتیں تک دین داری اور تقوے میں ممتاز تھیں، خاندان میں قرآن مجید حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا، بچے، بوڑھے، مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے، گھر کی بیویاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں، ہر طرف علم و تقویٰ کا چرچا تھا، خاندان اور خاندان کے باہر کئی بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی دعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ تھیں

اسی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، اس وقت بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں تھے۔

والدین کی تربیت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ایک معزز اور صالح بزرگ مولانا رؤف الحسن صاحب کی بیٹی تھیں اور والد ماجد خود ایک بڑے بزرگ اور شیخ طریقت نرم و گرم پر نظر رکھنے والے تھے، اس لیے ان دونوں نے اپنے ہونے والے نامور فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی، اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک مجلس میں خود فرمایا۔ "ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کہ کوئی مہمان بیوی تھا

(۱) تذکرۃ ... حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے قیاس ظاہر فرمایا ہے کہ حفظ کی تکمیل سات سال کی عمر میں ہو گئی

یا کیلے وغیرہ تحفہ میں لائیں اور میں ان کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد اماں جی میری پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور کر کیوں دیکھا"۔۔۔۔ ایک بار فرمایا "میں نے سوا ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی، یہ وجہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنا لیا تھا اور اس میں جو پیسے مجھ کو ملتے ڈال دیا کرتا تھا کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا۔(1)

بستی نظام الدینؒ میں مہمانوں کی کثرت رہتی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۲-۱۳ سال کی رہی ہوگی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی اور دوسری خدمتیں اسی کم عمری میں مولانا محمد یوسفؒ صاحب کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔

مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں پڑھنے والے طلباء کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، طلباء کی ٹولیاں باری باری سارے طلباء کا کھانا پکاتیں اور اس سلسلہ کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کے ان کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مسالہ پیستے اور جنگل سے جلانے کے لیے جھاڑ جھنکر گھسیٹ کر لاتے۔

تربیت کا اثر | والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے، لہو و لعب میں اور بیکار وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تعلیم کا شوق تھا صحابہ کرامؓ کے تذکرے اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی۔ فتوح الشام کا اردو منظوم ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابہ کرام کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے، بچپن ہی میں ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔(2)

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم میں قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی۔ گیارہ سال کی

(1) روایت مولوی شبیر احمد حیدرآبادی　(2) روایت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب

عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں عربی شروع کی۔ سب سے پہلے میزان الصرف پڑھی اور ۱۵-۲۰ دن میں ختم کردی، اس وقت مولانا مرحوم کے ساتھی قاری سید رضا حسن صاحب مرحوم اور مولانا محمد ادریس صاحب انصاری اور بعض دوسرے حضرات تھے، طلباء کی یہ مختصر جماعت تھی جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھ رہی تھی۔ میزان الصرف کے بعد منشعب اس کے بعد صرف میر پڑھی پھر پنج گنج دوسرے اُستاد سے پڑھی۔ پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چہل حدیث حفظ کرائی۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم میں حافظ منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم اوپر کی کتابیں زیادہ تر خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ سے پڑھیں، سنہ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا سفر حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کردیا۔ وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین اور میبذی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولاناؒ کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین میں آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد سنہ ۱۳۵۳ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں آکر صحاح اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری شریف حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں صاحب مدظلہ سے، سنن ابوداؤد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے جامع ترمذی حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کیمبلپوری سے۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ اور ہم سبق تھے۔ مولانا ممدوح ہی نے ذکر فرمایا کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی پلا کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیے سونے والے ساتھی کو اٹھائے۔ ایک دن

حضرت مولانا مرحوم شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اسکے برعکس ترتیب رہتی تھی، لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا مرحوم کی علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے نظام الدین آجانا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور صحاح اربعہ کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا وہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ و نسائی اور انہی کے ساتھ شرح معانی الآثار، طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے نظام الدین میں پڑھیں۔

نکاح ۲ر محرم ۱۳۵۴ھ کو جس دن کہ مدرسہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ تھا، شیخ الحدیث مدظلہ کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا اور ان سے چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ مولانا انعام الحسن صاحب کا نکاح ہوا۔ مجلس نکاح میں مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اور دوسرے مشائخ شریک تھے۔ نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔

صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کی پیدائش ۲۳-۲۴ر رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ دوشنبہ و سہ شنبہ کی درمیانی شب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک فرزند عنایت فرمایا، محمد ہارون نام رکھا گیا جو الحمدللہ اس وقت ۲۸ سال کے ہیں اور اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں۔

پہلی اہلیہ کا انتقال اور دوسرا نکاح پہلی اہلیہ محترمہ مولانا محمد ہارون کی والدہ مرحومہ نے طویل علالت کے بعد ۲۹ر شوال ۱۳۶۶ھ (ستمبر ۱۹۴۷ء) بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کر کے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں، جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا۔

تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کو عقد ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ بحمداللہ بقید حیات ہیں، لیکن ان سے اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

بیعت و ارادت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ، جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہم زلف بھی ہیں اور بچپن اور تعلیم کے ساتھی بھی اور آخر تک مشیر کار و دست راست رہے

اور اس وقت حضرت مرحوم کے جانشین اور تبلیغی کام کے نگراں و امیر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہ، کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (مولانا محمد الیاسؒ) سے بیعت ہو چکے ہو، بہر حال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمایا۔ خود غسل فرمایا اور بڑا اہتمام فرمایا اور پھر خوشی کے ساتھ بیعت فرمالیا اور فرمایا اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔

پہلا حج اور دعوت کا کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ تبلیغ و دعوت کا جو کام ہندستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل سے جم بھی گیا ہے وہ اب باہر بھی پہنچنا چاہیئے، خصوصاً دیارِ عرب میں جہاں سے یہ کام چلا تھا، ۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں اس کا داعیہ بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ آخر کار ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ میں حج کیلئے روانہ ہو گئے۔ ہمراہی میں مولانا احتشام الحسن صاحب (۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ (۳) مولانا انعام الحسن صاحب (۴) مولانا نور محمد صاحب میواتی (۵) حاجی عبدالرحمٰن صاحب (۶) مولانا ادریس صاحب اور دوسرے حضرات بھی تھے۔ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی، عربوں کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عربی میں ایک تقریر بھی فرمائی جس کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر اس وقت تقریباً اکیس ۲۱ سال تھی، یہ حج مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا آخری حج تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا پہلا حج۔ دوسرا حج بیس ۲۰ سال کے بعد ۱۳۷۶ھ میں کیا۔ اور تیسرا آخری حج ۱۳۸۴ھ

خلافت و نیابت ۱۲؍ جولائی ۱۹۴۴ء کو بروز چہار شنبہ جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سفرِ آخرت کی تیاری فرمارہے تھے گویا کہ زندگی کا یہ آخری دن تھا نظام الدین میں علماء اور مشائخ جمع تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو یہ پیام پہنچا کر مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتماد ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحب (۳)

مولوی احتشام الحسن صاحب کاندہلوی (۴) مولوی یوسف صاحب (۵) مولوی انعام الحسن صاحب (۶) مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب ماشاءاللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خلافت کے لیے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھے ہیں وہ سب بحمداللہ ان میں پائے جاتے ہیں، عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں، فرمایا ـــ اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی اب بہت اطمینان ہو گیا ہے امید ہے کہ انشاءاللہ میرے بعد کام چلے گا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا "یوسف آمل لے ہم تو چلے" اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سویا ؎

رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

اب دعوت و تبلیغ کا پورا بوجھ حضرت مولانا محمد یوسف کے کاندھوں پر آگیا اور دعوت و تبلیغ کے قافلہ کے سالار بن کر دنیا کے سامنے آئے۔

نظام الدین کے شب و روز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب تک بستی نظام الدین میں قیام کرتے تو شب و روز کا نظام اس طرح رہتا، صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے بعد نماز دعا فرماتے عموماً نماز خوب اسفار میں ہوتی، دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً دو گھنٹہ تک رہتی۔ بعض اوقات دھوپ کافی نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق تقریر سنتے، مولانا کبھی بیٹھ جاتے اور جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ دھوپ کی تیزی کی بنا پر کوئی خادم یا طالب علم چھت سے لمبائی کی طرف سے دری (جس پر نماز پڑھی جاتی تھی) لٹکا دیتا۔ تاکہ حضرت مولانا کو دھوپ سے

تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔ اس کے بعد حضرت مولانا اپنے حجرہ میں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی مولانا کی گفتگو جاری رہتی اور موضوع اور مرکزی نقطہ اس گفتگو کا بھی دین کے لیے محنت و قربانی ہی ہوتی، کبھی جماعتوں کی سرگزشت اور مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانوں سے کام کے متعلق دریافت حال، اکثر اسی مجلس میں اجتماعات کی تاریخیں بھی طے ہوتیں، پھر مہمان رخصت ہوتے تو ان کو ہدایات دیتے، اس کے بعد ۱۱ بجے کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت حضرت مولانا رخصتی تقریر فرماتے جس میں اصول، طریقۂ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، پھر تمام مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نماز ظہر کے بعد مطالعہ اور درس حدیث جو قریب عصر تک جاری رہتا، بعد عصر خطوط کے جوابات لکھاتے، مہمانوں سے ملتے، اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے، بعد نماز مغرب سورہ یٰسین کا ختم ہوتا، ختم پر دعا ہوتی، کبھی خود دعا کراتے، کبھی صرف شرکت فرماتے، کبھی کسی کی تقریر بھی ہوتی، اس کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا، جن کی تعداد عموماً سیکڑوں ہوتی، اسکے بعد نماز عشار ہوتی، عشار کی نماز کے بعد عہد نبوی اور عہد صحابہؓ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا، پہلے تو یہ کام اکثر البدایۃ والنہایۃ سے لیا جاتا تھا، لیکن جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی حیات الصحابہ تیار ہو گئی تھی وہی سامنے رہتی، ادھر چند سالوں سے بعد نماز عشار کا یہ درس دوسرے حضرات کے سپرد ہو گیا تھا۔

دین کے لیے محنت و قربانی کی دعوت مولانا کی روح بن گئی تھی، ہر تقریر اور گفتگو کا موضوع یہی ہوتا تھا، شروع میں تو تین چلوں اور سات چلوں کی دعوت دی جاتی تھی لیکن آخر زمانے میں عمر اور ہر سال ۸-۹ مہینے کی دعوت دیتے تھے۔ مولانا کی دعوت اور اس کی کیفیت میں مسلسل ارتقا جاری تھا اور گزشتہ سال جب مولانا نے اپنے رفقار کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آخری حج کیا اس حج میں اور حج کے بعد مولانا پر اپنے کام اور اپنی دعوت کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا تھا۔

آخری حج آپ نے ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۰ر مارچ ۱۹۶۴ء ذریعۂ ہوائی جہاز اپنی زندگی کا آخری حج کیا، اس حج کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے خواص کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی

خود حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور .... چند اور رفقا تو ہوائی جہاز سے گئے تھے۔ باقی حضرات بحری جہازوں سے گئے تھے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام حضرت مولانا کی تقریریں شروع ہو گئیں حرم شریف میں اور اُس کے علاوہ بھی مختلف مقامات کے خصوصی اجتماعات میں خطاب فرماتے۔

۲۷ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، نصف یوم اور ایک شب راستہ میں بدر ٹھہرے۔ ۲۸ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہنچے، مدینہ منورہ میں بھی صبح و شام اجتماعات ہوتے۔ ہر ہر طبقہ میں خطاب فرمایا۔ ہندستانی مجمع، بخاری مجمع، عربی مجمع، الغرض کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں مولانا کا خطاب نہ ہوتا ہو حرمین پاک میں عموماً فجر کی نماز غلس میں (یعنی اندھیرے میں) ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کا خطاب نماز کے بعد ہی شروع ہو جاتا اور سورج خوب بلند ہونے تک جاری رہتا، لوگ ہمہ تن گوش ہو کر خطاب سُنتے اور پہلو نہ بدلتے، اس مبارک سفر میں طالبین حق کا ایسا رجوع عام ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لیے ۲۶ جماعتیں نکلیں، جن میں سے اٹھارہ[۱۸] یورپ وغیرہ کے دُور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لیے، اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لیے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی اور سولہ[۱۶] دن وہاں پھر قیام فرمایا۔

پھر وہاں سے کراچی تشریف لائے اور پہونچتے ہی وہاں کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں تقریباً تین گھنٹے تقریر کی، تین دن کراچی میں قیام رہا اور عادت و معمول کے مطابق دعوتی تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا ـــــ کراچی سے لائل پور تشریف لائے، راستہ کے قریب قریب ہر اسٹیشن پر اللہ کے لیے محبت کرنے والے زائرین کا مجمع ہوتا تھا۔ جہاں وقت میں گنجائش ہوتی آپ اپنی کچھ بات فرماتے اور دعا ہوتی۔ لائل پور سے سرگودھا۔ سرگودھے سے ڈھڈیاں (جہاں حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ آرام فرما ہیں)

اس کے بعد راولپنڈی، رائے ونڈ، لاہور۔ ان تمام مقامات پر کم و بیش قیام فرمایا، ہر جگہ صبح و شام گھنٹوں خطاب فرماتے رہے، بولتے بولتے گلے میں سوجن ہو گئی، ڈاکٹروں نے اصرار سے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے بولنا چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت مولانا اس پر آمادہ نہیں ہوئے حسب عادت تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا اور مرض ترقی کرتا گیا۔

پاکستان کا آخری سفر حضرت مولانا فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں تشریف لے گئے، وہاں کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر اجتماعات ہوئے اور تقریروں کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد پھر مغربی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی، میرپور خاص، ملتان، کنگن پور، ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی کے اجتماعات ہوئے، جن میں حسب معمول حضرت مولانا تقریریں فرماتے رہے، اسکے بعد رائے ونڈ کے اجتماع میں رونق افروز ہوئے، یہاں آخری دن (۲۹ر مارچ کو) تقریباً ۸۰ جماعتیں رخصت کیں، اس پورے دورہ کے اجتماعات میں دو مستقل تقریریں صبح اور شام کو ضرور ہی فرماتے، اس کے علاوہ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا، ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ــــ

رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد لاہور تشریف لے آئے، پھر وہاں سے نارووال کے اجتماع میں تشریف لے گئے، اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے مگر ان کے بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا، احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں، وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لیے گوجرانوالہ رک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ سے قبل اور اس کے بعد وہاں تقریر بھی فرمائی، عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا، پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا ٹیلیفون کیا و نڈ میں چلے گئے وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا۔[1]

دوشنبہ کو پھر رائے ونڈ تشریف لے آئے تین دن یعنی جمعرات تک پھر قیام فرمایا، روزانہ صبح کو خواص سے خطاب فرماتے، ان تینوں دنوں میں بڑی اہم ہدایتیں اور نصیحتیں کام کرنے والوں کو فرمائیں۔

---

(۱) سید ذوالفقار حسین بخاری، حضرت جی نمبر خدام الدین لاہور

لاہور کا ورود اور انتقال ۲ راپریل جمعہ کے دن ٹرین سے سہارن پور کے لیے روانگی طے تھی، جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے آئے، ایک دن پہلے (بدھ کے دن) گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن محسوس فرماتے تھے، لاہور پہنچکر طبیعت میں تقریر کے لیے آمادگی نہیں تھی۔ حضرت مولانا کے لیے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی اور طبیعت کے اس حال کا اظہار بھی فرما دیا تھا، بلال پارک میں (جہاں لاہور کا تبلیغی مرکز ہے اور وہیں مولانا کا قیام تھا) حسب معمول بعد مغرب جمعرات والا اجتماع شروع ہوا اور چونکہ عام طور سے یہ اطلاع تھی کہ حضرت مولانا کل جمعہ کو ہندوستان تشریف لے جائیں گے اور لوگوں کا خیال تھا کہ آج کے اجتماع میں مولانا کے اس سفرِ پاکستان کی آخری تقریر ہوگی اس لیے مجمع زیادہ آگیا اور کچھ ایسے حضرات بھی آگئے جو عام طور سے تبلیغی اجتماعات میں آیا نہیں کرتے، اس لیے بعض مخلصین نے عرض کیا کہ کچھ ضرور فرماویں، مولانا نے ارادہ فرمالیا اور طبیعت کے انتہائی احساسِ ضعف کے باوجود ہمت اور قوتِ ارادی استعمال کر کے کھڑے ہوگئے اور سوا گھنٹے تک تقریر فرمائی، صاف محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا زبردستی تقریر فرما رہے ہیں، پیشانی تک سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور آواز میں بہت نقاہت تھی، تقریر کے بعد تشکیل شروع ہوئی، اُس وقت بھی طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہے، اس کے بعد ایک نکاح پڑھانا تھا وہ بھی پڑھایا لیکن اس موقع پر تقریر نہیں فرمائی اور دُعا بھی مختصر فرمائی جو ان کے عمر بھر کے معمول اور طریقہ کے لحاظ سے بالکل نرالی بات تھی، اس لیے خاص ساتھیوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے، مجلس نکاح سے اُٹھ کر قیام گاہ کی طرف چلے جو بالکل برابر میں تھی، چلتے ہوئے فرمایا مجھ کو سنبھالو، سید ابن صدیق صاحب اور ریاض لاہوری نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ چند قدم بڑھتے ہی لڑکھڑا گئے اور غشی طاری ہوگئی، اُٹھا کر کمرہ میں لایا گیا اور اسی بیہوشی کی حالت میں لٹادیا گیا، ایک حکیم صاحب جو سفر میں ساتھ تھے اُن کے پاس جواہر مہرہ تھا انھوں نے دودھ میں گھول کر چمچہ سے پلایا، چند منٹ کے بعد کچھ ہوش آگیا، ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے، نبض بہت ہی ضعیف تھی، لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا، انھوں نے دیکھ کر کہا کہ قلب پر ایسا شدید حملہ ہوا تھا کہ اس سے بچ جانا بس ایک کرامت ہے، انھوں نے مشورہ دیا

کہ مولانا کو اسی وقت ہسپتال میں داخل کر دیا جائے لیکن اس پر عمل نہیں ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب کی تجویز کردہ دواؤں کا استعمال شروع ہوا۔ آدھی رات گزرنے کے کافی بعد حضرت مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی، صبح تک طبیعت ایسی سنبھل گئی کہ کرنل ضیاء اللہ صاحب نے جب آکر دیکھا تو انھیں سخت حیرت ہوئی، اب لوگ ایک درجہ میں مطمئن ہو گئے۔ اس اثناء میں مولانا نے کچھ ضروری باتیں بھی کیں۔ اس سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میری کتابوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ بہرحال دوپہر تک طبیعت بہت قابل اطمینان رہی۔ لیکن جمعہ کی نماز کے وقت پھر ایک دم طبیعت بگڑی اور سانس بے قابو سا ہو گیا، فرمایا مجھے مختصر سی نماز پڑھوا دو۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے بہت مختصر نماز پڑھا دی۔ مسجد میں جمعہ کی نماز بھی مولانا مفتی زین العابدین صاحب نے بہت مختصر پڑھائی، ڈاکٹر اسلم صاحب نے آکر دیکھا تو کہا مرض کا دوبارہ حملہ ہو گیا ہو فوراً اسپتال لیجانا چاہیئے، تاکہ وہاں آکسیجن دی جائے، حضرت مولانا نے سُنا تو فرمایا وہاں نرسیں بھی ہونگی۔ مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ اس کا پورا انتظام کر لیا جائے گا کہ کوئی نرس اور عورت قریب نہ آئے تو چلنے کی اجازت دے دی۔

آخری وقت موٹر میں حضرت مولانا کو لٹا دیا گیا اور وہ اسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرت مولانا انعام الحسن، مولوی الیاس میواتی اور ڈاکٹر اسلم ساتھ بیٹھے، اس وقت سانس زیادہ اُکھڑنے لگی اس وقت زبان پر تھا ربی اللہ ربی اللہ۔ مولوی الیاس صاحب میواتی کا بیان ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے شام کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنی شروع کر دیں اور کلمہ شریف پڑھنے لگے، گڑھی شاہو کے چوک کے قریب جب موٹر پہنچی تو دریافت فرمایا کہ اسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد زبان صحیح طور سے اپنا کام کرنے کے لائق نہیں رہی، آنکھوں میں بھی تغیر آ گیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی اور بس چند لمحوں میں حضرت مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرہ کے ساتھ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، یعنی ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء جمعہ کے دن، دو بجے کے قریب، ۲۱ برس تک مسلسل اللہ کے لیے اور اس کے دین کے لیے جان کھپانے والی یہ بابرکت ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۰

نمازِ جنازہ نعش مبارک بلال پارک واپس لائی گئی، جو سُنتا تھا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا

تھا، جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی، مجمع بڑھتا گیا، عشا ہوتے ہوتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ نماز جنازہ ہوئی، جو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے پڑھائی، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گنگوہی (خلیفہ خاص حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ) سرگودھا سے ایک قافلہ کے ساتھ اس وقت پہنچے جب نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ حضرت ممدوح نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اگرچہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا کو وہیں دفن کر دیا جائے لیکن حافظ صدیق صاحب وغیرہ میواتی حضرات کے شدید اصرار پر اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے فون کے ذریعہ استصواب کے بعد ہوائی جہاز سے دہلی جنازہ لانے کا فیصلہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری، حافظ صدیق صاحب قاری رشید صاحب، مولوی الیاس صاحب میواتی، میاں جی اسحاق صاحب اور حاجی احمد صاحب پالن پوری بھی ساتھ بیٹھے، جنازہ ڈیڑھ بجے رات لاہور سے روانہ ہو کر ۳ بجے دہلی کے ہوائی اڈہ پر اُترا، اور ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لے آیا گیا، تھوڑی دیر کے بعد سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث تشریف لے آئے۔ خبر دہلی اور اطراف میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کی اقتدا میں نماز جنازہ صبح ۹ بجے پڑھی گئی، جس میں دہلی اور اس کے قریبی علاقوں اور میوات کے قریباً اسی ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور حضرت مولانا مرحوم اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کر دیے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی جو خاص نوعیت تھی اس کی بنا پر بلاشبہ ساری امت مسلمہ اور بالخصوص ان کے لاکھوں عقیدت مند اور محبین جن کو ان کے ذریعہ دین اور ایمان و یقین کی دولت ملی ان کے پسماندگان میں ہیں، لیکن عرف عام اور قرابت و عزیزداری کے لحاظ سے ان کے پسماندگان میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد ہارون صاحب ہیں جو الحمدللہ مولانا کے نقش قدم پر ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو خاص لخاص ترقیات سے نوازے

دوسری حضرت کی والدہ ماجدہ (اماں جی) ہیں، جن کے بارہ میں اپنی معلومات کی بنا پر لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے وقت کی رابعہ ہیں۔ تیسری حضرت مرحوم کی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صاحبزادی ہیں۔ چوتھے محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کی اہلیہ محترمہ ہیں جن کے صاحبزادے مولوی محمد طلحہ ہیں۔ پانچویں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہیں جو خاندانی قرابت کے علاوہ ہم زلف بھی ہیں اور ساری عمر حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ دو قالب ایک جان ہو کر رہے، عام طور سے محسوس کیا جاتا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو دینی جد و جہد چل رہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم اس کا قلب ہیں اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اس کا دماغ۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشین خاص کی حیثیت سے اس دینی جد و جہد کی سب سے بڑی ذمہ داری اب انھیں پر ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی پوری مدد فرمائے اور امت کو ان سے ویسا ہی نفع پہنچائے جیسا کہ حضرت مرحوم سے پہنچایا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چھٹے ان کے برادر معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ہیں جو چچازاد بھائی اور خسر ہونے کے علاوہ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد ان کے استاد اور مربی بھی ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت مولانا مرحوم سے جو مشفقانہ تعلق تھا اور حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ کے ساتھ عقیدت و نیاز مندی کا جو رابطہ رکھتے تھے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے لیے یہ حادثہ کسی باکمال اور صاحبِ فیض سگے بیٹے کے حادثہ سے کم نہیں ہے۔ حضرت شیخ اس دور کے شیخ المشائخ اور مرجع خلائق ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ دیر تک قائم رکھے اور امت کو استفادہ کی توفیق دے۔ ان حضرات کے علاوہ کاندھلہ میں پورا خاندان ہے۔ جن میں حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب بھی ہیں جو حضرت مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں ہیں، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے علاوہ مولانا انعام الحسن صاحب کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن صاحب، مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب، مولانا اظہار الحسن صاحب، مصباح الحسن صاحب وغیرہ قریبی اعزہ اور متعلقین ہیں اللہ تعالےٰ

ان تمام حضرات کو اپنی رضا و محبت کے اونچے مقام تک پہنچائے۔

وما مات من کانت بقایاہ مثلھم
شباب تسامی للعلیٰ وکھول

حضرت مولانا کی دو اہم تصنیفیں

اس کو حضرت مولانا کی صرف کرامت ہی کہا جا سکتا ہے کہ دن رات اپنی دعوت میں منہمک رہنے کے باوجود مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان سیکڑوں مکاتیب کے علاوہ جن کی حیثیت مستقل رسائل و مقالات کی ہے، دو ضخیم تصنیفیں چھوڑیں ذیل کی سطروں میں ان کا بہت مختصر اور اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے۔

امانی الاحبار مولانا مرحوم نے ۱۳۵۵ھ میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی دوسری کتابوں مستدرک حاکم وغیرہ کے علاوہ امام طحاوی کی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار بھی پڑھنی شروع کی، پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا نے اس کی شرح بھی لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس کی دو جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد بڑے سائز کے ۳۰۶ صفحات پر ختم ہے۔ ہر صفحہ میں ۳۵-۳۶ سطریں ہیں۔ —— دوسری جلد ۴۴۲ صفحہ پر ختم ہوئی ہے —— تیسری جلد کی تصنیف معلوم ہوا ہے کہ مکمل ہو چکی تھی لیکن چھپنے کی نوبت ابھی نہیں آئی پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور قریباً چالیس صفحے کا مقدمہ فن حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

حیات الصحابہؓ اس کا نام تو حیاۃ الصحابہ ہے لیکن در اصل یہ عہد نبوت اور دور صحابہؓ کا عربی زبان میں ایک مستند اور مکمل مرقع ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں، دائرۃ المعارف حیدر آباد میں اس کی طباعت ہوئی ہے، پہلی جلد کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا پیش لفظ ہے۔ پہلی جلد ۶۱۲ صفحات پر ختم ہوئی ہے، دوسری جلد ۷۱۴ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ تیسری جلد کی ضخامت بھی اتنی ہے وہ بھی چھپ چکی ہے لیکن ابھی پریس سے نکل کر شائقین کے ہاتھوں تک نہیں پہونچ سکی ہے راقم الحروف نے بھی نہیں دیکھی ہے۔ گویا پوری کتاب کے صفحات دو ہزار سے زیادہ ہیں، محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ پہلی

دونوں جلدیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں ان کا اردو ترجمہ بھی ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہو چکا ہے، مولانا کی ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو انتہائی حیرت ہوگی جو مولانا کے نظام الاوقات اور دن رات کی مصروفیات کو آنکھوں سے دیکھتے تھے، مولانا کی یہ دونوں کتابیں اس لائق ہیں کہ پوری تفصیل کے ساتھ ان پر تبصرہ کیا جائے اور اہل علم سے ان کا تعارف کرایا جائے لیکن "الفرقان" کی اس خاص اشاعت کے لیے مجھے جو سوانحی مقالہ لکھنا ہے اس میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت تو مقصد صرف ان دونوں کتابوں کا اجمالی تعارف تھا، راقم الحروف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں ہے جنھوں نے حضرت مولانا مرحوم کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر و حضر میں بار بار دیکھا ہے ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف کو حضرت مولانا مرحوم کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل علم کو ان کتابوں سے وہ فائدہ پہنچائے جسکی امید پر مولانا مرحوم نے یہ کتابیں لکھی تھیں، اور ان کو پوری طرح قبول فرمائے۔

سراپا میانہ قد، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا، بدن دوہرا۔ گھنی سیاہ ڈاڑھی، بھرا ہوا چہرہ، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی، سر پر عام طور سے رومالی باندھتے اور دوپلی ٹوپی بھی پہنا کرتے، تہبند اور لانبا کرتا عام لباس ہوتا کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہو کسی گہری سوچ میں ہیں۔ اول اول ہیبت طاری ہوتی لیکن ذرا ہی دیر میں اُنس پیدا ہو جاتا، ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے۔ دین کے علاوہ نہ کچھ کہتے اور نہ سُننا گوارا کرتے، ذہن صاف، سینہ یقین سے بھرا ہوا، معلومات خاص کر عہد نبوی اور قرن صحابہؓ و تابعین سے متعلق وسیع سے وسیع تر۔ لبوں پر مُسکراہٹ، مگر دل میں آگ لگی ہوئی۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ایسے ہی مردانِ خدا کے لیے کہا ہے ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو،
کہ بینی خندہ برلب ہا و آتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھاتے پھر اُتارتے، تھوڑی دیر بعد ایک آہ بھرتے

جو درد واثر میں ڈوبی ہوتی، اضطراب وبے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی جنھوں نے قریب سے نہیں دیکھا، ان کے لیے سمجھنا مشکل ہے اور جنھوں نے دیکھا انھوں نے یقین کیا کہ وہ اس دور میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے درد وفکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا۔

سوانح یوسفی کی تیاری

مولانا سید محمد ثانی حسنی ایڈیٹر "رضوان" لکھنؤ اور مولانا سید محمد حسنی ایڈیٹر "تعمیر حیات" لکھنؤ نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی رہنمائی اور نگرانی میں حضرت جیؒ کی سوانح مرتب کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اور ابتدائی کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ جو حضرات مستند معلومات اور مفید مشوروں سے مدد دے سکتے ہوں وہ پتہ ذیل پر مراسلت فرمائیں:-

۳۷ گوئن روڈ - لکھنؤ - یو۔پی

مکتوبات

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اہم دعوتی مکاتیب اور ہدایت نامے
جو مختلف اوقات میں دینی کام کرنے والی جماعتوں کو اور
اس کام کے ذمہ دار افراد کو لکھے گئے۔

ہم نے جب اس خاص اشاعت کا ارادہ کیا تو ہماری سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ ہم کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب مل جائیں، کیونکہ ان کی دعوت اور ان کے درد و سوز اور اُن کے یقین کے جاننے سمجھنے کا سب سے مستند ذریعہ اُن کے بعد اُن کے خطوط ہی ہو سکتے ہیں ـــــ اسکے لئے ہم نے دہلی کا ایک سفر بھی کیا لیکن وہاں ایک مکتوب کی نقل بھی محفوظ نہیں مل سکی ـــــ اسکے بعد اللہ نے مدد فرمائی اور ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مرحوم کے خطوط کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ خود ہمارے پاس یعنی دار العلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، جس کو اب سے کئی سال پہلے ہمارے محترم دوست افتخار فریدی صاحب نے مختلف علاقوں کے حضرات سے حاصل کر کے اور ایک باقاعدہ فائل بنا کے حفاظت ہی کی نیت سے یہاں محفوظ کرا دیا ہے۔ ہم نے اس کو جا کر دیکھا اور اسے بڑا قیمتی ذخیرہ پایا ـــــ اگلے صفحات میں حضرت مولانا مرحوم کے جو مکاتیب قارئین کرام پڑھیں گے اُن میں کے پہلے چھ مکتوب اسی ذخیرہ سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک اہم مکتوب جناب مولانا عبد العزیز صاحب گھلنوی سے حاصل ہوا، مکتوب نمبر دہی ہے ـــــ اسکے بعد بیا بھی محمد عیسیٰ کی عنایت سے اُنکی مجلد بیاض ہم کو مل گئی جس میں انھوں نے حضرت مولانا مرحوم کے بہت سے اہم مکاتیب اور ہدایت نامے محفوظ کر رکھے ہیں نمبر ۸ کے بعد جو مکاتیب درج کئے گئے ہیں وہ اس بیاض سے لئے گئے، البتہ مکتوب ۱۲ گجرات کے ایک مولوی صاحب کا بھیجا ہوا ہو۔ ان مکاتیب کی دستیابی کو ہم اس نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم سمجھتے ہیں فللہ الحمد ولہ الشکر ـــــ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے ان کو محفوظ رکھا اور جنکی عنایت سے یہ ہم کو ملے۔

حضرت مولانا مرحوم کے حال و کیفیت کی طرح انکی زبان اور تعبیر بھی بالکل نرالی تھی، جو حضرات اُن کی دعوت، اُن کے درد اور اُن کی خاص زبان سے واقف و آشنا ہیں وہ ان شاء اللہ ان مکاتیب کی قدر و قیمت سمجھیں گے۔

صفحات میں مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کچھ مکاتیب ہم اس میں شامل نہیں کر سکے ان شاء اللہ وہ آئندہ وقتاً فوقتاً الفرقان کی عام اشاعتوں میں شائع کئے جاتے رہیں گے۔

(ادارہ)

(۱)

[ذیل میں سب سے پہلے جو مکتوب درج کیا جا رہا ہے، یہ تبلیغ کے مقصد، اصول، طریق کار، متوقع منافع و برکات اور اس راہ کی ضروری ہدایات پر بہت جامع ہے، حضرت مولانا مرحوم نے اس قدر تفصیل اور وضاحت سے شاید ہی کبھی کوئی مکتوب اس موضوع پر لکھا یا لکھایا ہو۔

تبلیغی کام سے خاص تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے بتلایا (اور خود خط کے بعض اجزاء سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے) کہ یہ مکتوب عمرہ کے لئے حجاز مقدس جانے والی ایک جماعت کیلئے حضرت مولانا مرحوم نے لکھا تھا جس کا ارادہ حجاز مقدس سے بعض دوسرے ممالک میں جانے کا بھی تھا تاکہ اسکی روشنی میں دوسرے ملکوں میں کام کی بنیاد صحیح پڑے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمین و مکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جھداً وسعیاً فی سبیلہ والھمنا وایاکم مراشد امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔ آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعث مسرت اور باعث تقویت ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمادیں۔ بارآور فرمادیں، ترقیات عطا فرمادیں۔ صحیح نہج پر آپ حضرات کی حفاظت فرمادیں اور پوری ترکیب و ترتیب کی سمجھ عطا فرمادیں۔ آمین۔

اللہ رب العزت جل جلالہٗ و عم نوالہٗ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دار و مدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے۔ باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی و ناکامی نہیں، عزت و ذلت، آرام و تکلیف، سکون و پریشانی، صحت و بیماری انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے ان حالات کے بننے یا بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں، اللہ جل شانہٗ ملک و مال کے ساتھ انسان کو ذلیل کرکے دکھا دیں اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھا دیں۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی حالت پیدا فرمادینگے خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔ اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور ہر فرد کے خالق و مالک ہیں۔ ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے، سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے

والے ہیں خود بنتے نہیں اور جو بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے۔ ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور شکلوں کو قائم رکھ کر صفات کو بدل سکتے ہیں۔ لکڑی کو اژدھا بنا سکتے ہیں اور اژدھے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال کی، برق کی ہو یا بھاپ کی ان کا ہی قبضہ ہے اور وہ ہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لاکر دکھا دیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لاکر دکھا دیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ ساری چیزوں کے بغیر ریت پر ڈال کر پال دیں اور سارے ساز و سامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور انکی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اسکے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہر نقشے میں کامیابی دیکر دکھائیں گے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔ صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔ جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا۔ ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرما دیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے۔ اللہ کی بڑائی بھاتی ہے، ان کی ربوبیت بھانی ہے۔ انکی قدرت سمجھانی ہے۔ انبیاء اور صحابہ کے واقعات سنانے ہیں۔ خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے دل میں اسی یقین کو اتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے براہ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پیر تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو۔ آنکھوں کا، کانوں کا، ہاتھوں کا، زبان کا، پیروں کا استعمال ٹھیک ہو۔ دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو۔ یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے

مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری کریں گے۔ ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرما دیں گے۔ رزق میں برکت بھی دیں گے۔ طاعت کی توفیق بھی ملے گی۔ ایسی نماز سیکھنے کے لئے دوسروں کو خشوع وخضوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے۔ اس پر آخرت اور دنیا کے نفعے سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی نماز کو سنانا۔ خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا۔ اہتمام سے وضو کرنا۔ دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے۔ جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ فضائل سنائے جائیں۔ خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے۔ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے۔ اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہٗ علم کی حقیقت عطا فرما دیں ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ جو آدمی اللہ جل شانہٗ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کو یاد فرماتے ہیں جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ملتے رہتے ہیں اللہ جل شانہٗ اسکے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہٗ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا۔ ترغیب دینا، خود دھیان

جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے، ہر امتی کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ جل شانہٗ اسکی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہٗ اسکے کام میں لگے رہتے ہیں جو اپنے حق کو معاف کردے گا اللہ جل شانہٗ اس کو جنت کے بیچ میں محل عطا فرمائیں گے۔ جو اللہ کے لئے دوسروں کے آگے تذلل اختیار کرے گا اللہ جل شانہٗ اس کو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے اسکے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرام مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ مسلمان کی قیمت بتانی ہے حضور اکرم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں۔ خود اسکی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اسکے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔ اپنی نیت کو درست کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعہ تصحیح نیت کا فکر و شوق پیدا کیا جائے۔ اپنے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے۔ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں، اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دیکر توبہ و استغفار کی جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے اخلاص مانگا جائے۔

آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی اسکے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہو جائے اسکے لئے انبیاء علیہم السّلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی

چیز کا طالب نہ بننا اسکے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا۔ جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے جوڑنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی محنت کریں گے اللہ جل شانہٗ ان کو سب سے پہلے ایمان و عمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے، اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار اعمال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے۔ اس راستے میں ہر مال کے خرچ اور ہر اللہ کے ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب، لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں، بنی اسرائیل کے انبیاء علیہ السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل عالم کے قلوب میں انکی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے۔ دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے لئے آمادہ کرنا ہے اسکی اہمیت اور قیمت بتانی ہے انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنانے ہیں، خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت، گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقعہ پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں، ضعف میں، جوانی میں، بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے مانگنا ہے کہ ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرما لے۔

ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبہ سے متعلق ہو چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک اقلیم بہ اقلیم قوم بہ قوم قریہ بہ قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلعم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا۔ مسجد کے کچھ مخصوص اعمال

دئے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا، مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کے ٹھیک کرنے کے لیے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان وعمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلیس مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون ایثار ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم محکوم، مالدار غریب، تاجر، زارع، مزدور، مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا آج ہم دھوکے میں پڑگئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے۔ مسجدیں اعمال سے خالی ہوگئیں اور چیزوں سے بھر گئیں حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا۔ حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا نہ غسل خانے تھے، خرچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا۔ معلم اور متعلم بنتا تھا۔ ذاکر بنتا تھا، نمازی بنتا تھا مطیع بنتا تھا۔ متقی زاہد بنتا تھا۔ خلیق بنتا تھا، باہر جاکر ٹھیک زندگی گزارتا تھا۔ مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جاکر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں۔

واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کرکے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلنا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر یا بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنانے کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے۔ "اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" کے مصداق تین دن پر کم از کم تیس دن کا ثواب ملے گا پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون

ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے اسکے لئے ہر سال اہتمام سے چلہ لگایا جائے عمر میں کم ازکم تین چلے، سال میں چلہ، مہینے میں تین یوم ہفتہ میں دو گشت، روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی رہے، اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سبب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رُخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا تو اسکے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم ازکم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں، اور دو تہائی اپنے مشاغل میں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بٹھائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم ازکم تین چلّوں کی دعوت خوب جم کر دیں اس میں بالکل نہ گھبرائیں اسکے بغیر زندگیوں کے رُخ نہ بدلیں گے۔ جن احباب نے خود ابھی تین چلے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہٗ اسکے لئے ہمیں قبول فرمالے:۔

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ عمل صحیح ہوگا قبول ہوگا، دعوت قبول ہوگی۔ دعوت قبول ہوگی دعا قبول ہوگی۔ دعا قبول ہوگی ... ... ہدایت آئے گی۔ اور گشت قبول نہوا تو دعوت قبول نہ ہوگی۔ دعوت قبول نہوئی دعا قبول نہوگی۔ دعا قبول نہوئی ہدایت نہیں آئے گی۔

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہماری دنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گزارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں اسکے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کے لئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کرکے لوگوں کو روکا جائے، اعلان کوئی بستی کا باثر آدمی یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہے، وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کردیں۔ پھر گشت کی اہمیت ضرورت اور قیمت بتائی جائے اسکے لئے آمادہ کیا جائے جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں۔ اللہ کا ذکر کرتے

ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہ کی ذات سے ہے، ان بازار میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلے کا تعلق نہیں۔ چیزوں پر نگاہ نہ پڑے، دھیان نہ جائے۔ اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈھیلے معلوم ہوں۔ ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جا رہے ہیں ان کا دل ان چیزوں سے اللہ کی طرف کیسے پھیرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے۔ مل جل کر چلیں۔ ایک آدمی بات کرے۔ کامیاب ہے وہ بات کرنے والا جو مختصر بات کرکے آدمی کو مسجد میں بھیجدے۔ "بھائی ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے اللہ پالنے والے ہیں۔ نفع و نقصان۔ عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے طریقے پر زندگی گزاریں گے اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنا دیں گے۔ ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہ کے حکم کے مطابق حضرت محمدؐ کے طریقے پر آجائے اسکے لئے بھائی مسجد میں کچھ فکر کی بات ہو رہی ہے۔

نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیجدیں۔ ضرورت ہو تو آگے نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنالیں۔" اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیں گے، گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ دعاؤں کو قبول فرمالیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔ نماز کا وقت جا رہا ہے مسجد میں چلیے۔

امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔ اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں۔ گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کرلیں، مکانات نہ ہوں تو بازار میں کرلیں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کرلیں۔ مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کر دیں۔ نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں۔ مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی

آنے والوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کر دیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں۔ جس ساتھی کے بارے میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت دے۔ یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا۔ اور اگر اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نقصان ہوگا۔ جیسے اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس طرز پہ ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادے انداز میں بیان ہو۔ اس سے انشاء اللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اسکی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر محتاج بن کر سنیں جو بات کہہ رہے ہیں ہم اپنے دل میں کہیں کہ حق ہے اس سے دل میں ایمان کی لہریں اٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے نقد نام لئے جائیں اسکے بعد چلوں کے لئے وقت لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو اسکو قبول کر لیا جائے۔ مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتا ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے۔ ایک آدمی کھڑے ہو کر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے، ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں۔ اعذار کا دل جوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں۔ نبیوں اور صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت میں انبیاءؑ اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہٗ نے جو مدد یں فرمائی ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور جو ہمارے ساتھ مدد یں ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے۔ دعوت میں فضاء حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آچکیں

ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہیے اسکی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم میں دھیان عظمت، محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے۔ سہارا نہ لگایا جائے۔ باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو۔ طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھا یا جائے، باتیں نہ کی جائیں اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے۔ اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہوگا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئے گا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھنے ہی آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو۔ انفرادی سیکھنے سکھانے میں ان کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیئے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ فضائل ذکر، فضائل صدقات حصّہ اول دوم، فضائل رمضان، فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہ کی (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو۔ ساتھیوں سے نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کیلئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵۔۲۰ منٹ بعد وہ آجائیں تو دوسرے دو ساتھی چلے جائیں۔ اسطرح بستی والوں کو تعلیم میں شریک کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جائے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹے تعلیم ہو یا ابتداً جتنی دیر احباب جڑ سکیں۔ کام کے تقاضوں کو سوچنے انکی ترتیب

قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں انکی مناسب تشکیل میں اور جو مسائل ہوں احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے۔ اللہ جل شانہ کے دھیان اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں۔ مشورہ میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانے کا جذبہ نہ ہو اس سے اللہ کی مددیں ہٹ جاتی ہیں جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر جو بات اپنے دل میں ہو کہہ دی جائے۔ رائے رکھنے میں نرمی ہو۔ کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو میری رائے میں میرے نفس کے شرور شامل ہیں یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہو گیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہو گئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف ہو اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں۔ ہمارے ہاں فیصلے کی بنیاد کثرت رائے نہیں ہے، اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے۔ دلجوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کے فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہٗ صحیح بات کھول دیں گے، امیر اپنے آپ کو مشورہ کا محتاج سمجھے ہوئے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے، بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت کے ساتھ آمادہ کرلے، اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے اسی میں تربیت ہے اگر اسکے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے زیادہ مناسب تھی پھر بھی ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے اسی میں خیر کا یقین کیا جائے، جو امیر دل کو طعنہ دے اسکے لئے سخت وعید آئی ہے۔

جب محلوں کی مساجد میں ہفتوں کی دو گشتوں کے ذریعہ فی گھر ایک آدمی تین چلے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہوگی، تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جڑ رہے ہوں گے، ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورت میں بستر

اور کھانا ساتھ لے کر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں۔ مشورے سے ایسے احباب سے عموماً دعوت دلوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں بہت ہی فکر واہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول نہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے رو رو کر مانگا جائے، صبح کو جماعتوں کی تشکیل کر کے ہدایات دیکر روانہ کیا جائے تین دن کی محلوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں۔ ہر شب جمعہ سے تین چلوں اور چلوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رخ پڑنا چاہیئے اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہو سکے تو سارے ہفتے اپنے محلوں میں پھر اسکے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلوں سے تقاضوں کے لئے لوگوں کو تیار کر کے لایا جائے۔

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنت فرمائی۔ اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے، کھانے، بیاہ شادی میں ملاقات عبادات معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت کے کتنے طریقے تبلائے ہوں گے، ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہوگا جب ایمان ویقین، اللہ کی محبت، اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف وخشیتہ، زہد وتقویٰ سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مزین ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھینچے کھینچے پھر یں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اللہ رحم کرے خالدؓ پر اسکے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی"۔ ابھی جو ہم کو کام کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کے لئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہٗ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ ان کو بنائیں گے جن کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی۔

جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی اللہ جل شانہٗ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے، یہ نبیوں والا کام ہے۔

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہ کو تین دن تک ترغیب دی اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا ہے بالکل اسی طرز پر باہر جا کر بھی کرنا ہے اس کام کی نوعیت یہی ہے مقام زبان معاشرت موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اصول نہیں بدلتے اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کے لئے اس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا انتہائی ضروری ہے جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جد وجہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اسکے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں۔ اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پر آئے اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے ہے۔ اگر عمل ٹھیک ہوں گے اللہ جل شانہٗ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہٗ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کر کے دکھائیں گے۔ کامیاب ہونے کے لئے اس نقشے میں عمل ٹھیک کرو۔ ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلے پر محنت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت، مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلہ پر تشریف لائے۔ آپکی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپکی محنت مجاہدوں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اٹھانے سے پھیلتا ہے، باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے جتنے فتنے ملک، مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جا رہے ہیں ان کا توڑ حق کے لئے فقر و غربت

اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے۔ اب اس کام کے ذریعہ امت میں مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کے لئے بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے۔ اس سے کام کی جان نکل جائے گی اس کام کی حفاظت اس میں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کے لئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ غریبوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے۔ پیدل جماعتیں چلائی جائیں۔ لوگ آئیں گے کہ .... یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے، پھر نقشہ کی قربانی دینی ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے پھر محل تلاش کر کے خود خرچ کر دیجئے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں اخبار اشتہار پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں۔ مشوروں کی ضرورت ہو مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقعہ پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالجوں کے طلبا میں اس کام کو اٹھایا جائے۔ ہاسٹلوں میں مقامی کام کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا کسی دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جا کر گشت کریں۔ ہاسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینہ میں تین یوم کی بھی ترتیب اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ بے پردگی کا احتمال ہو، عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات سے عورتیں کسی روز جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں۔ اسکی ابتدا اس

طرح کریں کہ مرد جو بات اجتماعات، دعوت، تعلیم وغیرہ سے سُن کر جائیں اپنے گھر والوں کو سُنائیں۔ اس سے انشاء اللہ تھوڑے عرصہ میں ذہن بننا شروع ہو جائے گا پھر محلوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتہ میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو۔ وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے۔ کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لئے قرب وجوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ مستورات کی جماعت کے ساتھ ان کے خاوند ہوں ورنہ ہر عورت کے ساتھ اس کا شرعی محرم ساتھ ہو۔ پردے کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھیریں۔ مرد مسجد میں ٹھیر کر کام کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل و حرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ عمرے کا سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط اور اس کام میں یکجہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ محترمی حاجی حنیفہ صاحب اور بھائی محمد ادریس صاحب کی عمرے کے سفر کی تیاری کا حال معلوم کر کے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمائے۔ دیگر پرانے احباب کو بھی ہمراہ لانے کی سعی فرمائیں۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہو گیا آپ حضرات اس کے ہر جز اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے ہر پندرھویں روز مطلع فرما دیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسّلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۲)

(ایمان کی جدوجہد کے لیے دن کے اوقات میں ٹھوکریں کھانا اور رات کی اندھیریوں میں رونا عالم کے احوال کی درستی کا وسیلہ ہے)

(ذیل کا مکتوب تبلیغی کام کے ایک ذمہ دار کو "مکی مسجد" کراچی کے پتہ پر لکھا گیا تھا۔)

مکرم و محترم بندہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خط کے ذریعہ احوال خیر و مساعی مبارکہ کی خبروں سے مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ مساعی کو مقبول و بار آور فرما دیں۔

میرے عزیز! اس عالم کے احوال کی سرسبزی و فروغ کا تعلق براہ راست اللہ رب العزت کے احکامات سے ہے، اور تمام احکامات الٰہیہ کی سرسبزی و فروغ کا تعلق ایمان کے لیے جانیں کھپانے اور عالم میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کو ان عالی احکامات کی تعمیل کی صورت مرحمت فرمائی، جس میں ایک طرف اللہ رب العزت کے تمام احکامات کی سرسبزی ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عامۂ مخلوق کی بے انتہا پریشانیوں اور مصائب و بلایا کے وقت اپنی زندگیوں کے جذبات کو قربان کر کے اللہ رب العزت کی رضا کے جذبہ پر اپنے کو نثار کر دیں اور خوشنودی باری تعالیٰ کے حصول کے ذریعہ اس عالم کے احوال کی درستگی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز! دین جیسی عظیم امانت کی سرسبزی کے لیے پیلوں جیسے حقیر وقت کے فارغ کرنے کا رواج ایک معمولی سی بات ہو اور اس کا وجود جبکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے قبضہ میں ہے اور ان سے وجود چاہنے کا طریق انبیاء کرام کے ذریعہ ہمیں بتا دیا گیا تو پھر یہ بھی مشکل نہیں۔ البتہ عمل کے صحیح رخ کے ساتھ انہماک کو بڑھاتے ہوئے ان سے اس کا وجود حاصل کرنے کے لیے راتوں کی بے قراری والی دعائیں اور دنوں کو راتوں کو رلا دینے والے مساعی کا انہماک مطلوب ہے۔ آپ احباب کو اس طرف پوری طرح متوجہ فرما دیں۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ
۱۴؍ ربیع الاول ۸۳ھ

(۳)

[ایک جماعت جو مرکز سے گئی ہوئی تھی اور ایک علاقہ میں کام کر رہی تھی اس کے ذمہ داروں کے ایک خط

کے جواب میں ذیل کا اہم مکتوب لکھا گیا جو بہت اہم ہدایات اور انتباہات پر مشتمل ہے۔]

مکرمین و محترمین۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خط کے ذریعہ احوال معلوم ہوئے اور آنے والوں کی زبانی بھی تفصیل معلوم ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کی مساعی کو قبول اور بار آور فرمادیں۔ میرے عزیزو دوستو! شیطان کی طاقت حق ہے اور اللہ رب العزت نے اس کو بنایا ہی اور صرف اس لیے بنایا ہے کہ ان کی طرف بڑھنے والوں کے راستہ میں ابتلاء و امتحان و آزمائش کی گھاٹیں کھڑی کر کے کچے اور پکوں کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ ان گھاٹیوں کو پار کر جائیں اور ان میں نہ الجھیں ان کو اپنی ذات کے تقرب و رضا سے عالی عالی انعامات و درجات سے ہمیشہ کے لیے نوازیں۔

شیطان کی بھرپور مسلسل کوشش ہے کہ اس راہ پر چلنے سے بچلایا جائے اور اگر اس رخ پر پڑ ہی جائے تو پھر اس کی پوری کوشش ان اصولوں سے بچلانے کی ہے جس سے رحمت و نصرت ہائے خداوندیہ متوجہ ہو کر ترقیات پر پہونچنے کے بجائے خذلان و محرومی کی شکلیں قائم ہوں۔ میرے دوستو! آپ کے لیے بڑی زبردست گھاٹیں ہیں اور شیطان ان میں بچلانے کے لیے تجربہ کار و پرانا گھاگ مستعدی کے ساتھ اپنی تدابیر میں مشغول ہے۔ اس کے مکر سے تحفظ اس کے سوا ممکن ہی نہیں کہ جتنی بھی عالی صورتیں اللہ رب العزت اپنے فضل سے پیدا فرمادیں اپنے انکسار و تواضع کی مشق کو بڑھایا جائے۔ ایک دوسرے کی قدردانی و اکرام و اعزاز کی پوری پابندی کی جائے۔ اپنے کو خادم اور دوسروں کو اصل کرنے والا یقین کر کے ہر عزت کے موقع پر دوسرے کو اور ذلت کے موقع پر اپنے کو بڑھایا جائے' اور آپس میں مشوروں کا اہتمام اور ایک دوسرے کو مشورہ کی دعوت دی جائے اور ایک دوسرے کی دلجوئی کی پوری پوری سعی کی جائے۔ اس راہ کی تکالیف کو بالذات محبوب یقین کیا جائے غرباء کے اختلاط اور ان میں کام کی تشکل کو قوتِ عمل یقین کیا جائے' ذکر و تعلیم و دعوات کا پورا اہتمام کیا جائے۔ بڑوں سے چھوٹا بننے کی مشق کے لیے ملا جائے۔ اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہیں ڈالی جائیں۔ اگر آپ حضرات نے ہمتیں کر کے اللہ رب العزت کے لیے اپنے کو جوڑ کر جمالیا تو دوسروں کے لیے بھی ان شاء اللہ العزیز اٹھنے کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ مولانا ضیاء الدین بیس نفر کی جماعت کے ساتھ آج ہی آئے ہیں۔ مولوی عبدالعزیز ابھی مقیم ہیں۔ دوآبہ کے دوسرے شہروں اور قصبات میں پھیر کی ضرورت ہے۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ یکشنبہ ۲۱ محرم ۷۲ھ

(۴)

۱۹۴۵ء میں ایک جماعت مراد آباد سے مرکز نظام الدین ہو کر پنجاب اور اس وقت کے صوبہ سرحد کی طرف گئی تھی اس کے ذمہ دار نے لدھیانہ سے کارگزاری کا خط حضرت مولانا کو لکھا جس میں دعا کی بھی درخواست کی گئی تھی، حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھوایا۔

...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۱۰ مارچ شنبہ کو کارگزاری لدھیانہ سے مطلع فرما کر مسرور فرمایا' آپ ایسے کام کے لیے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں اس لیے آپ کے لیے ہر چیز دعا گو ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہیے اس کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ آپ کی جماعت میں جو افراد مراد آبادی یا غیر مراد آبادی اپنا وقت ختم کر کے واپس جائیں۔ ان سے ترغیب کے بعد یہ ضرور کہا جائے کہ باہر نکل کر جن چیزوں کی تم سے مشق کرائی گئی ہے اور جو ایک طرز کی زندگی تم نے دیکھی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اب اسی زندگی کو اپنے گھر رہتے ہوئے اختیار اور پیدا کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر جا کر اپنے مشاغل میں پہلے ہی کی طرح الجھ کر رہ جاؤ اور مقامی کام اور اس زندگی کو بالکل بھول جاؤ، اور جو تاثرات ان میں پیدا ہوئے ہیں ان سے فائدہ اس طرح اٹھایا جائے کہ جانے والے کے ذہن میں یہ خوب بٹھا دیا جائے کہ اس نے جو وقت دیا وہ بہت کم ہے' اب اس کے بدل میں اور تاثر کو باقی رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ افراد کو تیار کر کے بھیجیے۔

...... والسلام بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۵)

رمضان ۱۳۶۱ھ میں ایک جماعت حجاج میں دینی کام کرنے کے لیے بمبئی گئی ہوئی تھی اس کے ذمہ داروں کو حضرت مولانا نے ایک خط لکھا تھا' ذیل میں اس کا ایک اقتباس درج کیا جارہا ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... آپ حضرات کے خطوط موصول ہوئے۔ آج کل طبیعت پر بہت زیادہ فکر اس بات کی غالب ہے کہ یہ ہزاروں عازمین حج جو اپنی بنیادی اور ابتدائی زندگی سے بھی خالی ہیں اگر ان کے اندر دینی جذبات کی پیدا وار نہ کی گئی تو بلاشبہ سفر تو ہو جائے گا لیکن یہ ایک نادر موقع تھا کہ بیت اللہ کی طرف عاشقانہ طور پر جانے کی صورت پیدا ہوتی مگر وہ ہماری

کم ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اس کے لیے آپ جتنے بھی اس مقام پر پہنچ گئے ہیں اپنی انتہائی کوششوں میں کمی نہ کریں قلوب تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں نہ جانے کون سی ساعت کی محنت اللہ رب العزت کو پسند آجائے اور وہ اپنے الطاف سے کوئی رُخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے زندہ ہونے کا پیدا فرما دیں۔۔۔۔۔۔۔۔"

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۶)

[بمبئی میں مقیم حجاج میں کام کرنے والی ایک جماعت کی طرف سے حضرت مولانا کو صورت حال اور کارگذاری کی اطلاع دی گئی جس میں یہ بھی تھا کہ کچھ حجاج الحمد للہ اس پر آمادہ ہوگئے ہیں کہ وہ حجاز مقدس میں دین سیکھنے کے لیے اور دین کی نکرے کر پیدل پھریں گے۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھایا۔]

.. .. وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خطوط کے ذریعہ مساعی خیر وصلاح کی خبریں موصول ہو کر باعث مسرت ہوئیں۔ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف وکرم سے ان حقیر کوششوں کو اس اجتماعی طرز کے ایمان کے لیے جد وجہد اور نقل وحرکت کے منہاجِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے عالم میں سرسبز ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا۔ سابقہ عمل کو اس کے مقابلہ میں ایک گناہ تصور کرتے ہوئے اس پر توبہ استغفار کی مقدار کا حق ادا کر کے آئندہ کے لیے اس سے زیادہ اونچی شکلوں کو سامنے رکھ کر اپنی بساط کے مطابق جہد ومحنت بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ جن حجاج کرام کو دین کی شکلوں کے سیکھنے پر اور صحابہ کرام کے طرز پر پیدل پھرنے پر آمادہ کر کے آپ حضرات نے بھیجا ہے سبب کے طور پر اگر ان سے خط وکتابت کے ذریعہ تحریض وترغیب وتاکید کا اجرا ہو سکے تو اس کو اختیار کرتے ہوئے ورنہ بغیر اس کے پوری طرح حق تعالیٰ شانہ سے گڑگڑا کر اور بلبلا کر ان کی راہ کے جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے وجود میں آنے کے لیے حد سے زیادہ دعائیں کی جائیں اور بخصوص اکابر کی خدمات میں اس کی دعاؤں کے لیے لکھا جائے۔۔۔

۔۔۔۔

ہمارے کام کرنے والوں کی اتنی زیادہ غیبوبت مناسب نہیں معلوم ہوتی، حافظ مسکین صاحب کو بمبئی گئے بہت دن ہو گئے۔ کچھ دن کے واسطے ضرور بالضرور انھیں یہاں بھیجدیا جائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

بقلم بشیر احمد عفی عنہ ۲۵ رشوال ۶۹ھ

(۷)

[مندرجہ ذیل مکتوب پاکستان کے تبلیغی احباب و رفقا کے نام چند سال پہلے ماہ رمضان میں لکھا گیا تھا یہ ہم کو جناب مولانا عبدالعزیز صاحب کھلنوی سے حاصل ہوا جس کے لیے ہم مولانا موصوف کے بہت ممنون ہیں]

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ مجدکم و وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی لطف و کرم ہے اپنے احباب پر کہ اس دور انحطاط میں جبکہ اللہ رب العزت کے اعمال کے ذریعہ ان کی ذات عالی سے استفادہ کی راہیں بند ہوتی جا رہی ہیں اور اس حقیر و فانی دنیا پر جانیں کھپا کر اس کے ذریعہ وقتی زندگی بنانے پر قناعت کا رواج پڑ چکا ہے ایسے عالی و افضل طریق گشت و مجاہدہ کی طرف رہبری فرمائی جس کی قدردانی کر لینے پر اور جان و مال کی حقیر سی پونجی جھونک دینے پر صرف محنت و مجاہدہ کرنے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ عام امت مسلمہ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ اور عام انسانوں تک کے لیے ہدایت کے دروازے کھل جانے کی پوری توقعات اور امیدیں ہیں۔ میرے عزیز دوستو! دونوں جہان کی ساری نعمتوں اور کامل کامیابیوں کے حاصل کرنے کے لیے حق تعالیٰ شانہ جل جلالہ و عم نوالہ نے پورا دین عطا فرمایا ہے جس کا تعلق ہماری پوری زندگی کے سارے اعمال سے ہے اب اگر حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے ہدایت سے نواز دیں اور یہ بات جی میں پیوست ہو جائے کہ پرورش کرنے والے حالات میں تغیر و تبدل کرنے والے صرف رب العزت ہیں اور اس دنیا میں پھیلا ہوا سارا نقشہ اور

چیزوں کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی شکلیں ان کے استعمال کرنے سے استعمال ہوتی ہیں وہ ان سب سے جو چاہے کر کے دکھلادیں اور اُن سب کے بغیر بھی جو چاہیں اپنی قدرت سے کر کے دکھلادیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو سیکھ کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گذارنے پر اللہ رب العزت اپنی قدرت سے جس طرح چاہیں گے زندگی کے حالات کو درست فرما دینگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے خلاف زندگی گزارنے پر جو بھی چاہے حاصل کر لیا جائے اللہ رب العزت زندگی کے حالات کو بگاڑ دیں گے اور جس طرح چاہیں گے بگاڑ دیں گے سو اگر یہ ہدایت نصیب ہو جائے تو پورا دین بہت ہی آسان اور محبوب بن جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت سے زندگی میں چالو ہو جاتا ہے اور اگر خدا نخواستہ اس ہدایت سے انسان کا دل خالی ہو جائے اور اپنی محنت اور مساعی اور اس دنیا کے دھوکے کے نقشوں اور شکل و صورت سے زندگی کے حالات کے سدھر جانے کا غلط اور بے بنیاد تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر دین پر چلنا اور اس کا سیکھنا مشکل ترین بن جاتا ہے اب حق تعالیٰ شانہ نے اس عالی دولت کے حاصل کرنے کے لیے محنت بھی عطا فرمائی اور دعائیں بھی عطا فرمائیں اور ان اعمال کی محنت کے لیے جن کی حیات پر دعائیں قبول ہو کر ہدایت کی دولت نصیب ہو اور سارا دین آسان بنے مساجد بنائی گئیں اور بازاری نقشوں کے اختیار کرنے کو وہاں کے تذکروں کو وہاں کے تصورات کو یہاں ممنوع قرار دیا گیا اور مساجد کی آبادی و تعمیر بازاری نقش و نگار اور ساز و سامان میں قرار نہیں دی گئی بلکہ گھٹنوں ایمان بالغیب والی مجالس میں بیٹھنا اور علم الٰہی کے حلقوں کا پابند بننا اور ذکر و دعا کی فضائیں قائم کرنا، نماز و عبادت کی فضا قائم کرنا اور امور اخرویہ پر رونا پیٹنا اور ایک دوسرے کی زندگی بنانے میں ہاتھ بٹانا وغیرہ امور کے مساجد میں وجود میں آجانے کو ان کی تعمیر قرار دیا گیا اور مساجد کو ان اعمال سے آباد کرنے والوں کے مومن ہونے کی خوشخبریاں سنائی گئیں اور انھیں کی دعاؤں کے قبول کرنے کے وعدے کیے گئے اور انہی مبارک انسانوں کے لیے ہدایت دینے کے فیصلے کیے گئے، اب جو مبارک انسان اپنی جان ڈال کر اٹھیں اور ان اعمال کے امت مرحومہ محمدیہ میں رواج پا جانے کے لیے ملک بملک اقلیم بہ اقلیم مارے مارے پھریں

اپنی کمائی اور پرورش کے ظاہری نظام میں تغیر و تبدل گوارا کریں اور ہر طرح کی تکالیف اپنی جان پر برداشت کریں سو ایسے مبارک انسان اس راہ کے خواص میں ہیں ان کی دعائیں اپنے حق میں، اپنے متعلقین کے حق میں، عام امت محمدیہ کے حق میں اور سارے انسانوں کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عالم کے حالات میں اس طرح تغیر و تبدل آتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں، اس مبارک راستہ کی ہر زمانہ میں بہت زیادہ قیمت ہے مگر بعض حالات اور زمانے ایسے ہوتے ہیں کہ اس راہ کی قیمت مالک الملک کی طرف سے بہت ہی زیادہ بڑھا دی جاتی ہے اور کام کرنے والوں کے لیے ترقیات کے بہت زیادہ دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جن حالات انحطاط دین سے ہم گزر رہے ہیں اس میں محنت کی قیمت دین کے استقبال کے زمانہ کی محنت سے لاکھوں گنی زیادہ ہے خصوصاً رمضان المبارک کے زمانہ میں جس زمانہ میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہدایت کی تقسیم کا غیبی نظام قائم کیا جاتا ہے، شیاطین بند کر دیے جاتے ہیں جو ہدایت سے ہٹانے والی غیبی طاقتیں ہیں، فرشتے پھیلا دیے جاتے ہیں جو ہدایت کی طرف بلانے والی غیبی طاقتیں ہیں، وہ مبارک روحانیت و نور والی وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام جس کے گھوڑے کی ٹاپ تک کی روحانیت سے ریت پر سبزہ پیدا ہو جائے جن کی اس عالم میں آمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گئی اور ان کی والی برکت سے اہل عالم محروم ہو گئے اس مبارک مہینے میں اُن کی آمد بھی اس زمین پر کی جاتی ہے گویا ان کی نسبت والی برکات کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور حوروں کو سجایا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں خیر کی طرف پکار اور شر سے روکنے کی آوازیں ہر طرف بلند کرائی جاتی ہیں اور تھوڑا سا بھی متوجہ ہونے والوں کو بھی ہدایت سے نواز دیا جاتا ہے اب اگر اس محنت کے میدان کو جس پر ہدایت کا فیضان ہادی کی ذات عالی سے اپنی مخلوق کے لیے عمومی طور پر ہوتا ہے ایسے مبارک مہینے میں قائم کیا جائے جس میں ساری ہی امت محمدیہ مرحومہ کے لیے ہدایت کی تقسیم کا عام نظام قائم کیا جاتا ہے اور امت میں دین کی طرف رجوع کی عمومی شکلیں قائم کی جاتی ہیں تو معلوم نہیں کہ ہدایت والے اعمال کے ہدایت والے مکانات یعنی مساجد میں

زندہ کرنے کے لیے ہدایت دلانے والی نقل وحرکت وریاضت ومجاہدہ پر ہدایت والے مہینے میں کتنی ہدایت کا فیضان کتنی دین کی سرسبزی اور حالات دارین کی سرسبزی وفلاح کتنی مخلوق خدا کے لیے قائم ہوجائے اور یہ محنت کرنے والے کتنی خصوصیت کے حامل اور کتنے نہ تصور میں آنے والے درجات واجور وانعامات کے حاصل کرنے والے بن جائیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے صحابہ کرام کی مساعی مبارکہ پر قدسی وغیبی طاقتوں کا نزول اسی مہینہ کی مبارک مساعی پر شروع ہوا یعنی غزوۂ بدر والی ریاضت ومجاہدہ والا سفر اور اس پر اللہ رب العزت کی مدد یں اس مہینہ میں ہوئیں اور آپ کی مساعی والے اسفار کی انتہا یعنی سارے عرب کے سارے قبائل کا اسلام میں داخلہ کرنے والا سفر یعنی فتح فتح مکہ اسی مبارک مہینہ میں ہوا اس مبارک ماہ میں اللہ رب العزت کی راہ کی نقل وحرکت اور صحیح اصول کے اتباع تمام کے ساتھ محنت ومجاہدہ، راتوں کی دردبھری دعائیں عام قلوب کے حق وہدایت کی طرف پلٹ جانے اور دین متین کے سرسبز ہوجانے کا اعلیٰ ترین سبب اور اکمل ترین ذریعہ ہے۔ آپ حضرات ہمت فرما کر اللہ رب العزت کے راستہ میں شوق و حوصلہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کے ساتھ دور سے دور کے لیے اپنی ذاتوں سے نکل کھڑے ہوں، دوسروں کو تیار کریں اور ہر طرف قریب وبعید میں چلوں اور تین چلوں کے لیے جماعتوں کو نکالیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس مبارک زمانہ میں تین تین چلوں کے لیے تشکیلیں کر کے جماعتیں روانہ کی جائیں تاکہ ارکان اسلام کی حیات والی محنت کا حساب اس ماہ میں قائم ہو اور اس ماہ میں چلہ کے لیے نکلنے کی برکت سے زیادہ وقت کے لیے اللہ رب العزت کے راستہ میں رواج پڑ جائے کیونکہ جو خیر کا عمل اس مبارک ماہ میں شروع کر دیا جاتا ہے وہ اس ماہ کی برکات سے چل پڑتا ہے، مقامی گشتوں کو بڑھائیں۔ روزانہ کی تعلیم کے حلقوں کو بڑھائیں اور ذکر و دعا کی مقدار بڑھائیں، حق تعالیٰ شانہ ہم کو آپ کو سب احباب کو اس راہ کی ترقیات حاصل کرنے کے لیے قبول فرمائے اور اپنے دین کو اپنی قدرت اور فضل وکرم سے چمکائیں اور اس کی برکات سے دارین میں ہمیں نوازیں آمین یارب العالمین آمین

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۸)

[حج کو جانے والوں میں دینی محنت کی ضرورت و اہمیت اور اس کا نظام]

۱۰ر شوال ۱۳۸۰ھ

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ سعیکم و زادکم اللہ جداً فی سبیلہ
و تقبل عنا و عنکم و تجاوز عن سیئاتنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - انسانی زندگی کی دارین کی کامیابی یہاں حاصل کرنے کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے طریقۂ زندگی عطا فرمایا جس کا تعلق انسان کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی سے ہے۔ اس کے لیے یقین بھی خاص تجویز فرمایا، علم بھی خاص عطا فرمایا، نیت بھی خاص عطا فرمائی، تأثرات بھی خاص تجویز کیے، جان خرچ کرنے کے لیے خاص طریقے بتلائے اور مال خرچ کرنے کے لیے بھی تفصیل تجویز کی - ان خصوصیات کو اپنی زندگی کے طریقوں میں حاصل کرنے کے لیے نماز عطا فرمائی اور مساجد میں حاضری کا حکم دیا۔ تاکہ مساجد میں مجالس ایمانیہ کے ذریعہ یقین کی خصوصیت حاصل کریں، اور مجالس علمیہ کے ذریعہ جان و مال کے خرچ کرنے کے طریقوں کو اپنی زندگی کے شعبوں میں داخل کریں، اور ذکر کی مجالس کے ذریعہ اپنے تاثرات اور توجہات کو کائنات سے خالق کائنات کی طرف اور بازاری یقینوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال کی طرف جوڑ لیں انہی خصوصیات کے حاصل کرنے کے لیے رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرما کر رات دن اسی محنت کا مطالبہ فرمایا اسی کی مشق کے لیے زکوٰۃ کا فریضہ عطا فرمایا اور ان خصوصیات کی تکمیل کے لیے حج کا مبارک ترین عمل عطا فرمایا۔ اب جو انسان اعمال کے انہماک کے ذریعہ اپنی زندگی گذارتے ہیں ان خصوصیات کو حاصل کرلیں تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کے لامحدود بے نہایت خزانوں کے ہمیشہ کے لیے عطایات اور انعامات کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور بازار کے نقشوں سے اساس زندگی ہٹ کر دعاؤں پر آجاتی ہے اور بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ سے آسان سے آسان بن جاتا ہے اور دونوں جہاں کی کامیابیوں سے نواز دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ، نے

جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خاص طرح کی عبادات عطا فرمائیں وہاں ان خصوصیات کے زندگیوں میں پیدا ہونے کے لیے محنت کے بھی خاص طریقے عطا فرمائے۔ جن کے اختیار کرنے پر اعمال کی خصوصیات زندہ ہو کر دعاؤں کی قبولیت کے عام دروازے کھل جاتے ہیں، اور ان خاص محنت کرنے والوں کو دارین کی اعلیٰ نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ اور ان کی دعاؤں کی قبولیت میں انبیاء علیہم السلام کی دعوات کی قبولیت کی جھلک حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرما دیتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! فرائض خداوندیہ میں جو بھی فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے دو لائن کی محنت امت پر عائد ہوتی ہے۔ ایک اس فریضہ کو اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنی ذات سے ادا کرنا۔ دوسرے اس فریضہ کے صحیح نوعیت کے ساتھ قائم ہونے کے لیے محنت کے میدان قائم کرنا فریضہ کی صحیح نوعیت کے ساتھ ادائیگی ثمرہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ محنت و مجاہدہ جس سے فریضہ کی صحیح نوعیت قائم ہو جڑ اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر جڑ وجود میں نہیں آئے گی ثمرہ کا ترتب نہیں ہوگا۔ اور بقدر جڑ کے وجود میں آنے کے ثمرات کا ترتب ہوگا —— حج کا فریضہ اور اس کی صحیح نوعیت قائم کرنے کے لیے محنت کا فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب اگر ہمت کر کے جانے والے حجاج میں ان خصوصیاتِ اعمال کے زندہ ہونے کی محنت کر لی جائے جو حج کے ثمرات کے مرتب ہونے کے لیے شرائط کا درجہ رکھتی ہیں تو جانے والے حجاج کی اور ان محنت کرنے والوں کی دعائیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق قبول ہو کر رحمہائے خداوندیہ اور نصرتہائے الٰہیہ کے دروازے کھلنے کی صورتیں پیدا ہوں۔ حج کے فریضہ کا تعلق صرف حج کرنے والوں سے نہیں بلکہ پوری امت کے دین اور محنت کا جائزہ خداوند قدوس اپنے اس گھر پر لیتے ہیں جس کے اثرات پورے نظام عالم پر پڑتے ہیں۔ وہاں کی زندگی میں پاک طریقوں کے اختیار کرنے پر سارے عالم پر رحمت و انعامات کے اثرات پڑتے ہیں اور وہاں کی زندگیوں کی خرابیں سارے عالم پر پریشانیوں کے اثرات ڈلواتی ہیں۔ آپ حضرات ہمت فرما کر جانے والے حجاج کا تفقد کر کے ان کو نمازوں کا عادی بنائیں،

مساجد میں ایمان کی مجلسوں میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں، علم کے حلقوں میں کتابوں کے سننے اور سیکھنے سکھانے کا مزاج پیدا کریں، گشتوں کی اور دعوت دینے کی مشق کرائیں، اللہ رب العزت کے راستہ میں نکلنے اور دین کے لیے محنت کرنے پر آمادہ کریں اور اس کی عملی مشق جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں۔ خدمت گذاری کی، تواضع کی، اکرام مسلم کی، ذکر و دعوت کے اہتمام کی پابندی پر خوب ابھاریں اور عملی مشق بھی جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں اپنے مقام پر بھی اس کی محنت کریں، ماحول میں بھی اس کے لیے جماعتیں بھیجیں، بندرگاہوں پر جماعتیں روانہ کرنے کی سعی کریں اور جہاں جہاں حجاج جمع ہو کر روانہ ہوتے ہیں ان سب جگہوں کے لیے جماعتیں روانہ کریں تاکہ حجاج میں عمومی محنت کے ذریعہ حرمین مبارکین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امت رحمہم اللہ کے بھرے ہوئے علاقوں کے فیوض و برکات امت میں عام ہوں، مساجد والے اعمال سرسبز ہوں اور اُمت کی روحانی و نورانی، ایمانی و اخلاقی ترقیات زندہ ہوں اور بازاری پھسلنوں اور دھوکوں سے اُمت کی حفاظت ہو اور آپ حضرات کے لیے اس کے صلہ میں قرب خداوندی کے وہ درجات حاصل ہوں جو تصور میں نہ آسکیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی من القول والعمل والجد والنیۃ والھدی آمین یا رب العالمین۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۹)

[حرمین پاک میں حجاج کو دین کی محنت پر لگانے کی اہمیت و ترغیب اور اس کا نظام]

۷۸۶

مکرم و محترم بندہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ——— آپ حضرات کے خطوط موصول ہو کر کاشف احوال ہوئے ——— حجاج میں دینی زندگی کے زندہ ہو جانے کی جد و جہد کی شکلوں سے بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پورے عالم میں دین کی سرسبزی

کے لیے جان کھپاتے ہوئے آنے اور جانے کے زندہ ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں تاکہ آتے ہوئے دین کے لیے جان کھپانے کے ذریعہ حرمین کے فیوض سے استفادہ کی استعداد پیدا ہو۔ اور واپسی کی جد و جہد میں حرمین کے افادہ کی شکلیں زندہ اور سر سبز ہوں۔

میرے عزیزو! اس عالی مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے جتنے بھی اس عمل کے جذبات پیدا کر کے اس کی اجتماعی شکلوں پر قابو پا لیا جائے اتنا ہی آنے والے دور میں حج کا معیار بلند ہو کر نہ معلوم اس وقت کے جان کھپانے والوں کے لیے کتنے بے نہایت اجور و درجات کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔ جانے والے حجاج خصوصاً امسال کے حجاج میں اس بات کی پوری سعی ہو کہ مروجہ طریقہ پر جانے کے استثناء سے اپنی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اس طریق سے حجاز میں سفر اختیار کیا جائے جس سے وہاں کے علاقہ میں دین کا شیوع و فروغ ہو اور جانے والوں کو وہاں کی ترقیات ایمانیہ و روحانیہ میں سے پورا حصہ نصیب ہو، پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ اپنے احباب پیدل کے لیے متعین کر کے ان کے رفقاء کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے گئے ان سب جگہوں کے لیے جماعتوں کے جانے کی تشکیلوں پر قابو پایا جائے، اور صحابہ کرامؓ نے جہاں دین کی حیات کے لیے ٹھوکریں کھائیں وہاں کے لیے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے۔ تعلیم و تعلم و اذکار کے اہتمام پر پوری طرح آمادہ کیا جائے۔ حجاج کرام و اہل عرب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے۔ ایک گروہ اللہ رب العزت کا مہمان ہے اور مہمان کے ساتھ کی ذرا سی بھی بے عنوانی ناگواری کا باعث بن جاتی ہے۔ اور دوسرا گروہ حرمین کا پڑوسی ہے ان کے ساتھ کی بے عنوانی بھی غضب الٰہی کی داعی ہے — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی تخریب و بربادی و موت کا منظر سارے عالم میں بکھرا ہوا ہے مگر حج کے موقعہ پر ساری اُمت محمدیہ کی زندگیوں کا طریقہ سمٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ حیات کی موت کا (عالمی) منظر سب کے سامنے آ جاتا ہے۔ اب درد مند اور اللہ اور ان کے محبوب رسول کے

ساتھ ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کا اعلیٰ ترین تقرب و محبوبیت اور اطاعت و عبدیت کا عمل یہ ہے کہ اس منظر کی تبدیلی کے لیے اپنی جانوں کو پوری طرح جھونک دیں۔ دین کے لیے جان کھپانے کے اعمال پر ان کے ڈالنے کے لیے پوری طرح سعی کی جائے۔ ان کو اپنے ساتھ لیکر اس مبارک علاقہ میں ٹھوکریں کھانے کے ذریعہ اس کے اصولوں کے اخذ کی کوشش پوری طرح کی جائے۔ جزیرہ عرب کو دین کی حیات کے لیے جان کھپانے کا مرکز قرار دے کر اس میں طریقہ جہد کے سیکھنے اور سکھانے کا رواج ڈال کر ہر طرف دین کی حیات کے لیے ٹھوکریں کھانے کے لیے مقامی احباب کے ساتھ مل کر روانہ کرنے کا رخ ڈالا جائے، اگر سواتی حجاج میں سعی کے ذریعہ ان میں ان شکلوں پر عمل میں مسابقت پیدا کرلی جائے تو انشاء اللہ العزیز دوسرے علاقہ والے بھی ان شکلوں کو اختیار کرنے لگیں گے۔ اپنے احباب کو اس معاملہ میں پوری سعی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ الحمد للہ یہاں تھوڑی سی عملی اجتماعی صورتیں پیدا کر لینے پر ان میں بہت ہی عالی جذبات پائے جارہے ہیں خدا کرے آپ کی مساعی اس کے ازدیاد و ترقی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت کے احوال کی درستگی کے لیے پوری طرح اس عمل کے لیے جانیں کھپاتے ہوئے گڑگڑا کر بلبلا کر مواقع اجابت میں دعاؤں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ نے طبعی اعمال کی فضاؤں سے آپ حضرات کو نکال کر عبدیت کے اعلیٰ ترین عمل کے لیے اعلیٰ ترین عمل کے موقعہ پر جمع فرما دیا اب استعانت باللہ کی قوت کے بقدر ہی رحمت و انعامات و نصرت کے دروازے انشاء العزیز کھلیں گے، جس کے سارے ہی اہل عالم خصوصاً امت محمدیہ مرحومہ اور اہل ہند آج پوری طرح محتاج ہیں۔ آپ حضرات خصوصیت کے ساتھ عمل کے پورے انہماک کے ساتھ انتہائی دعوات کا اہتمام فرمائیں۔ مولوی داؤد و حافظ نصیب خاں و حاجی حنیف بھی انشاء اللہ آرہے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں بھی گفتگوئیں اور مشورے جاری ہیں البتہ اپنی آمد کے بارہ میں موجودہ احوال کی بنا پر اشکال ہے اور بظاہر امسال ناممکن ہے۔

بندہ محمد یوسف غفر لہ ۱۷ر شوال ۸۳ھ

(۱۰)

[اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل اور اصول کی پابندی کی تلقین]

۱۸؍شوال ۱۳۷۵ھ ۲۹؍مئی ۱۹۵۶ء

مکرمین و محترمین زادکم اللہ وایانا جداً و سعیاً فی سبیلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — آپ حضرات کے خطوط مسرت کے باعث ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے آپ کی اپنی ترقیات کے ساتھ دین کی سرسبزی و فروغ کا آپ کی مساعی اور اس سفر کو ذریعہ فرمادیں اور ہر طرح کی مدد دیں اور نصرتیں دونوں جہان میں شامل حال فرمادیں، اور ہر موقع و حال کی حوائج کا اپنے فضل وکرم سے بندوبست فرمادیں۔

میرے عزیزو! کرنے والے صرف اللہ رب العزت ہیں اور ان کے لیے کوئی سی بھی حالت سخت نہیں ہے۔ جونسی حالت ضلالت کو، جونسی حالت ہدایت کے ساتھ جس وقت چاہیں بدل دیں۔ بندوں کی محنت و مساعی صرف اختیارِ سبب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اب سبب میں جتنی صفات قبولیت ہوں گی خداوند قدوس کی رحمت متوجہ ہوکر سخت سے سخت خراب احوال بہتر سے بہتر احوال سے منجانب اللہ تعالیٰ ان کے تصرفات خاص سے مبدل ہو جائیں گے۔ لہٰذا اپنے کام کرنے والے احباب کو ان احوال سے نہ متاثر ہونا چاہیے نہ نا امید ہونا چاہیے بلکہ اللہ رب العزت کی عظمت و قدرت و قوت کو سامنے رکھ کر ان سے مددیں حاصل کرنے کے لیے دین کی حیات و سرسبزی کے لیے جہد و نفر کے عالی اوامر کی تعمیل ان کی اعلیٰ شکلوں کے ساتھ کرتے ہوئے بارگاہ الٰہیہ میں گڑگڑا کر اور بلبلا کر دعاؤں کا اہتمام کرتے رہنے میں ہی ان سب احوال کی تبدیلی مضمر ہے حق تعالیٰ شانہ محنت کی صحیح شکل اپنے کو اور اپنے سب احباب کو نصیب فرمائیں۔ جماعت کے لانے کی بہت سعی فرمادیں۔ تین تین چلہ کی جم کر دعوت دیں۔ تعلیم و تعلم کے حلقوں کے قیام کا پورا پورا اہتمام فرمائیں اگرچہ تھوڑی ہی مقدار میں ہو سکے۔ اللہ کے ذکر کی کثرت کریں، اصول کا مذاکرہ رکھیں، دنیا کے تعیش کی رغبت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کی اپنے میں رغبت پیدا کرنے کی سعی کریں، ایک دوسرے کی خدمت گذاری کی عادت

ڈالیں۔ اخلاق کے سیکھنے کو بہت اہم سمجھیں اور دعاؤں کا اپنے لیے اور ہمارے لیے بہت اہتمام فرمائیں اور غربا و کس مپرس طبقات میں کام کا ضرور پھیر ڈالیں کہ ان میں کا کام بہت سے رذائل سے حفاظت کا اہم سبب ہے۔ سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کردیں۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۱۱)

[اصولوں کو مضبوطی سے پکڑنے اور رواجی طریقوں سے بچنے کی تاکید]

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ صاحبان کے خطوط یکے بعد دیگرے تقریباً روزانہ ہی موصول ہوے۔ وہاں کے کام سے جتنی خوشی حاصل ہوئی اسی قدر بے انتہا فکر بھی ہوئی جس کا اندازہ آپ حضرات کے خطوط سے بھی ہوتا رہا کہ آپ حضرات کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے فکر عطا فرمائی ہے۔ حقیقت میں یہ کام رواج کے بالکل خلاف ہونے کی بنا پر مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑی سی محنت اور مجاہدہ کے بعد اس کے سارے اصولوں کی رعایت کرنے پر بہت ہی آسان ہے بلکہ رواجی طریقوں سے کرنے پر بے انتہا مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ بظاہر رواجی طریق میں سہولت نظر آتی ہے۔ اس بنا پر اس بات کی اجتماعی طریق سے پوری کوشش فرمائی جائے کہ کام منہاجِ نبوت سے ہٹنے نہ پائے اور اپنی سادگی کے ساتھ دن کی محنتوں اور رات کی دعاؤں کی مقدار بڑھتی چلی جائے۔ اس کام میں اجتماعات نہ بنیاد ہیں نہ مقصود۔ بلکہ اپنے نہج سے نہ ہونے کی بنا پر مضر ہیں اس لیے ماہانہ اجتماعات بالکل نہ کیے جائیں ہر جگہ مقامی اجتماعات ہفتہ واری اجتماعات اپنی نوعیت کے ساتھ یعنی پوری شب گذارتے ہوئے اوراوقات کا مطالبہ کرتے ہوے کیے جائیں۔ اور جتنے آدمی اس وقت موجود ہیں ہر کام کو اجتماعی کریں حتیٰ کہ سفر میں بھی یکجا رہنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جو لوگ ادھر (دہلی) ہوکر جا چکے ہیں ان سب کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ غربا و مساکین میں کام کی مقدار بڑھائی جائے اگرچہ شروع میں مشکلات سامنے آئیں اور محنتیں کرنی پڑیں۔ ڈینڈیگل میں زیادہ نہ ٹھہرا جائے بلکہ پوری جماعت خود نمبروں کی پابندی کرتے

ہوئے غربا کی بستیوں کا سفر کرے۔

فقط بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

۲ر رجب ۱۳۸۱ھ

(۱۲)

[مندرجہ ذیل مکتوب تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے علاقہ گجرات کے ایک مولوی صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے کام کے بارہ میں کچھ لکھا تھا۔ یہ ہم کو خود مکتوب الیہ نے بھیجا جس کے لیے ہم اُن کے ممنون ہیں]

مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خط سے حالات وکوائف معلوم ہوئے جس سے ازحد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ شانہ قبول فرمائے۔

میرے بھائی یہ کام بہت اونچا اور گہرا ہے اس میں ہزاروں اصول وقواعد ہیں اور اس کا ایک خاص نہج اور خاص مزاج ہے۔ اگر ان کو اپنا کر اس کام کو کیا گیا تو بہت زیادہ خیروں کی اُمید ہے اور دوسری صورت میں شرور وفتن کا خطرہ ہے اس لیے آپ جیسے کام کرنے والے حضرات کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے علاقوں سے جماعتیں لے کر یہاں آئیں اور پرانوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کے ذریعہ اس کام کو صحیح نہج کے ساتھ اپنائیں، اس سے آپ حضرات کے علاقہ میں صحیح اصولوں کے ساتھ کام چلے گا اور چمکے گا اور کام کرنے والے احباب خطرہ سے محفوظ امن میں رہیں گے اور لوگوں میں عمومی طور پر تواضع، کسر نفسی، دوسروں کے محاسن دیکھنا، اپنے عیوب پر نظر ڈالنا پیدا ہوگا، جس سے دل جُڑیں گے اور محبت واتفاق پیدا ہوگا۔ جب تک یہاں نہ آسکیں اپنے حالات سے تفصیلاً اطلاع دیتے رہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تمام احباب کو سلام مسنون، خدا تمام مدارس دینیہ کو ترقی نصیب فرمائے۔ والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۱۳)

[شادیاں کس طرح کی جائیں اور زندگی کا یہ شعبہ دین کے فروغ کے لیے کس طرح استعمال ہو
ذیل کا مکتوب ایک صاحب کو لکھا گیا جنھوں نے اللہ کی توفیق سے سنت کے مطابق شادی
کی تھی۔]

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ـــ آپ کے اس مبارک جذبہ کو معلوم کر کے حد سے زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے ہاں شادی سنت کے مطابق وجود میں آئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے اس مبارک عالی جذبہ کو پوری طرح قبول فرماتے ہوئے اپنے لطف و کرم و فضل سے اس میں برکتیں اور رحمتیں پوری طرح شامل حال فرمائیں ـــ میرے بزرگ! اس شعبہ کا سنت کے مطابق ہونا بس اسی پر موقوف ہے کہ اس فعل پر جو پیسوں کے خرچ اور کھانے پینے کی مجلس پر اجتماع ختم ہو جاتا ہے۔ اور مجالس کا موضوع کھانے پینے کی دلچسپیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان آنے والوں کو دین پر جان و مال خرچ کرنے اور تبلیغ کے ذریعہ دین سیکھنے کے لیے نکل کھڑے ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ اور اپنی جتنی رقم نکاح کی فضولیات پر آج خرچ کرنے کا رواج ہے اتنی مقدار مال کو لیکر لڑکا لڑکی کے والد وغیرہ اللہ رب العزت کے راستہ میں دین کی سرسبزی کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ اور اپنے اس جذبہ و شوق کو جس کو وہ شادی پر خرچ کرتے اللہ کے دین کی سرسبزی کے لیے جد و جہد پر صرف کریں اور دوسرے شادی میں شریک ہونے والوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ مسلم کی جان و مال کا موضوع و مقصد خواہشات پر خرچ ہونا نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حیات و سرسبزی پر خرچ ہونا ہے۔ جتنا ہماری جانوں اور مال کا خرچ دین کی حیات کے رد و فکر و جہد و سعی پر آتا چلا آئے گا دین کے سارے شعبے سنت کی شکل پر زندہ ہوتے چلے جائیں گے۔

آپ کے اس اقدام کو حق تعالیٰ شانہٗ پوری طرح قبول فرمائیں اور اس شعبہ کی اصلاح کا اس شادی کو ذریعہ فرما کر اس شعبے سے متعلق رحمت و نصرت، انعامات و برکات کے دروازے جمیع اہل عالم کے لیے پوری طرح کشادہ فرمائیں۔ بندہ اس شادی کے مقبول و بابرکت ہونے کے لیے پوری طرح دعا گو ہے ۔۔۔۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ ۱۸ رجب ۱۳۸۰ھ

تقریریں

قارئین کرام آئندہ صفحات میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح کی تقریریں پڑھیں گے ـــــ اجتماعات میں حضرت مولانا کی تقریریں سننے والوں نے خود آنکھوں سے دیکھا ہو گا کہ جب وہ تقریر فرماتے تھے تو اُن کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے بہت سے قلم چلتے رہتے تھے۔ جو تین تقریریں الفرقان کی اس اشاعت خاص میں درج کی جا رہی ہیں ان میں سے آخری تو خود ناچیز مدیر الفرقان کی لکھی ہوئی ہے، پہلی دو تبلیغی کام سے خصوصی تعلق رکھنے والے ایسے حضرات کی لکھی ہوئی ہیں جن پر اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

الفرقان کی یہ خاص اشاعت جن حضرات تک پہنچے گی ان میں شاید ہی کچھ ایسے اصحاب ہوں جنھیں کبھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو ــــ حضرت مرحوم کا طریق بیان بالکل نرالا تھا بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ انکی تقریر کی ایک مستقل زبان تھی اور خاص اصطلاحی الفاظ تھے جن کے گویا وہ خود ہی موجد تھے۔ پچھلے صفحات میں ناظرین نے انکے مکاتیب پڑھے ہیں بس جو زبان ان کے مکاتیب کی ہے قریب قریب یہی زبان انکی تقریر و بیان کی تھی۔

ــ یہ واقعہ ہے کہ زبان و بیان کی جن خوبیوں کی وجہ سے کسی مقرر کی تقریر کامیاب سمجھی جاتی ہے مولانا مرحوم کی تقریروں میں اُن میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی، بلکہ سامعین کے بڑے طبقہ کے لئے انکی تقریروں کا کافی حصہ نامفہوم ہوتا تھا اور اچھے پڑھے لکھوں اور سمجھنے والوں کے لئے بھی اُن کے الفاظ اور انکی ترکیبیں بالکل نامانوس ہوتی تھیں، لیکن کشش اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ پچاس پچاس ہزار کا مجمع اس طرح ہمہ تن گوش ہوکر ان کا بیان سنتا تھا کہ گویا ہر لفظ ہر سننے والے کے دل میں اتر رہا ہے اور وہ اُس سے بھرپور مستفید ہو رہا ہے۔ یہ کشش اور یہ تاثیر در اصل اُس قلبی کیفیت اور توجہ الی اللہ کی ہوتی تھی جس کے ساتھ وہ تقریر فرماتے تھے۔

خود راقم سطور نے اکثر محسوس کیا کہ وہ تقریر شروع فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مراقب ہوتے تھے اور اسکے بعد تقریر شروع فرماتے تھے۔ اور پھر اُن کو خود اپنی بھی خبر نہیں رہتی تھی ــــ ایسے تقریباً ۱۰ سال پہلے کا واقعہ ہے بھوپال میں اجتماع تھا اُن دنوں حضرت مولانا مرحوم کی ران میں ایک بہت بڑا زخم تھا جس کا حال یہ تھا کہ حرکت کرنے سے اور زور سے تقریر کرنے سے اُس میں سے خون جاری ہو جاتا تھا، مولانا اسی حال میں بھوپال تشریف لائے اور اپنی عادت کے مطابق اجتماع میں تقریریں بھی فرمائیں ــــ زخم کی تکلیف کافی بڑھ گئی، بھوپال سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے ۴۰ ــ ۵۰ میل کے فاصلہ پر ایک اور اجتماع طے تھا حضرت مولانا وہاں

بھی تشریف لے گئے، لیکن طے یہ ہوا کہ یہاں مولانا تقریر نہیں فرمائیں گے بلکہ فلاں ساتھی کی تقریر ہوگی۔ مگر ساتھی کی تقریر کے بعد جب مولانا نے دیکھا کہ دعوت قوت سے نہیں دی گئی تو اپنے اندرونی داعیہ سے مغلوب ہو کر خود تقریر کے لئے اصرار فرمایا، اُس دن بیٹھنے کے لائق بھی نہیں تھے لیٹ کے فرمانا شروع کیا، زخم میں سے خون جاری ہو گیا اور حالت یہ ہو گئی کہ ایک کپڑا لگا دیا جاتا جب وہ بالکل تر بتر ہو جاتا تو دوسرا کپڑا لگا دیا جاتا اس طرح کئی کپڑے خون سے بھر گئے اور مولانا نے عادت کے مطابق پوری تقریر فرمائی۔ اس ناچیز کا اندازہ ہے کہ اس تقریر کے دوران کم از کم آدھا سیر خون مولانا کے زخم سے ضرور نکل گیا ہوگا۔ لیکن اللہ کے اُس بندے کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک اُن کی تقریروں کی تاثیر کا راز ان کی اس قلبی کیفیت اور فنائیت میں تھا۔

آئندہ صفحات میں حضرت مولاناؒ کی صرف تین تقریریں درج کی جا رہی ہیں، دو تقریروں کی کتابت اور بھی ہو چکی تھی لیکن صفحات میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے ان کو روک لینا پڑا، وہ انشاء اللہ آئندہ الفرقان کی عام اشاعتوں میں شائع ہو سکیں گی — جو تین تقریریں اس اشاعت میں شائع ہو رہی ہیں ان میں ناظرین کی سہولت فہم کے لئے وہ لفظی تبدیلیاں کر لی گئی ہیں جو اس قسم کی تقریروں کو کاغذ پر لانے کے لئے ضروری اور ناگزیر ہوتی ہیں اسکی پوری کوشش کی گئی ہے کہ مقصد و مضمون میں ذرا بھی فرق نہ پڑے۔

محمد منظور نعمانی

(۱)

کامیابی اور ناکامی کی حقیقی بنیاد

ذیل کی تقریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری سفر میں خواص کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی، جس کو حضرت کے ایک خاص رفیق سفر نے قلمبند کیا تھا، انہی کی عنایت سے یہ ہم کو حاصل ہوئی ہے — ہم نے ناظرین کی سہولت فہم کے لیے کہیں کہیں لفظی تبدیلیاں کی ہیں۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بھائیو دوستو! کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا ہے اس کے دو رُخ ہیں، ایک رُخ ظاہر کا ہے اور وہ یہ ہے کہ چیزوں میں سے چیزیں نکل رہی ہیں اور چیزوں میں سے اثرات اور خواص ظاہر ہو رہے ہیں جیسے مٹی سے غلہ، غلہ سے غذا، غذا سے پیٹ کا بھرنا پھر اس کا خون بننا، خون سے منی کا یعنی نطفہ کا بننا، پھر اُس سے خون کا لوتھڑا بننا پھر اُس میں اعضا کا اور شکل انسانی کا بننا (اور اسی پر قیاس کر لیجیے دنیا کی ساری چیزوں کو) — یہ وہ رخ ہے جو انسان پر بحیثیت انسان ہونے کے کھولا گیا ہے یعنی ہر انسان اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے — دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے اور اسی کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ سب اللہ کا نظر نہ آنے والا ہاتھ کر رہا ہے — یہ رُخ انسانوں پر بحیثیت انسان ہونے کے نہیں کھولا گیا اس لیے ہر انسان اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ بلکہ یہ رُخ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں پر کھولا گیا ہے، یعنی یہ بات انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہے کہ جو کچھ چیزوں سے بنتا ہوا اور ظاہر ہوتا ہوا نظر آتا ہے یہ چیزوں سے نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ جس شکل سے جو چیز چاہیں بنا دیں یا بلا کسی شکل کے محض قدرت اور حکم سے چیز بنا دیں اسی طرح وہ قادر ہیں کہ جس چیز سے جو اثر چاہیں ظاہر کر دیں۔ پانی سے چاہیں تو ڈبا دیں اور چاہیں تو ترا دیں، آگ سے چاہیں تو جلا دیں اور چاہیں تو

نہ جلائیں، غذا سے چاہیں تو پیٹ بھریں اور چاہیں نہ بھریں، موت کی جگہ سے چاہیں تو زندگی نکالدیں اور زندگی کی جگہ سے چاہیں تو موت نکالدیں ــ معجزوں سے یہی بات ظاہر کی جاتی ہے کہ چیزوں میں کچھ نہیں ہے، اللہ جس چیز سے جو چاہے نکال سکتا ہے۔ وہ چاہے تو حکومتوں کی اسکیموں (اور منصوبوں) کو فیل کردے اور محکوموں کی اسکیمیں چلادے، اُس نے نمرود کی اسکیم کو فیل کردیا اور ابراہیم علیہ السلام کی اسکیم چلادی ــ فرعون کے ارادۂ قتل کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو خود اس کے گھر میں پلوادیا اور اُس کو سارے لاؤلشکر سمیت سمندر میں ڈبادیا۔ ابراہیم علیہم السلام سے بیوی بچہ کو ایسے میدان میں ڈلوا کر جہاں کوئی آبادی نہیں تھی زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، پینے کے لیے پانی تک بھی نہیں تھا اُن کی یہ اسکیم چلادی کہ اس بچے کی اولاد یہاں والی، ہدایت (کی دعوت) لیکر سارے عالم میں جاوے اور سارے عالم سے لوگ یہاں حج کو آویں۔ خود اسکیم والا وہاں تھا بھی نہیں ملک شام میں تھا لیکن اس کی اسکیم چل گئی اور جس بچہ کے کھانے پینے کا اور حفاظت کا کوئی بند وبست نہیں تھا اس کی اولاد اقیموا الصلوٰۃ کو لے کر دنیا میں جانے لگی اور ساری دنیا سے لوگ آج تک حج کو وہاں آرہے ہیں۔ ساری حکومتیں حج میں کتنے روڑے اٹکارہی ہیں لیکن حج کی حرکت برابر بڑھ رہی ہے اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی چلائی ہوئی اسکیم ابتک کیسے زور سے چل رہی ہے۔

آدمی سمجھتے ہیں کہ کھیتی اور باغات سے زندگی بنتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو کھیتی اور باغات کے باوجود ہلاک کردیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو ایسے جنگل میں جہاں کھیتی اور باغات کا نشان بھی نہ تھا پال دیا ــ آج دنیا کا یقین فوج پر ہے اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوج کو حقیر پرندوں سے ہلاک کرا کے اس یقین کو غلط ثابت کردیا۔ الغرض معجزات سے ظواہر کے عام انسانوں والے یقین کی پوری نفی ہوتی ہے۔ معجزات ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ میں یہ قدرت ہے کہ وہ عصا کو اژدہا بنادیں، نار کو باغ بنادیں، ہاتھ میں روشنی اور چمک کی صفت پیدا کردیں ــ دنیا کی ساری چیزیں اور ساری شکلیں گھاس کے تنکوں سے لیکر ایٹم اور راکٹ تک اور اسی طرح ساری طاقتیں اور ساری حکومتیں قدرت خداوندی کے تحت ہیں ــ یہ چیزیں خود قدرت نہیں ہیں بلکہ قدرت ان پر تصرف کرتی ہے یہ سب چیزیں فانی ہیں اور قدرت غیر متبدل اور غیر فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں

سے زندگی بناتے بھی ہیں اور بگاڑتے بھی ہیں۔ کامیاب بھی کرتے ہیں اور ناکام بھی کرتے ہیں، غرض جو کچھ بھی ہوتا ہے چیزوں سے نہیں ہوتا اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے۔

کائنات کا یہ وہ رخ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر کھولا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور وہی قدرت کے اعتبار سے استفادے کے طریقے لے کر آتے ہیں۔

عالم کی چیزوں پر نظر رکھ کر اور اُن میں نفع نقصان سمجھ کر ان کو استعمال کرنے یا اُن میں اپنے کو لگانے کا طریقہ ہر شخص خود تجویز کر سکتا ہے کیونکہ چیزیں نظر آتی ہیں اور ہر شخص اُن کو دیکھتا ہے لیکن اللہ کا حکم اور اس کی قدرت جو چیزوں میں کام کرتی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لیے اُس سے استفادہ کا طریقہ انسان خود تجویز نہیں کر سکتا، یہ علم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کھولتے ہیں اس لیے اُس سے فائدہ اُٹھانے کے طریقے انہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے انسانوں کو شکلوں اور چیزوں سے ہٹایا نہیں بلکہ یہ بتایا کہ اللہ کی قدرت اور اُس کے حکم کو اصل سمجھتے ہوئے ان چیزوں میں لگو اور یہ یقین بنا لو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تشریعی اوامر کی تابعداری کرتے ہوئے ان شعبوں میں لگو گے اور ان چیزوں کو استعمال کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہی چیزوں سے تم کو نفع پہنچائے گا اور یہ نفع آخرت تک چلے گا بلکہ وہیں بھرپور حاصل ہوگا یہی ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا منشا کہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوگا اور کچھ نہیں ملے گا سب اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا اور ملے گا اور ان کا فضل و کرم جب ہوگا جب ہماری زندگی اور چیزوں میں ہمارا لگنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوگا۔

اب دو کام ہیں ایک اپنے میں لا الٰہ الا اللہ والے یقین کا پیدا کرنا اور دوسرا ہر عمل اور ہر شعبہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا عادی بننا اور اس کی مشق کرنا — یہ دونوں باتیں پیدا کرنے کے لیے نماز دی گئی اور ایک محنت دی گئی اور مسجد کو ان دونوں کا مرکز بنا دیا گیا۔

مسجد سے دن رات میں پانچ دفعہ اعلان کرایا جاتا ہے۔ جس میں سب سے پہلے چار دفعہ کہلوایا جاتا ہے — اللہ اکبر اللہ اکبر — اللہ اکبر اللہ اکبر — اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ عناصر اربعہ سے یعنی مٹی، پانی، ہوا اور آگ سے بنا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا یہ حال کہ ان میں سے ایک ایک ساری دنیا کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ مٹی یعنی زمین اگر آدھے

دن کے لیے زلزلہ سے ہلادی جائے تو ساری دنیا ختم ہو جائے ___ اسی طرح اگر پانی چھوڑ دیا جائے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ کی طرح ساری دنیا غرق ہو کر فنا ہو جائے ___ اسی طرح اگر قوم عاد کی طرح آندھی چھوڑ دی جائے تو ساری دنیا کا خاتمہ ہو جائے ___ اسی طرح اگر آگ کو جلا ڈالنے کا حکم ہو جائے تو ساری دنیا راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ تو اذان میں سب سے پہلے چار دفعہ کہا جاتا ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے آسمان و زمین اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں، عناصر اربعہ اور اُن سے جو کچھ بنا ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، خدا کی ہستی کے سامنے ہر چیز حقیر اور بے حقیقت ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ روس و امریکہ اور دنیا کی ساری طاقتوں اور حکومتوں کی اللہ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں اللہ کی ہستی سب سے بڑی ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر

اس کے بعد دوسری بات یہ کہلوائی جاتی ہے "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" بناؤ بگاڑ والا اللہ کے سوا کوئی نہیں، شکلوں اور چیزوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے "اشہد ان محمداً رسول اللہ" اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑے ہیں اور جن کے ہاتھ میں بناؤ و بگاڑ اور کامیابی و ناکامیابی ہے اُن کی قدرت سے استفادہ کا طریقہ ہم خود نہیں جانتے، ہم اس راستہ میں نابینا ہیں، اس کے راہ نما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں، اُن کے طریقے پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل کیا جاسکتا ہے "اشہد ان محمداً رسول اللہ"

اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے "حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح" یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے نماز کے لیے یہاں آؤ۔ کامیابی یہاں والے اعمال سے ملے گی۔

اللہ والے اعمال میں (یعنی عبادات میں) کچھ تو وہ ہیں جن کے ساتھ چیزوں میں بھی لگ سکتے ہیں، چیزوں سے کلی انقطاع ضروری نہیں۔ حج روزہ، زکوٰۃ کا حال یہی ہے روزہ میں کھانا کھا تو نہیں سکتے مگر کھانا پکا سکتے ہیں، دوسروں کو کھلا سکتے ہیں۔ تجارت اور زراعت وغیرہ کے کام کر سکتے ہیں، ان کی باتیں کر سکتے ہیں، اسی طرح زکوٰۃ دیتے وقت کھانا پینا دوسرے کاموں میں لگنا منع نہیں ہے۔ حج میں بھی دوسرے کاموں کی ممانعت نہیں ہے، یہاں تک کہ سلا کپڑا پہننے کی ممانعت ہے لیکن پہننے

کے لیے کپڑا سینے کی ممانعت نہیں ہے ـــــ لیکن نماز وہ عبادت ہے جس میں آدمی تمام چیزوں سے کٹ کر لگتا ہے۔ نہ کھانا کھائیں گے، نہ کھلائیں گے، نہ پکائیں گے، نہ کپڑا سئیں گے، نہ کسی سے کوئی بات کریں گے، دھیان بھی ہر چیز سے ہٹا کر اللہ پر لگانے کی کوشش کریں گے ـــــ تو اذان کے ذریعہ مسجد سے پہلے تو "اللہ اکبر اللہ اکبر" اور اشہدان لا الٰہ الا اللہ اور اشہدان محمداً رسول اللہ کی آواز لگوا کر یقین درست کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اس کے بعد نماز کے عمل کے لیے بلایا جاتا ہے جس میں چیزوں سے کٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ سے وابستگی کی مشق کی جاتی ہے اور اس میں کامیابی بتائی جاتی ہے۔

بھائی دوستو! جو کوئی مشین بناتا ہے وہی اُس کے چلانے کا طریقہ اور بناؤ بگاڑ کی بات بھی جانتا ہے جو مشینیں باہر سے آتی ہیں اُن کے ساتھ بنانے والوں کی طرف سے چلانے کے طریقہ کے بارے میں ہدایات بھی آتی ہیں ـــــ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنایا ہے ماں کے پیٹ میں رکھ کر بنایا ہے جہاں کسی دوسرے کا ہاتھ بھی نہیں لگ سکتا بلکہ نظر بھی نہیں جا سکتی، وہی اللہ جانتا ہے کہ انسان کی مشین کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بناؤ اور تعمیر ہے اور کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بگاڑ اور تخریب ہے۔ اُس نے پیغمبروں کو یہی بتانے کے لیے بھیجا اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اب جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اپنے کو استعمال کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اُن کے طریقہ کے خلاف اپنے کو استعمال کرے گا وہ ناکام ہوگا اور اس کی یہ ناکامی پوری طرح آخرت میں ظاہر ہوگی۔ جو انسانوں کے لیے اصلی اور دائمی عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا ہے حاکم، محکوم، امیر، غریب، کالے، گورے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کی تعمیر اور کامیابی ان مختلف طبقات کے جوڑ میں ہے، جوڑ والے طریقے قرآن مجید نے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے کوئی جوڑ پیدا کرنا چاہے تو پیدا نہیں ہو سکتا اللہ والے اعمال میں لگنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جوڑ پیدا کر دیتے ہیں لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (اے محمد آپ ساری

دنیا کے خزانے خرچ کر کے ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، ہم نے اپنی قدرت سے جوڑ دیا ہے)

انسان کا مزاج ہے جو اُس سے فائدہ کھینچے اُس سے کٹتا ہے اور جو اُس کو فائدہ پہنچائے اُس سے جُڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور اس کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ بتایا جس پر چل کر ہر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا بنے کوئی کسی سے فائدہ کھینچنے والا نہ بنے۔ غریبوں کو بتایا کہ مال والوں کے پاس جو کچھ ہو اس سے فائدہ اُٹھانے کا خیال وہ دل سے نکال دیں اور خود اپنی ذات سے ہر غریب و امیر کو فائدہ پہنچانے والے بن جاویں، مثلاً وہ راستہ نہ جانتے ہوں تو خود چل کر اور تکلیف اُٹھا کر ان کو راستہ بتا دیں، میت ہو جائے تو اُس کے اُٹھانے اور دفن وغیرہ میں مدد دیں خود قبر کھودنے میں لگ جائیں، بیمار پڑ جائیں تو عیادت کریں، محض اللہ کے لیے ان کا بوجھ اٹھا دیں اور اگر ان کے پڑے ہوئے پیسے کہیں مل جائیں تو پتہ چلا کر اُن تک پہنچا دیں، کوئی خطرہ ہو تو ان کی حفاظت کریں، پہرہ دیں، راستہ میں اگر ان کی موٹر کہیں پھنس جائے تو نکالنے میں مدد کریں اور ضرورت ہو تو اپنے جھونپڑے میں ان کو ٹھہرائیں اور جو میسر ہو کھلائیں۔ اور جب وہ ان خدمتوں کے عوض میں پیسے دینے لگیں تو کہدیں کہ ہم نے جو کچھ کیا تھا خدا کے راضی کرنے کے لیے اور اُس سے ثواب لینے کے لیے کیا تم سے کچھ لینے کے لیے نہیں کیا تمہارے پیسے تم کو مبارک —— یہ غریبوں کو بتایا گیا —— اور مال والوں کو بتایا گیا کہ اپنے مال کی ہر جنس اور ہر قسم غریبوں پر لگائیں، پیسے بھی خرچ کریں کھانے میں بھی ان کو شریک کریں کپڑے بھی ان کو لا کر دیں۔ اپنی موٹر اور سواری بھی ان کے استعمال کے لیے دیں اور جب اس کے عوض میں غریب اپنی جانی خدمت کے لیے پیش کریں تو یہ مالدار اُن سے کہدیں کہ ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے خدا سے لے لیں گے۔ جب یہ طریقہ چالو ہوگا تو غریبوں سے امیر اور امیروں سے غریب جڑ جائیں گے۔

ایسے ہی حاکموں اور محکوموں کو بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والے بنیں فائدہ کھینچنے والے نہ بنیں۔ حاکموں سے کہا گیا کہ حکومت کے جو اختیارات اور جو وسائل اُن کے پاس ہوں وہ اُن سے محکوموں کو فائدہ پہنچائیں اور اُن کو سہولتیں پہنچانے کی کوشش کریں، ان کی تجارتوں اور زراعتوں میں ان کی مدد کریں، اُن کے لیے قانونی مشکلیں پیدا نہ کریں، اُن سے لینے

اور کھینچنے والے نہیں بلکہ اُن کو دینے والے اور نفع پہنچانے والے بنیں ۔ جب اہل حکومت ایسا کریں گے تو پبلک کے عوام اُن کو بدلنا ہی نہ چاہیں گے الیکشن کے ہنگاموں کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ اسی طرح محکوم عوام سے کہا گیا کہ وہ حکومت والوں سے لینے کی نہ سوچیں بلکہ ان کو اپنے جان و مال سے فائدہ پہنچانے والے بنیں اور اُن کے مسائل میں ان کی مدد کریں اُن کے لیے مشکلات پیدا نہ کریں، اُن سے اگر کوتاہیاں ہوں تو درگزر کریں اور اللہ کے حوالہ کریں۔

الغرض ہر طبقہ کو دوسروں کی نفع رسانی کے طریقہ پر لگایا گیا اور بتایا گیا کہ اپنے جان و مال اور درد و فکر کا زیادہ حصہ دوسروں کے بنانے پر لگاؤ ـــــ یہ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اگر اس پر چلا جائے تو ہر طبقہ کا دوسرے سے پورا جوڑ ہوگا اور ہر کام دیانت داری سے اور ٹھیک ٹھیک ہوگا، کوئی بے ایمانی سے روپیہ اور جائداد پیدا کرنے کی فکر نہیں کرے گا اور اگر اس کے برعکس ذہن فائدہ اُٹھانے کا ہوا تو پھوٹ ہی پھوٹ ہوگی اور لوگوں کی نیتیں خراب ہوں گی۔ پھر یہ ہوگا کہ پچاس لاکھ کے ٹھیکے والے پل پر صرف دس لاکھ کی لاگت لگائی جائے گی جس کی وجہ سے پل کمزور بنے گا، کوئی سڑک ٹھیک نہیں بنے گی، کوئی کام ٹھیک نہ ہوگا ـــــ خوب سمجھ لو لینے والے ذہن سے کوئی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر نفع رسانی اور دوسروں کو دینے والے طریقہ سے ہو سکتی ہے ـــــ اور نفع رسانی کا ذہن جب ہی بن سکتا ہے اور اپنے پاس والی چیز دوسروں پر لگانے کا طریقہ جب ہی چالو ہو سکتا ہے جب یہ یقین دل میں اتر جائے کہ دینے والے تو بس اللہ ہیں، چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور میں جب اس کی رضا کے مطابق استعمال ہونگا تو اللہ میرے سب کام بنا دیں گے اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے ـــــ اس کی مشق نماز میں ہوگی۔

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام چلنے والا نہیں ہے، صحیح ہے! لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے، اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں وہ تو تمہاری بنائی ہوئی ایک نئی چیز ہو جائے گی۔

کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ پہلے شیر کی

دُم بنا رہا ہوں، اس آدمی نے کہا کہ دُم چھوڑ دو بے دُم کے تو بھی شیر کی تصویر بن سکتی ہے، اُس نے دُم چھوڑ دی اور دوسری طرف سے بنانا شروع کیا۔ اب اُس نے کہا کہ اب کیا بنا رہے ہو، اُس نے کہا کہ کان بنا رہا ہوں اُس نے کہا کہ بے کان کے بھی شیر بن سکتا ہے تم کان نہ بناؤ بے کان کا شیر بنا دو ـــــ تو بھائی دوستو! یہی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے تو اسلام کی قطع برید کی جا رہی ہے اور اُس کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا جا رہا ہے اس لیے رب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے مزاج کو اسلام کے مطابق بنا لیا جائے اور یہ جب بنے گا جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ کسی مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا سب اللہ سے ہوتا ہے اور حالات کا بناؤ بگاڑ اور تعمیر و تخریب اور کامیابی ناکامی چیزوں کے ہونے نہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بنانے اور چمکانے کا فیصلہ جب کریں گے جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر آ جاؤں گا ـــــ تو اس راستہ پر چلنے کے لیے خارجی نہیں بلکہ داخلی دولتیں چاہئیں، خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو، خدا کا خوف ہو ـــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے کا یقین ہو ـــــ اِن اندرونی تبدیلیوں کے لیے کچھ کرنا پڑے گا، چیزوں سے کامیابی کا یقین ہٹانے کے لیے اور اللہ سے کامیابی کا یقین جمانے کے لیے کچھ مدت کے لیے چیزوں میں سے نکلنا ہوگا، ایمان کی مجلسوں میں بیٹھکر ایمان کی باتیں سننا سنانا ہوگا، نماز کے فضائل اور اُس کے برکات معلوم کر کے اس یقین کے ساتھ نماز میں لگنا ہوگا۔ کہ ہم خدا میں لگیں گے تو خدا ہم کو نوازیں گے، اسی طرح اذکار و تسبیحات کے فضائل معلوم کر کے اُن کے یقین کے ساتھ اُن میں لگنا ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ اچھے سلوک اور خدمت کی مشق اس یقین کے ساتھ کرنی ہوگی کہ ہم جتنا اچھا سلوک اللہ کے بندوں کے ساتھ کریں گے ویسا ہی اچھا سلوک اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق ہمارے ساتھ کریں گے۔ خاصکر ایمان کی نسبت سے ہر مسلم کے اکرام کی اور اپنے کو حقیر و کمتر سمجھنے کی مشق کرنی ہوگی ـــــ اِن باتوں کی دوسروں کو بھی دعوت اپنی حاجت سمجھکر اس یقین کے ساتھ دینی ہوگی کہ جب میں اللہ کے دوسرے بندوں میں اس کے لیے کوشش اور محنت کروں گا اور اس راستہ میں تکلیفیں اور ذلتیں اُٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے اِن چیزوں سے

محروم نہ رکھیں گے ـــــ اس کی بھی مشق کرنی ہوگی کہ یہ سارے کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوں ـــــ اس طرح کچھ مشق کر لینے سے انشاء اللہ سب طبقوں میں جوڑ کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

امریکہ والوں نے سب کچھ بنالیا لیکن کالوں اور گوروں کو جوڑنے میں وہ بالکل ناکام رہے۔ اس طرح انھوں نے شراب بند کرنے کے لیے کروروں روپیہ خرچ ڈالا اور ساری کوششیں کر لیں لیکن بجائے کمی کے اُس میں اور زیادتی ہوئی، الحمد للہ اس تبلیغ کے عمل سے لاکھوں ایسے آدمیوں کے جرائم چھوٹ گئے جن کا جرائم چھوڑنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

الحمد للہ اس کام میں سارے ہی طبقات لگ رہے ہیں، جو طبقہ اس پر محنت کرے گا اور یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرلے گا اُس سے سب لوگ جڑ جائیں گے، ہم اگر اپنے ہی ساتھ جوڑنا چاہتے تو جوڑنے کی یہ ترکیب آپ کو نہ بتاتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سب اس طریقہ پر کچھ محنت کر لیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے ذریعہ کتنی آسانی سے سب طبقوں کو جوڑتا ہے۔

آج ہر طبقہ میں ہر جگہ جوتا چل رہا ہے اور مسائل بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا علاج صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں ہے ـــــ جو جتنا کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اتنا پالے گا۔

ہم نے اس کام کے لیے کوئی انجمن نہیں بنائی نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر ہے نہ فنڈ ہے۔ یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے، ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علیحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے ـــــ جس طرح مسجد میں نماز کے عمل پر مختلف طبقوں اور مشغلوں والے مسلمان آکر جڑ جاتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں اور مشغلوں میں چلے جاتے ہیں، اس طرح ہم آپ سب سے کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لیے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر یہ محنت اور مشق کر لیجیے اور پھر اپنے گھروں اور مشغلوں میں آکر ان اصولوں کے مطابق لگ جائیے ـــــ آپ نے اگر یہ چیز محنت کرکے حاصل کر لی تو دنیا بھر کے سائنس والے آپ سے یہ طریقہ سیکھنے آئیں گے اور خدا نے چاہا تو آپ دنیا کے امام ہوں گے۔

عہدِ نبوی میں دینی محنت کا نقشہ

دینی محنت کرنے والے امتِ مسلمہ کے رہنما حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطاب

عطیۂ افتخار فریدی صاحب (مرادآباد)

یوں سمجھیے کہ ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے. ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں.

الحمد للہ احباب نے چند مقامات میں تھوڑا تھوڑا اس محنت کو سیکھنا شروع کیا ہے لیکن کسی جگہ کی محنت کامل نہیں ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں ہے. اب اگر ہر جگہ کے محنت کرنے والے یہ سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے جو ہو رہی ہے تو پھر اصل شکل پر کوئی نہیں پہونچ پائے گا.

اب جو انسان بھی محنت شروع کرے وہ یوں سمجھے کہ میری محنت ابتدائی شکل پر ہے اس کو کرتے کرتے اس شکل پر پہونچنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے کی تھی. جب وہ اصل محنت ہے تو انسان اپنی محنت کو اس کے مقابلے میں بالکل ادنیٰ سمجھے. لہٰذا اصل محنت کو سامنے رکھ کر نیت کرے کہ انشاء اللہ مجھے ترقی کر کے انتہا تک پہونچنا ہے.

اب ایک تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے یہ سمجھنا ہے کہ وہ محنت کیا ہے؟

اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی.

تواب محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں۔ حتی کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں اور جب یہ دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہوتی ہے۔ پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائے گی ہدایت پھیلتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح یہ ہے کہ نماز پڑھنے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ روزے زکوٰۃ حج ادا کرنے لگیں تیسرے یہ کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامات شرعیہ کی تعمیل ہونے لگے۔ اس سے آگے یہ ہوتا ہے کہ خدا تمام انسانوں کو ہدایت دینے لگے۔ ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا اور ہدایت محنت کے بقدر آئے گی۔ تو اب ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ دین پر نہیں چل رہے ہیں بلکہ اس سے نکل کر بے دینی میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محنت نکل چکی ہے۔ اب جتنی جہاں کے بندوں نے دین کی محنت شروع کر دی ہے اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کر دی ہے اور بقدر ہدایت کے دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ جہاں نمازی نہیں تھے وہاں کچھ نمازی ہو گئے، جہاں روزے نہیں تھے وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے۔ جہاں حج نہیں تھا وہاں کچھ حج قائم ہو گیا۔ جہاں تعلیم کا رواج نہ تھا وہاں تعلیم ہونے لگی۔ لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے میں اور لین دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔ اب اس محنت میں دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو محنت کرنے والوں کی تعداد بڑھانا، دوسرے یہ محنت جو لوگ کر رہے ہیں ان کا مقدار محنت کی شکلوں میں بڑھنا۔ یہ دو علیحدہ لائنیں ہیں۔ اگر لاکھوں محنت کرنے والے بن جائیں مگر محنت تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت تھوڑی تھوڑی آئے گی۔ اگر خدا ایسی صورت کر دے کہ جو محنت کر رہے ہیں ان کی مقدار محنت بڑھ جائے تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور تمام انسانوں

کو بھی مٹے گی۔

ابھی تک جو ہماری محنت کی نوعیت ہے وہ یہ ہے کہ مشغول لوگ اپنی مشغولیتوں میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس طرح نکال رہے ہیں کہ ان کے دنیوی مشاغل میں فرق نہ پڑے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے دین کے لیے قربانیاں دلوائیں ہیں تو اب محنت کرنے والوں میں جتنی حضورؐ والی قربانی پیدا ہوں گی، محنت کی سطح بلند ہو گی اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی محنت بتلانا چاہتا ہوں جس سے ابھی ہم بہت دور ہیں۔ لیکن اگر اس محنت کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں گے تو خدا وہاں تک پہونچا دیگا تو ہر کام کرنے والے کو محنت کے اس انتہائی نقشہ کو سامنے رکھ کر وہاں تک پہونچنے کی نیت کرنی چاہیے۔ یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ سارے عرب میں مدینہ والوں کی محنت سے دین پھیلا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کا رقبہ چھوٹا نہیں تھا۔ ہندوستان کے برابر نہیں تو اس سے بہت کم بھی نہ تھا اس وقت دنیا میں کمائیوں کے جو طریقے رواج پذیر تھے وہ بھی نہ تھے۔ پورے ملک میں کوئی حکومت قائم نہ تھی جس کے دفاتر وغیرہ کی نوکریوں کے ذریعہ بھی رزق کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس زمانے میں بیت اللہ پر آنے والے حجاج سے بھی وہاں کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حجاج کی مدارات میں ہر ایک کچھ خرچ کرتا تھا۔ لہٰذا حج کا شعبہ بھی اس زمانے میں کمائی کا شعبہ نہیں تھا۔ کھیت اور باغات بھی گویا نہیں تھے، تجارتی نظام بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے علاوہ نہ تھا۔ کہیں کہیں کھجور انگور اور انار کے کچھ باغات تھے۔ چند مقامات تھے جہاں چھوٹے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ غرض کہ پورا عرب عام طور سے ننگا بھوکا پیاسا عرب تھا، نہ سب کے پاس کپڑے تھے نہ مکانات تھے۔ پانی اور کھانا بھی پورے عرب کو نہیں ملتا تھا بھوک کی شدت میں کیڑے مکوڑے بھی کھا جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر پڑا ہوا خون بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے کس جگہ کا ہے چاٹ جاتے تھے۔ اکثر علاقے کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرے ہوئے تھے۔ بادشاہوں تک کی ہمت نہیں تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں، حکومت کرنے کے لیے بھی اخراجات کی ضرورت ہے اس وقت نہ پٹرول تھا نہ سونا، عرب کے کنارے پر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں فوجی نظام رکھتی تھیں کہ عرب ان پر کسی وقت بھی چڑھائی نہ کر دیں۔ ورنہ کوئی نظام حکومت پورے عرب بھر میں نہ تھا۔ تو جس ملک میں نظام چلانے کے لیے حکومتوں تک کی ہمت نہ پڑتی ہو اس ملک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی

یہ جو مقامات تجارت و زراعت کے مراکز تھے وہ سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آگئے سوائے مدینہ پاک کے آدمیوں کے سارے ملک کے خوشحال قبائل مخالف تھے۔ سارا عرب منتظر تھا کہ مکے والے اسلام لائیں تو ہم بھی لائیں اور مکہ والوں نے آپ کی زندگی کے آخری دور تک مقابلہ کیا۔ اب ایسے حالات میں جتنا کام ہوا تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا۔ جہاں بھی کوئی ایمان لاتا اسے مدینہ بلا لیا جاتا۔ تو مدینہ ایسی بستی بن گیا جہاں لوگ خاندان اور برادریاں چھوڑ چھوڑ کر آکر بستے رہے۔ اور جب قوم سے نکل کر آتے تھے تو اپنا مال بھی لے کر نہیں آسکتے تھے۔ مدینہ والوں کو ان کے رہنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔

آنے والوں میں کچھ تو تھے ہی فقیر، کچھ کے روزگار ٹوٹ گئے، کچھ کے اموال مقام والوں نے چھین لیے۔ غرضیکہ مدینہ میں آنے والے سب ہی فقیر بن کر آئے۔ ان فقیروں اور مدینہ کے انصار کو لے کر آپ نے دین کی محنت کا کام شروع کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کاروبار کرنے نہیں روکا گیا جب تک کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں مقامیوں نے سب کی ضروریات مہیا کیں۔ غرض کہ مدینہ میں بسنے والوں پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اور ان کے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کم از کم دس سال تک اپنے کاروبار جمانے یا زیادہ اخراجات مہیا کرنے کے سبب ان کو کہیں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ کمائی والے نظام کا یہی تقاضا تھا انصار پر چونکہ سب آنے والوں کا خرچ بھی پڑ گیا تھا اس لیے کھیتوں اور باغات کے کام میں بھی زیادہ انہماک کی اور زیادہ وقت لگانے کی ضرورت تھی تاکہ آنے والوں کے اخراجات پورے کر سکیں کیونکہ مدینہ کے انصار کے بہت سے گھروں پر کئی کئی خاندان ٹھہرے ہوئے تھے۔ الغرض ان ضرورتوں کے اعتبار سے باہر نکلنے کا بالکل موقع نہیں تھا۔
لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کی بجائے دین کی پوری محنت اسی دس سال میں کی اور کرائی اور دین کی محنت کا ایک ایسا نقشہ قائم کیا کہ انسانی زندگی میں جو تقاضے ہیں گھر والوں کی پرورش، دیکھ بھال، مال و دولت کمانے کا عمل ان دونوں عملوں کو بار بار چھوڑ کر دین کی محنت کے عمل کو آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کو ایسی تربیت دی کہ جس وقت اللہ کے راستے میں نکلنے کو کہا جائے اور جتنوں کو کہا جائے اور جہاں کے لیے کہا جائے سب تقاضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ جن کو مغرب کے وقت نکلنے کو کہا انھیں مدینہ میں سونے نہیں دیا، جس طرح پکے نمازی اذان کی آواز سن کر تمام کام چھوڑ

کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی طرح مدینہ والے خدا کے راستے میں نکلنے کی آواز پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جس وقت اللہ کے راستے میں ایمان و دین کے تقاضوں پر آواز لگتی۔ یہ آواز سودے خریدتے وقت سنیں یا دوکان کھولتے وقت کان میں آئے یا خرید و فروخت کے انتہائی انہماک کے وقت سنی جائے، یہ آواز کھجور کے باغوں میں کھجوروں کے توڑنے کے وقت لگے، نکاح ہونے کے وقت لگے یا رخصتی ہونے کے وقت لگے، عورتوں کے بچہ پیدا ہونے کے وقت لگے، یا بیماری کے وقت لگے یا عزیزوں اور گھر والوں کی موت کے وقت لگے۔ اس کی مشق کرائی تھی کہ جس وقت آواز سنیں سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں جو پاس ہو لے لیں۔ جہاں ضرورت ہو چلے جائیں جتنے وقت کا تقاضا ہو وہاں گزاریں جو جان پر بیتے اسے جھیلیں۔ یہ مزاج بن گیا تھا خدا کے راستے میں نکلنے والوں کا ـــــ مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے ۲۵ سفروں میں آپ خود تشریف لے گئے، کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس نکلے، کسی میں تیس یا چالیس ہزار نکلے، کسی میں تین سو تیرہ نکلے، کسی میں دس، کسی میں پندرہ، کسی میں سات، یا آٹھ نکلے۔ مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے۔ بقیہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں ان میں بھی ہزار نکلے، پانچ اور چھ سو بھی کم و بیش سب طرح کے نکلتے رہے۔ مدت بھی چھ ماہ چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گزارنے کا کتنا وقت پڑا۔ اور سال میں کتنے سفر کیے۔ اگر سب سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کرو گے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئیں گے

اب اس نقل و حرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ اسلام مدینہ میں آکر سیکھو۔ چوں کہ اسلامی زندگی ماحول سے آئے گی۔ اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا، تو باہر نکلنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا، پھر مدینہ والوں کو اپنے لیے بھی علم حاصل کرنے کے لیے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ کے قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لیے وقت مانگا جاتا تھا: تاکہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے اور آنے والوں کو سنبھالا جا سکے جب ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنائی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگالی ایک دن کوئی کسی وقت کوئی کسی وقت، کوئی کما کر پہونچ جاتا۔ کوئی شام کو پہونچتا اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا پھر سوتا۔ کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے۔ اب جو باہر سے جس

وقت پہونچتے آدمی مسجد میں ان کو سنبھالنے کو موجود ملتے، کبھی تعلیم کے حلقہ ہو رہے ہیں، تو آنے والوں کو اس میں بٹھاتے. نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں. ذکر اذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے. اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے. اب دنیاوی ضرورتوں کے لیے کتنا وقت رہ گیا، ہر شخص کا وقت بیرونی نقل وحرکت میں بہت سا لگ گیا اور کافی وقت مدینہ آنے والوں کے سنبھالنے میں لگ گیا. ذرائع آمدنی تو عام حالات سے بھی کم ہو گئے اور اخراجات کئی گنا زیادہ بڑھ گئے. باہر کی نقل وحرکت کا خرچ، اپنا اور گھر والوں کا خرچ. جو دوسرے باہر سے مدینہ میں آئیں تو ان کا خرچ جو مدینہ کے غربا باہر نکل رہے ہیں ان کا سفر خرچ، سواری، لباس، کھانا، باہر والے خوشحال آئیں ان کی بھی دعوتیں کرنا، پھر جن علاقوں میں قحط ہو تو وہ بھی مدینہ پاک آتے ان کی بھی مدد کرنا غرضیکہ خرچ تو نقل وحرکت کے زمانے میں بھی اور قیام کے زمانہ میں بھی بہت بڑھ گیا اور کمائی کی شکلیں ٹوٹ گئیں. نتیجہ یہ ہوا کہ باہر بھی اور مقام پر بھی فاقے جھیلنے پڑے، سردی بھی سہنی پڑی، گرمی بھی برداشت کرنی پڑی، غرض کہ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خاکوں کو چلایا. تو جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے تقاضوں کو کمائیوں اور گھر کے تقاضوں پر مقدم کر دیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اس نقشہ سے خوش ہو کر تمام عرب کی بسنے والی قوموں کو اسلام میں داخل کر دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی قربانی کی برکت سے ان تمام انسانوں کی تربیت ہو گئی جن کی تربیت کی حکومتوں کو بھی ہمت نہیں ہوتی تھی. آپ ایسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے. جب سارا عرب اسلام سے منور ہو چکا تھا اور مدینہ کا ایک ایک گھر مال سے خالی ہو چکا تھا. پھر حق تعالیٰ شانہ نے قیامت تک کے آنے والوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ اسلام ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محنت سے پھیلا ہے. آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اکثر عرب قبائل کو پھر مرتد بنا دیا تاکہ قیامت تک کے آنے والوں کو پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس محنت کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے نقشے درست ہو جائیں گے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا بلکہ ایک دم سب کو خدا کے راستے میں نکال دیا. اسی بھوک اور پیاس میں اسی غم کی حالت میں نکالا۔ یہاں تک کہ تین دن اور تین راتیں مدینہ پر ایسی گزریں کہ ہر وقت حملے کا خطرہ تھا اور مدینہ

پاک بالغ مردوں سے گویا بالکل خالی تھا۔ اکثر تو ملک شام کے رخ پر جیش اسامہ میں بھیجے گئے۔ بقیہ ڈیڑھ سو قریب دیوار میں نکلے ظاہر کے اعتبار سے نکلنے کا موقع بالکل نہ تھا، محض حکم کی تعمیل کے جذبے سے نکل گئے۔ اللہ رب العزت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی، ایک قلیل عرصہ میں سارا عرب اسی نقشہ پر آگیا، ایک عرب گھرانہ بھی اسلام سے باہر نہیں رہا اور اسمیں صرف ایک ماہ لگا، صرف یہی نہیں کہ مسلمان بن گئے" بلکہ ایمان کی پوری محنت پر لوٹ آئے۔

تو اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کے لیے کہا جائے سب مشاغل چھوڑ کر راہِ خدا میں چلا جائے اور جب باہر کے آدمی دین سیکھنے کی لیے اس کے مقام پر آئیں تو یہاں بھی ان کے ساتھ لگ جائے تو اب آپ غور کیجیے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے۔ پوری پوری جان لگانے والا بننا ہے۔

مختصر سی زندگی ہے! اس میں سے تھوڑا سا وقت ضروریات کے لیے کمانے پر لگائیں گے اور بقیہ تمام وقت دین کی محنت پر صرف کریں گے! اب ذہن میں یہ رکھیں کہ چونکہ یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اندرون سے نکلی ہے اس لیے ان کے بدن اور روح کے انوار اس قربانی میں موجود ہیں لہٰذا جتنی یہ قربانیاں کام کرنے والوں میں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے آئیگی۔

دین مالوں سے نہیں پھیلے گا بلکہ دین کی محنت سے کمائیوں کے نقشے میں جو نقصانات اور کمیاں آئیں گی اس قربانی سے پھیلے گا اور جب یہ قربانیاں کمال تک پہونچیں گی تو ان قوموں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملے گی جو آسمان پر اڑ رہی ہیں اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے موافق بنا لے گا! اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے جہاں آپ نے انصار سے ملنے اور ان کی قربانیوں کا صلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بعد دے گا۔ وہ حاصل کر کے دوسروں کو دیں گے اور خود نہ لیں گے ایسا کرنے میں حضورؐ کی جھلک پائی جائیگی کیونکہ آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے۔ اس طرح جو حضرات اپنی جان و مال کی قربانی کریں گے اور دنیا میں کچھ لینا نہیں چاہیں گے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

راہِ خدا میں نکلنے والے قافلوں کے لیے حضرت مولانا محمدؐ یوسف صاحبؒ کی ہدایات

محمد منظور نعمانی

[تبلیغی اجتماعات کا پروگرام عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک دو دن پورے زور و قوت کے ساتھ حاضرین کو اس کی دعوت اور ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ایمان و یقین اور ایمان والے اعمال اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کچھ مدت کے لیے اپنے ماحول اور روزمرہ کے مشاغل سے نکلیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی ان کی دعوت دینے کے لیے ایک خاص پروگرام کے مطابق وہ محنت و مجاہدہ کریں ____ اللہ کے جو بندے اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں اُن کی جماعتیں ترتیب دے دی جاتی ہیں اور اجتماع کے اختتام پر ان کو ہدایات دے کر اور دُعا کر کے رخصت کر دیا جاتا ہے ____ اپریل ۶۲ء میں کلکتہ کے قریب ٹمراہاٹ میں ایک اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا، پہلے دو دن کی دعوت و ترغیب کے نتیجہ میں ایک ہزار سے کچھ اوپر بندگانِ خدا نے اپنے نام لکھائے جن کو قریباً سو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا، آخری دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جماعتوں کو رخصت کرتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ اس عاجز نے اشارات میں قلمبند کر لی تھی۔ وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ مضمون کی حد تک حضرت مولانا مرحوم کا ہے، لیکن الفاظ کے بارہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی]

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا نے فرمایا۔

آفتاب نورانی ہے۔ اس کے اندر نور ہے۔ وہ اپنے اس نور کے ساتھ چکر لگاتا ہے تو دُنیا میں نور پھیلاتا ہے۔ اگر بجائے نورانی کے وہ خود ظلمانی ہوتا اور اس میں نور کے بجائے ظلمت ہوتی تو وہ دنیا میں ظلمت پھیلنے کا ذریعہ بنتا ــــــ آپ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر نکل رہے ہیں اور دور قریب کی دنیا میں پھریں گے۔ اگر آپ میں نور ہوگا تو آپ کے ذریعہ نور پھیلے گا۔ اور اگر آپ کے اندر ظلمت ہوگی تو وہی ظلمت پھیلے گی، اس لیے آپ کو کوشش کرنی ہے کہ آپ کے اندر نور ہو اور آپ خود نورانی بنیں ــــــ کسی انسان کی ذات میں نور نہیں ہے، نور والے اعمال سے انسان میں نور آتا ہے اس لیے آپ لوگوں کو نور والے اعمال کرنے ہیں تاکہ آپ کے اندر نور آئے اور آپ کے ذریعہ نور پھیلے، اور ظلمت والے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ آپ ظلمت پھیلنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

نور والے اعمال وہ محمدی اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے کیے جائیں۔ ان اعمال کو اتنی کثرت سے اور تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ ان کے نورانی رنگ میں رنگ جائیں ــــــ وہ نورانی اعمال یہ ہیں:

(۱) اخلاص کے ساتھ ایمان و یقین حاصل کرنے کی دعوت جو انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

(۲) نماز اور جملہ عبادات جس میں ذکر و تلاوت، دعا و استغفار سب شامل ہیں۔

(۳) علم میں مشغولیت۔ خاص کر وہ علم جس میں انسانوں کے اعمال و افعال کے آخرت میں ظاہر ہونے والے نتائج کا بیان ہو۔ یعنی ترغیب و ترہیب۔

(۴) اچھے اخلاق جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور جن کی آپ نے تعلیم دی۔ جس کا خلاصہ اور حاصل ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

یہ ہیں وہ نورانی اعمال جن کے مسلسل اور کثرت سے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے اور زندگی نورانی بنتی ہے۔ آپ کو انہی اعمال میں مشغول رہتے ہوئے پھرنا ہے۔

یاد رکھیے آپ صرف اپنے گھر، اپنے گھر والوں، اور اپنے خاص ماحول کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ نفس اور شیطان کو چھوڑ کر نہیں جا رہے ہیں۔ یہ دونوں دشمن ہر قدم پہ اور دن رات آپکے ساتھ رہیں گے، آپ کی بری عادتیں بھی آپکے ساتھ جا رہی ہیں، یہ سب چیزیں آپکو ان اعمال کی طرف کھینچیں گی جن سے آپ میں ظلمت آئے اور آپ خدا سے دور اور اس کی رضا سے محروم ہوں، آپ ان دشمنوں کے شر سے صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ سونے کے چھ سات گھنٹوں کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں اپنے کو ان نورانی اعمال میں مشغول رکھیں —— یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلّم میں لگے ہوں۔ یا کوئی خدمت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔ "خانہ خالی را دیو می گیرد"

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جبکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کیے جائیں۔ اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنم میں کھینچ لے جائیں گے —— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور جہنم میں سب سے پہلے انہی کو جھونکا جائے گا، ان میں ایک وہ عالم دین اور عالم قرآن ہوگا جو عمر بھر قرآن سیکھنے سکھانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولت مند سخی ہوگا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا، اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا اور تیسرا شخص ایک شہید ہوگا جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا ——

لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کیے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت و عزت حاصل کرنے کے لیے کیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں. تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لیے نہیں کیے تھے، بلکہ دُنیا میں ناموری اور شہرت کے لیے کیے تھے اور یہ چیز تمھیں دُنیا میں مل چکی، اب تمہارے لیے یہاں کچھ نہیں. اس کے بعد ان کو ان کے انھی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کے جہنم میں پھکوا دیا جائے گا. بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ پہلے وہ جہنمی ہوں گے جن کے لیے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا. والعیاذ باللہ

سوچیے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا. اور ایک دفعہ جب ایک تابعی نے یہی حدیث حضرت ابوہرہ سے سُن کر حضرت معاویہ کے سامنے نقل کی تو حضرت معاویہ اتنے روئے کہ لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ ہو گیا. بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی اور انھوں نے فرمایا.

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ مَنْ کَانَ
یُرِیدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَہَا
نُوَفِّ اِلَیْہِمْ اَعْمَالَہُمْ فِیْہَا وَہُمْ فِیْہَا
لَا یُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ
لَیْسَ لَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْہَا وَبَاطِلٌ
مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا، اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف سے بالکل صحیح ہی فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہے گا، اسکو اسکے اعمال کا پورا نتیجہ دنیا میں ہم دے دینگے اور ان کیلئے اسمیں بالکل کمی نہیں کیجائیگی۔ ان لوگوں کیلئے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا اور جو عمل انھوں نے کیے تھے وہ ضائع جائیں گے اور بے کار و ناکارہ ہوں گے ان کے اعمال۔

بہرحال نورانی اعمال نور پیدا کرنے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ وہ خالصاً اللہ کی رضا کیلئے اور آخرت کیلئے کیے جائیں، اسلیے آپ کو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انھی اعمال میں مشغول رکھنے میں اور دوسری طرف اس کا بھی اہتمام کرنا ہو کہ نیت صحیح رہے. شیطان جب کسی بندہ کو اچھے عمل سے ہٹا نہیں سکتا تو اسکی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہو ـــ اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کیلئے کیے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی.

اور اگر اللہ کی رضا کیلئے وہ اعمال کیے جائیں جو درحقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں تو ان میں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے۔ اس لیے دونوں کوششیں ضروری ہیں۔ ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہمہ دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے اور نیت کی صحت کا اہتمام، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو۔ ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے، اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے۔ سب سے پہلی چیز ہے۔ ایمان و یقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کے لیے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے۔ جن کے اصول و آداب گشت کے لیے نکلنے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کے لیے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا۔ اس لیے سب سے پہلے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شیطان و نفس کے شر سے بچائے، اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفات عالیہ پر نظر رہے۔ نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے، جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کر کے ان کے پاس سے اٹھ آنا چاہیے، اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہیے اور وقت فارغ کرنے کے لیے بھی کہنا چاہیے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر دیا جائے۔ عمومی گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے۔ اور ان کے سامنے ایمان و یقین، نماز، ذکر اللہ، علم دین، اخلاق اور دینی جدوجہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے۔ پھر تشکیل کر کے سلسلہ

نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کیے ہیں اور نام لکھائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گزرے ـــ جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کرسکیں ان کو مقامی گشت مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔ اور ان کاموں کا نظام بنادیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہی مقلب القلوب ہے وہی جس کو چاہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے۔ اور جس کے لیے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہو۔ جب تعلیم کیلئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں، دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول کیا جائے۔ یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں آدمی یا قیام میں ہوتا ہے، یا رکوع میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں اسی طرح اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم اور تعلم میں، یا ذکر عبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں ـــــ یہ چار کام اس پورے زمانے میں بطور اصل مقصد کے کیے جائیں گے اور اتنے کیے جائیں گے کہ یہی عادت و مزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کیے جائیں گے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو، جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور ان کے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں۔ انفرادی دعوت، انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہوگی جو جماعتی پروگرام کے

کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے. مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ کا نہیں ہے. ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے. اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جا کر دعوتِ ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونہ میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی.

بہرحال اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کیے جائیں، اور حاجاتِ بشری کے علاوہ اپنے کل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں تب ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا اور پھر انشاء اللہ وہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا.

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کیے جائیں گے اور صرف بقدرِ ضرورت ہی کیے جائیں گے. وہ چار یہ ہیں.

۱. کھانا پینا ۲. قضاءِ حاجت ۳. سونا ۴. باہم بات چیت کرنا.

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو. سونے کے لیے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں.

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے.

۱. کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے. یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے. ۲. اشراف سے بھی بچا جائے. اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے. لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو. ۳. اسراف سے بچا جائے. اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے، لیکن اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی. ۴. بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے. بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہنچتی ہے. اور شرعاً یہ قطعاً حرام ہے. ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں.

بس یہ ہیں ضروری باتیں جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کے لیے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے ۲۴ گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گزرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے اور عام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں۔ بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

دُعا

جن لوگوں نے حضرت مولانا مرحوم کو دُعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہیں سُنا وہ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دُعا میں یہ حال بھی ہوتا ہے اور کوئی اس طرح مجسّم دُعا بن کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا اُن میں سے ایک عظیم ترین نعمت حقیقتِ دعا تھی ——— ہماری بڑی آرزو تھی کہ اللہ کے کسی بندہ نے کسی اجتماع میں مولانا کی دعا کو لفظ بلفظ لکھا ہو اور وہ ہم کو مل جائے لیکن اس کی امید اس لیے نہ تھی کہ اُن کی دعا کے وقت ہر شخص اپنے امکان کی حد تک ظاہر و باطن سے ان کی دعا میں شریک ہونا چاہتا تھا اس لیے جو حضرات تقریروں کا لفظ لفظ لکھنا چاہتے تھے وہ دعا کا ایک لفظ بھی نہیں لکھتے تھے ——— لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ مرادآباد کے آخری اجتماع میں آپ کی دعا کے وقت ایک صاحب نے خفیہ طور پر رکارڈ مشین لگا کر آپ کی دعا رکارڈ کر لی تھی، اُس کی مدد سے آپ کی دعا لفظ بلفظ قلمبند کر لی گئی اور وہ بالکل حضرت مولانا مرحوم کے الفاظ میں ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرادآباد کے ان احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس کو اہتمام اور محنت سے قلمبند کر کے مرحمت فرمایا۔ دعا میں جو الفاظ مکرر سہ کرر ہیں وہ اصل دعا میں اسی طرح تھے۔ (درود شریف کے بعد باجہر دعا اس طرح شروع فرمائی)

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم، الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم وعنت الوجوہ للحی القیوم لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین، یا احد الصمد الذی لم یلد ولم یولد

ولم یکن لہ کفواً احد، یا ارحم الرحمٰن، یا ارحم الراحمین، یا ذا الجلال والاکرام یا ربنا یاسیدنا یا مولٰنا و یا غایۃ رغبتنا / یا خالق انفسنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ ربنا اغفر لنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔ اللّٰھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واھدنا الی سواء السبیل، اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ، اللّٰھم ارزقنا حبک وحب رسولک وحب من ینفعنا حبہ عندک والعمل الذی یبلغنا حبک اللّٰھم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی۔ اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاً وانت تجعل الحزن سھلاً اذا شئت لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم الحمد للّٰہ رب العٰلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والعصمۃ من کل ذنب والغنیمۃ من کل برٍ والسلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنباً الا غفرتہ ولا ھماً الا فرجتہ ولا کرباً الا نفستہ ولا ضرا الا کشفتہ ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔ الیک رب فحببنا وفی انفسنا فذللنا وفی اعین الناس فعظمنا ومن سیئ الاخلاق فجنبنا وعلی صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا اللّٰھم انصرنا ولا تنصر علینا اللّٰھم اکرمنا ولا تھنا اللّٰھم آثرنا ولا تؤثر علینا اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا اللّٰھم امکر لنا ولا تمکر علینا اللّٰھم ارحمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا اللّٰھم اشرح صدورنا للاسلام اللّٰھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان، اللّٰھم اجعلنا من الراشدین المھدیین اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء

والصالحين وحسن اولئك رفيقا - اللهم اهد امة محمد صلى الله عليه وسلم اللهم علمهم الكتاب
والحكمة اللهم الهمهم مراشد امورهم، اللهم اجعلهم دعاة اليك والى رسولك اللهم
ثبتهم على ملة رسولك اللهم اوزعهم ان يشكروا نعمتك التي انعمت عليهم وان يوفوا
بعهدك الذي عاهدتهم عليه اللهم انصرهم على عدوك وعدوهم اله الحق امين
اللهم اهد هذه البلدة اللهم اهد هذا الملك اللهم اهد هذه الحكومة اللهم اهد الناس
جميعا اللهم اهد الناس جميعا اللهم اهد الناس جميعا - اللهم عليك بصناديد اليهود والنصارى
والمشركين اللهم عليك باشداءهم على الاسلام والمسلمين اللهم اقطع دابرهم اللهم خذ ملكهم
واموالهم اللهم فل اسلحتهم اللهم اهلكهم كما اهلكت عادا وثمود اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر
اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه
وسلم من جزيرة العرب - اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا
محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب - اللهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من
جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب - اللهم اخرج اليهود والنصارى
والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب - اللهم
اخرج اليهودية والنصرانية والمجوسية والشيوعية والشرك عن قلوب المسلمين يا
مالك الملك توتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء
بيدك الخير انك على كل شيء قدير اللهم ايد المسلمين فى مشارق الارض ومغاربها
بالامام العادل والخير والطاعات واتباع سنن سيد الموجودات اللهم وفقهم لما تحب
وترضى واجعل آخرتهم خيرا من الاولى - اللهم انصر الاسلام والمسلمين فى مشارق الارض
ومغاربها اللهم اعز الاسلام والمسلمين فى العرب والعجم اللهم اعل كلمة الاسلام
والمسلمين فى المملكة الهندية وغيرها من الممالك الملحقة اللهم ربنا آتنا فى الدنيا
حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار اللهم انا نسئلك العفو والعافية والفوز
فى الدنيا والآخرة اللهم احسن عاقبتنا فى الامور كلها واجرنا من خزى الدنيا وعذاب
الآخرة اللهم ارحمنا بترك المعاصى ابدا ما ابقيتنا اللهم اعنا على تلاوة القرآن وذكرك

وشکرک وحسن عبادتک اللّٰھم جنبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن اللّٰھم جنبنا واولادنا و احبابنا واقاربنا وجمیع المبلغین والمعلمین والمتعلمین عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وجنبنا الحرام حیث کان واین کان وعند من کان وحل بیننا وبین اھلہ۔ اللّٰھم انا نسئلک من خیر ما سئلک منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونعوذ بک من شر ما استعاذک منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انا نسئلک رضاک والجنۃ اللّٰھم انا نسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من القول والعمل۔ اللّٰھم انا نعوذ بک من عذاب جھنم ونعوذ بک من عذاب قبر ونعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال۔ ونعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال و نعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال ونعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات ونعوذ بک من المأثم والمغرم ونعوذ بک من ان نموت فی سبیلک مدبرا اللّٰھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیہ السلام اللّٰھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیہ السلام اللّٰھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیہ السلام اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید اللّٰھم نصرا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللّٰھم نصرا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللّٰھم نصرا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللّٰھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما یا اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہم قصوروار ہیں ہم خطاکار ہیں ہم گنہ گار ہیں ہم مجرم ہیں۔ ہماری ساری زندگی خواہشات کی اتباع میں گذر گئی اے خداوند قدوس ہم دنیا کو سامنے رکھ کر اس سے متاثر ہوئے اور اسی کے یقین میں جذب ہو گئے اور اسی کے طالب بن گئے اور اسی کے اندر اپنی ساری صلاحیتوں کو ہم نے ضائع کر دیا۔ اے خدا ہماری محنت کے بگڑ جانے کے اس جرم عظیم کو معاف فرما جس جرم عظیم سے ہزاروں خرابیاں ہم میں پیدا ہو گئیں اور ہزاروں ہمارے اندر کی دولتیں لٹیں اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا جرم عظیم ہے ساری اُمت کے اس جرم عظیم کو معاف فرما اے خدا ساری اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرم کو معاف فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس محنت پر ڈال کر گئے اس محنت کو چھوڑ کر ان محنتوں میں الجھ گئے جن محنتوں سے

نکال کردہ گئے تھے اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ معاف فرما اور اس محنت کو چھوڑ دینے کی بنا پر پھر جتنے جرائم میں ہم مبتلا ہوئے ایک ایک جرم کو اپنے کرم سے معاف فرما اور ایک ایک عصیاں کو معاف فرما ایک ایک گناہ کو معاف فرما اے اللہ کمائیوں کی لائن کی ہماری عصیاں اور خرچ کی لائن کی ہماری عصیاں اور معاشرت کی لائن کی ہماری عصیاں اے اللہ ہر لائن میں ہم عصیاں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اے اللہ نکلنے کی ہمارے لیے کوئی صورت نہیں ڈوبا ہوا خود کہاں نکل سکتا ہے جو ڈوبا نہیں ہے وہی نکال سکتا ہے، اے خدا ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں اور تو ہی نکالنے والا ہے، اے اللہ عصیاں کے دریاؤں میں سے ہم کو نکال لے اپنے فضل سے نکال دے اپنے کرم سے نکال دے اے کریم نافرمانیوں کے دریاؤں میں سے اپنے کرم سے نکال دے اے اللہ اپنی رحمت کی رسی ڈال اور ہمیں کھینچ لے اور ہمیں عصیاں کی دریاؤں میں سے نکال دے اور ہمیں طاعت کی سڑکوں پر ڈال دے اے اللہ ہمیں قربانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہونچا دے۔ اے اللہ ہمیں دین کی محنت کے لیے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لیے قبول فرما۔ اور اے اللہ سو فیصد اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لیے قبول فرما لے۔ علم کی محنت کے لیے ایمان کی محنت کے لیے عبادت کی محنت کے لیے ذکر کی محنت کے لیے اخلاق کی محنت کے لیے، نمازوں کی محنت کے لیے حج کی محنت کے لیے روزوں کی محنت کے لیے زکوٰۃ کی محنت کے لیے ان سارے فرائض و عبادات کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے پر آ جانے کے لیے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق و محنت نصیب فرما دے۔ اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما، کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما اور کمائی کے اعمال صالحہ کو زندہ فرما، گھر کی زندگیوں کی بدعملیوں کو دور فرما اور اعمال صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما، معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما۔ اے اللہ عدل و انصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما، اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرما دے اور بُرے اعمال سے ہم کو نکال دے، اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ و نماز پر محنت کی صورت پیدا فرما دی اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہونے کی اور کہنے سننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی۔ اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرما کر اس کام کے کہنے سننے کا رخ پیدا فرما دیا۔ اور اس کی کام کی نقل و حرکت کا رخ پیدا فرما دیا اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرما لے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کر نقل و حرکت تجھے پسند آ جائے تو ہی اپنے کرم سے اس ترتیب کی اور نقل و حرکت کی تربیت فرما تو ہی مربی ہے

تو ہی تربیت کرنے والا ہے تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک وصاف کرنے والا ہے، اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما (بہت ہی رقت کے ساتھ) اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما، ہم سب کو یقین نصیب فرما ہم سب کو اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما، یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرما دے اور اس محنت کے لیے ہمارے اندر وہ جذبات پیدا فرما دے! اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ یہ منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا انسان تیرا دوست بن جاتا ہے اور جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے! اے اللہ جس کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو تکمیل کو پہونچا دے"، اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، ملک ومال کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، اقتدار کی ہوس ان کے دلوں سے نکال دے، دنیا کے نقشے کے بارے میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرما دے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما، قناعت کی دولت ان کو نصیب فرما. اے اللہ صبر واخلاص، مجاہدے کی طاقت ان کو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگا جاتا ہے اور تیرے صفات اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہونچ جاتا ہے اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت ہم سب کو نصیب فرما۔ اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کے پوری دنیا میں آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دیدے اے اللہ سارے انسانوں کے لیے اور سارے ملکوں کے لیے اور سارے مسلمانوں کے لیے ہدایت ملنے کا سبب اس کو قرار دیدے، سارے زمانوں قوموں ملکوں میں اس محنت کے پہونچنے کے لیے قبول فرمالے! اور یا اللہ ہدایت عام فرما، ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں کو ان کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور ان سے تعلق ومحنت رکھنے والوں کو اس ہدایت میں سے نصیب فرما جو تو مجاہدین کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی اور تو نے انبیاء، سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت و قربانی عطا فرمائی تھی، اے اللہ اس ہدایت سے ہم سب کو کچھ پورا حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھر دے اور ان خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھر دے اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لیے فرما دے یا اللہ پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انھیں ضلالت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں سے

(۱) یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

انھیں چھوڑا دے اور جو انھیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں کی طرف ان کو منتقل کر دے، اے خدا اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاری مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑا دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پر ان کو کھڑا کر دے، اے اللہ ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، ان کو ایمان کی قوت نصیب فرما، ان کو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما، اسلام کی دولت ان کے سینوں میں اتار دے اور اپنا ذکر ان کے دلوں کو نصیب فرما دے اور دنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علم دین سیکھنے کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت نصیب فرما، عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما، اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما، اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو یہاں کی اقلیت و اکثریت کو، اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما! اے اللہ درندوں کی اور اژدہوں کی قسم سے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جن کو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں اے خدا ایسے ایسوں کو چن چن کر ہلاک فرما، ایسوں کو زمینوں کو اس کے لیے پھاڑ دے ایسوں کے مکانوں کو ان پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی چھین لے، ایسی عبرت ناک سزائیں عطا فرما کہ دنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اس کی صورتوں کو اس طرح بدلتا ہے اے خدا ظالم ترین مفسد ترین انسانوں کو چن چن کر ہلاک فرما، جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے ان کو ہدایت نصیب فرما، اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں اور ملکوں کے ضلالت و فساد ختم ہو جائیں اے اللہ اس کو چن چن کر ہلاک فرما دے اے خدا لوٹ و کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر، ظلم و ستم کے ماحول کو ختم کر، عدل و انصاف کے ماحول کو قائم کر، علم و ذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمت خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون و ہمدردی و محبت کے ماحول کو قائم کر، اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کے قرضوں کی ادائگی فرما ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطا فرما، جو آنکھ کے بیمار ہیں ان کو آنکھ کی شفا عطا فرما، اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں ان کو معدے کی شفا عطا فرما، اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسے میں ہم سے دعاؤں کے لیے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم سے دعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ دعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پورا فرما اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما اے اللہ اس جلسے کو سارے ہی انسانوں کے لیے اور سارے ہی مسلمانوں کے لیے اس جلسے کو انتہائی باعث خیر و برکت باعث رشد و ہدایت، باعث لطف و رحمت اور باعث فلاح و فوز اپنے لطف و کرم سے فرما ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔ ان نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما۔ آمین

دوسرے اداروں کی قابل مطالعہ کتابیں

قرآن پاک سے متعلق

درس قرآن

قرآن پاک کی عام فہم تفسیر ایک ایک صفحہ کے درس کی شکل میں مع ترجمہ تحت اللفظ و بامحاورہ ۴ جلدیں تیار ہو چکی ہیں جلد اول (منزل اول) مجلد -/۱۰ جلد دوم (منزل دوم) مجلد -/۱۰ جلد سوم (منزل سوم) مجلد -/۸ جلد چہارم (منزل چہارم) مجلد -/۸
ہر گھر میں رہنے کے قابل۔ شائع کردہ ادارہ اصلاح و تبلیغ، لاہور۔

قصص القرآن

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم
قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور انکی قوموں کے جو عبرت آموز واقعات بیان ہوئے ہیں علمی تاریخی اور جغرافیائی مباحث کے ساتھ انکی پوری تحقیق۔ مکمل چار جلدوں میں جلد اول -/۸ جلد دوم -/۴ جلد سوم -/۵۰ جلد چہارم -/۸ مجلد کے لیے فی جلد -/۱ کا اضافہ

قرآنی شخصیتیں

از مولانا عبدالماجد دریابادی
قرآن مجید میں جن شخصیتوں کے نام آئے ہیں انکا مختصر تحقیقی تعارف -/۱۵

حیوانات قرآنی

از، مولانا دریابادی۔ قرآن پاک میں مذکورہ حیوانات کا تذکرہ اور ضروری معلومات۔ -/۲

جغرافیہ قرآنی

قرآن مجید میں مذکور مقامات و بلاد کا جغرافیائی تعارف قیمت -/۲۵

بشریت انبیاء

قرآن مجید سے بشریت انبیاء ؑ کا قابل دید اثبات۔ از مولنا دریابادی
قیمت ۲/۲۵

قصص و مسائل

از۔ مولنا دریابادی۔ قیمت -/۲

فہم قرآن

از مولنا سعید احمد اکبر آبادی جمیں مدلل طور سے بتایا گیا ہے کہ بغیر حدیث کے قرآن پاک کو نہیں سمجھا جا سکتا۔
قیمت ۲/۲۵

وحی الٰہی۔ از مولنا اکبر آبادی قیمت -/۲

قرآن اور تعمیر سیرت

از۔ ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی، ایچ، ڈی جدید تعلیمیافتہ حضرات ضرور مطالعہ کریں۔ مجلد -/۲ غیر مجلد -/۵

قرآن اور تصوف

از۔ ڈاکٹر ولی الدین۔ قیمت -/۳

لغات القرآن اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ و لغات کی مفصل تشریح۔ جلد اول -/۵ دوم -/۵ سوم -/۵ ۱/۲ چہارم -/۵ (مجلد کے لئے فی جلد ایک روپیہ اضافہ)

الفوز الکبیر اصول تفسیر پر شاہ ولی اللہ کے بے نظیر محققانہ رسالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۱

حدیث پاک سے متعلق

بخاری شریف کامل (اردو)

تین جلدوں میں۔ مجلد -/۲۵

زبدۃ البخاری

اسانید اور تکررات حذف کر کے بخاری شریف کی احادیث کا ترجمہ -/۳

ترمذی شریف (اردو)

دو جلدوں میں۔ مجلد -/۱۶

مشکوٰۃ شریف (اردو)

دو جلدوں میں۔ مجلد -/۱۶

موطا امام مالک

(اردو ترجمہ مع متن عربی)
متداول کتابوں میں یہ حدیث نبوی کا سب سے قدیم مستند مجموعہ ہے
قیمت۔ مجلد -/۸

انتخاب صحاح ستہ

(اردو ترجمہ مع متن عربی) قیمت -/۵

مشارق الانوار بخاری و مسلم کی ۲۲۰۲ قولی احادیث، اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ از مولنا خرم علی صاحب مجلد -/۳

حصن حصین

(عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مستند و مقبول دعاؤں کا مجموعہ۔ مجلد -/۸

مختصر شعب الایمان

از امام بیہقی۔ ترجمہ اردو قیمت -/۱

بستان المحدثین

کتب حدیث کا تعارف اور آئمہ حدیث کا تذکرہ۔ از شاہ عبدالعزیز صاحب۔ قابل دید کتاب ہے۔ مجلد -/۵

شرح شمائل ترمذی

از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا بلحاظ علمی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ بڑی پُر تاثیر کتاب ہے۔ قیمت -/۶

ترجمان السنہ

از حضرت مولانا بدر عالم صاحب مقیم مدینہ طیبہ اردو میں حدیث کی نہایت محققانہ شرح ہے ابھی صرف ۳ جلدیں تیار ہوئی ہیں جلد اول -/۱۰ جلد دوم -/۹ جلد سوم -/۵۰ مجلد کے لئے فی جلد -/۲ کا اضافہ

تدوین حدیث

از مولنا سید مناظر احسن گیلانی ؒ
تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ حدیث نبوی کا جو ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقہ پر پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں ہے۔ قیمت مجلد -/۶ ۵۰

لغات الحدیث (اردو)

مشہور خادم حدیث مولنا وحید الزماں صاحب کی مرتب کردہ لغات حدیث جو اپنے موضوع پر اساتذہ اور طلبہ کیلئے بالکل کافی وافی ہے۔ چھ ضخیم جلدوں میں۔ قیمت مکمل -/۲۰

مختصر خصائل نبوی

قیمت -/۱

تاریخ و سیرت

رحمۃ للعالمین (کامل) ۳ جلد

از قاضی سلیمان منصور پوری ؒ
سیرت پر بے نظیر مقبول اور تحسین آفرین
کتاب جو تعارف سے بے نیاز ہو۔
قیمت کامل -/۲۰

اسلام (آغاز و ارتقا)

(از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ؒ) قیمت ۶/-

اصح السیر

مولانا عبدالرؤف دانا پوری مرحوم
کی تالیف کردہ نہایت محققانہ اور
مستند سیرت نبوی۔ قیمت -/۱۰

خطبات مدراس

حیات نبوی کے مختلف پہلوؤں
پر علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات
جو مرحوم کی علم و تحقیق کا نچوڑ
ہیں ــــ قیمت -/۳

رحمت عالم

از مولانا سید سلیمان ندوی ؒ
یہ کتاب خاص طور سے مدارس
اور اسکولوں کے طلبہ کیلئے لکھی گئی
تھی ــــ قیمت ۵/۷۵

سیرت محمدیہ

از سر سید احمد خاں مرحوم
صوبہ یوپی کے ایک گورنر ولیم میور
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک
کتاب لائف آف محمد لکھی تھی جو
زہر افشانیوں اور افترا پردازیوں
سے لبریز تھی۔ سرسید مرحوم نے لندن
میں بیٹھ کر اسکے جواب میں سیرت محمدیہ
لکھی۔ تاریخی اور معرکۃ الآرا کتاب ہے
قیمت مجلد -/۱۳

زاد المعاد (اردو)

از حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
طیبہ پر جو کتابیں گزشتہ صدیوں
میں لکھی گئی ہیں ان میں علم و تحقیق
کے لحاظ سے زاد المعاد کا خاص
مقام ہے یہ ۴ جلدوں میں ہے اس کا
اردو ترجمہ اردو داں طبقہ کے لئے
بڑی نعمت ہے۔ ترجمہ بھی ۴ جلدوں
میں ہے۔ قیمت مکمل مجلد -/۴۸

ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم

از ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔
ترجمہ۔ از شاہ حسن عطا ایم اے
حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا زمانہ
خلافت درحقیقت عہد نبوی کا تتمہ تھا
ان ۱۲ سالوں میں وہ ہوا جس نے
دنیا کا رخ بدل دیا، اور جو بلاشبہ
تاریخ انسانی کا ایک معجزہ ہے پوری
تفصیل اس کتاب میں لکھی جا چکی
ہے۔ قیمت مجلد ۶/۷۵

صدیق اکبر

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
مولانا شبلی مرحوم کے "الفاروق"
کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبر
کا جو خلا محسوس ہوتا تھا اسکو اس
کتاب نے کما حقہ پر کر دیا ہے ندوۃ المصنفین
کی شائع کردہ ہے۔ قیمت -/۷

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط

بڑی فاضلانہ قابل مطالعہ
کتاب ہے۔
قیمت ــــ -/۵

فاتح خیبر

از رئیس احمد جعفری ندوی
قیمت مجلد ۵/۵۰

تاریخ مصر

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص ؓ
کی شخصیت اسلام لانے سے پہلے بھی
اور بعد میں بھی سیاسی تدبیر و کردار
کے لحاظ سے بہت ممتاز تھی، وہ
کامیاب ترین جنگی قائد اور غیر معمولی
قسم کے سیاستدان تھے۔ انکی مفصل
سوانح مصر کے ایک فاضل استاد
محمد فرج نے لکھی ہے اس کا کامیاب
اردو ترجمہ شیخ محمد احمد نے کیا ہے۔
قیمت ۵/۷۵

تاریخ اسلام

(مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)
کامل تین حصوں میں
حصہ اول۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ
حصہ دوم۔ بنو امیہ و بنو عباس کا عہد
حصہ سوم۔ اندلس، دولت معاویہ، سلجوقیہ، عثمانیہ، خوارزم شاہیہ
اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں
کے تفصیلی حالات جو اپنے اندر بڑی عبرتیں
اور بصیرتیں لئے ہوئے ہیں۔
قیمت مکمل ہر سہ حصہ -/۳۶

تاریخ ملت

شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی
عہد رسالت سے سلاطین ہند تک
گیارہ حصوں میں
قیمت ــ مکمل ــ سٹ
غیر مجلد ۳۱/۵۰ مجلد -/۴۲

ترجمہ تاریخ الخلفاء (سیوطی)

خلافت راشدہ سے مصر کے فاطمی
خلفاء تک کی تاریخ۔ قیمت -/۱۲

خلافت بنو امیہ

امام ابن الاثیر جزری کی تاریخ کامل
اردو ترجمہ از سید ہاشم ندوی خلافت
بنو امیہ کے بارہ میں سوچنے والوں کے
لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے دور بنی
امیہ کا سارا سیاہ و سفید آپ کو اس
میں ملے گا۔ حصہ اول ۴۱ھ سے ۷۴ھ
تک۔ قیمت ۹/۷۵ حصہ دوم ۷۴ھ
سے ۱۳۲ھ تک۔ قیمت ۱۰/۷۵

فتوح البلدان (اردو)

احمد بن یحییٰ البلاذری متوفی ۲۷۹ھ
کی فتوح البلدان تاریخ اسلام
کی قدیم مستند کتابوں میں ہے اردو ترجمہ
از سید ابوالخیر مودودی۔ قیمت -/۱۵

تاریخ فاطمیین مصر

از ڈاکٹر زاہد علی (آکسفورڈ) مصنف
نے یہ کتاب خود فاطمی مصنفین کی قلمی
کتابوں سے اخذ کرکے لکھی ہے۔
حصہ اول ۵/۵۰ حصہ دوم ۸/۷۵

تاریخ فیروز شاہی

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستانی
بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی مکمل
سوانح حیات اور اسکے پرشکوہ عہد
حکومت (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) کا
قابل اعتماد تذکرہ جو اسی دور کے
ایک مصنف نے قلمبند کیا۔
(اردو ترجمہ)
قیمت ــــ ۸/۷۵

خلفائے راشدین اور اہلبیت کے باہمی تعلقات

مترجمہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

قیمت ۵، ۱/

دعوت اسلام

مصنفہ سر ٹھامس ارنلڈ

ترجمہ از مولوی عنایت اللہ دہلوی سر ٹھامس علامہ اقبال کے استاد تھے ان کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا یہ ترجمہ سر سید احمد خاں مرحوم نے کرایا تھا۔ پڑھنے کے قابل کتاب ہے ۹/

تاریخ فلاسفۃ الاسلام

تصنیف محمد لطفی جمعہ

ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی کندی، فارابی، بوعلی سینا، امام غزالی ابن ارشد ابن خلدون جیسے فلاسفۂ اسلام کے حالات اور انکے خاص افکار و نظریات اور دنیا پر انکے اثرات قیمت ۷۵، ۶/

ہزار سال پہلے

از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سیاحوں نے جو کچھ اپنے سفرناموں اور تالیفات میں لکھا مولانا گیلانی مرحوم کے ذہن رسا نے ان سے اخذ کرکے یہ مرقع مرتب کیا تھا۔ قیمت۔ ۲۵، ۴/

البرامکہ

مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری ۱۲/

نظام الملک طوسی

قیمت -/۱۲

حیات انور

سوانح حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ — قیمت -/۴

مغلیہ دورِ حکومت

چار حصوں میں

یعنی خافی خان نظام الملک کی "منتخب اللباب" کا اردو ترجمہ

از محمود احمد فاروقی

حصۂ اول۔ بابر سے جہانگیر تک ۷۵، ۶/

حصۂ دوم۔ دور شاہجہانی ۲۵، ۸/

حصۂ سوم۔ دور عالمگیری -/۱۱

حصۂ چہارم۔ شاہ عالم سے محمد شاہ تک -/۱۱

اقبال نامہ جہانگیری

جہانگیر کے دورِ حکومت کی مکمل تصویر۔ تصنیف معتمد خاں بخشی ترجمہ محمد زکریا مائل۔ قیمت مجلد ۷۵، ۶/

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب

مصنفہ ڈاکٹر برنیر (فرانسیسی)

ترجمہ خلیفہ محمد حسین۔ قیمت -/۱۲

مآثر عالمگیری

اس کا مصنف ساقی خاں وقائع نگار کی حیثیت سے زندگی بھر اورنگ زیبؒ کے ساتھ رہا۔ اسکے مطالعہ سے حیات عالمگیری کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے

ترجمہ۔ مولوی فدا علی طالب قیمت ۷۵، ۹/

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات

از۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

قیمت مجلد -/۹ غیر مجلد -/۸

سفینۃ الاولیاء

از۔ دارا شکوہ، ترجمہ اردو۔ ۷۵، ۶/

مقدمہ ابن خلدون

فلسفۂ تاریخ پر عدیم النظیر کتاب اردو ترجمہ متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے مزین۔ قیمت -/۱۵

تاریخ غرناطہ

یہ کتاب لسان الدین محمد الخطیب الغرناطی کی کتاب "الاحاطہ فی اخبار غرناطہ" کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ یہ ایک شہر کی ایک سلطنت کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ایک دور کی اور اسکے پورے تمدن کی تاریخ بھی ہے۔ ترجمہ از حکیم احمد اللہ ندوی۔ قیمت -/۱۱

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر

اندلس میں اسلامی حکومت کی صبح درخشاں طارق اور موسیٰ ابن نصیر سے طلوع ہوئی تو عبدالرحمٰن الناصر اس صبح کا نصف النہار تھا۔ ۵۰، ۵/

سفرنامہ ابن بطوطہ

ترجمہ، رئیس احمد جعفری۔ ابن بطوطہ نے جب دنیا کی سیاحت کے لئے کمر ہمت باندھی تو وہ ۲۵ سال کا نوجوان تھا اور جب یہ سیاحت ختم کی تو ۵۰ سال کا بوڑھا ہوچکا تھا۔ محمد تغلق کے زمانہ میں وہ ہندوستان بھی آیا اور اس کا سفیر بن کر چین بھی گیا — ہر تعلیمیافتہ کو یہ سفرنامہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔ ترجمہ کی تہذیب و ترتیب نے اس کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ قیمت -/۱۵

آئینۂ حقیقت نما

از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ انگریزوں نے سیاسی اغراض کے تحت مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کی جو داستانیں تاریخ کا جز بنا دی تھیں جنھوں نے ہندوؤں کو آج تک مسلمانوں کا دشمن بنا رکھا ہے مولانا نے اس کتاب میں ان سب کا پردہ چاک کیا ہے -/۱۲

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی

(از، مولانا گیلانیؒ)

قیمت مجلد -/۱۲

سیرۃ النعمان

(از، علامہ شبلی نعمانیؒ)

قیمت مجلد -/۴ غیر مجلد -/۳

امام اعظم ابوحنیفہؒ

از، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

قیمت ۷۵، ۱/

تاریخ دعوت و عزیمت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشہور کتاب جو مجددین و مصلحین امت کے تذکروں پر مشتمل ہے جلد اول پہلی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات جلد سوم حضرت نظام الدین اولیاء و خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی تفصیل میں قیمت جلد اول -/۹ جلد دوم ۵۰، ۶/ جلد سوم -/۸

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

از پروفیسر خلیق نظامی۔ مجلد -/۷

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ

قیمت ۵۰، ۱/

تذکرۃ الرشید (کامل ۲ جلد)

از مولنا عاشق الٰہی میرٹھی۔ قیمت -/۸

سوانح قاسمی (کامل ۳ جلد)

از مولنا گیلانیؒ۔ قیمت -/۱۵

تذکرہ شیخ الہندؒ

از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری قیمت ۵۰، ۲/

مختلف موضوعات پر مختلف اداروں کی مطبوعات

حدیث نبویؐ

الادب المفرد (ترجمہ اردو)
امام بخاریؒ کا مرتب کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کا قابل دید مجموعہ ۱۲/-

کتاب الآثار (مترجم اردو) ۸/-

موضوعات کبیر۔ موضوع حدیثوں کے بیان میں ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ۸/-

فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ
حدیث سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ ۱۵/-

فتاویٰ

فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ کامل ۱۵/-

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل
مرتبہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ، ۱۲ ضخیم جلدوں میں۔
قیمت کامل مجلد ۳۰/-

فتاویٰ رشیدیہ کامل ۸/-

تصوف

الرسائل القشیریہ (عربی) ۱۰/-

عبقات (عربی) از شاہ اسمٰعیل شہیدؒ
قیمت ۲/۵۰

ترجمہ عبقات (اردو) از مولانا گیلانیؒ
قیمت ۱۰/۵۰

انتخاب مکتوبات امام ربانی ۲/-

شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات قیمت ۱۰/-

تاریخ و سوانح

محسن اعظم اور محسنین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تذکرہ میں قابل دید کتاب ہے ۵/-

سیرت ائمہ اربعہ ۷/۵۰

حیات طیبہ۔ (سوانح حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) ۵/۵۰

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۲/-

آپ بیتی (از ظفر حسن ایبک)
مولانا سندھی مرحوم اور ان کے جانباز رفقاء کی ہجرت کابل کی انتہائی سبق آموز سرگذشت ۵/-

حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہؒ مع ترجمہ اردو از مولانا عبدالحق حقانیؒ۔ مجلد دو جلدوں میں ۲۶/-

تبلیغ دین امام غزالیؒ کی اہم تصنیف کا ترجمہ ۳/۵۰

مجلس تحقیقات و نشریات کی مطبوعات

اسلام اور مغربیت کی کشمکش
مولانا علی میاں کی معرکۃ الآراء کتاب ۵/-

ہندوستانی مسلمان ۲/۵۰

طوفان سے ساحل تک ۵/-

جزیرۃ العرب (جغرافیہ) ۵/-

تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مدظلہ

فضائل درود شریف۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی بالکل جدید تصنیف کے مطالعہ کرکے عشق و محبت کا ذائقہ حاصل کیجئے ..... قیمت ... ۱/۷۵

حکایات صحابہ ۱/۵۰ — فضائل نماز ۷۰/-

فضائل قرآن مجید ۶۰/-

فضائل رمضان شریف ۵۵/-

فضائل تبلیغ ۳۰/- — فضائل حج ۲/۵۰

فضائل صدقات (مکمل مجلد) ۷/۵۰

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۶/-

بعض تصانیف حضرت حکیم الامتؒ

تعلیم الدین مجلد ۱/۷۵

حیات المسلمین مجلد ۱/۷۵

اصلاح الرسوم مجلد ۱/۷۵

اعمال قرآنی ۱/۶۰

صبر و شکر (مواعظ اشرفیہ) ۱/۵۰

کرامات صحابہ ۱/۵۰

بہشتی زیور ۱۲/۵۰

تصانیف مولانا عبدالباری ندوی

تجدید دین کامل ۶/- — تجدید معاشیات ۵/-

تجدید تصوف و سلوک ۵/-

تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-

اردو دینیات کا کامیاب نصاب

تیار کردہ:- مکتبۂ دین و دانش لکھنؤ

اچھا قاعدہ ۱۹/- ، اچھی باتیں کامل (۵ حصے) ۲/۹۲ ، اللہ کے رسول ۳۳/-
حضرت ابوبکر ۴۴/- ، حضرت عمر ۴۴/- ، حضرت عثمان ۴۴/- ، حضرت علی ۴۴/- ، اچھے قصے ۳۷/- ، حضرت خدیجہ ۵۰/- ، حضرت سودہ ۲۵/- ، حضرت عائشہ ۶۲/- ، اسلامی تعلیم ۴۴/-

(منیجر کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ)

حیاۃ الصحابہؓ اردو عکسی
چہارم پنجم ششم ہفتم
تالیف:- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم
ترجمہ
حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب فیض آبادی مدظلہ
شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قدس سرہ
مؤلف مدظلہ کی شہرہ آفاق کتاب حیاۃ الصحابہؓ عربی جو ہند، و پاک کے علاوہ ممالک اسلامیہ میں بھی قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہے۔ اس کی جلد اول کے ترجمہ کے تینوں حصوں کی اشاعت کا عالم یہ ہے کہ ایک ہی سال کے اندر دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہا ہے اب عربی کی جلد دوم کے اردو ترجمہ کو چار برابر حصوں میں شائع کیا جارہا ہے۔
اردو ترجمہ کی خصوصیت
اس میں بھی مترجم موصوف نے اصل عربی الفاظ کو ترجمہ میں اس طرح سمویا ہے کہ مطلب واضح بھی ہوجائے اور ترجمہ بامحاورہ سلیس اور دلکش بھی بن جائے اور حضرات علمائے اہل حق کی نظر میں ترجمہ کی خوبی و پسندیدگی نے تو کتاب کا معیار کافی بلند کردیا ہے۔
کتاب خریدتے وقت
فاضل مترجم حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کا اسم گرامی ضرور دیکھ لیں کیونکہ کتاب کے پہلے تینوں حصوں کا ترجمہ بھی موصوف ہی کا ہے۔
کاغذ سفید، کتابت واضح، طباعت عکسی، ٹائیٹل حسین رنگین، ہر حصہ میں تقریباً دوسو (۲۰۰) صفحات۔
ناشر:- احقر انیس احمد غفرلہ ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳
حصہ اول، دوم، سوم
یکجا مجلد ریگزین -/۱۰
حصہ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم
یکجا مجلد ریگزین -/۱۲

ALFURQAN (Regd. N. L. 353) LUCKNOW

Only cover printed at Shiding Press, Lucknow.

سنہ آغاز ۱۹۳۳ء

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

قرآن آپ سے — کیا کہتا ہے؟
یہ کتاب
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

ماهنامہ الفرقان لکھنؤ

ہندوستان سے سالانہ چندہ ۶
” ” ششماہی ۳
پاکستان سے سالانہ چندہ ۶
” ” ششماہی ۳

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک سے
ایک پونڈ

فی کاپی ۶۰ نئے پیسے

جلد (۳۳) | بابتہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۵ء | شمارہ (۶)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی. پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۱ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیئے۔

پاکستان کے خریدار۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۱۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:۔ دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے اپنی تالیف "تذکرۃ الخلیل" میں ایک جگہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے تذکرہ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ مولوی عاشق الٰہی ایک بات کہوں! ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا۔ اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہو کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے۔ اسکے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر کا زمانہ گزرے کچھ مدت نہیں ہوئی، کہ ابھی اسکے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہو کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان تاکردہ مظلوموں کا پلا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جا رہا ہے اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جا رہا ہے۔ اس طرح پر موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مردوں میں ہوا چاہتا ہے۔ بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا ہو کہ کسی نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیلِ مذہب کا خیال کیا ہو۔ باوجود قلتِ علم اور غلبۂ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا۔ اور آج باایں کثرتِ علم ضعفِ ایمان کا یہ حال ہو کہ ذرا ڈنڈے کا خوف یا روپے بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلوا لو اور جو چاہے کرا لو۔ عجیب بات ہو کہ قلتِ علم کے وقت ایمان میں

اتنی قوت اور کثرتِ علم کے زمانے میں، ایمان کی اتنی کمزوری! ـــــ اسکے بعد فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک جگہ علامت قیامت بیان کیا علم کا کم ہونا اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہوجائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے تو یہ فراست سے تطبیق دی تھی۔ مگر ہم بدنصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورتِ علم کثیر ہوگئی مگر حقیقتِ علم قلیل ہوگئی، اور یہی خاص علامت ہے نزدیکی قیامت کی۔"

(تذکرۃ الخلیل صـ ۱۱۲ ، مطبوعہ الخلیل مشین پریس، میرٹھ)

حضرت شیخ الہند کا یہ ارشاد گرامی یوں تو ہر مسلمان کے لیے قابل توجہ ہے کیونکہ اس میں کسی خاص مسلکی نقطۂ نظر کی بات نہیں ایمان و اسلام کی ایک عمومی بات ہے لیکن اُن لوگوں کے لئے تو یہ خصوصی طور پر توجہ طلب ہے جو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب کو فخر اور آپ سے عقیدت کو سرمایہ سعادت سمجھتے ہیں۔ اور پھر جو اس سلسلۂ علم دین و اشاعت دین کے وارث بھی ہوں جس کی ایک تابناک کڑی اپنے وقت میں شیخ الہندؒ کی ذات گرامی تھی، اُن کے لئے تو یہ ارشاد گویا ایک مستقل تنبیہ ہے اور سب سے زیادہ اسکے مخاطب وہی ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے اس ارشاد میں اس مغالطے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مصائب اور آزمائشوں سے ڈر کر مکمل تبدیل مذہب کر لینا اور اسلام کو چھوڑ جانا ہی ایمان کی کمزوری ہے۔ یہ درجہ ایمان کی کمزوری کا نہیں ایمان کے خاتمے کا ہے۔ ایمان کی کمزوری کا اطلاق تو اس سے کم درجہ ہی پر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اسلام سے کلیۃً انحراف تو نہو بلکہ کسی معمولی خوف یا معمولی لالچ سے آدمی اسلام کی مکمل پیروی اور اسکے ساتھ کامل وابستگی میں کمزوری دکھانے۔ اور کسی معاملے میں اسلام کی تعلیمات کے خلاف کرنے یا کسی مسئلے میں شریعت کے حکم کے خلاف کہنے پر تیار ہوجائے۔ یہی وہ ایمانی کمزوری ہے جس کا ذکر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بارے میں فرما رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کمزوری کا ذکر اور اس پر افسوس کا اظہار صرف دینی اور ایمانی خسارے کے اعتبار سے فرمایا ہے۔ اور کم از کم علماء دین کی نظر میں تو اس کمزوری کا یہی پہلو سب سے زیادہ قابل توجہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ دینی خسارے کا سودا اگر آدمی اپنی کسی ذاتی منفعت یا شخصی تحفظ و عافیت کے لئے نہیں کرتا بلکہ ملی مفاد و مصلحت کے خیال سے کرتا ہے اور قوم و ملت کو بھی اسی راستے پر چلنے کی دعوت دیتا ہے

تو اس سے دنیا میں کبھی کم از کم قوم کی کوئی بات بننے والی نہیں ہے۔ یہ قوم کے اندر اس بدترین بزدلی اور اخلاقی پستی کی تخم ریزی ہو جس کے تحت کسی دباؤ کے موقع پر قوم اپنے دین و ایمان کا سودا کرنے پر بھی تیار ہو جائے۔ یہ کسی قوم یا جماعت کی بزدلی اور اخلاقی کمزوری کا آخری درجہ ہے کہ وہ کسی دباؤ کے موقع پر نہ صرف یہ کہ اپنے اصول و معتقدات کے اظہار سے کترانے لگے بلکہ انکے بالکل برعکس اصولوں پر اپنے اعتقاد کا اطمینان دنیا کو دلانے لگے۔ ایسی قوم اور ایسے لوگ در اصل صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں دنیا ان کے بارے میں کسی دھوکے میں نہیں آتی۔ ہاں صرف ایک بات اس سے دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں اور انھیں جب اور جس طرح چاہے دبایا جا سکتا ہے۔

اپنے اصول و نظریات میں پختگی کسے کہتے ہیں، یہ بات مسلمانوں کے لئے کہیں اور سے سیکھنے کی نہیں ہے۔ خود حضرت شیخ الہند نے دور غدر کے جس عام ابتلاء کا حوالہ دیا ہے وہی اس لحاظ سے مسلمانان ہند کی تاریخ کی ایک حیات آفریں مثال ہے۔ لیکن ایک بالکل اس وقت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو اگرچہ اصطلاحی "ایمان والوں" کی نہیں بلکہ دہریوں اور منکرین خدا کی ہے۔ جو اگرچہ ہمارے لئے قابل تقلید نہ ہو لیکن سبق آموز تو ہو ہی سکتی ہے۔

یہ مثال ہندوستان کی بائیں کمیونسٹ پارٹی کی ہے جو چین سے ہندوستان دشمن ساز باز کے الزام میں پورے ہندوستان میں معتوب ہے۔ سوائے ایک بڑے لیڈر کے اسکے تمام اہم افراد جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔ لیکن اس تنہا لیڈر (مسٹر نمبودری پد) نے عین اس موقع پر جبکہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ کی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ اور پاکستان سے چین کا گٹھ جوڑ بالکل کھلا ہوا تھا، وزیر اعظم ہند مسٹر لال بہادر شاستری کی اس اپیل کے جواب میں کہ اس وقت تمام ہندوستانی بلا کسی اختلاف کے حکومت ہند کی حمایت کریں ذرا بھی لچک اپنے نظریات کے معاملے میں نہیں دکھائی اور پوری صفائی کے ساتھ یہ چند باتیں کہیں کہ

(۱) اگر وزیر اعظم سنجیدگی کے ساتھ مخالف پارٹیوں کا تعاون چاہتے ہیں تو وہ مخالف پارٹیوں کو کچلنے کی پالیسی بدلیں ڈیفنس آف انڈیا رولز کو ختم کریں اور شہری آزادیاں مکمل طور پر بحال کریں۔

(۲) ملک کے دفاع اور خارجہ پالیسی کے بارے میں ہمارے اپنے نظریات ہیں۔ ہم اس

طریق کار کے خلاف ہیں جو چین اور پاکستان سے ہمارے تنازعات کے بارے میں حکومت اختیار کئے ہوئے ہے۔ حکومت کی پالیسی سے متعلق ہم نے اس موقف کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

(۳) داخلی پالیسیوں کے سلسلے میں بھی حکومت کا موقف ایسا نہیں ہے جو تمام لوگوں کو پوری طرح حکومت کی پشت پر لاسکے اسکے برخلاف بعض طبقات اور ریاستوں کے عوام اس طرح کی فکروں میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ حکومت کے لئے اُن کے قومی جوش کو اُبھارنا ناممکن ہوگا۔ حکمراں پارٹی کا یہ سوچنا غلط ہے کہ عوام کی یہ بے چینی مخالف پارٹیوں کے شرارت پسندانہ اقدامات کا نتیجہ ہے .... اس بے چینی کی ایک خاص وجہ، جس کا تعلق کشمیر سے خاص طور پر ہے۔ یہ ہے کہ ملک میں آباد مختلف لسانی و ثقافتی گروہوں کو متحد کرنے کے مسئلے میں حکومت ناکام رہی ہے۔ ہمارے ملک کا مطمح نظر "تنوع میں اتحاد" ہونا چاہیے اس بات کو محسوس کرنے میں ناکامی کے نتیجے میں حکومت نے ایسی پالیسیاں بنائیں جن کی وجہ سے مختلف لسانی و ثقافتی اکائیوں میں جن میں کشمیر کے عوام بھی شامل ہیں بے اطمینانی پیدا ہوگئی۔

مسٹر نمبودری پد کا بیان طویل ہے۔ ہم نے صرف چند نقاط لئے ہیں۔ ان سے اتفاق اور عدم اتفاق ایک الگ بات ہے۔ دیکھنے کی چیز اپنے موقف پر پختگی اور بے خوفی ہے اور اس لحاظ سے اپنا مسلسل حال دیکھتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

جدید فکری رجحانات کے مقابلہ میں
دعوتِ اسلامی کا صحیح طریقۂ کار

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

[یہ مقالہ رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا اور سال گزشتہ کی موتمر اسلامی کے شعبۂ دعوت اسلامی میں پڑھا گیا۔ ذیل میں اس کا ترجمہ مولانا عبدالماجد صاحب ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے پیش کیا جا رہا ہے۔ الفرقان]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اما بعد

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام ایک عرصۂ دراز سے اپنی ان خصوصیات کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے اسکے اندر ودیعت فرمائی ہیں زندہ اور پائندہ ہے۔ اسلام خود اپنے اندر دوام کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسکے اندر کشش اور جاذبیت کی بے نظیر طاقت ہے، یہ اپنے بلند ترین نصب العین اور اعلیٰ پیغام کے سہارے ہی جی رہا ہے اور جیتا رہے گا۔ سلیم الفطرت طبیعتوں کو اپیل کرنے کی جو صلاحیت اسکے اندر ہے اسکی بنا پر یہ اپنا راستہ خود نکالتا ہے بغیر اسکے کہ کوئی حکومت اسکی سرپرستی کرے یا کوئی معاشرہ اس کا کامل نمونہ اور نمائندہ ہو، ماضی میں جس طرح یہ انفرادی کوششوں شخصی اور متفرق جد و جہد سے پھیلتا اور بڑھتا رہا ہے

وہ آج بھی مورخین کے لئے حیرت و استعجاب کا موجب بنا ہوا ہے۔ پھر حال میں افریقہ امریکا اور ایشیا کے اندر نئے منطقوں میں جس طرح یہ اثر و نفوذ کر رہا ہے اس سے اسکی اثر انگیزی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جرمنی اور جاپان کے نئے ملکوں میں بھی اس کے لئے نیا میدان کھل سکتا ہے اور اسکی رگ حیات کے لئے ان قوموں سے نیا اور تازہ خون فراہم ہو سکتا ہے اور اسکی غیر معمولی صلاحیتوں میں جس کی بنا پر علم و تمدن کا قافلہ کبھی آگے بڑھا تھا، مزید اضافہ ممکن ہے، بشرطیکہ اسے اپنی دعوت و پیام کے لئے ایسے افراد و جماعتیں مل جائیں جو اسلاف کی صفات کی حامل ہیں اور اپنے اندر اسکی صلاحیت بھی رکھتے ہوں کہ وہ مذکورہ بالا دونوں قوموں کی نفسیاتی الجھنوں اور ان کے فکری انتشار کو جس سے یہ دونوں قومیں دوچار ہیں اچھی طرح سمجھ سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جرمنی اور جاپان کی پچھڑی ابھرتی ہوئی یہ دونوں قومیں زندگی سے بھرپور اور عظیم صلاحیتوں کی حامل ہیں۔ اگر اسلام کی روشنی انھیں مل جائے تو یہ اپنی بلند حوصلگیوں اور غیر معمولی صلاحیتوں سے تاریخ کا دھارا بدل دیں اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں۔ تاتاریوں اور ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے اور پھر اسی طرح سے اپنے اپنے زمانہ میں ایرانیوں اور افغانیوں نے اسلام قبول کیا۔ ع،

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

اسلام اس حیثیت سے کہ وہ ایک دین اور شریعت ہے واقعہ یہ ہے کہ اب کوئی دین اور مذہب اس کا مدمقابل نہیں رہا، تمام ادیان اس سے علمی مقابلہ میں میدان ہار چکے ہیں اور مصاف زندگی سے اب دوچار پڑے ہیں۔ اسکے اور دوسرے ادیان و مذاہب کے مابین علمی اور کلامی کشمکش اور نزاع کی کہانی پرانی ہو چکی ہے، اسلام اور دوسرے مذاہب کے موازنہ کا دور گذر چکا، اب اس قسم کے موازنوں سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی رہ گئی ہے۔ چند مستشرقین کو چھوڑ کر جو اپنی تحریروں میں یا ان کے مبلغین جو اپنی تقریروں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مہم انجام دیتے رہتے ہیں اور جن کا دائرہ علمی حلقوں تک محدود ہے اب کسی کو ان کلامی اور مناظرانہ مباحث سے دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ ہندوستان اور دوسرے مشرقی ممالک میں اب کوئی مذہب بحیثیت مذہب کے علمی میدان میں اسلام کے خلاف صف آرا نہیں۔ اب اسلام وہ واحد مذہب ہے جو مادہ پرستی اور الحاد کے مقابلہ میں نبرد آزما ہے اور

جس کے پیرودں میں تبلیغی جوش ہے اور جس کو معاشرہ پر اپنا اقتدار قائم رکھنے اور زندگی کی رہنمائی پر اصرار ہے۔ اس میدان میں کوئی مذہب اور کوئی دینی دعوت اسکی حریف اور مدمقابل نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ دوسرے ادیان کو اسلامی معاشرہ پر نئی نئی فتوحات حاصل ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں وہ کامیاب ہو رہے ہیں تو یہ محض افسانہ ہی ہے۔ اس میں اگر ایک طرف بہت زیادہ مبالغہ ہے تو دوسری طرف کچھ قنوطیت اور فریب خوردگی کو بھی دخل ہے۔ ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت پر پورا یقین ہے کہ اندلس کا المیہ اب کبھی دہرایا نہیں جا سکے گا اور نہ کوئی مسلم معاشرہ مجموعی طور پر اعتقادی ارتداد کا شکار ہوگا اور کسی دین و مذہب کو قبول کرے گا اس اعتماد کا باعث صرف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی اور مخالف دھاروں کے مقابلہ میں اپنی جگہ جمے رہنے کی صلاحیت کچھ زیادہ ہوگئی ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان مخالف مذاہب کے علمبردار اب عقائد کے میدان کو چھوڑ کر دوسرے میدانوں کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں اور انھوں نے جنگ کی حکمت عملی بدل دی ہے، لیکن خطرہ کی بات دراصل یہی ہے اور اسی کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

امت مسلمہ کے لئے اس وقت سب سے بڑا خطرہ ذہنی و فکری ارتداد کا ہے جس کا بیج جدید فکری رجحانات اور فلسفے پھیلا رہے ہیں اور مسلم معاشرہ میں پوری آزادی کے ساتھ اس کی آبیاری کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ یہ جدید فلسفے مخالف مذاہب سے کسی درجہ میں بھی کم خطرناک نہیں۔ امت مسلمہ کو اسکے اپنے اسلامی عقیدہ اسلامی زندگی اور اسلامی مزاج سے برگشتہ کرنے میں یہ تحریکیں اور فلسفے بہت اہم اور مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں اس لئے کہ جو بھی ان کے دام میں آتا ہے وہ اس کو دین کا باغی اور اخلاقی قدروں کا دشمن بنا دیتے ہیں۔ اسکی بغاوت میں شدت اور دشمنی میں جوش و خروش پیدا کرتے رہتے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ارتداد پر اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب اب بھی نہیں پیدا ہونے پایا بلکہ لوگ اس کا نوٹس تک نہیں لیتے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دیا شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے

مذہب کو اختیار کر لینے کا اعلان نہیں کرتا اور نہ وہ کسی گرجا اور کسی مندر میں داخل ہوتا ہے اور نہ مسلم معاشرہ سے کٹ کر وہ کسی دوسری برادری میں ضم ہو جاتا ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ اسکی طرف ہو۔

ارتداد کا یہ فتنہ مسلم معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، اور ہر طرف سے اس پر حملہ آور ہے، پورا عالم اسلام اس فتنہ کی زد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ اس دین کی بقا اور اس کے ابدی اور سرمدی پیغام اور امت مسلمہ کی نصرت کے سلسلہ میں ہے اگر اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ نہ ہوتا تو ان حالات کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی جا سکتی تھی کہ آئندہ چل کر اس امت پر بھی مغربی اقوام یا جاپانیوں کی طرح مادیت اور سیکولرزم کی چھاپ غالب آجائے گی، اور اسلام کا اثر معاشرہ، حکومت، ادب و ثقافت، فکر و فلسفہ سب سے زائل ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں یہ امت خدانخواستہ زندگی اور تاریخ میں اپنی قدر و قیمت اور مرکزی حیثیت کھو بیٹھے گی اور اس طرح ایمان و روحانیت کا آخری چراغ بھی گل ہو جائے گا اور انسانیت اپنی اصلاح کی آخری امید سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی، اور یہ انسانیت کے تمام المیوں میں سے سب سے بڑا المیہ ہو گا۔

دعوت اسلامی کو ان تمام تحریکات سے جنگ کرنے کے لئے سب سے پہلے تعلیم و ثقافت کا میدان منتخب کرنا چاہیے کہ یہیں سے ان کو غلبہ و سیادت کے لئے جب دولت کی وہ کنجی بھی ملتی ہے جس سے ہر طلسم کا قفل کھلتا ہے، اور پھر اس طرح سیادت و فرمانروائی کی وہ کرسی ملتی ہے جہاں قوموں اور جماعتوں کے افکار اور نظریات پر کنٹرول کیا جاتا ہے۔

اسکے بعد دوسرا میدان ادب لٹریچر، پریس، صحافت، علم و فلسفہ اور سیاسیات و معاشیات کا ہے جن پر یہ تحریکات قابض ہیں اور ان پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، دوسری طرف دینی دعوتوں اور دینی تحریکات کے قائدین اپنی کمزوری کوتاہ ہمتی اور غلط اندیشی کی بنا پر اس سے دست بردار ہو چکے ہیں حالانکہ اسکے برعکس اس سے پہلے ان کی زمام کار دینی تحریکوں کے قائدین ہی کے ہاتھوں میں تھی اور وہی اس میدان کے شہسوار تھے انھیں کی قیادت میں علمی اور ادبی تحریکات چل رہی تھیں اور

انہی کی رہنمائی میں علوم و ادب پھل پھول رہے تھے، نئی نسل کی رہنمائی دینی قائدین کے ہاتھ میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک فکری قیادت کی زمام کار ان کے ہاتھوں میں نہیں آجاتی۔ اس لئے اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ علمی ادبی اور فکری میدانوں میں اس طرح کے مجتہدانہ کمالات کا اظہار ہو اور جدید اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں اترا جائے، زندگی کے میدان میں اسلام کوئی اہم پارٹ نہیں ادا کرسکتا اور نہ دور جدید میں وہ اپنی مرکزی حیثیت کی نمائندگی کرسکتا ہے جب تک کہ مدارس اور نظام تعلیم کا ڈھانچہ از سر نو بدل کر اسکو پورے اسلامی رنگ میں نہ رنگا جائے اسکی بنیاد اگر ایک طرف ایمان وعقیدہ روحانیت اور اسکے اعلیٰ پیغام اور دعوت پر ہو تو دوسری طرف ان ترقیات اور تبدیلیوں کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھا جائے جو حالات وزمانہ تاریخی عوامل اور فکر انسانی کے ارتقا اور زندگی کی پیچیدگیوں سے پیدا ہوچکی ہیں۔

ان تحریکات کا مقابلہ خالص علمی انداز میں کیا جانا چاہیئے علم وعقل تجربات اور واقعات کی روشنی میں ان کا توڑ کیا جائے۔ اسلام کے داعیوں دین کے علماء اور اسلامی محققین کو اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے اس طرح کھڑا ہو جانا چاہیئے جس طرح امام ابوالحسن اشعری، امام غزالی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے اپنے دور میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے لئے انھوں نے اپنے دور کے فکری رجحانات کا مطالعہ کیا اور نقد وتحقیق سے کام لے کر ان سب پر اسلام کی برتری ثابت کی۔ ضروری ہے کہ اس کام کے لئے علمی مجالس (اکیڈمیز) قائم ہوں جن میں ہمارے علماء، محققین اور ماہرین فن (اسپیشلسٹ) جمع ہو کر بحث وتحقیق کا کام کریں اور ان موضوعات پر اس انداز کی محققانہ کتابیں اور علمی مقالے لکھیں جن میں مطالعہ کی گہرائی بحث کی پختگی رائے کا وزن، استدلال کی قوت اور ادب کا حسن موجود ہو اور جو مخالف کیمپ کی کتابوں اور لائبریریوں کا مقابلہ کرسکیں۔ پھر ساتھ ہی ان کی نشر واشاعت کا کام جدید وسائل کے ذریعہ اعلیٰ پیمانہ پر ہونا چاہیئے ورنہ اگر کام اس ڈھنگ اور انداز سے نہیں ہوا تو نئی نسل کو ہم اضطراب اور پریشانی کے اس گرداب سے نہیں نکال سکتے جس میں

موجودہ ثقافتی دھاروں یا صلیبی تھپیڑوں نے ان کو ڈال دیا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری نظر رابطہ عالم اسلامی پر جاتی ہے رابطہ اگر چاہے تو بہت عمدگی کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکتا ہے، اسلئے اس کام کی ایک حیثیت اور قدر و قیمت بھی ہوگی۔ رابطہ اس غرض کے لئے ایک اعلیٰ علمی اکیڈمی قائم کرسکتا ہے اور اس میں عالم اسلام کی چیدہ اور منتخب شخصیتوں کو مناسب موقعوں پر جمع کرسکتا ہے پھر ان کی علمی تصنیفات اور تحقیقی مقالات کو عالم اسلام کی مختلف زبانوں اور بعض یورپین زبانوں میں ترجمے کراکے شائع کرسکتا ہے۔ رابطہ کو ان خطوط پر کام کرنے کے لئے غور و فکر کرکے ایک طریقۂ کار متعین کرنا چاہیئے اسکے بعد اس کے لئے ایجابی اور عملی اقدام کرنا چاہیئے۔

دعوت اسلامی کی دوسری اہم ضرورت ان تحریکات کے مقابلہ کے سلسلہ میں یہ ہے کہ اسے کچھ ایسے مخلص داعی میسر آجائیں جو دعوت کے تمام ضروری صفات سے متصف ہوں۔ دعوت اسلامی کو سیاسی طریقۂ کار اور مسیحی انجمنوں کے نقشۂ عمل پر قیاس نہ کیا جانا چاہیئے کہ ان کا انحصار زیادہ تر علمی نقشے، سوچے سمجھے اور رگے بندھے پروگرام اور مالیات پر ہوتا ہے۔ اسکے برعکس اسلامی دعوت کا دار و مدار ہر جگہ اور ہر دور میں جس چیز پر رہا وہ اخلاص عمل، انسانیت کے لئے سچی ہمدردی، دنیا کی دلفریبیوں سے بے رغبتی گہری روحانیت اور نجیۃ للہیت ہے۔ اس وقت دنیا میں اگر کوئی خلا ہے تو یہی ہے کہ ایسے ربانیین کی غیر معمولی کمی ہے۔ مادیت کے کچلے ہوئے بیمار دلوں کا اگر کوئی مداوا بن سکتا ہے تو وہ یہی ربانیین ہیں یہ دلوں کی اس گہرائی تک پہونچ جاتے ہیں جہاں اکسیر اور بار یک سے باریک خوردبینوں کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ ربانی ان گہرائیوں میں اتر کر اپنی انگلیوں سے مرہم کا پھایہ رکھ دیتے ہیں، یہ ربانی اس بات کی استطاعت رکھتے ہیں کہ باطل کے ہر پرفریب داؤں اور سحور کن کشش سے دامن بچالے جائیں اور اہل اقتدار کے دام ہزار رنگ زمین سے کترا کر دنیا پر یہ ثابت کر دیں کہ یہاں ایک دوسری دنیا بھی ہے جو اس مادی دنیا سے رونق جمال حسن اور دلفریبی میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہے یہاں کچھ ایسی حقیقتیں اور غایتیں بھی ہیں جو اپنے اندر دنیوی لذات سے کہیں زیادہ کشش رکھتی ہیں

اور اگر بات ایسی نہ ہوتی تو آجل کو عاجل پر اور ادعار کو نقد پر وہ کبھی ترجیح نہ دیتے۔

یہی وہ امر ہے جس نے جبار بن سلمی کو اس دین کے بارے میں تحقیق و سوال پر آمادہ کیا اور بالآخر ایمان لانے پر مجبور کر دیا، انھوں نے ایک مسلمان پر نیزہ کا وار کیا، نیزہ سینہ سے پار ہو گیا۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا اور خاک و خون میں تڑپنے لگا اور اسی عالم میں بےساختگی کے ساتھ اسکی زبان سے نکلا "فزت ورب الکعبۃ" کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا جبار بن سلمی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ بھلا یہ کون سی کامیابی ہے؟ جب اس کا رشتۂ حیات منقطع ہو چکا تو وہ خسارہ ہی خسارہ میں رہا پھر وہ اپنی کس کامیابی پر مسرور ہو رہا ہو اس سوال اور جستجو کے نتیجہ میں جبار بن سلمی پر یہ راز کھلا کہ فوز و فلاح کے اس شعور کا اصلی سرچشمہ کیا ہے چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور پھر ان کا اسلام معیاری ثابت ہوا۔

عالم اسلام کے جس خلا کا ہم ذکر کر رہے تھے اسے پر ہونا چاہئے اسی ایمان اور انہی پاکیزہ صفات کے ساتھ جن میں حرص و طمع کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو ہم ان دھاروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ دھارے دراصل اسی حرص و طمع اور اسی حب مال اور حب جاہ اور ہوس اقتدار کی پیداوار ہیں ان مادی تحریکوں کے رہنما پرلے درجے کے موقع پرست اور خود غرض ہیں۔

تیسری چیز جس کی دعوت اسلامی کو بڑی ضرورت ہے وہ ایک ایسے اسلامی معاشرہ کا قیام ہے جہاں اسلام مجسم شکل میں نظر آئے اور چلتا پھرتا، جیتا جاگتا دکھائی دے۔ ماضی میں اسلام کی تبلیغ اور اسکی اشاعت کا سب سے قوی ذریعہ ایسے ہی معاشرہ کا وجود تھا۔ مضطرب اور پریشان دل اور حقیقت کی جویا روحیں اسی کے سایہ میں پناہ لیتی تھیں جس طرح کوئی ڈوبنے والا شخص ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختوں کا سہارا لیتا ہے۔ اسلام کی طرف دعوت دینے والے اور روحانی اور اخلاقی قدروں کی طرف بلانے والے اپنی دعوت و پیام میں اثر آفرینی اور سحر بیانی میں طاقت اسی معاشرہ سے حاصل کرتے تھے کیونکہ ان کی پشت پر ایک جیتا جاگتا اور مثالی معاشرہ موجود تھا جس سے ان کی ہر اس بات کی تصدیق ہوتی تھی جس کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور جس کی عظمت کے وہ گیت

گاتے تھے۔ جسے انسانی سعادت اور خوش بختیوں کا وہ ضامن قرار دیتے تھے چنانچہ ہر وہ شخص جس کو اسلام کی دعوت پہونچتی یا جو اس کے نام اور صفت سے آشنا ہوتا وہ اس معاشرہ کے آئینہ میں اسلام کی اصلی اور واضح شکل وصورت دیکھ سکتا تھا۔

پس ان باطل دھاروں کا مقابلہ کرنے کی سب سے بہتر صورت ایک ایسے اسلامی معاشرہ کا قیام ہے خواہ وہ مختصر پیمانہ پر اور ایک محدود دائرہ کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دعوتی کام کے لئے ایک ایسے اسلامی معاشرہ کو وجود میں لانے کی سخت ضرورت ہے جہاں اسلامی تعلیمات عملی شکل میں پائی جائیں، جہاں اسلام کا اخلاقی روحانی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام قائم ہو، جہاں اسلامی تعلیمات پر عمل کے نتیجہ میں ان اجتماعی اور اقتصادی مشکلات کا وجود تک نہ ہو جن کی گتھیاں سلجھانے میں یورپ کے مفکرین اور اسکے دانشور ناکام رہے ہیں۔

پھر جب دنیا دیکھے گی کہ ان مشکلات کا جو حل اسلام پیش کرتا ہے اس سے کس طرح ساری گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جاتی ہیں اور کس طرح اس معاشرہ میں تقویٰ وطہارت، پاکیزگی و امانت، محنت و مردانگی، ہمدردی وغمخواری، محبت و انکساری اور عدل وانصاف کی روح جاری وساری ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا اور آپکے بعد خلفائے راشدین اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عمل کرتے آئے جب لوگ یہ سب کچھ دیکھیں گے تو یہی امر اسلام کی طرف متوجہ کرنے اور اسکے تعارف کا سب سے بڑا ذریعہ بنے گا اور ہم کو پروپگنڈے کے ہر اس ذریعہ سے بے نیاز کرے گا جس میں خرچ تو بہت زیادہ کرنا پڑتا ہے مگر فائدہ کم حاصل ہوتا ہے۔

اس اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے جو سب سے بہتر جگہ ہو سکتی ہے وہ یہی ملک (حجاز مقدس) ہے جہاں ہم لوگ اس وقت جمع ہیں اس مقام اور ملک کو جسے قرآن مجید میں البلد الامین کہا گیا ہے ایک ایسا مثالی اور اسلامی شہر بننا چاہیے جو ہر دور میں حیات اسلامی کی صحیح تصویر کشی کرے اور اس کے تمام خدوخال کو نمایاں اور اسکی ساری خوبیوں کو اجاگر کرکے دکھائے۔ یہاں تک کہ ہر آنے والا خواہ اس کی مدت قیام کتنی ہی مختصر

کیوں نہ ہو پہلی ہی نظر میں اسکی خوبیاں محسوس کرلے اور اسکی حلاوت سے لذت آشنا ہو جائے۔ اس شہر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ آخر زمانہ تک یہ حج کا مرکز رہے گا اور عالم اسلامی کے مسلمان سمٹ سمٹ کر ہر سال اسکی طرف آئیں گے۔ چنانچہ آنے والے وفود اس بات کے یقین کرنے میں بڑی حد تک حق بجانب ہوں گے کہ وہ ایک ایسے شہر کا رُخ کر رہے ہیں جہاں ہر طرح پاکیزگی ہی پاکیزگی ہے جو دین کا مولد اور اسلام کا روحانی دارالسلطنت ہے اس لئے ہر وہ چیز جس کا یہاں رواج ہوا اور ہر وہ بات جس کا یہاں مشاہدہ کریں اس کو اسلامی سمجھیں اور اسکو حجت مانیں چونکہ وہ خود گہوارۂ اسلام سے دور رہتے ہیں اس لئے ان کو حق ہے کہ یہاں کی ہر چیز کو اپنے عمل کے لئے حجت قرار دے لیں۔ عامۃ المسلمین کے نزدیک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا عمل آخری درجہ رکھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی یہیں سے ہونے لگی تو پھر اسلام کی کہاں امید کی جاسکتی ہے۔ ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہ کچھ انسانی طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ مرکز میں رہنے والوں کے عمل کو دلیل بناتے ہیں ان کے اس طرز استدلال کے خلاف آپ کتنا بھی زور خطابت صرف کردیں آپ ان کو مطمئن کرنے سے قاصر رہیں گے یہی عرف تہذیب وآداب زبان ومحاورے اور فقہ کے بارے میں رہا ہے چنانچہ عربی زبان کے سلسلہ میں قریش کی زبان کو ہمیشہ ٹکسالی سمجھا جاتا رہا ہے اسی طرح فقہ کے معاملہ میں اہل مدینہ کا عمل مذاہب اربعہ میں ایک جلیل القدر مذہب (مذہب مالکی) میں حجت اور مستند سمجھا جاتا رہا ہے اور قرطبہ والوں کا عمل ان کے دور عروج میں مغرب کے بہت سے فقہاء مالکیہ کے نزدیک حجت رہا ہے اسی طرح آداب وتہذیب کے معاملہ میں بھی لوگ دارالسلطنت اور مرکزی مقامات کے طور طریقوں کو سند مانتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دینی مصلحین اور دعوتی کام کرنے والوں کو بسا اوقات بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب کہ بعض حجاج یہاں کے بعض ان مشاہدات کو جو شریعت اسلامی سے میل نہیں کھاتے بطور حجت اور دلیل کے پیش کرنے لگتے ہیں۔

پورے عالم اسلام کے طویل وعریض رقبہ میں اسلامی معاشرہ کا عملی قیام ایک ناگزیر ضرورت

ہے۔ کمیونزم کی اپنی ایک دعوت ہے اور اسکی اپنی ایک سوسائٹی ہے اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کی بھی ایک دعوت اور اپنا ایک معاشرہ ہے بلکہ مادیت بھی اپنے وسیع معنوں اور متنوع شکلوں میں اپنی ایک دعوت اور اپنا معاشرہ رکھتی ہے پھر کیا اسلام ہی ایک ایسا مسلک زندگی ہے جس کی اپنی دعوت تو ہے مگر اسکے مطابق کوئی معاشرہ دنیا میں موجود نہیں۔ ہمارے لئے یہ بڑے ننگ و عار کی بات ہو۔ اگر ہم کوئی ایسا معیاری اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ تاریخ کے واقعات میں سے ایک اہم اور غیر معمولی واقعہ ہوگا اور یہ اسلام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ جو ملک بھی اس آرزو کی تکمیل کرے گا اسے دنیا کے موجودہ نقشہ میں ایک ممتاز مقام حاصل ہوگا۔ اس ملک کو اتنی اہمیت حاصل ہوگی جو کسی بڑے سے بڑے اور طاقتور سے طاقتور ملک کو میسر نہیں۔ اقصائے عالم کے بڑے بڑے علماء محققین اور مفکرین اس ملک کو دیکھنے کے لئے شد رحال کرینگے اور وہاں کے قیام کو اپنی بڑی سعادت سمجھیں گے۔ محققین کو تحقیق کے لئے سب سے بڑا موضوع ہاتھ لگے گا پھر اس حکومت کو جو ان بنیادوں پر قائم ہوگی اسے دوسری بڑی حکومتوں کے مقابلہ میں وہ عظمت کا مقام حاصل ہوگا کہ اس کا دسواں حصہ بھی سفارتی تعلقات اطلاعات و نشریات اور پروپگنڈے کے دیگر ذرائع سے حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ مغرب کی اندھی تقلید سے یہ عزت حاصل ہوسکتی ہے۔

یہ چند کلمات ہیں جو اس رابطہ عالم اسلامی کی فرمائش کی تعمیل میں وقت کی کمی، سفر کی صعوبت اور اپنی معذوری کی حالت میں املا کرائے گئے ہیں۔ یہ چند معروضات جن کے پیچھے ایک دردمند دل، فکرمند دماغ اور بے تاب روح ہے اگر آپ کی توجہ کو وقت کی اس اہم ترین ضرورت پر مبذول کرا سکیں اور عظیم الشان فرض منصبی کی ادائیگی پر آپ کو آمادہ کرسکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش کامیاب ہے اور میری یہ دراز نفسی رائیگاں نہیں گئی۔

سلسلۂ ولی اللّٰہی کا ایک گمنام متبع شریعت درویش

حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ

(از۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

حضرت شاہ ابوسعید حسنی قطبی رائے بریلویؒ کے مختصر حالات اور اُن کے تعلقات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور اُن کے خاندان سے — مراسلات کی روشنی میں — ناظرین الفرقان ملاحظہ فرما چکے ہیں — اب میں اُن کے ایک خلیفہ مجاز کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ بہت کم مشہور بلکہ گمنام ہیں اور علمی حیثیت سے بھی معروف نہیں لیکن اتباع شریعت اور روحانیت میں اُن کا مقام بہت اونچا ہے — اُن کی یہ خصوصیت ہی کیا کم ہے کہ وہ صرف دو واسطوں سے (بلکہ ایک حیثیت سے ایک واسطے سے) حضرت محدث دہلویؒ کے حلقۂ طریقت میں شامل ہیں حضرت سید احمد شہیدؒ نے اُن کی پابندی اوقات کی خاص طور پر اپنی زبان مبارک سے تعریف فرمائی ہے — میں نے یہ حالات ایک قلمی رسالے سے اخذ کئے ہیں جو حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ کی مختصر سوانح پر مشتمل ہے اور جس کے مطالعہ کا موقع مجھے لکھنؤ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم کی عنایت سے ملا — یہ رسالہ حضرت خالص پوریؒ کے صاحبزادے مولوی عبدالغفار خاںؒ نے ۱۲۲۴ھ میں مرتب کیا ہے اور غالباً ان کے ہاتھ

کا ہی لکھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے اس مضمون کے اندر اس رسالے کے مضامین میں سے اپنے ذوق کے مطابق ضروری مضامین اختصار کے ساتھ لئے ہیں اور حسب ضرورت مولف کے مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے ترتیب اور انداز نگارش میں تبدیلی کی ہے ۔۔ کہیں کہیں مولف کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں ۔۔ رسالے کی زبان اُردو ہے اور قدیم طرز تحریر کا نمونہ ہے۔ میرے نزدیک یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے۔ اتنا اور عرض کر دوں کہ کسی اور تاریخ یا تذکرے میں مجھے حضرت خالصپوریؒ کے حالات نہیں ملے۔ البتہ مولانا حاجی محمد احسن صاحب نگرامی مرحوم نے وفیات الاخیار میں آپ کا نام تاریخ وفات اور مقام مزار درج کیا ہے۔ اور خالصپور کے متعلق لکھا ہے "ضلع لکھنؤ میں بڑا موضع ہے اور پٹھانوں کی بستی ہے۔"

خاندان اور آبائی وطن

حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ خورجہ میں پیدا ہوئے والد کا نام غازی خان تھا آپ کے پردادا نعمت اللہ خاں نے سب سے پہلے خورجے میں سکونت اختیار کی تھی ۔ وہ عبداللہ خاں رئیس خورجہ کے یہاں رہتے تھے نعمت اللہ خاں کے پانچ لڑکے تھے جن میں سب سے بڑے حاتم خاں رسالدار تھے جو شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ کے دادا تھے ۔۔ حاتم خاں الہ آباد میں سکونت پذیر ہو گئے وہاں انھوں نے ایک پختہ سرائے بنوائی تھی جو بعد میں ایک سڑک کی تعمیر میں کھد گئی ۔ حاتم خاں شہید ہوئے تھے ان کو الہ آباد ہی میں دفن کیا گیا۔ حاتم خاں کے بعد ان کے اہل و عیال پریشان حال ہو گئے۔ الہ آباد سے فرخ آباد پھر علی گنج آ گئے ذوالفقار خاں نے ان کی کفالت کی۔ غالباً شاہ صاحب کے والد نے خورجہ ہی میں اپنی سکونت کا تعلق باقی رکھا۔۔ شاہ صاحب قوم سے ترین پٹھان تھے آپ کی والدہ سیدانی تھیں ۔

عہد طفولیت

آپ نے بچپن میں کچھ نہیں پڑھا، بس نماز سیکھ لی تھی ۔۔۔ ہوش سنبھالا تو جنگل میں بکریاں چرانے لگے ۔ جو تنخواہ دار معلم آپ کے بھائیوں کے پڑھانے پر مقرر تھا وہ آپ کے گھر کی مالی حالت کمزور ہو جانے کی وجہ سے دوسرے محلے میں ملازم ہو گیا۔ آپ اتنا کرتے تھے کہ اپنے بھائیوں کو اپنی نگرانی میں معلم کے پاس لے جاتے اور واپس لاتے تھے۔ خود نہیں پڑھتے تھے ایک دن آپ نے معلم سے دریافت کیا کہ اگر میں پڑھنا شروع

کروں تو کیا مجھے پڑھنا آجائے گا؟ معلّم نے کہا کیوں نہیں۔ اچھی طرح پڑھنا آجائے گا، شوق ہوگا تو خوب پڑھ لوگے ۔۔۔ بعد ازاں آپ نے اپنے چچا شاہ نور صاحب سے (جو شاہ حبیب اللہ قنوجیؒ کے مرید تھے) عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کچھ پڑھ لوں۔ چچا نے فرمایا کہ اس سے اچھی کیا بات ہے؟ چنانچہ آپ نے بکریاں چرانا موقوف کرکے پڑھنا شروع کر دیا۔ اوّل کلام اللہ ختم کیا پھر کریما بامعنی پڑھا۔ اسکے پڑھنے سے جذبہ شوق پیدا ہوا۔ دو شعر بامعنی پڑھتے اور جنگل میں جاکر اُن شعروں کو یاد کرتے اور رویا کرتے تھے ۔۔۔ اس کے بعد کچھ کتابیں فارسی کی اور رسائل دین کی پڑھیں ۔۔۔ اس زمانے میں تو اتنی ہی تحصیل علم کا پتہ چلتا ہے۔ پھر مرشد کامل سے تعلق ہونے کے بعد بلکہ مرشد کے وصال کے بعد چالیس سال کی عمر میں مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا ذکر آپکے صاحبزادے نے کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

درمیان میں عربی کس سے پڑھی کون کون سی کتابیں پڑھیں اس کا کچھ علم نہ ہوسکا۔

اکل حلال، اور مرشد کامل کی تلاش

آپ فارسی کی تعلیم حاصل کرکے مرشد کامل کی تلاش اور اکل حلال کی فکر میں مصروف ہوگئے۔ اکل حلال حاصل کرنے کی غرض سے معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ معلمی اس انداز سے کی کہ کسی سے کچھ تنخواہ نہیں ٹھہرائی۔ جو دیدیا وہ لے لیا۔ تنخواہ کا تقاضہ کبھی نہیں کرتے تھے بہت دنوں تک معلمی کی پھر کچھ عرصے سپاہ گری اختیار کر لی اور اس میں بہت سی مشقتیں برداشت کیں ۔۔۔ پیر کامل کی تلاش برابر جاری رہی جہاں کہیں کسی بزرگ کو سنا اس سے جاکر ملاقات کی ۔۔۔ طبیعت میں شریعت کی پابندی بلا انتہا تھی جب کسی کو ذرا اخلاف شریعت دیکھا اس سے اعتقاد ہٹ گیا۔

حضرت شاہ ابوسعیدؒ سے تعلق بیعت

رائے بریلی کے کچھ لوگوں نے آپکے حضرات تکیہ کی تعریف و توصیف کی اور یہ بتایا کہ وہ پابندی شریعت میں ممتاز ہیں وہاں اُس وقت حضرت شاہ علم اللہ قدس سرہٗ کی اولاد میں یہ چار بزرگ شریعت طریقت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

(۱) حضرت سید محمد عدل عرف سید شاہ لعلؒ

(۲) حضرت سیّد شاہ ابو سعیدؒ
(۳) حضرت مولانا سیّد محمد واضحؒ
(۴) حضرت میر محمد نعمانؒ

ان میں سب سے زیادہ تعریف حضرت شاہ ابو سعیدؒ کی لوگوں کی زبانی سُنی وہ اس وقت حج بیت اللہ کے سفر میں تھے۔ جب سفر حج و زیارت سے واپس آئے تو آپ رائے بریلی حاضر ہوئے۔۔۔ پہلے حاجی مراد خاں کے تکیے میں اُترے وہاں حضرت شاہ ابو سعیدؒ کا حال سُنا کہ اُن کا ہزاروں روپے کا خرچ ہے۔ داد و دہش کا بازار گرم ہے ایک زبردست لنگر خانہ ہے اور ایک عجیب امیرانہ شان ہے۔ یہ باتیں سُن کر آپ کو خیال ہوا کہ یہاں تو بظاہر درویشی کا کارخانہ معلوم نہیں ہوتا بنا بریں اُن کا قصد بغیر ملاقات واپس جانے کا ہوا۔۔۔ حاجی مراد خاں نے جو حضرت شاہ ابو سعیدؒ کے فیض یافتہ تھے آپ کو سمجھایا کہ میاں اتنی دور سے آئے اور بغیر ملاقات جارہے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔۔۔ جاکر ملاقات تو کرلو پھر جیسا تمھارا جی چاہے ویسا کرنا۔ اور یہ بھی کہا کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا دونوں بھرپور دیئے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا ہے للہ فی اللہ خرچ کرتے ہیں، غرض حاجی صاحب کے کہنے سننے سے آپ خدمت شاہ ابو سعیدؒ میں حاضر ہوئے چند روز رہ کر بھی حضرت رائے بریلویؒ کی شانِ امارت دیکھ کر ان کا اعتقاد نہ جما۔ واپس جانے کا ارادہ کیا۔ حضرتؒ نے اپنی روشن ضمیری سے صورت حال کا اندازہ لگالیا اور فرمایا۔۔۔ میاں عبدالقادر! تم کو پیر کی تلاش کرتے کرتے پچیس سال ہوگئے ابھی تک تمھیں موافق طبیعت پیر نہیں ملا! سن لو قیامت تک تم کو تمھاری طبیعت کے موافق پیر نہیں ملے گا اس لئے کہ تم بے عیب پیر ڈھونڈھ رہے ہو حالانکہ بے عیب ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تم اس طرز عمل سے راہ سلوک کی برکات سے محروم رہ جاؤ گے۔ بہتر یہ ہے کہ جس میں دس نیکیاں اور دو برائیاں ہوں اُسی کو غنیمت جان لو۔۔۔ یہ طریقہ بغیر پیر کے حاصل نہیں ہوتا اگر پیر کامل نہ بھی ہو اور شوق، کامل ہو تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو پیرانِ طریقت کا سلسلہ ہے وہ ذریعۂ فیض بن جائے گا۔ حضرتؒ کی یہ بات آپ کے دل میں*

* نوٹ:- آگے کے دو صفحوں کی ترتیب غلط ہوگئی ہے۔ ناظرین پہلے صفحہ ۲۱ - اکے بعد صفحہ ۲۰ اور اس کے بعد صفحہ ۲۲ پڑھیں (مرتب)

ہی کے سلسلے میں ہوگا، خبردار تم لوگ ان سے کچھ نہ بولنا چاہے وہ مجھے زدوکوب ہی کیوں نہ کریں۔ یہ سن کر ہم سب مجبور ہو گئے اور تشویش تھی کہ کیا صورت بنے گی۔ اتنے میں میاں صاحب ظہر کے وقت تشریف لے آئے۔ آپ نے ان کو اپنے مصلّے پر بٹھایا، وہ مصلے پر نہ بیٹھے، پھر آپنے فرمایا میاں صاحب مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے انھوں نے فرمایا حضرت میں سب سمجھ گیا اور میں نے مان لیا۔ آپ کی خدمت میں توبہ کر کے آیا ہوں اور اس امر کی دعا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو توفیق نیک دے اور اپنے باپ دادا کے طریقے پر چلائے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی آپکے بارے میں رائے

امام المسلمین حضرت سید احمد شہیدؒ جب حج بیت اللہ سے واپس ہوئے تو اپنی محفل میں فرمایا کہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گیا راستے میں اور ان مقامات مقدسہ میں بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی مگر میں نے شاہ عبدالقادر خائلص پوریؒ جیسا پابند اوقات اور سید محمد جامع جیسا کلام اللہ پڑھنے والا نہیں پایا ـــــ حضرت سید شہیدؒ خائلص پور تشریف لائے تو وہاں بھی یہی فرمایا کہ آپ کی سی پابندیٔ اوقات میں نے کسی میں نہیں پائی اس کو سن کر از راہ تواضع آپنے فرمایا کہ "میاں مجھ جیسا ناکارہ تم نے نہ دیکھا ہوگا"

حضرت سید احمد شہیدؒ خائلص پور میں

آپکے صاحبزادے لکھتے ہیں کہ جب امام المسلمین حضرت سید احمد شہیدؒ سفر حج سے واپس آئے تو یہ عاصی ملاقات کو گیا سید صاحبؒ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ خان جی! ہمارے حضرت کا کچھ حال بیان کرو، میں نے عرض کیا حضرت ان کا عجیب حال ہو گیا ہے کبھی ہنستے ہیں کبھی روتے ہیں اور اشعار بھی بہت پڑھتے ہیں ـــــ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے ان کی ملاقات کا بہت اشتیاق تھا اور یہ حال سن کر اور زیادہ اشتیاق ہو گیا مگر اس وقت چونکہ دہلی کے چند علماء میرے یہاں مہمان ہیں اسلئے ابھی نہیں جا سکتا ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد جلد حاضر ہوں گا۔ فی الحال میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے صدہا آدمیوں کے ساتھ حج کیا، اللہ تعالےٰ نے بہت سی ایسی ظاہری و باطنی نعمتیں مجھے عنایت فرمائیں کہ میں ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ میاں عبدالغفار خاں بیان کرتے ہیں کہ میں نے

جم گئی۔ اُسکے بعد آپ نے عرض کیا کہ اب میں آپ ہی سے بیعت کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ خلاف شریعت کوئی عمل نہ کروں گا۔ خدمت آپ مجھ سے جو چاہیں لیں حتیٰ کہ بیت الخلاکی صفائی پر متعین فرمادیں اس خدمت سے بھی گریز نہیں ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا "بھائی میں تم سے کیا خدمت لوں گا میں تو خود ہی تمھاری خدمت کروں گا" شاہ عبدالقادر فرمایا کرتے تھے کہ عنایت الٰہی اور حضرت مرشدؒ کی توجہ سے میرا مطلب آٹھ دن میں حاصل ہوگیا۔ بعد حصولِ مقصود آپنے وطن جانے کی اجازت چاہی تو حضرتؒ نے اور حضرت کے صاحبزادے میاں سید ابو اللیث صاحبؒ نے روک لیا، چنانچہ آپ آستانۂ مرشد پر عرصہ تک رہے۔

شادی

آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ پیر و مرشد کی وفات کے بعد چالیس سال کی عمر میں جب کہ مشکوٰۃ شریف پڑھ رہے تھے اس میں نکاح نہ کرنے پر تہدید کی حدیث آئی تو خوف کھاکر قصدِ نکاح کیا۔ نکاح کے لئے یہ شرط لگائی کہ کوئی رسم خلاف شرع نہ ہونے پائے اور عورت کا سب خاندان نمازی ہو ـــــ حضرت مولانا سید محمد واضحؒ نے ان شرطوں کو ملحوظ رکھ کر اپنے ایک مرید لعل خاں سے فرمایا کہ وہ اپنی لڑکی شاہ عبدالقادر کو منسوب کر دیں، چنانچہ لعل خاں کی صاحبزادی سے آپکا نکاح ہوگیا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ

مولوی عبدالغفار خاں صاحب نے لکھا ہے کہ پیرزادہ میاں کلّم صاحب جو بانس بریلی کے رہنے والے اور حضرت سید محمد معصوم قدس سرہٗ کی اولاد میں تھے بڑے صاحب جلال اور غصہ ور تھے۔ ان کا مزاج تو درویشانہ تھا مگر ظاہری شکل و صورت بالکل خلاف شرع تھی ـــــ میاں صاحب موصوف والد صاحب کے اوصاف سُن کر باشتیاقِ تمام ملاقات کے لئے لکھنؤ سے خالص پور آئے۔ میں نے والد صاحب سے از راہِ احتیاط عرض کیا کہ میاں کلّم صاحب آپکے ملاقات کرنے تشریف لا رہے ہیں ان کی ظاہری شکل و صورت خلافِ شرع ہے آپ اُن سے باخلاق پیش آئیے اور کچھ نصیحت نہ فرمائیے ان کے مزاج میں غصہ بہت ہے۔ آپنے فرمایا۔ میاں کہہ چکے؟ تو سنو ان شاء اللہ تعالیٰ میرا پہلا کلام نصیحت

خالصپور آکر سلام و پیام عرض کر دیا مگر اتفاق کی بات اسکے چند روز بعد آپ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ بالکل خاموش رہتے تھے۔ تھوڑے دنوں بعد امام المسلمین حضرت سید احمد شہیدؒ کثیر التعداد رفقار کے ہمراہ خالصپور بغرض ملاقات تشریف لائے، مجھے بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے اس وقت والد صاحب کا جو حال بیان کیا تھا اب وہ حال نہیں اب تو خاموش رہتے ہیں کسی سے کلام نہیں فرماتے اور جو کوئی عرض کرتا ہے تو اس سے یہ فرما دیتے ہیں "میاں چپ رہو" میاں تم نے سنا نہیں کہ "جو بولا سو مارا گیا" جب سید صاحبؒ نے آپ کو سلام کیا آپنے وعلیکم السلام کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور یہ مشہور عارفانہ رباعی پڑھی۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

پھر فرمایا سیدا!

نہ دارم، ہمہ دارم دگر ہیچ نباید

پھر یہ پڑھا ——— رب بن مجھ کو کچھ نہ سہائے ، آگ لگے سب جل بل جائے

ایک سو چالیس آدمی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ آئے تھے اور ان کے علاوہ خالصپور کے باشندے بھی اس وقت موجود تھے ان کلمات کو سُن کر سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لکھنؤ کے ایک پیرزادے بھی ہمراہی میں تھے انھوں نے فرمایا سید صاحب آپ پر قربان جائیے آپنے ایسے اچھے بزرگ سے ملاقات کرادی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی درخواست دعا اور استفادہ باطنی

اسکے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ نے سب صاحبوں کو وہاں سے رخصت کیا صرف میاں عبد الغفار خاں سے فرمایا کہ تم یہاں رہو۔ پھر فرمایا کہ حضرت میرے تین مقاصد میں ایک تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا جان و مال، اسباب، تن بدن اور جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف ہو اور اللہ تعالےٰ مجھ کو قبول فرمالے ——— آپسے اس کے لئے دعا کا طالب ہوں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے کچھ وصیت کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں آپ نے فرمایا میاں میری وصیت کی کیا ضرورت ہے تم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے سید صاحبؒ نے فرمایا حضرت کچھ تبرکاً ہی فرما دیجئے اس وقت حضرت سید شہیدؒ آپ کی چارپائی کے نیچے آپکے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، آپ از راہ شفقت و محبت سید شہیدؒ کے سر مبارک پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اور اُن کی داڑھی میں خلال کر رہے تھے ۔ یکایک آپ نے مشرق کی طرف ٹکٹکی لگائی پھر تھوڑی دیر بعد سید صاحبؒ کی طرف منھ کر کے نصیحت و وصیت کے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"میاں! استقامت اوپر شریعت کے"

ان الفاظ کو تین مرتبہ فرمایا:۔

تیسرا مقصد سید صاحبؒ نے یہ پیش کیا کہ آپ مجھے توجہ دیجئے۔ آپنے فرمایا میاں میں اس لائق نہیں ہوں ـــــ آپکے صاحبزادے لکھتے ہیں کہ حضرت سید صاحبؒ نے مجھ کو اشارہ کیا کہ میں اس سلسلے میں سفارش کروں میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو صاحبزادوں کو بہت مانتے ہیں اور سب سے زیادہ محبت آپ کو سید صاحب سے ہے لہٰذا آپنے اگر کسی کو توجہ نہ بھی دی ہو تب بھی سید صاحب کو توجہ دیجئے اور توجہ تو آپ اوروں کو دیتے رہتے ہیں۔ اس کو سن کر آپنے اپنے صاحبزادے کو ڈانٹا اور فرمایا" ارے تو کیوں بولتا ہے "ــــ اور سید صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا" میاں گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔" پھر فرمایا اچھا میاں تمھاری خوشی یہی ہے تو بیٹھو چنانچہ گھڑی بھر توجہ دی ـــــ توجہ سے فراغت کے بعد حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس وقت نسبت قادریہ تھی میں نسبت نقشبندیہ کا بھی مشتاق ہوں فرمایا کل فجر کو ـــــ دوسرے روز حسب وعدہ نسبت نقشبندیہ کی توجہ دی ـــــ اس موقع پر میاں عبد الغفار صاحب یہ لکھنے کے بعد کہ سید صاحب والد صاحب کے پیر و مرشد کے نواسے تھے اور والد صاحب کے شاگرد بھی تھے ـــــ یوں رقمطراز ہیں۔

"سبحان اللہ سید صاحبؒ کیا عاشق اللہ کے تھے ـــــ کچھ اپنی غرض نہ تھی نہ فتح کی نہ ملک کی فقط رضا مندی مالک حقیقی (مطلوب تھی) ویسے ہی مقبول ہوئے کہ
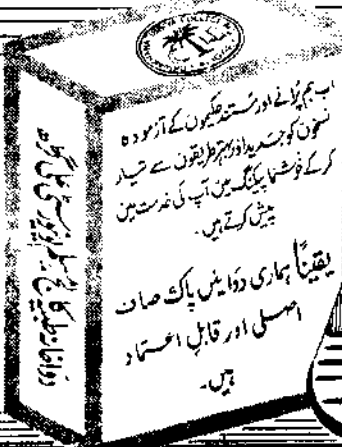
لاش بھی تصدیق ہو گئی اس کا بھی پتہ نہ لگا اور ہزارہا آدمی دینِ اسلام سے فیض یاب ہوئے اس عاصی نے سید صاحب سے عرض کی تھی کہ آپ جہاد کو...... تشریف لیے جاتے ہیں یہاں پہلے مسلمانوں کو اسلام پر پکا کیجئے پھر تشریف لیجائیے آپ کی ذات سے ہزاروں کلمہ گو (پکا) مسلمان ہوا ہے ــ غرض ان کو شوق، جہاد کا دیا تھا، اور شہادت (بھی) جلد منظورِ الٰہی ہوئی۔"

وفات حضرت شاہ عبد القادر خانپوریؒ نے ۱۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۰ھ بروز یکشنبہ قریب صبح صادق وفات پائی۔ خانپور میں مزار ہے۔ مولوی محمد علی صاحب کوئی بزرگ ہیں انھوں نے تاریخ وفات اس طرح لکھی۔

چو جستم سالِ تاریخِ وفاتش
خرد گفتا، "بجنت شد مقامش"

سنہ ۱۲۴۰ھ

ضمیمہ

حضرت مولانا محمد یوسف نمبر

۱۳۸۵ھ

۱۹۶۵ء

"حضرت مولانا محمد یوسف نمبر میں وعدہ کیا گیا تھا کہ حضرت مولانا مرحوم کی بعض تقریریں وغیرہ جن کو "نمبر" ہی میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اگر وقت اور صفحات میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے وہ اس میں شامل نہیں کی جاسکیں، آئندہ شمارہ میں ہدیۂ ناظرین کی جائیں گی ـــــ اسی وعدہ کے مطابق آئندہ صفحات میں حضرت مولانا مرحوم کی دو اہم تقریریں اور متعدد تقریروں کے منتخب اجزاء اور اقتباسات درج کیے جارہے ہیں۔ ان میں سے پہلی تقریر میاں جی عیسیٰ کی اُس بیاض سے لفظ بلفظ لی گئی ہے جس کا ذکر "نمبر" میں کیا جاچکا ہے ـــــ دوسری تقریر حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی آخری اہم تقریر ہے جو بعض خاص محرکات کی بنا پر تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے خواص کے ایک مجمع میں وصال سے تین ہی دن پہلے آپ نے فرمائی تھی ـــــ مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور حلقوں میں شعوری اور غیر شعوری طور پر جو طبقہ واریت یا علاقائی عصبیت پیدا ہورہی ہے جو مسلمانوں کے "اُمت واحدہ" ہونے کی صفت کے لیے سم قاتل ہے۔ مولاناؒ کی یہ اہم تقریر اسی خطرناک مرض سے متعلق تھی اور جن لوگوں نے یہ تقریر سُنی تھی انھوں نے بتایا کہ اس تقریر کے وقت حضرت مولانا مرحوم پر تأثر اور رنج والم کی عجیب کیفیت طاری تھی۔

ان دو تقریروں کے بعد چند مختلف تقریروں کے اہم اجزاء اور اقتباسات ہیں جن سے حضرت مولانا مرحوم کے مخصوص طرز فکر اور اس کی خاص بنیاد کو سمجھا جاسکتا ہے۔"

ادارہ

ـــــــــ ـــــــــ

سارے انفرادی و اجتماعی مسائل کا ایک حل

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایک تقریر

{ یہ تقریر میاں جی محمد عیسےٰ کی اس بیاض سے لفظ بلفظ نقل کی گئی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے }

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بھائی دوستو! بڑی دقت کی بات یہ ہے کہ اپنی غلط کاری کی بنا پر ہمارا ذہن انفرادی بن چکا۔ دین کے بارہ میں بھی اور دنیا کے بارہ میں بھی، یہاں کے بارہ میں بھی اور آخرت کے بارہ میں بھی۔ ذہن یہ بن گیا کہ بس اپنی ذات والے حال میں لگا رہے، خواہ دین کا حال ہے یا دنیا کا اس سے اپنا مسئلہ درست ہو جائے گا، حالانکہ شخصی احوال پر طاقت خرچ کرنے سے بلا و مصیبت کم نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے، اجتماعی احوال کو جب تک ٹھیک نہ بنایا جاوے اسوقت تک شخصی حالات درست ہونا مشکل ہے۔ اگر اجتماعی زندگی کی خرابی پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑے تو پھر ہر کسی کی شخصی بھی بگڑتی چلی جاوے گی اور اس کے برعکس اگر اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی سعی کی جا رہی ہوگی، تو ایک ایک شخص کا انفرادی مسئلہ بھی بہتر ہوتا چلا آئے گا، جب کسی قوم، ملک یا امت کا اجتماعی مسئلہ بگڑا ہوا ور طاقت اسکی درستگی پر لگائی جائے تو وہ اجتماعی بھی درست ہو جاتا ہے اور ہر کسی کا شخصی بھی درست ہو جاتا ہے۔ ہمیں غلط فہمی ہوتی ہے کہ فلاں تدبیر کے نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ بگڑا ہے، حالانکہ ہمارے ایک ایک مسئلہ کا بگڑنا اور بننا اجتماعی مسئلہ کے ساتھ ہے۔ ہاں اگر تھوڑے سے آدمی اجتماعی مسئلہ پر طاقت لگا دیں تو سب کے مسائل اجتماعی اور انفرادی درست ہو جاویں گے اور

اگر کچھ لوگ بھی پوری قوم میں سے اس کا فکر رکھنے والے نہ ہوئے تو اجتماعی کے ساتھ ہر کسی کا شخصی مسئلہ بھی بگڑ جائے گا اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا ـــــ اجتماعی مسئلہ کے بگڑنے کی صورت میں اگر قوم کے اولیاء اللہ اس کے سدھار کے لیے راتوں کو رو رو کر بھی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں ـــــ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں سے فیصلہ ہو جاوے کہ کسی ملک کے انسان بھوک کے مریں تو اگر بھوک سے بچنے کے لیے ایک ایک شخص پوری طرح جان بھی کھپا رہا ہوگا تب بھی ایک ایک کر کے بھوک سے ہلاک ہو جاویں گے اپنی ذات کے مسئلہ میں لگ جانا ہی تو اجتماعی کے بگاڑ کا ذریعہ ہے۔ جوں جوں اپنی ذات کیلئے جان کھپاوے گا اسی قدر اجتماعی حالات بگڑتے جائیں گے اور یہاں تک بگڑیں گے کہ احادیث میں آتا ہے کہ لوگ قبروں پر سے گزرتے ہوئے حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی قبروں میں ہوتے، آدمی آدمی کو کاٹ کر کھا جاوے گا، یہ جب ہوگا کہ ہر کسی کا جذبہ جانوروں کی طرح صرف اپنی ہی ذات کے لیے ہو، ایسے انسان انسانوں کے جامہ میں درندے ہوتے ہیں، ساری پریشانی اس وجہ سے ہے کہ وقت تو اجتماعی مسائل کے لیے قربانی دینے کا ہے اور کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ اچھا جب تک دوکان چلتی رہے چلاؤ یا زمین میں لگا جاوے لگے رہو۔ محض اپنے لگنے سے مسائل درست نہیں ہوتے بلکہ اللہ پاک ہی بگاڑتے ہیں اور وہ ہی بناتے ہیں۔

یقین اس بات پر جمانا ہے کہ جس چیز پر اللہ پاک طاقت لگوانا چاہتے ہیں اس میں لگنے سے تو مسائل ٹھیک ہوتے ہیں اور جن مخلوقات پر انسان از خود طاقت خرچ کرتا ہے اس سے مسائل بگڑتے ہیں۔ انفرادی بھی بگڑتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ طاقتیں جب مخلوق پر خرچ ہونے لگیں تو خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ جان لیوا ہو جاتے ہیں، جس طرح چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اسی طرح حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں، سورج مخلوق ہے، چاند مخلوق ہے، زمین و آسمان مخلوق ہیں، اور سارے جانور بھی مخلوق ہیں، حالات چیزوں کی مخلوق نہیں ہیں، حالات مستقل طور پر اللہ کی مخلوق ہیں، یہ بات نہیں کہ اگر کسی نے چاہا تو امن کر دیا اور چاہا تو فساد کر دیا۔ نہیں بلکہ یہ احوال

اللہ پاک کے لانے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح سورج اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح وہ روشنی جو اس میں سے نکل رہی ہے وہ بھی اسکی مخلوق ہے۔ جب چاہتے ہیں سورج سے روشنی نکالتے ہیں اور جب چاہتے ہیں سلب فرمالیتے ہیں، کسی ہتھیار سے آدمی نہیں مرجاتا بلکہ جس طرح وہ آدمی اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح اس کی موت بھی اللہ کی مخلوق ہے، جب اللہ پاک مارنا چاہتے ہیں تو موت وقوع میں آتی ہے، اسی طرح عزت و ذلت، فقر و فاقہ وغیرہ سب اللہ پاک ہی کی مخلوق ہیں، ہمیں غلّہ سے پیٹ کا بھرنا نظر آتا ہے اور اسی طرح سے دوسری چیزوں میں ہم غلط طور پر احوال کو دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور غلط تخیل قائم کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے کہ پانی ہم اُتارتے ہیں، کھیتی ہم اُگاتے ہیں، ایک عورت اگر خدا کی مخلوق ہے تو اس کے اندر میں جو بچہ ہے وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے، مخلوق کسی وقت خالق نہیں بن جاتی، جو اوّل چیز کو بنانے والا ہے دوسری کو بھی وہی بناوے گا، کسی مخلوق کو مخلوق میں (سے ظاہر ہوتا) دیکھ کر (اس مخلوق پر) طاقت خرچ ہوگی تو مسئلہ بگڑے گا۔ روٹی کھانے میں پیٹ بھرنا (یعنی پیٹ بھرنے کی لازمی خاصیت) نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ کبھی میری یہ حالت تھی کہ روٹی کھاتے کھاتے میرا جبڑا دُکھ جاتا تھا اور پیٹ نہیں بھرتا تھا ......

جو کچھ بھی ہے زمین سے لے کر آسمان تک اور جو اس وقت موجود ہے اور جو آگے آنے والا ہے ساری ہی چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور سارے احوال بھی اس کے مخلوق ہیں تو بس جب کچھ لینا ہو اس کے لینے کے لیے اللہ ہی پر طاقت صرف کی جائے، اگر خوف سے گھبراہٹ ہے تو بھی رابطہ اللہ پاک سے ہی پیدا کیا جاوے، جس خوف کو اللہ پاک سے ہٹاؤ گے وہ ہمیشہ کے لیے ہٹ جاوے گا۔ اگر مخلوق پر طاقت صرف کرکے کوئی چیز حاصل کی تو وجود تو اس کا بھی اللہ ہی کے پیدا کرنے سے ہوگا تاہم مخلوق کے واسطہ سے آنے کی صورت میں وہ فانی ہوگی، جو شخص اللہ سے نہ لے بلکہ مخلوق سے لے تو بہت ہی پچھتانا پڑے گا اس لیے کہ جو مخلوق مخلوق میں سے آئے گی وہ فانی ہوگی اور اسکے فنا پر حسرت و افسوس رہیگا اور جو چیز اللہ سے آئے گی وہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مطلب یہی ہے کہ تمام مسائل کو ایک ذات باری تعالیٰ سے ہی حل کرانا ہے، لہٰذا وہ تدبیر اختیار کرو جو اس سے لینے کی ہیں۔ اگر

خدا تعالیٰ سے لینے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی تو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ غیر خدا پر طاقت لگا کر ہم جو سمجھ رہے ہیں کہ چیزوں سے کچھ پیدا ہو رہا ہے تو اس میں شرک کی بو آتی ہے۔ کوئی مخلوق اللہ پاک کے حکم کے بغیر کچھ دے نہیں سکتی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ بتلایا گیا ہے کہ مخلوقات میں کچھ نہ سمجھے بلکہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی کرنے والے ہیں۔ اسی کو توحید کہتے ہیں جس طرح مخلوق سے فائدہ اٹھانے کی تدابیر ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ سے لینے کی بھی تدابیر ہیں سامنے انکارات بعد کو آتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ پاک پر یقین پیدا ہو جائے اور اسی کے پیدا کرنے کے لئے انسانوں میں کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں اگر تھوڑا سا یہاں خوف برداشت کر لیا جائے گا تو ہمیشہ کے خوف سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ تھوڑی سی بھوک پیاس برداشت کر لی جائیگی تو ہمیشہ کی بھوک سے نجات مل جاویگی، تھوڑا وقت بیوی بچوں کی جدائی میں گزر گیا تو ہمیشہ کا ساتھ نصیب ہوگا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے تھوڑے دن بھوک پیاس برداشت کی تو اس دنیا میں بھی بڑی بڑی سلطنتوں کے دبے ہوئے خزانے تک ان کے پیروں میں آپڑے، ضرورت ہے کہ ذاتی تاثر کسی چیز کا نہ رہے تب ہی ملک مال کے فتنوں سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور اللہ کے لیے ہر کسی سے معاملہ کرنا آجاوے۔ جب روپیہ نہ ہو تو بھی متاثر نہ ہو اور جب روپیہ آجائے تو اس سے بھی متاثر نہ ہو ایسے ہی لوگ معاشرے میں جو مخلوق کا تاثر ختم کر دیں۔ غرض یہ کہ اس وقت کے بگاڑ کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم سب جو اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے والے ہوتے۔ وہ مخلوق پر جان کھپانے اور اسی سے لینے کے غلط تصور کے عادی ہو گئے، اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے پر جس قدر اللہ کی مددوں کا یقین ہوگا اسی قدر غیب کے دروازے کھلتے جاویں گے، اگر خدا کے دین کے لیے جان کھپانے والوں کی مقدار بڑھے اور اس پر یقین ہو تو چونکہ ساری مخلوقات اللہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ہماری مرغوبات ہوں یا مکروہات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو دنوں کو پوری طرح مخلوق میں اللہ پاک کا یقین پیدا کرنے کے لیے ٹھوکریں کھائیں اور راتوں کو اس کی جناب میں پوری طرح گریہ وزاری سے دعائیں مانگیں تو انشاء اللہ ہر طرح کے اجتماعی وانفرادی احوال درست اور موافق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو اُمّت بننے کی دعوت

{حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے تین دن پہلے یعنی ۲۶ ذیقعدہ (مطابق ۳۰ مارچ) منگل کے دن، بعد نماز فجر رائیونڈ (ضلع لاہور) میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی (یہ آپ کی زندگی کی اہم آخری تقریر تھی۔) ہمیں یہ تقریر مولانا عبدالعزیز صاحب گملوی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے —— یہ پوری تقریر ۲۴ صفحہ کی تھی، صفحات میں گنجائش کی کمی اور ناظرین کی سہولت فہم کے لیے ہم کسی قدر اختصار اور لفظی ترمیم کے ساتھ اس کو ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ ہم نے اسکی کوشش کی ہے کہ اس کا کوئی اہم حصہ چھوٹنے نہ پائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے حمد و صلوٰۃ کے بعد خلافِ عادت تقریر اس طرح شروع فرمائی۔}

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا ورنہ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارے گا"

اس کے بعد فرمایا:۔

"یہ اُمت بڑی مشقت سے بنی ہے اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اسکی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک اُمت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اب مسلمان اپنا امت پنا (یعنی اُمت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں، جب تک یہ اُمت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پہ بھاری تھے، ایک پکا مکان نہیں تھا، مسجد تک پکی نہیں تھی، مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا، مسجد نبوی میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے۔ سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داریؓ

ہیں وہ سنہ ۸ھ میں اسلام لائے ہیں ـــ اور سنہ ۹ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک اُمت بن چکے تھے تو جب یہ سب کچھ ہو گیا۔ اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا لیکن حضورؐ جو نور ہدایت لیکر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا اور امت بن چکی تھی، پھر یہ امت دنیا میں اُٹھی جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے ۔۔۔ یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں، امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک اُمت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری اُمت ہل جاتی تھی اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پہ جوں نہیں رینگتی۔

سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا۔

اُمت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر اُمت بنتی ہے جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ اُمت کو ذبح کرتا ہے اور اُس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضورؐ کی اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے ـــ امت کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی اُمت کو کاٹا ہے ــ اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم اُمت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمھارے ہتھیار اور تمھاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لیے پٹ رہا اور مر رہا ہے کہ اُس نے امت پنے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں، ساری تباہی اس

وجہ سے ہے کہ امت امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضور نے کس طرح امت بنائی تھی۔

امت رہنے کے لیے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اسکی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کرو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضور نے فرمایا ہے کہ علی کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا، اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل اور فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقط لکھ دی، حالانکہ انھوں نے ہی اکبر کو گمراہ کرکے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ امت بننے کے لیے اور خدا کی غیبی نصرت کے لیے کیسے کافی ہوسکتی ہیں۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے حضرت مولانا نے فرمایا:۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے، وہ جب سرحدی علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنالیا تو شیطان نے وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ انکی بات یہاں کیوں چلے۔ انھوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی، ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دیئے گئے اور اس طرح خود مسلمانوں نے علاقائی بنیاد پر امت پنے کو توڑ دیا، اللہ نے اسکی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا یہ خدا کا عذاب تھا ـــ

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارہ میں جو غلطی ہوئی (جو اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہو جاتی) اس کا نتیجہ حضرت سعد کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑا۔ روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ [1]

رمیناہ بسہم فلم یخط فوادہ

اس واقعہ نے مثال قائم کردی اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقہ کی بنیاد پر اُمت پنے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔

اُمت جب بنے گی جب اُمت کے سب طبقے بلا تفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے کے گئے ہیں۔ خوب یاد رکھو اُمت پنے کو توڑنے والی چیزیں ہیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں۔ ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اُس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور اُمت پنا ٹوٹتا ہے، اس لیے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے اُمت نہیں بنے گی، امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لیے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کرکے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ لاکھوں کروڑوں روپے آئے اُن کی تقسیم کا مشورہ ہوا، اس وقت اُمت بنی ہوئی تھی، یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلہ یا ایک ہی طبقہ کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو حضور کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے مشورہ سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلہ والوں کو دیا جائے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ والوں کو، پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ والوں کو۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آتے ۔۔۔ جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ کے صدقے میں مل رہا ہے، اس لیے بس حضورؐ ہی کے تعلق کو معیار بنایا جائے جو نسب میں آپ سے زیادہ قریب ہوں ان کو زیادہ دیا جائے

---

[1] ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ہلاک کردیا ہم نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک اس کے دل پر لگا۔

جو دوم سوم چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے، اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے اس کے بعد بنی عبد مناف کو، پھر قصی کی اولاد کو، پھر کلاب کی، پھر کعب کو، پھر مرہ کی اولاد کو، اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور اس کا حصہ بہت کم ہو جاتا تھا، مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلہ کو اتنے پیچھے ڈال دیا ـــــ اس طرح بنی تھی یہ اُمت!

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا:

اُمت بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ پڑے ـــــ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہو گا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا کیونکہ اسکی کسی بات نے اُمت میں تفریق ڈالی ہو گی، اُس سے کہا جائے گا یہ تیرے اسی ایک لفظ کی سزا ہے جس کی وجہ سے اُمت کو نقصان پہنچا، اور ایک دوسرا آدمی ہو گا جس کے پاس نماز روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہو گی اور وہ خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہو گا، مگر اسکو بہت ثواب سے نوازا جائے گا، وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے اسکو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے اُمت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رُک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

اُمت کے بنانے اور بگاڑنے میں جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے، یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے ـــــ اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اسکی ہر بات کو سُن رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ:

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان میں پشتوں سے عداوت اور

لڑائی چلی آرہی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی توفیق ملی تو حضور کی اور اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہوگئیں اور اوس و خزرج شیر و شکر ہوگئے۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکیم بنائی کہ کسی طرح ان کو پھر سے لڑوایا جائے۔ ایک مجلس میں جس میں دونوں قبیلوں کے آدمی موجود تھے، ایک سازشی آدمی نے اُن کی پُرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا۔ پہلے تو باتیں ہوئیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ حضورؐ سے کسی نے جاکر کہا، آپ فوراً تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کرو گے، آپ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، دونوں فریقوں نے محسوس کرلیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا، دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۔۔۔۔۔ الخ

اے مسلمانو خدا سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنا چاہیئے اور مرتے دم تک پورے پورے مُسلم اور خدا کے فرمانبردار بندے بنے رہو ــــــ جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا اس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا اور ہر دم اسکی تابعداری کرے گا تو شیطان کبھی اُسے نہیں بہکا سکے گا ــــــ اور اُمت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔

آگے فرمایا:-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ــــــ اور اللہ کی رسی کو یعنی اسکی کتاب پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور اُمت ہونے کی صفت کے ساتھ سب مل جل کر دین کی رسی کو تھامے رہو اور آپس میں لگے رہو اور قوم کی بنیاد پر یا علاقہ کی بنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر، یا کسی اور بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اللہ کے اس احسان کو نہ بھولو کہ اُس نے تمہارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم کرکے جو پشتوں سے تم میں چلی آرہی تھی تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کردی اور تمہیں باہم بھائی بھائی

بنا دیا اور تم آپس میں لڑتے وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچایا۔

اس کے آگے فرمایا کہ :-

شیطان تمہارے ساتھ ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی کی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور فساد سے روکنا ہو۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اُمت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ حق کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لیے اور خیر اور نیکی کے راستہ پر لگنے کے لیے محنت کرتا رہے، نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لیے محنت کرے، اور ان محنتوں کی وجہ سے اُمت ایک اُمت ہی رہے ——— آگے فرمایا :

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ ——— جو لوگ ان ہدایتوں کے بعد بھی شیطان کی پیروی کر کے الگ الگ راہوں پر چل کے اختلاف پیدا کریں گے اور اُمت کے امت پنے کو توڑیں گے تو ان پر خدا کی سخت مار پڑے گی (وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ)

دین کی ساری تعلیم اور ساری چیزیں جوڑنے والی اور جوڑنے کے لیے ہیں، نمازیں جوڑ ہے روزہ میں جوڑ ہے، حج میں قوموں اور ملکوں اور مختلف زبان والوں کا جوڑ ہے، تعلیم کے حلقے جوڑنے والے ہیں، مسلمانوں کا اکرام اور باہم محبت اور ہمدردی تحائف کا لین دین یہ سب جوڑنے والی اور جنت میں لے جانے والی چیزیں ہیں اور قیامت میں ان اعمال کے کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے برخلاف باہم بغض و حسد، غیبت، چغل خوری، توہین، تحقیر اور دل آزاری یہ سب پھوٹ ڈالنے والے اور توڑنے والے اور دوزخ میں لیجانیوالے اعمال ہیں اور ان اعمال والے آخرت میں روسیاہ ہوں گے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ

أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

جنھوں نے پھوٹ ڈالی اور پھوٹ والے اعمال کر کے اُمت کو توڑا ہوگا وہ قیامت کے دن تیروں سے کالے منہ اٹھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان و اسلام کے بعد کفر والوں کا طریقہ اختیار کیا، اب تم یہاں دوزخ کا عذاب چکھو اور جو ٹھیک راستہ پر چلتے رہے ہوں گے، ان کے چہرے نورانی اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں اور جنت میں رہیں گے۔

میرے بھائیو دوستو! یہ سب آیتیں اس وقت اُتری تھیں جب یہود نے انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور ان کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔ ان آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی پھوٹ اور لڑائی کو کفر کی بات کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے ـــــ آج ساری دنیا میں امت پنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی کے طریقہ پر ان کاموں میں جڑیں۔ جب امت پنا آئے گا۔ ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے جب تین بیٹھیں تو اس کا خیال رکھیں کہ چوتھا ہمارے ساتھ اللہ ہے، چار پانچ بیٹھیں تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ پانچواں یا چھٹواں اللہ ہمارے ساتھ ہی موجود ہے، اور وہ ہماری ہر بات سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ ہم امت بنانے کی بات کر رہے ہیں یا امت پنا توڑنے کی۔ ہم کسی کی غیبت اور چغلخوری تو نہیں کر رہے، کسی کے خلاف سازش تو نہیں کر رہے۔ ـــ یہ امت حضورؐ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی، اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں، یاد رکھو نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہوگی ـــ اگر مسلمانوں میں امت پنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی، اور امت پنا جب آئے گا جب أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ پر مسلمانوں کا

عمل ہو یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت و تواضع اختیار کرنے کو اپنائے۔ تبلیغ میں اسی کی مشق کرتی ہے۔ جب مسلمانوں میں "اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں "اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ" یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور رہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ کے رسول نے اُن باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑنے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو، دو دو چار چار الگ کانا پھوسی کریں اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا۔ "اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللہِ" اسی طرح تحقیر اور استہزا اور تمسخر سے منع فرمایا گیا۔ "لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ" اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کرکے معلوم کیا جائے اور جو برائی کسی کی معلوم ہو گئی ہو اُس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا گیا اور غیبت کو حرام کیا گیا۔ غیبت اس کا نام ہے کہ جو واقعی برائی کسی کی معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے "وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا" یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کرکے اُمت پنے کو توڑتی ہیں، ان سب کو حرام قرار دیا گیا ——— اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے اُمت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لیے مجھے عزت لینی نہیں، بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں، ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی، عزت اور ذلت روس اور امریکہ کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اُس کے ہاں اُصول اور ضابطے ہے۔ جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ جھکانے والے اصول اور اعمال لاوے گا اس کو جھکا دیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دیں گے۔ یہود

نبیوں کی اولاد تھے، اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے اُن کو توڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ بُت پرستوں کی اولاد تھے، انھوں نے چمکانے والے اصول اختیار کیے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو، حضور کی امت میں امت پنا آجائے۔ اس میں ایمان یقین آجائے، یہ ذکر و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنیوالی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز و اکرام کرنے والی امت بن جائے، بدگوئی نہ کرنے والی، نازیبائی نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر و تمسخر اور تجسس و غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے ـــــ اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ، پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا اور شیطان اور نفس خدا نے چاہا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ـــ اور حسب معمول دعا پر تقریر ختم ہوئی۔

مولانا کا طرزِ فکر

چند جھلکیاں

[اس عاجز کے پاس حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مختلف تقریروں کے کچھ مختصر نوٹس تھے. یہ سارے نوٹس صرف اشارات میں تھے جو دراصل خود اپنے استفادہ اور اپنی یادداشت کے لیے نوٹ کیے گئے تھے. ان میں سے چند ٹکڑے مرتب کر کے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں. ہر ٹکڑے کے مضمون کے متعلق پورا اطمینان ہے کہ وہ حضرت مولانا ہی کا ہے لیکن الفاظ کی ذمہ داری تمامتر اسی عاجز پر ہے. اسی طرح آیات قرآنی کے جو ترجمے کیے گئے ہیں ان کا ذمہ دار بھی یہ ناچیز ہی ہے.

یہ مختلف تقریروں کے الگ الگ اجزا ہیں اب یہ بھی پتہ نہیں کہ ان میں سے کون تقریر کس زمانہ میں کی گئی تھی جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کی دینی دعوت کو بنیادی طور پر سمجھا ہے. امید ہے کہ یہ ٹکڑے انھیں بہت کچھ یاد دلائیں گے اور وہ ان میں اپنے لیے رہنمائی کا کافی سامان پائیں گے.

محمد منظور نعمانی]

(۱)

یہ خیال غلط ہے کہ ملک و مال ہاتھ میں آجانے سے اسلام چمکے گا. ملک و مال والے تو اسلام کو زندہ درگور کر رہے ہیں. آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور اس کے خزانے ہیں وہ ابوبکر و عمر کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ اور شداد و قارون کے نمائندے ہیں. ان سے حیات اسلامی کی توقع بالکل غلط ہے ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کٹتا ہے—

"اَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" ــــــــ (اللہ اس مردے میں اب کیسے جان ڈالیگا)

اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے آج بھی قربانیوں ہی سے چمکے گا۔ اسلام کے لیے اگر قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں مٹ جاتا ہے۔

جو لوگ اخلاص کے ساتھ قربانیاں دیتے رہیں گے۔ ان کی طرف ملک و مال والے ایک دن خود رجوع ہوں گے وہ وقت بڑی آزمائش کا ہوگا۔ اگر نظران کی حکومت اور دولت پر ہوگئی اور یہ سمجھا گیا کہ اب ان کی دولت اور حکومت سے دین کا کام چلے گا تو سب کیا دھرا برباد ہو جائے گا اور اگر ان کے ملک و مال سے نظر ہٹا کے ان کو بھی قربانی کے راستہ پر لگایا گیا تو پھر ان سے بھی بڑے آئیں گے۔ ان کے ساتھ بھی یہی کرنا ہوگا یہاں تک کہ حکومتوں کے صدور اور وزرائے اعظم آئیں گے ان کو بھی اسی راستہ پر لگانا ہوگا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دعوت اور قربانی کا راستہ ہے ملک و مال کا راستہ نہیں ہے۔

ایسوں کی ضرورت ہے جو روس اور امریکہ کی مادی فضاؤں میں بھی اسی یقین پر جمے رہیں کہ دین صرف دعوت کے راستہ کی قربانیوں سے اور قربانیوں کے بعد کی دعاؤں سے چمکے گا اور اس یقین پر دعوت کے راستہ میں قربانیاں دیتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور کن فیکونی شان پر نگاہ رکھتے ہوئے امید و یقین کے ساتھ ہدایت کی اور جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور ان کی وجہ سے ہدایت کا راستہ رک رہا ہے ان کی بربادی کی دعائیں کریں پھر یا تو ہدایت کے دروازے کھلیں گے یا وہ ہوگا جو شداد و نمرود اور فرعون و ہامان کے ساتھ ہوا۔

ــــــ (۲) ــــــ

تم دنیا میں سورج کی طرح نور کے ساتھ پھرو گے تو تم سے دنیا میں نور پھیلے گا اور نور تمہارے اندر ایمان سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال و اخلاق سے اور اخلاص کے ساتھ دین کی دعوت سے آئے گا ــــ سورج میں تین باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نور کے ساتھ پھرتا ہے، دوسرے مسلسل پھرتا ہے، تیسرے یہ کہ جن کو روشنی پہونچاتا ہے ان سے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ تمہارا حال بھی یہی ہونا چاہیے، نور کے ساتھ پھرو، مسلسل پھرو

اور "لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا" کو اپنا اصول بناؤ، دعوت کے عمل سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ

—— (۳) ——

آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو ترقیاں نظر آرہی ہیں وہ مادہ پر محنت کا نتیجہ ہے انبیاء علیہم السلام کا راستہ روح پر محنت اور روحانی ترقی کا راستہ تھا، وہ اللہ کی رضا والے اعمال پر محنت کر کے اور قربانیاں دے کے اللہ کی طاقت سے اپنے مسائل حل کراتے تھے —— فرعون کے پاس فوج تھی، لشکر تھا اور ہر قسم کی مادی طاقت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بس روح کی ترقی والے اور اللہ کی رضا والے اعمال کے لیے تیار کیا ان سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم نے ایمان والا راستہ اختیار کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور پورے ایمان و یقین اور اعتماد کے ساتھ اس سے مدد مانگو۔ (یٰا قَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَکَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُسْلِمِیْنَ ۝)

قوم نے کہا ہم نے آپ کی بات مان لی اور اللہ پر یقین و توکل کا راستہ اختیار کر لیا اور ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ فرعون اور فرعونی حکومت کے ظلم و ستم سے ہماری حفاظت فرمائے اور اس کافر قوم کی غلامی کی مصیبت سے ہمیں نجات دلائے۔ (رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝)

اس کے بعد قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون کو حکم دیا کہ اپنی قوم کی ایمانی تربیت کے لیے مصر میں خاص مرکز اور عبادت خانے قائم کرو اور اقامت صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق جوڑو اور ان کی زندگی کو اللہ کی فرمانبرداری والی زندگی بناؤ اور ساتھ ہی فرمایا گیا کہ جب یہ باتیں عمل میں آجائیں تو قوم کو بشارت سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور اللہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا۔ (وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝)

حضرت موسیٰ اور ہارون اللہ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اقامتِ صلوٰۃ کا عمل اور تبدیلی کی محنت شروع کر دی تو حضرت موسیٰ اور ہارون نے دعا کی کہ خداوندا تو نے فرعون اور

فرعونیوں کو دنیا کے جو ساز و سامان دے رکھے ہیں وہ ان کے ذریعہ تیرے بندوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اے مالک تو ان کے مال و دولت کو ملیا میٹ کر دے۔ اور یہ تھا اُدھر جیسے وَ قَالَ مُوسٰى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون کی دعا قبول فرمائی۔ ان کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ وہ نکل گئے۔ اللہ نے ان کیلئے سمندر میں راستہ بنا دیا جس سے وہ صحیح سلامت پار ہو گئے۔ فرعون نے اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ اسی میں غرق کر دیا گیا۔ یہ جو کچھ ہوا براہ راست اللہ کی طاقت سے ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کا راستہ یہی ہے۔ وہ اپنے کو اور اپنے ساتھیوں کو بس اللہ کے حکموں پر ڈال دیتے ہیں اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، قربانیاں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی طاقت سے ان کے مسائل حل کرتا ہے ـــــ قرآن پاک میں اس کو "سنۃ اللہ" کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی ابدی قانون ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ولن تجد لسنة الله تحويلا

(۴)

آج کل اس دنیا میں چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے براہ راست چیزوں پر محنت کرنے کا رواج ہے، کھیت والے کھیت سے غلہ حاصل کرنے کے لیے بس کھیت ہی پر محنت کرتے ہیں، تجارت اور سوداگری والے اور کارخانوں والے بس دکانوں اور کارخانوں پر محنت کرتے ہیں، یہی محنت آج کل عام ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ محنت و مجاہدہ کر کے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اپنے خزانۂ غیب سے چیزیں نصیب فرمائے اور برکت فرمائے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" — اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے واسطے راستے پیدا کریں گے اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

اور فرمایا گیا ہے۔

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا"	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کاموں کو آسان کر دیں گے۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ"	اور اگر ان لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کی صفات ہوتیں تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

ان آیتوں میں تقویٰ پر جو کچھ وعدہ فرمایا گیا ہے اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔
اور یہ بات کہ تقویٰ کیا ہے اس کی تفصیل اس آیت سے معلوم ہوگی۔ اس آیت میں تقویٰ کی ساری شرطیں بیان کر دی گئی ہیں۔

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ	نیکی کا معیار یہ نہیں ہو کہ تم مشرق کی طرف رخ کر دیا مغرب کی طرف بلکہ اصل نیکی ان کی ہو (اور اللہ کی نگاہ میں نیک وہ ہیں) جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر اور دیویں اپنا مال اس کی چاہت کے باوجود اہل قرابت کو اور یتیموں مسکینوں کو اور ضرورتمند مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور وفا کرنے والے اپنے عہد کے جب عہد کریں اور صبر و برداشت سے کام لینے والے تنگی اور تکلیف میں اور ثابت قدم رہنے

الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ — والے، جنگ کے وقت یہی بندے ہیں

هُمُ الْمُتَّقُونَ ○ — سچے اور یہی تقویٰ والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے متقی ہونے کے لیے یہ چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک ایمان باللہ۔ یعنی اس حقیقت کا پورا یقین کہ سب کچھ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے بس اسی کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور اسی کے لیے مرنا مٹنا چاہیے۔

دوسرے ایمان بالیوم الآخر۔ یعنی اس حقیقت کا یقین کہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں ہے بلکہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم ہے اور وہی اصل عالم اور اصل زندگی ہے اور یہ چند روزہ زندگی بس اس کی تیاری کے لیے ہے اور انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار اسی آخری زندگی کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

تیسرے ایمان بالملائکہ یعنی اس بات کا یقین کہ یہ عالم جن ظاہری اسباب سے چلتا ہوا نظر آتا ہے در اصل ان اسباب سے نہیں چل رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے باطنی نظام کے ذریعہ اس سارے ظاہری نظام کو چلا رہا ہے۔ مثلاً ہمیں نظر آتا ہے کہ بارش بادلوں سے اور ہواؤں سے ہوتی ہے اور زمین کی چیزیں بارش کے پانی سے اگتی ہیں۔ ملائکہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کا یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ سارے کام در اصل فرشتوں سے کرا رہا ہے۔ گویا ان ظاہری اسباب کے پیچھے فرشتوں کا نظر نہ آنے والا نظام ہے، اور اس کے پیچھے اللہ کی ذات اور اس کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔

چوتھے ایمان بالکتاب والنبیین۔ یعنی اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کے بارہ میں یقین کہ تحقیقی علم وہی ہے جو اللہ کی کتابوں میں ہے اور جو نبیوں کے ذریعہ انسانوں کو ملا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ غیر تحقیقی ہے اور ناقص ہے مثلاً انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا راستہ وہی ہے جو اللہ کے نبیوں نے اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں نے بتایا ہے، اگر دنیا بھر کے فلسفی اور دنیا بھر کے لیڈر اس کے خلاف کہتے ہیں اور سوچتے ہیں تو غلط ہے اور ان کا جہل ہے۔

یہ چار باتیں ایمان و یقین کی لائن کی تھیں یعنی متقی ہونے کی پہلی شرط یہ بتلائی گئی کہ ان چار باتوں کے بارہ میں یقین صحیح ہو۔ اس کے بعد فرمایا گیا "وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ" یعنی ایمان و یقین کی درستی کے ساتھ وہ مالیات کو بھی اس یقین کے مطابق بنائیں، مال کی طبعی چاہت اور اس سے دل چسپی اور محبت کے باوجود اپنا کمایا ہوا مال وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے نبیوں اور کتابوں کی تعلیم کے مطابق اپنے ماحول کے ضرورت مندوں پر خرچ کریں، قرابت والوں پر خرچ کریں، یتیموں مسکینوں پر خرچ کریں بے چارے پردیسیوں کا بندوبست کریں، حاجت مند سائلوں کو دیں، غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کریں، غرض اپنی کمائی دوسروں پر لگائیں اور اس سے دوسروں کو آرام اور نفع پہونچائیں۔

اس کے بعد تیسری شرط تقویٰ کی یہ بتائی گئی کہ نماز قائم کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے اہتمام سے اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کریں۔

چوتھی شرط یہ بتائی گئی کہ زکوٰۃ بھی اہتمام سے ادا کریں۔

آخر میں اخلاقیات کی درستی کی شرط بیان کی گئی "وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ" یعنی ان میں وفائے عہد ہو وہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا کریں اور تنگیوں اور تکلیفوں میں اور جنگ اور قربانی کے میدانوں میں صبر اور برداشت سے کام لینے والے ہوں، حالات کیسے ہی مخالف ہوں مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہ آئے۔

اس سب کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" کہ یہی اللہ کے سچے بندے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے ان سب رخوں پر محنت کرنی ہوگی۔ ایمان و یقین کے لیے محنت، مالیات کے درست کرنے پر محنت، نماز پر محنت، زکوٰۃ پر محنت، اخلاق کی درستی پر محنت، جب یہ سب چیزیں صحیح ہو جائیں گی اس وقت آدمی متقی ہوگا اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ

غیب سے اس کے مسائل حل کرے گا، اس کے لیے برکتوں کے دروازے کھلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ پر جو انعامات اس دنیا میں ہوتے ہیں اور متقی بندوں کے مسائل جو حل کیے جاتے ہیں ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔

اکثر تو ایسا ہوتا ہے کسی متقی بندے کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کے دل میں ڈالا اور اس نے وہی چیز ہدیہ کے طور پر پیش کر دی یہ بہت عام اور متعارف طریقہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت پیش آئی اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے اپنے فضل سے اس کو حل فرما دیا۔ مثلاً ایک بندہ بیمار ہوا، اسے بیماری کی تکلیف شروع ہوئی اس نے اللہ سے شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر حکیم ڈاکٹر اور بغیر دوا کے شفا عطا فرما دی۔

کبھی کسی بندہ کی ضرورت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے بندہ کو خواب میں بھی مطلع فرماتے ہیں۔ حسن ابن سفیان ایک بزرگ ہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اور ان کے دو ساتھی علم حدیث اور دین کی طلب میں نکلے ایک شہر میں قیام کیا، جو تھوڑا بہت اپنے پاس تھا، سب ختم ہو گیا اس کے بعد جب فاقوں پر فاقے آنے لگے تو انھوں نے طے کیا کہ اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہمارے لیے سوال جائز ہے۔ مشورہ سے طے ہوا کہ حسن ابن سفیان جائیں اور کسی سے کچھ مانگ کے لائیں، یہ بے چارے نکلے لیکن انھیں شرم آئی کہ کسی مخلوق سے سوال کریں، تنہائی کا کوئی گوشہ تلاش کیا اور صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کی۔ اور واپس آ گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میں تو کسی سے سوال نہیں کر سکا میں نے بھی دعا کی ہے اور تم بھی بس اللہ سے دعا کرو۔ اسی رات کو شہر کے امیر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس کو آسمان کی طرف سے بڑے جلال کے انداز میں پکار رہا ہے، نگاہ اٹھا کے دیکھا تو نظر آیا کہ ایک شخص غصہ میں بھرا ہوا ہے اور نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ نیزے کا رخ امیر کی طرف کر کے ڈانٹ کے کہہ رہا ہے

ادرك الحسن سفيان واصحابه — حسن ابن سفیان اور ان کے ساتھیوں کی
قبل ان يموتوا — خبر لے قبل اس کے کہ ان بیچاروں کا خاتمہ ہو جائے

خواب ہی میں یہ بھی اشارہ ملا کہ وہ شہر کی کسی مسجد میں ہیں۔ امیر نے اٹھتے ہی شہر میں ان کی تلاش شروع کرائی اور جب حکومت کے بعض کارندوں نے ان لوگوں کو تلاش کر لیا اور پا لیا اور امیر کی طرف سے کچھ اشرفیاں ان کو پہونچائیں اور ان سے کہا کہ امیر آپ سے ملنا چاہتے ہیں تو یہ اللہ کے بندے خاموشی کے ساتھ شہر سے غائب ہو گئے تاکہ لوگوں پر ان کا راز نہ کھلے ۔ ـــــــ
تو اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے مسائل کبھی اس طرح بھی حل کراتا ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب واقعہ تو مشہور صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ہے جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہے۔ واقعہ یوں روایت کیا گیا ہے کہ وہ اور ان کے گھر والے سخت فقر و فاقہ کی حالت میں تھے، گھر میں کچھ نہ تھا بس اللہ سے دعائیں کرتے تھے، اسی حال میں ایک چوہا حضرت مقداد کے سامنے سے گزرا، آپ نے اس پر اپنی چادر ڈال کر کسی طرح اس کو پکڑ کر بند کر لیا، تھوڑی دیر میں اس کا جوڑا آیا، اس نے اپنے ساتھی کو گرفتار دیکھا وہ اپنے بل میں گیا اور ایک دینار اپنے منھ میں لے کر آیا اور حضرت مقداد کے سامنے ڈال دیا اور دور بیٹھا دیکھتا رہا، کچھ دیر کے بعد پھر بل میں گیا اور ایک دینار اور اسی طرح لا کر اس نے سامنے ڈال دئے اس طرح یکے بعد دیگرے سترہ دینار اس نے بل سے نکال کے حضرت مقداد کے سامنے ڈال دیئے وہ گویا اپنے اس طرز عمل سے اور زبان حال سے حضرت مقداد سے عرض کرتا تھا کہ یہ اشرفیاں بطور فدیہ کے قبول کر لو اور میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔ آخر میں وہ ایک دینار اور لایا اور اس کے ساتھ ایک پھٹا ہوا کپڑا بھی بل میں سے لایا۔ اس طرح گویا اس نے حضرت مقداد کو بتایا کہ اب کچھ نہیں رہا جو کچھ تھا وہ سب میں نے حاضر کر دیا۔ حضرت مقداد نے اس چوہے کو چھوڑ دیا اور دونوں چوہے خوشی خوشی اچھلتے کودتے اپنے بل میں چلے گئے۔ اور ان سترہ اشرفیوں کو حضرت مقداد نے اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھا۔ اور اپنی ضرورتوں میں ان کو استعمال کیا ـــــــ تو کبھی ایسے غیر معمولی اور حیرت انگیز طریقوں سے بھی متقی بندوں کی مدد کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فضل کے طریقے بے شمار ہیں۔ اللہ کے سوا ان کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

اب دنیا میں صرف مادہ پر اور مادی چیزوں پر محنت کا رواج ہے۔ تقویٰ پیدا کر کے اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لینے کا راستہ لوگ

بالکل بھول گئے ہیں۔ حالانکہ یہی راستہ ہے جس کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے' اس میں سب سے پہلے اس یقین کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے' وہی سب کا پروردگار اور کارساز ہے' وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ دنیا کے علاوہ عالم آخرت کا مالک بھی وہی ہے' اور اس کی ذات و صفات سے اور اس کی ربوبیت اور رحمت سے استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کہ بس اس کی عبادت ہو اور اس سے دعا ہو' یہی صراط مستقیم ہے جو انبیاء اور صدیقین' شہداء اور صالحین کا راستہ ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے دشمنوں کی بے پناہ اکثریت کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل کی اسی راستہ سے حاصل کی' حضرت ابراہیمؑ کو جو کامیابی نمرود کی حکومت کے مقابلے میں حاصل ہوئی اسی راستے سے حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کی فوج کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ اسی "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کے راستہ سے حاصل ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا راستہ بھی یہی تھا اسی راستہ کی ہدایت کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں اس طرح کی جاتی ہے "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥"

بہرحال اللہ کے سارے نبیوں' رسولوں اور ان کی راہ پر چلنے والے سب مقبول بندوں کا راستہ یہی ہے۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں اور جن پر خدا کا غضب ہے ان کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات و صفات کے یقین اور عبادت و استعانت سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر صرف مادی لائنوں پر محنت کرتے ہیں۔"

(۵)

انبیاء علیہم السلام کا پیغام اور تجربہ یہ ہے کہ مسئلوں کا حل اور کامیابی نہ مال میں ہے' نہ حکومت میں' نہ اکثریت میں' بلکہ اللہ کے امر سے وابستہ ہو جانے میں اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے میں ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا واقعہ' حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور نمرود کا واقعہ' اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور فرعون و قارون کا واقعہ قرآن مجید میں پڑھیے اور غور

کیجیے۔ ان سب واقعات کی روح یہی ہو کہ اکثریت اور دولت اور حکومت کچھ نہیں اصل چیز اللہ کا فیصلہ اور اس کی مدد ہو اور وہ ان بندوں کے ساتھ ہے جو اس کے ہو جائیں اور اس کی راہ میں قربانیاں دیں۔

(۶)

اللہ تعالیٰ کی مدد ذاتوں اور شخصیتوں کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ ان کے اعمال اور اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدد فرمائی اسی طرح آپ کے صحابہ کرام اور بعد میں اولیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے اور ان کی جو مدد کی فرمائی گئیں وہ ان کی شخصیتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اعمال اور خاص کر اللہ کے لیے ان کی قربانیوں اور دین کے راستہ کی ان کی محنتوں کی وجہ سے فرمائی گئیں آج بھی جو کوئی اللہ کی مدد دیکھنا چاہے وہ ان کے والے اعمال اور ان کی والی قربانی اور محنتوں کے راستہ پر پڑ جائے۔ وہ اللہ کی مددوں کو آتا ہوا خود آنکھوں سے دیکھے گا۔

اللہ کی نصرت اور غیبی مدد کا استحقاق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک نظر میں اللہ پر ہو اور یقین ہو کہ ہم سے یا کسی سے کچھ نہ ہو سکے گا، جو کچھ ہوگا صرف اللہ کی مدد اور اس کے کرم سے ہوگا ـــــ غزوہ بدر اور خندق میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی سہارا اور کوئی پناہ کی جگہ ان کے سامنے نہیں تھی، اپنی کسی چیز پر ذرا بھی اعتماد نہیں تھا اس لیے نظر صرف اللہ کے کرم اور اس کی نصرت پر تھی، تو پوری نصرت اور بھرپور مدد ہوئی۔ اور اس کے برخلاف غزوہ احد اور غزوہ حنین میں جب اپنی تعداد اور تیاریوں پر بھی کچھ اعتماد پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا ہاتھ کھینچ لیا گیا۔

(۷)

مسلمانوں میں دین کی رسم اور صورت موجود ہے۔ اس تبلیغی جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ ان میں دین کی روح اور حقیقت آ جائے۔ ان میں دین کے منتشر اجزا موجود ہیں تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ ان میں پورا دین اپنی صحیح ترتیب کے ساتھ آ جائے ـــــ یہ چھ نمبر جن پر تبلیغ میں زور دیا جاتا ہے اور جن کی مشق کرائی جاتی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان صحیح ترتیب کے ساتھ

دین پر پڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور آخرت کے ثواب و عذاب پر نظر رکھ کے زندگی گزارنا ان کا مزاج بن جائے۔

(۸)

آج دین کے جن احکام پر مسلمان عمل نہیں کر رہے ہیں خواہ وہ احکام کسی شعبہ کے ہوں ان پر عمل کرنے سے یا تو مسلمانوں کے مال پر زد پڑتی ہے یا جان و جسم پر یا خواہشات پر اس لیے ان احکام پر عمل کرنا ان کے لیے سخت مشکل ہو رہا ہے اور وہ اسلام کے ماننے کے باوجود اس کے احکام کے خلاف زندگیاں گزار رہے ہیں —— ہماری یہ جد و جہد جس کا نام تبلیغ ہے اور اس کے چھ نمبر بس اس مشکل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان نمبروں میں مسلسل مشغولیت اور ان کی مشق کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگی کا رخ ان چیزوں کی طرف سے مڑ کر جن کی طرف پڑ گیا ہے اللہ کے اوامر و احکام کی طرف ہو جائے اور پھر وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں تکلیفیں اور نقصانات برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

(۹)

ہمارے اس تبلیغی کام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے احکام کی پابندی والی زندگی گزارنے لگیں۔ چھ نمبروں کی پابندی اور مشق سے ان میں یہ بات آسکتی ہے —— لیکن ان نمبروں کے الفاظ سے جو مطالب عام لوگ سمجھتے ہیں ان سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کا جو مطلب ہم سمجھتے ہیں اور بتاتے ہیں اس کے مطابق کرنے اور سیکھنے سے ان شاء اللہ وہ بات پیدا ہو جائے گی کہ جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانوں کے باوجود اور نفس کی خواہشات کے خلاف ہونے کے باوجود لوگ اللہ کے احکام پر چلیں گے۔

(۱۰)

اسلام میں جن اعمال کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے عوض ثواب کا اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے مثلاً رحم کا حکم ہے احسان کا حکم ہے سخاوت اور فیاضی کا حکم ہے عدل و انصاف کا حکم ہے مجرموں کو سزا دینے کا حکم ہے۔ ان اعمال اور اخلاق کی حیثیت یہ ہے کہ در اصل یہ اللہ تعالیٰ کی صفات

اور اس کے افعال ہیں اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق یہ اعمال کریں اور یہ صفات پیدا کریں (تخلقوا باخلاق اللّٰہ)

دوسری قسم کے وہ اعمال ہیں جو دراصل نبیوں کے کرنے کے ہیں اور امتی ان کو نبیوں کی نیابت میں کرتے ہیں، جیسے دین کی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اعلاء کلمۃ اللّٰہ کی کوششیں اور اس کے راستہ میں قربانی وغیرہ وغیرہ۔ یہ دراصل نبیوں والے اعمال ہیں اور نبی ان ہی کے کاموں کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ امتی ان کے کاموں کو کرکے نبی کے مقصد کی خدمت کرتے ہیں اور نبی کی نصرت اور نیابت میں ان راستوں پر محنت کرتے ہیں۔

تیسری قسم وہ اعمال ہیں جو اللّٰہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی ظاہر کرنے کے لیے اور اس کے ذریعہ اللّٰہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں یہ شان عبادات کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، قربانی، ذکر و تلاوت، وغیرہ عبادات اس قسم کے اعمال ہیں۔

چوتھی قسم وہ اعمال ہیں جو دراصل اپنی خواہشات اور بشری تقاضوں کے لیے کیے جاتے ہیں لیکن ان کے بارے میں اللّٰہ تعالیٰ نے احکام دیے ہیں کہ ان کو اس طرح کرو اس لیے یہ بھی دینی اعمال ہو گئے، مثلاً نکاح کرنا، بیوی بچوں کو کھلانا، پلانا، کپڑے پہنانا ان کو پیار کرنا، یا خرید و فروخت، اسی طرح کاشتکاری یا کارخانہ داری یا محنت مزدوری یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق دراصل ہماری خواہشات اور بشری ضروریات سے ہے لیکن اللّٰہ تعالیٰ نے ان کے متعلق احکام دیئے کہ ان کو اس طرح کیا جائے اور ان میں بھی ثواب رکھ دیا، اب یہ بھی دینی اعمال ہو گئے لیکن ان کے دینی اعمال اور قابل ثواب ہونے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ اللّٰہ کے دیے ہوئے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطوں کے مطابق ہوں اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ سے وہ اعمال ضائع نہ ہوں جو ان سے مقدم اور زیادہ اہم ہیں، اب اگر ایک شخص اپنے کاروبار میں یا اور بیوی بچوں میں اس طرح مشغول ہوتا ہے کہ اس مشغولیت کی وجہ سے دین سیکھنے

کے لیے اور ایمان و یقین حاصل کرنے کے لیے اور اپنی نماز کو حقیقی نماز بنانے کے لیے اور خدا سے اپنے تعلق کو صحیح کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتا تو اس کا بیوی بچوں کو پالنا اور کاروبار میں مشغول رہنا ہرگز دینی عمل نہیں ہے بلکہ سراسر وبال ہے اور "اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" کا مصداق ہے۔

(۱۱)

محنت کے دو میدان ہیں۔ ایک زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، دوسرے ایمان اور ایمان والے اعمال۔

پہلی محنت کا معاوضہ دنیا میں ملتا ہے، لیکن ایسا نہیں تھا کہ محنت کرنے والے اس پر خوش اور مطمئن ہوں۔

دوسری محنت کا معاوضہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ بھرپور دے گا۔

یہاں جو کچھ نظر آتا ہے وہ بہت ناقص ہے، بیچاری آنکھ کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی صرف صورت کو دیکھ سکتی ہے حقیقت کو نہیں، کسی جسمانی چیز کی صرف اوپر سے نظر آنے والی سطح اور شکل کو دیکھ سکتی ہے اس کی روح کو نہیں دیکھ سکتی، حد یہ ہے کہ خود اپنے کو نہیں دیکھ سکتی، اللہ کا غیبی نظام جو نظر نہیں آتا وہ لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ وسیع ہے۔ —— پھر آنکھ نہ کسی چیز کا اول دیکھتی ہے نہ آخر، صرف اس کا حال دیکھتی ہے، ہر چیز شروع میں مٹی تھی، آخر میں پھر اسکو مٹی ہونا ہے۔ آنکھ نے نہ اسوقت دیکھا جبکہ وہ پہلے مٹی تھی نہ وہ اسوقت کو دیکھ رہی ہے جب وہ پھر مٹی ہوگی، بلکہ صرف اس کو موجودہ شکل میں دیکھا ہے جب کسی چیز کو دیکھو تو سوچو کہ کچھ نہیں، یہ پہلے مٹی تھی اللہ کی قدرت سے اس کی یہ شکل بن گئی ہے، اور پھر ایک دن اس کو مٹی ہو جانا ہے۔ اپنے بارہ میں بھی یہی سوچو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى"

نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے رکھے گئے ہیں، اس کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ جب پہلے سجدے میں جائے تو یاد کرے کہ میں اسی زمین کی مٹی سے بنایا گیا ہوں، پھر دوسرے سجدے میں یاد کرے کہ زندگی کی میعاد ختم کر کے مجھے پھر اسی زمین کا پیوند ہو جانا ہے اور پھر اس سے اٹھ کر اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

مولانا محمد یوسف نمبر کا پہلا ایڈیشن ستمبر کے پہلے ہی ہفتے میں ختم ہو گیا تھا۔ اب دوسرا تیار ہو گیا ہے۔ (مدیر)

سالانہ چندہ	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	سالانہ چندہ
غیر ممالک سے	(فی کاپی ۶۰ پیسے)	ہندستان سے ۶/-
۱۲ .... شلنگ		پاکستان سے ۸/-
ہوائی ڈاک سے		ششماہی
ایک پونڈ		ہندوستان سے ۳/۵۰
		پاکستان سے ۴/-

جلد ۳۳ | بابتہ ماہ رجب ۱۳۸۵ھ مطابق نومبر ۱۹۶۵ء | شمارہ

تصحیح :- گزشتہ شمارہ پر غلطی سے ستمبر کا مہینہ اور نمبر ۶ چھپ گیا ہو، اسکو اکتوبر اور نمبر ۷ پڑھا جائے۔

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہو، تو

اسکا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ نومبر تک آ جائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آ جانی چاہیے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

محض خدا کا فضل ہے کہ وہ خطرات جو ہندوستان و پاکستان کے کسی تصادم کی شکل میں مسلمانانِ ہند کے لئے مضمر تھے وہ تین ہفتے کے بھرپور تصادم کے باوجود واقعات کی صورت نہ اختیار کر سکے، لیکن پھر بھی ان حالات میں مسلمانوں کے لئے جو نزاکت پیدا ہو گئی ہے اس سے شاید کوئی دیوانہ ہی انکار کر سکے، اور کم از کم ان لوگوں کو تو اس سے انکار ہونا ہی نہ چاہیئے جو اگرچہ اپنی نسبتوں کے لحاظ سے تختہ دار پر حق کہنے کی روایات کے وارث ہیں اور اس پر فخر ان کا سب سے بڑا سرمایہ ہو، مگر اس نزاکت احساس نے انہیں مجبور کیا کہ اس جنگ میں اپنے وطن کی حمایت کو مسلمانانِ ہند کا وطنی اور سیاسی فریضہ قرار دینے ہی پر قناعت نہ کریں بلکہ ایک مذہبی فریضہ اور شریعت مقدسہ کا تقاضا بھی قرار دیں، اور اسکے باوجود قرار دادیں کہ ملک کے لیڈر بار بار مسلمانوں سے کہہ رہے ہوں کہ یہ کوئی مذہبی جنگ نہیں خالص سیاسی جنگ ہے، لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ وہی لوگ جن کے موجودہ حالات کی نزاکتوں کے احساس کا ایک طرف یہ عالم ہے دوسری طرف وہ اِن نزاکتوں سے اس قدر بیگانہ بھی ہیں کہ اپنی جماعتی مصلحتوں کے تحت کسی مشترک ملی پلیٹ فارم کو چھوڑنا ہو تو اسکے اعلان کے لئے بھی انہیں حالات کو منتخب کریں!! اور پھر اعلان بھی مجرد قطع تعلق کا نہ ہو بلکہ اور بہت سی جدال انگیز باتوں کے ساتھ ساتھ یہ فردِ جرم بھی اس اعلان کا جزو بنے کہ اس ملی پلیٹ فارم نے ہندوستان و پاکستان کی جنگ کے دوران نہایت بے تعلقی اور سرد مہری کا رویہ رکھا حتیٰ کہ اس کی کوئی میٹنگ تک اس سلسلے میں نہیں بلائی گئی، جبکہ پہلے ذرا ذرا سی باتوں پر اسکی میٹنگیں ہوتی رہی ہیں!۔

ہم یہ سطریں بہت ہی ناخوشگواری کے احساس کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری جناب مولانا اسعد مدنی کے اُس بیان پر لکھ رہے ہیں جو مسلم مجلس مشاورت سے استعفے کے طور پر الجمعیۃ اور بعض دوسرے اخبارات میں شائع ہوا ہے اور جس میں ڈاکٹر سید محمود صاحب (صدر مجلس) کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ :-

"ہند و پاکستان کی جنگ کے دوران آپ نے اگرچہ ذاتی طور پر اپنی خدمات محاذ جنگ کے لئے پیش فرمائیں، مگر مجھے تعجب اور حیرت ہے کہ اس سلسلے میں مسلم مجلس مشاورت نے معمولی توجہ دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اور اس اہم اور نازک موقع پر مجلس کا کوئی اجلاس بھی طلب نہیں کیا گیا، حالاں کہ اس سے پہلے معمولی معمولی باتوں پر اجلاس طلب کئے گئے ہیں۔"

الجمعیۃ (سنڈے ایڈیشن) ۲۴ر اکتوبر ۱۹۶۵ء

راقم حروف کو مولانا اسعد صاحب سے ہمدرسی کی نسبت ہے، اور شاید ہمعصری کی بھی۔ تعلق بھی ان کی محبت وعنایت سے برادرانہ رہا ہے، لیکن وہ جس عظیم ہستی کی یادگار ہیں اس کے اٹھ جانے کے بعد سے برابری کے بجائے اُن کو بڑائی کے مقام پر رکھ کر دیکھنا ہی دل کو پسند رہا۔ علاوہ ازیں وہ جس جماعت کے جنرل سکریٹری ہیں وہ ہمارے بزرگوں کی جماعت ہے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کی ذات عالی نے اسکی بنیادوں کو عظمت بخشی، حضرت مولانا انورشاہؒ کے تقدس اور پاک نفسی سے بھی اس نے فیض پایا، حضرت علامہ مفتی کفایت اللہؒ کی سرپرستی میں ایک طویل مدت اس نے گزاری اور پھر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مدتوں سربراہی کا طغرائے امتیاز بھی اسکے حصے میں آیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ اگرچہ اس خاص صفت کے نہ تھے مگر انھوں نے جمعیۃ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۲ء تک کے پر آشوب دور میں مسلمانان ہند کی جس قدر وسیع پیمانے پر خدمت کی اور جس مجاہدانہ انداز میں وہ ہر موقع پر اس ستم زدہ ملت کے لئے سینہ سپر ہوئے، یہ چیز اُن کی شخصیت کو بھی جمعیۃ کے لئے ان بزرگوں ہی کی طرح موجب احترام اور باعث اکرام بنا دیتی ہے۔ اس لئے مولانا اسعد صاحب کی ذاتی حیثیت کا سوال ہو یا جمعیۃ کے جنرل سکریٹری ہونے کی حیثیت کا، طبعی طور پر دونوں ہی صورتوں میں بڑا مشکل کام ہو کر ان پر کسی بیباک تنقید کا مرحلہ

سر کیا جائے۔ اور مرحلہ بھی ایسا جس میں اُن کے نازک جذبات کی رعایت بھی ممکن نہو! ــــــ

ــــــ لیکن افسوس ہو کہ زیر نظر بیان پر کسی بھی نسبت اور کسی بھی حیثیت کا لحاظ کرکے خاموشی کی گنجائش نہیں، یہ جماعتی اور قیادتی رقابت کی کارفرمائیوں کا ایسا نمونہ ہو جو محترم اسعد میاں کی بلند و بالا نسبتوں کے لحاظ سے ہی افسوسناک نہیں پوری ملت کے مفاد اور مستقبل کے لحاظ سے بھی بے پناہ خطرناک ہو۔

ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں کہ نیشنلزم اور سیکولرزم کے نام پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو (جس سے ہمیں بھی سخت اختلاف رہتا ہو) مولانا اسعد میاں کی طرف سے مطعون کئے جانے پر ہم نے بڑا نام لئے انھیں ٹوکا تھا کہ یہ باتیں ان کے شایان شان نہیں۔ نہ تو دینی لحاظ سے یہ دونوں اہم قرار کسی تفرد و مباہات کا میدان بننے کے لائق ہیں اور نہ ملی مصلحت کے لحاظ سے ہندوستان کے موجودہ حالات اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ مسلمان علی الاعلان ایک دوسرے کے سیکولرزم اور نیشنلزم کی پیمائش کریں، لیکن یہ گزارش رائیگاں ہی گئی۔ اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر آج کے جیسے نازک حالات میں مولانا اسعد میاں کسی ایک جماعت نہیں بلکہ جمعیۃ علماء کے برسراقتدار گروہ کے سوا مسلمانوں کی تمام اہم جماعتوں اور مختلف حلقوں کے مشترک پلیٹ فارم کی حب الوطنی کو پیمائش میں لاتے ہوئے اظہار حیرت فرما رہے ہیں کہ اس نے ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کے دوران کروٹ بھی نہیں لی! ــــــ

لیکن اسعد میاں کو یہ بات بھولنی نہ چاہیئے کہ انھیں ابھی وطن کی راہ میں کچھ جھیل کر دکھانے کا موقع نہیں ملا ہو جبکہ جس شخص (ڈاکٹر سید محمود صاحب) کو وہ حب الوطنی کا سبق پڑھا رہے ہیں اسکے بال ہی اس راہ میں وہ سب کچھ جھیلتے ہوئے سفید ہوئے ہیں، جو پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور اس صف کے دوسرے اشخاص نے جھیلا تھا۔ جمعیۃ علماء کی قیادت بیشک بڑا مرتبہ ہو مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہونا چاہیئے کہ آدمی فرق مراتب کو بھی یکسر بھول جائے! مولانا اسعد صاحب اگر جمعیۃ علماء کے بزرگوں کی روایات کا پاس فرماتے تو اُن کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کسی مسلمان میں کوئی واقعی کمزوری بھی ہوتی تو وہ اسکی پردہ پوشی فرماتے نہ یہ کہ ڈاکٹر سید محمود جیسے بزرگ محب وطن کی حب الوطنی کو بھی مشکوک قرار دینے کی سعی کی جائے۔ کاش! اسعد میاں محسوس کر سکیں کہ وہ کدھر جا رہے ہیں!۔
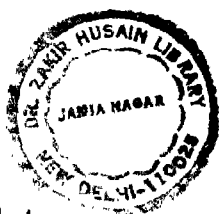
کائنات کا خالق ——— خدا یا اتفاق

(از جناب وحید الدین خاں صاحب)

کائنات کے اندر جو حیرت انگیز نظم اور جو غیر معمولی حکمت و معنویت پائی جاتی ہے۔ مخالفین مذہب اس کو بطور واقعہ تسلیم کرتے ہیں مگر اس میں انھیں کسی ناظم و مدبر خدا کا اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اس کی دوسری توجیہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ محض "اتفاق" سے ہو گیا ہے۔ ٹی۔ ایچ ہکسلے کے الفاظ میں چھ بندر اگر ٹائپ رائٹر پر بیٹھ جائیں اور کروڑوں سال تک اسے پیٹتے رہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے سیاہ کیے ہوئے کاغذات کے ڈھیر میں سے آخری کاغذ پر شیکسپیر کی ایک نظم (SONNET) نکل آئے۔ اسی طرح اربوں اور کھربوں سال مادہ کی اندھا دھند گردش کے دوران میں موجودہ کائنات بن گئی۔

THE MYSTERIOUS UNIVERSE, 3-4.

یہ بات اگرچہ بجائے خود بالکل لغو ہے۔ کیونکہ ہمارے آج تک کے تمام علوم ایسے کسی اتفاق سے قطعاً ناواقف ہیں جس کے نتیجہ میں اتنا عظیم، اس قدر بامعنی اور ایسا مستقل واقعہ وجود میں آجائے جیسی کہ یہ کائنات ہے۔ بلاشبہ ہم بعض اتفاقات سے واقف ہیں۔ مثلاً ہوا کا ایک جھونکا کبھی سرخ گلاب کے زیرہ (POLLEN) کو اڑا کر سفید گلاب پر ڈال دیتا ہے جس کے نتیجے میں زرد رنگ کا پھول کھلتا ہے مگر اس قسم کا اتفاق صرف ایک جزئی اور استثنائی واقعہ کی توجیہ کرتا ہے، وہ گلاب کے پورے وجود کائنات کے اندر ایک حالت میں اس کی مسلسل موجودگی اور سارے نظام عالم سے اس کا حیرت انگیز ربط ہوا کے اتفاقی جھونکے سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اتفاقی واقعہ کے لفظ میں ایک جزوی صداقت ہونے کے باوجود کائنات کی توجیہ کے اعتبار سے وہ ایک لغو بات ہے۔ پروفیسر

ایڈون کانکلن (EDWIN CONKLIN) کے الفاظ میں "زندگی کا بذریعہ حادثہ (ACCIDENT) وقوع میں آجانا ایسا ہی ہے جیسے کسی پریس میں دھماکہ ہو جانے سے ایک ضخیم لغت کا تیار ہو جانا۔"

THE EVIDENCE OF GOD, P.174.

کہا جاتا ہے کہ اتفاق کے حوالے سے کائنات کی توجیہ کوئی الل ٹپ بات نہیں ہے۔ بلکہ سر جیمز جینز کے الفاظ میں وہ خالص ریاضیاتی قوانین اتفاق (PURELY MATHEMATICAL LAWS OF CHANCE) پر مبنی ہے[1]۔ ایک مصنف لکھتا ہے:-

"اتفاق (CHANCE) محض ایک فرضی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت ہی ترقی یافتہ حسابی نظریہ ہے جس کا اطلاق ان امور پر کیا جاتا ہے جن میں قطعی معلومات ممکن نہیں ہوتیں۔ اس نظریے کے ذریعہ ایسے بے لاگ اصول ہمارے ہاتھ آجاتے ہیں جن کی مدد سے ہم صحیح اور غلط میں بآسانی امتیاز کر سکتے ہیں اور کسی خاص نوعیت کے واقعہ کے صادر ہونے کے امکانات کا حساب لگا کر صحیح صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتفاقاً اس کا پیش آجانا کس حد تک ممکن ہے"

THE EVIDENCE OF GOD, P.23

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ مادہ کسی خام حالت میں خود سے کائنات میں موجود ہو گیا اور پھر یہ بھی فرض کر لیں کہ اس میں عمل اور رد عمل کا ایک سلسلہ بھی اپنے آپ شروع ہو گیا —— اگرچہ ان مفروضات کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے —— جب بھی کائنات کی توجیہ حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں ایک اور اتفاق مخالفین مذہب کی راہ میں حائل ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری ریاضیات جو قانون اتفاق کا قیمتی نکتہ ہمیں دیتی ہے، وہی اس بات کی تردید بھی کر رہی ہے کہ قانون اتفاق موجودہ کائنات کا خالق ہو سکتا ہے، کیونکہ سائنس نے معلوم کر لیا ہے کہ ہماری دنیا کی عمر اور جسامت کیا ہے اور جو عمر اور جسامت اس نے معلوم کی ہے وہ قانون اتفاق کے تحت موجودہ دنیا کے وقوع میں آنے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔

---

[1] THE MYSTERIOUS UNIVERSE, P.3

"اگر تم دس سکّے لو اور ان پر ایک سے دس تک نشان لگا دو۔ اس کے بعد انھیں اپنی جیب میں ڈال کر اچھی طرح ملا دو۔ اب ان کو ایک سے دس تک بالترتیب اس طرح نکالنے کی کوشش کرو کہ ایک سکّہ کو نکالنے کے بعد ہر بار اس کو دوبارہ جیب میں ڈال دو — یہ امکان کہ نمبر ایک کا سکّہ پہلی بار تمہارے ہاتھ میں آجائے دس میں ایک ہے۔ یہ امکان کہ ایک اور دو بالترتیب تمہارے ہاتھ میں آجائیں سو میں ایک ہے، یہ امکان کہ ایک، دو اور تین نمبر سلسلہ وار تمہارے ہاتھ میں آجائیں ایک ہزار میں ایک ہے، یہ امکان کہ ایک، دو، تین اور چار نمبر کے سکّے بالترتیب نکل آئیں، دس ہزار میں ایک ہے۔ یہاں تک کہ یہ امکان کہ ایک سے دس تک تمام سکّے بالترتیب تمہارے ہاتھ میں آجائیں دس بلین (دس ارب) میں صرف ایک بار ہے۔"

یہ مثال نقل کرنے کے بعد کرسی مارسین (ACRESSY MORRISON) لکھتا ہے:۔

THE OBJECT IN DEALING WITH SO SIMPLE A PROBLEM IS TO SHOW HOW ENORMOUSLY FIGURES MULTIPLY AGAINST CHANCE.

MAN DOES NOT STAND ALONE, P.17

یعنی یہ سادہ مثال اس لیے دی گئی تاکہ یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ واقعات کی تعداد کی نسبت سے امکانات کی تعداد کتنی زیادہ ہوتی ہے۔

اب اندازہ کیجئے کہ اگر سب کچھ محض اتفاق سے ہو گیا ہے تو اس کے لیے کتنی مدت درکار ہو گی۔ ذی حیات اشیاء کی ترکیب زندہ خلیوں (LIVING CELLS) سے ہوتی ہے۔ خلیہ ایک نہایت چھوٹا اور پیچیدہ مرکب ہے جس کا مطالعہ علم الخلیہ (CYTOLOGY) میں کیا جاتا ہے۔ ان خلیوں کی تعمیر میں جو اجزاء کام آتے ہیں ان میں سے ایک پروٹین ہے۔ پروٹین ایک کیمیائی مرکب ہے جو پانچ عناصر کے ملنے سے وجود میں آتا ہے — کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور گندھک۔ پروٹینی سالمہ (MOLECULE) ان عناصر کے تقریباً چالیس ہزار جواہر (ATOMS) پر مشتمل ہوتا ہے۔

کائنات میں سو سے زیادہ کیمیائی عناصر بالکل منتشر اور بے ترتیب بکھرے ہوئے ہیں۔

اب اس امر کا امکان کس حد تک ہو کہ ان تمام عناصر کے بے ترتیب ڈھیر میں سے نکل کر یہ پانچوں عناصر اس طرح باہم ملیں کہ ایک پروٹینی سالمہ آپ سے آپ وجود میں آجائے جو مادے کی وہ مقدار جسے مسلسل ہلانے سے اتفاقاً یہ نتیجہ نکل سکتا ہو اور وہ مدت جس کے اندر اس کام کی تکمیل ممکن ہو حساب لگا کر معلوم کی جا سکتی ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے ایک ریاضی داں، پروفیسر چارلس ایوجین گائی (CHARLES EUGENE GUYA) نے اس کا حساب لگایا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کے کسی اتفاقی واقعہ کا امکان 10^{160} کے مقابلہ میں صرف ایک درجہ ہو سکتا ہے (10^{160} کا مطلب یہ ہے کہ دس کو دس سے ایک سو ساٹھ مرتبہ پے در پے ضرب دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں ایک کے آگے ایک سو ساٹھ صفر) ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا عدد ہے جس کو الفاظ کی زبان میں ظاہر کرنا مشکل ہے[1]۔

صرف ایک پروٹینی سالمہ کے اتفاقاً وجود میں آنے کے لیے پوری کائنات کے موجودہ مادہ سے کروڑوں گنا زیادہ مقدار مادہ مطلوب ہوگی جسے یکجا کرکے ہلایا جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے کا امکان 10^{243} سال بعد ہے۔

پروٹین، امینو ایسڈز (AMINO ACIDS) کے لمبے سلسلوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقے کی ہے جس سے یہ سلسلے باہم ملیں۔ اگر یہ غلط شکل میں یکجا ہو جائیں تو زندگی کی بقا کا ذریعہ بننے کے بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔ پروفیسر جے۔ بی۔ لیتھز (J. B. LEATHES) نے حساب لگایا کہ ایک سادہ سے پروٹین کے سلسلوں کو اربوں اور کھربوں (10^{48}) طریقے سے یکجا کیا جا سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام امکانات ایک پروٹینی سالمہ کو وجود میں لانے کے لیے محض اتفاق سے اکٹھا ہو جائیں۔

واضح ہو کہ اس انتہائی بعید امکان کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ بے شمار مدت کی تکرار کے بعد لازماً یہ واقعہ ظہور میں آجائے گا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو جائے۔ دوسری طرف یہ امکان بھی ہے کہ ہمیشہ دہراتے رہنے کے باوجود کبھی بھی کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہ آئے۔

پھر پروٹین خود محض ایک کیمیائی شے ہے جس میں زندگی موجود نہیں ہوتی، پروٹین کے

---

[1] واضح ہو کہ سارے انتہائی عدد۔ جا سکھ۔ میں ایک کے آگے ۱۱ صفر لگتے ہیں۔

کے خلیہ کا جزو بننے کے بعد اس میں زندگی کی حرارت کیسے پیدا ہوئی۔ اس کا جواب اس توجیہہ میں نہیں ہے
پھر یہی خلیہ کے صرف ایک ترکیبی جزو ــ پروٹین ــ کے صرف ایک ناقابل شمار ذرّہ کے وجود
میں آنے کی توجیہہ ہو جبکہ صرف ایک ذی حیات جسم کے اندر سنکھ مہا سنکھ کی تعداد میں ایسے مرکبات ہوتے ہیں۔
لے کامٹے ڈو نوائے (LECOMTE DU NOUY) نے اس پر بہت عمدہ اور مفصل بحث
کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے امکان کے ظہور میں آنے کے لیے جس وقت جس مقدارِ
مادہ اور جس پہنائی کی ضرورت ہوگی وہ ہمارے تمام اندازوں سے ناقابل یقین حد تک زیادہ ہو۔
اس کے لیے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جس کا دائرہ اتنا بڑا ہو جس میں روشنی ۸۲ ۱۰ سال نور (ایک
کے آگے ۸۲ صفر) سفر کر کے اس کو پار کر سکتی ہو۔ یہ حجم موجودہ کائنات سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ
ہماری بعید ترین کہکشاں کی روشنی چند بلین سال نور میں ہم تک پہونچ جاتی ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ آئن شٹائن نے کائنات کی وسعت کا جو اندازہ کیا ہے وہ اس عمل کے لیے قطعاً ناکافی ہو۔
پھر اس مفروضہ کائنات میں پانچ سو ٹریلین حرکت فی سکنڈ کی رفتار سے مادہ کی مفروضہ مقدار کو
ہلایا جائے تب کہیں اس امر کا امکان پیدا ہوگا کہ پروٹین کا ایک ایسا سالمہ اتفاق سے وجود
میں آئے جو زندگی کے لیے ضروری اور مفید ہے۔ اور اس سارے عمل کے لیے جس مدت کی ضرورت
ہے وہ ۲۴۳ ۱۰ (ایک کے آگے ۲۴۳ صفر) بلین سال ہے ـــ مگر ہمیں بھولنا نہیں چاہیے"
ڈونوائے لکھتا ہے کہ " زمین صرف دو بلین سال سے موجود ہے اور یہ کہ زندگی کی ابتدا صرف
ایک بلین سال پہلے ہوئی جبکہ زمین ٹھنڈی ہوئی"

HUMAN DESTINY, 30-36

سائنس نے اگرچہ ساری کائنات کی عمر دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اندازہ
کیا گیا ہے کہ موجودہ کائنات پچاس کھرب سال سے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طویل عمر بھی ایک مطلوبہ
پروٹینی سالمہ کو وجود میں لانے کے لیے ناکافی ہے۔ مگر جہاں تک زمین کا تعلق ہو جس پر ہماری معلوم
زندگی پیدا ہوئی، اس کی عمر تو نہایت قطعیت کے ساتھ معلوم کر لی گئی ہے۔
ماہرین فلکیات کے اندازہ کے مطابق زمین سورج کا ایک ٹکڑا ہے جو کسی بڑے ستارے
کی کشش سے ٹوٹ کر فضا میں گردش کرنے لگا تھا۔ اس وقت زمین سورج کی مانند ایک جسم

شعلہ تھی جس میں کسی بھی قسم کی زندگی پیدا ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو کر منجمد ہوئی۔ اس انجماد کے بعد ہی یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ اس میں زندگی کا آغاز ہو۔

زمین کی عمر، جب سے کہ وہ ٹھوس ہوئی، مختلف طریقوں سے نہایت صحیح طور پر معلوم کی جا سکتی ہے، ان میں سب سے عمدہ طریقہ تابکار عناصر (RADIO-ACTIVE ELEMENTS) کی دریافت سے حاصل ہوا ہے۔ تابکار عناصر کے ایٹم کے برقی ذرات ایک خاص تناسب سے مسلسل خارج ہوتے رہتے ہیں اور اسی لیے وہ ہم کو روشن نظر آتے ہیں۔ اس اخراج یا انتشار کی وجہ سے ان کے برقی ذرات کی تعداد گھٹتی رہتی ہے اور وہ دھیرے دھیرے غیر تابکار دھات میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یورنیم اسی قسم کا ایک تابکار عنصر ہے۔ وہ عمل انتشار کی وجہ سے ایک خاص اور متعین شرح سے سیسہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ پایا گیا ہے کہ اس تبدیلی کی شرح کسی بھی سخت ترین حرارت یا دباؤ سے متاثر نہیں ہوتی۔ ہم تبدیلی کی اس رفتار کو اٹل سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ یورنیم کے ٹکڑے مختلف چٹانوں میں پائے جاتے ہیں اور بلاشبہ وہ اس وقت سے چٹان کا جزو ہیں جبکہ یہ چٹان منجمد ہوئی۔ یورنیم کے ساتھ ہم سیسہ پاتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تمام سیسہ جو یورنیم کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ یورنیم کے انتشار (DISINTEGRATION OF-URANIUM) سے وجود میں آیا ہے۔ کیونکہ یورنیم سے بنا ہوا سیسہ، عام سیسے سے کچھ ہلکا ہوتا ہے۔ اس لیے سیسے کے کسی بھی ٹکڑے کے بارے میں یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ یورنیم سے بنا ہے یا نہیں۔ اس سے ہم حساب لگا سکتے ہیں کہ یورنیم جس چٹان میں ہے وہاں کتنی مدت سے اس پر انتشار کا عمل ہو رہا ہے اور چونکہ یورنیم چٹان میں اس وقت سے ہے جبکہ چٹان منجمد ہوئی اس لیے ہم اس کے ذریعہ سے خود چٹان کے انجماد کی مدت معلوم کر سکتے ہیں۔

اس طرح کے اندازے بتاتے ہیں کہ چٹان کے انجماد کو کم از کم چودہ سو ملین سال گزر چکے ہیں یہ اندازے ان چٹانوں کے مطالعہ پر مبنی ہیں جو ہمارے علم کے مطابق زمین کی قدیم ترین چٹانیں ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے زمین کی عمر اس سے بہت زیادہ مثلاً دگنا اور تگنا ہو۔ مگر ارضیاتی مطالعہ کے دوسرے شواہد اس طرح کے غیر معمولی اندازوں کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ جے ڈبلیو۔ این سولیون نے زمین کی عمر کا ایک بہتر اوسط دو ہزار ملین سال قرار دیا ہے[1]۔ اب ظاہر ہے کہ جب صرف

---

[1] LIMITATIONS OF SCIENCE, P.78

ایک غیر ذی روح پروٹینی سالمہ کے مرکب کو اتفاقاً وجود میں لانے کے لیے سنکھ جہاسنکھ سے بھی زیادہ مدت درکار ہے تو صرف دو ہزار ملین سال میں زمین کی سطح پر زندہ اور مکمل اجسام رکھنے والے حیوانات کی دس لاکھ سے زیادہ اور نباتات کی دو لاکھ سے زیادہ اقسام کیسے وجود میں آگئیں۔ اور ہر قسم میں لاتعداد حیوانات و نباتات پیدا ہو کر خشکی اور تری میں کیسے پھیل گئے۔ اور پھر انھیں ادنیٰ درجہ کی ذی روح اشیا رسے اتنی قلیل مدت میں انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کیسے وجود میں آگئی جبکہ نظریۂ ارتقار انواع میں جن اتفاقی تبدیلیوں کے اوپر اپنی بنیاد کھڑی کرتا ہے۔ ان میں سے ہر تبدیلی کا حال یہ ہو کہ ماہر ریاضی پاچو (PATAU) نے حساب لگایا ہے کہ کسی ذی حیات میں نئی تبدیلی کو مکمل ہوتے ہوتے دس لاکھ پشتوں کے گزر جانے کا امکان ہے[1]۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ اگر محض ارتقار کے اندھے مادی عمل کے ذریعہ کتے کی طرح پانچ انگلیاں رکھنے والے جد امجد کی نسل میں بے شمار تبدیلیوں کے جمع ہونے سے گھوڑے جیسا مختلف جانور بن گیا ہو، تو اس کے بننے میں کتنا عرصہ درکار ہو گا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی عالم عضویات ایم۔ بی۔ کریڈر (MARLIN BOOKS KREIDER) کے یہ الفاظ کس قدر صحیح ہیں:۔

THE MATHEMATICAL PROBABILITY OF A CHANCE OCCURRENCE OF ALL THE NECESSARY FACTORS IN THE RIGHT PROPORTION IS ALMOST NIL.

THE EVIDENCE OF GOD, P. 67

یعنی تخلیق کے تمام ضروری اسباب کا صحیح تناسب کے ساتھ اتفاقاً اکٹھا ہو جانے کا امکان ریاضیاتی طور پر قریب قریب نفی کے برابر ہے۔

یہ طویل تجزیہ محض اتفاقی پیدائش کے نظریے کی لغویت واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ "اتفاق" سے نہ کوئی ایٹم یا مالے کیول وجود میں آسکتا ہے اور نہ وہ ذہن پیدا ہو سکتا ہے جو یہ سوچ رہا ہو کہ کائنات کیسے وجود میں آئی۔ خواہ اس کے لیے کتنی ہی طویل مدت فرض کی جائے۔ یہ نظریہ نہ صرف ریاضیاتی طور پر محال ہے بلکہ منطقی حیثیت سے بھی وہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ یہ ایسی ہی لغو بات ہے جیسے

---

[1] THE EVIDENCE OF GOD, P. 71

کوئی کہے کہ ایک گلاس پانی فرش پر گرنے سے دنیا کا نقشہ مرتب ہو سکتا ہو۔ ایسے شخص سے بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ اس اتفاق کے پیش آنے کے لیے فرش، کشش ارضی، گلاس اور پانی کہاں سے وجود میں آگئے۔

علم حیاتیات کا مشہور عالم ہیکل (HAECKEL) نے کہا تھا "مجھے ہوا، پانی، کیمیائی اجزاء اور وقت دو، میں ایک انسان بنا دوں گا" مگر یہ کہتے ہوئے وہ بھول گیا کہ اس اتفاق کو وجود میں لانے کے لیے ایک ہیکل اور مادی حالات کی موجودگی کو ضروری قرار دے کر وہ خود اپنے دعوے کی تردید کر رہا ہو۔ بہت خوب کہا ہے مارین نے:-

"ہیکل نے یہ کہتے ہوئے جین (GENES) اور خود زندگی کے مسئلے کو نظر انداز کر دیا۔ انسان کو وجود میں لانے کیلئے اسکو سب سے پہلے ناقابل مشاہدہ ایٹم فراہم کرنے ہوں گے، پھر ان کو مخصوص ڈھنگ سے ترتیب دے کر جین بنانا ہوگا اور اسکو زندگی دینی ہوگی۔ پھر بھی اسکی اس اتفاقی تخلیق کا امکان کروڑوں میں ایک کا ہے۔ اور بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہو جائے تو اسکو وہ اتفاق (ACCIDENT) نہیں کہہ سکتا بلکہ وہ اس کو اپنی ذہانت (INTELLIGENCE) کا نتیجہ قرار دے گا۔"

MAN DOES NOT STAND ALONE, P. 87

اس بحث کو میں ایک امریکی عالم طبیعیات جارج ارل ڈیوس (EARL DAVIS) کے الفاظ پر ختم کروں گا:-

"اگر ایک کائنات خود اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اندر خالق کے اوصاف رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ کائنات خود خدا ہو۔ اس طرح اگرچہ ہم خدا کے وجود کو تسلیم کر لیں گے لیکن وہ نرالا خدا ہوگا جو بیک وقت مافوق الفطرت بھی ہوگا اور مادی بھی۔ میں اس طرح کے کسی مہمل تصور کو اپنانے کے بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں جس نے عالم مادی کی تخلیق کی ہے اور اس عالم کا وہ خود کوئی جز نہیں۔ بلکہ اس کا فرماں روا اور ناظم و مدبر ہے۔"

THE EVIDENCE OF GOD, P. 71

مقالاتِ طریقت

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے حالات پر ایک نایاب تذکرہ

از: محمد عضد الدین خاں صاحب ایم اے ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محمد شاہ کی دلی ہے، لوٹ مار، قتل و غارتگری کا دور دورہ ہے، سکھ، جاٹ اور مرہٹے ہر طرف تباہی مچائے ہوئے ہیں، نادر شاہ کا قتل عام اسی سرزمین میں ہو چکا ہے، ایرانی و تورانی امراء نے بادشاہ کو اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنا لیا ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی انحطاط اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے جس دور کی ابتدا محمود غزنوی، ایبک اور التمش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی آج وہ بہادر شاہ اول اور محمد شاہ کی بزم آرائیوں اور ہنگامہ ہائے ناؤ و نوش میں ختم ہو رہا ہے اور فلسفۂ تاریخ کے مفکر کی یہ صدا فضاؤں میں گونج رہی ہے۔ ؎

آنچہ کو بتاؤں میں تمہید یہ اہم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس سیاسی بدامنی اور معاشرتی پستی کا اثر مذہبی زندگی پر بھی پڑنا ضروری تھا، اگر اللہ کے چند بیدار مغز بندے اس ظلمت اور توہم پرستی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے کمربستہ نہ ہو جاتے اور ان تیز و تند ہواؤں میں مذہب و ثقافت کے چراغوں کو نہ بچاتے تو ان کا بھی وہی حال ہوتا۔

ان جواں مرد سپاہیوں میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا نام سر فہرست ہے۔ انھوں نے اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگوں نے ہندوستان میں اسلام کی دینی خدمت کی جو قابل قدر

کے اکابر نے پوری دنیائے اسلام کی انجام دی تھی، افسوس کہ اسلامی ہند کے اس عظیم فرزند کا صحیح اور غیر جانبدارانہ مطالعہ ابتک نہ کیا جا سکا، کسی نے ان کو اپنے ذاتی فلسفے کے لئے آلۂ کار بنایا، کسی نے ان پر صرف عقیدت و محبت کے باسی پھول چڑھائے، کسی نے سب وشتم کی بارش کی، کسی نے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے، آجکل بعض اشخاص اور اداروں نے کام شروع کیا تو وہ بھی ان کی کتابوں کے ترجمے یا ان ہی پرانی ٹیڑھی ترچھی تصویروں کو دوبارہ سامنے لانے تک محدود رہے۔

متقدمین نے شاہ صاحب کے جتنے بھی تذکرے لکھے، ان میں سے اکثر کا یہی حال ہے، نہ ان میں واقعیت ہے نہ تاریخیت، اس لئے ان کے اکثر بیانات دل کو نہیں لگتے اور تصویر کا صحیح رخ سامنے نہیں آتا، ان تذکروں میں ایک تذکرہ "مقالات طریقت" معروف بہ فضائل عزیزیہ ہے، جسے عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی نے لکھا ہے، یہ کتاب طبع تو آج سے تقریباً سو سال پہلے ہوئی تھی، مگر ایک طویل عرصے سے نایاب تھی، اور اس کے حوالے بھی بہت کم ملتے تھے، اسلئے اسکے متعلق کسی طرح کا خیال نہیں ظاہر کیا جا سکتا تھا، اتفاق سے یہ کتاب راقم کو حیدرآباد کے ایک ذاتی کتب خانے سے دستیاب ہوگئی، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ یہ تذکرہ قدیم ہونے کے باوجود کسی بھی جدید، مفصل اور محققانہ تذکرے سے کم نہیں ہے۔

یہ کتاب تین سو بیس صفحات پر مشتمل شاہ صاحب کے انتقال کے باون سال بعد ۱۲۹۱ھ میں حیدرآباد میں لکھی گئی اور اس کے دوسرے سال یعنی ۱۲۹۲ھ میں حیدرآباد ہی سے شائع ہوئی، تذکرے کے مصنف محمد عبدالرحیم ضیا حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلفاء سے قریبی تعلق رکھتے تھے، وہ شاہ اسحٰق صاحب (خلیفہ و نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب) کے خلیفہ اور شاگرد سید شاہ محی الدین صاحب قادری ویلوری کے مرید بھی تھے، فاضل تذکرہ نگار اسکے علاوہ اور کتابوں کے مصنف اور صاحب دیوان شاعر بھی ہیں وہ اس کتاب کے ماخذ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اکثر روایات اہل ہند ثقات سے کہ بعض ان میں صحبت یافتہ حضرت کے ہیں جمع کر کے جو ابواب کہ اس طریق سے حاصل نہ ہوئے، ان کو بذریعہ تحریر جناب فضیلت مآب ...

......مولانا حافظ حاجی محمد عبد القیوم صاحب دہلوی سلمہ اللہ العزیز القوی داماد و شاگرد حضرت حضرت مولانا محمد اسحاق علیہ الرحمہ سے بعد دریافت و تحقیق کے اس کتاب میں لکھا ہے[1]

یہ کتاب چھ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے پہلے مقالے میں مصنف نے شاہ صاحب کے مفصل حالات از ولادت تا وفات درج کئے ہیں، یہ باب چوالیس[۴۴] صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب کا سب سے اہم اور پراز معلومات باب ہے، دوسرا باب امور متعلق بعلوم ظاہر و باطن اٹھاون صفحات میں ہے تیسرا باب شاہ صاحب کی "تعبیر رؤیا" سے متعلق سترہ صفحات میں ہے، چوتھا باب جو تیس صفحات کا ہے، شاہ صاحب کے "اجوبہ اسئلہ" سے متعلق ہے، پانچویں باب میں ان کے مختلف سلاسل طریقت کا ذکر بڑی تفصیل سے پینتالیس[۴۵] صفحات میں کیا گیا ہے، آخری باب میں شاہ صاحب کے اجل وارشد خلفاء کے تفصیلی حالات ساٹھ صفحات میں ہیں، خاتمے میں اپنے پیر و مرشد سید شاہ محی الدین قادری ویلوری کے حالات چوالیس صفحات میں لکھے ہیں، کتاب کے ضمیمے میں مولانا محمد زمان شہید کا تذکرہ جو شاہ صاحب کے خاندان کے مشہور خلفاء میں ہیں، ۲۲ صفحات میں ہے۔

اس اجمالی تعارف کے بعد اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی جاتی ہے، تاکہ اسکی افادیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

کتاب کے شروع میں مصنف نے شاہ عبد العزیز صاحب کے سلسلۂ نسب اور آبا و اجداد کے مولد و مسکن وغیرہ کا حال لکھا ہے، اسکے بعد شاہ عبد الرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات کسی قدر تفصیل سے دیے ہیں، اسکے بعد رقمطراز ہیں:۔

"حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اول اپنے ماموں کی دختر سے نکاح کیا تھا ان سے مولوی محمد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، آپ بڑے ولی کامل تھے، آپ پر جذب بہت غالب تھا...... مزار آپ کا مع دونوں فرزند کے بڈھانہ کی مسجد میں واقع ہے، بعد انتقال والدہٗ ماجدہ مولوی محمد صاحب کے شاہ صاحب موصوف

---

[1] مقالات طریقت ص ۴

نے دختر نیک اختر سید شاہ اللہ صاحب ساکن قصبہ سونی پت مسماۃ بی بی ارادہ رحمۃ اللہ علیہا سے شادی کی۔ ان سے چار فرزند پیدا ہوئے، اولین مولانا شاہ عبدالعزیز دوم شاہ رفیع الدین، سوم شاہ عبدالقادر، چارم مولوی عبدالغنی اور ایک دختر مسماۃ بی بی امۃ العزیز، دختر مذکورہ کو مولوی محمد فائق بن مولوی محمد عاشق ابن شاہ عبداللہ بن شیخ محمد پھلتیؒ سے شادی کردی، ان کا سلسلہ ابتک باقی ہے"

اس کے بعد شاہ رفیع الدین صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ عبدالغنی صاحب کی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں، جو دلچسپی اور معلومات سے خالی نہیں، مگر اس مضمون میں اصل مقصد شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات سے بحث ہے، اس لئے طوالت کے خوف سے ان کو حذف کیا جاتا ہے، مگر اس سلسلہ میں ایک اہم بات فاضل مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بعیت کے معاملہ میں عام طور پر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ چونکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے وقت شاہ عبدالعزیز کے تینوں بھائی کم عمر تھے، اس لئے جس طرح شاہ عبدالعزیز صاحب ان حضرات کے ظاہری مربی تھے، اسی طرح باطنی مرشد بھی وہی ہوں گے، مگر عبدالرحیم ضیاء کے بیان کے مطابق شاہ رفیع الدین صاحب شاہ محمد عاشق پھلتی صاحب سے بعیت و اجازت رکھتے تھے اور شاہ عبدالقادر صاحب شاہ عبدالعدل دہلوی سے بعیت تھے، جن کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کے احاطے میں ہے۔

کتاب کا اصل مقصد شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات بیان کرنا ہے، ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ .... دراز قد، لاغراندام گندم رنگ، کلاں چشم، صاف جسم تھے، گردا گرد چہرے کے ریش مبارک خوشنما باعتدال تھی، اکثر جبہ اس کے نیچے انگرکھا اور پائجامہ شرعی، دستار گشتی کلاہ پنجدار رومال بمبئی یا کہ نیلا اور پاپوش نری اور ہاتھ میں عصائے بید رکھتے تھے، اخلاق میں تخلقوا باخلاق اللہ کے مصداق تھے، مزاج میں نہایت خوش طبعی

اور ہر ایک بات کا مذاق تھا۔"

"ولادت آپ کی شب جمعہ بست و پنجم ماہ رمضان ۱۱۵۹ھ میں ہے اور نام تاریخی آپ کا غلام حلیم ہے، کہتے ہیں کہ اسی شب شب قدر بھی تھی، اور آپ ختم قرآن شریف بھی اسی شب کو کرتے تھے، اور ختم میں شیرینی قسم ریوڑی سے تقسیم فرماتے تھے، آپ کی عمر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے انتقال کے وقت سولہ برس چھ مہینے کی تھی، فاتحہ سویم شاہ ولی اللہ صاحب کا خان دوران خاں کے محل کلاں میں ہوا۔"

"رسم دستار بندی میں تین چار پیچ مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر مبارک پر باندھے۔ جناب مرزا مظہر جانجاناں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، آپ نے علوم ظاہر و باطن اپنے پدر والا قدر سے پڑھا، اور مولوی شاہ عاشق صاحب پھلتی سے اسکی تکمیل کی۔ اور بابا فضل کشمیری سے جو منجملہ ارشد تلامذہ شاہ ولی اللہ صاحب تھے، بعض کتب حدیث کی سند لی، اور علم فقہ اپنے خسر مولوی نور اللہ صاحب جد مولوی محمد عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھا، اور اکثر فیوض ظاہر و باطن مزار پر انوار پدر بزرگوار سے حاصل کرتے تھے، تھوڑے وقت انکی قبر شریف پر مراقب رہتے تھے، کوئی علم و فن ایسا نہ تھا کہ جس میں آپ کو دستگاہ کامل نہ ہو۔ خط شکست و نسخ خوب لکھتے تھے، علم موسیقی میں ملکۂ راسخ تھا کہ استادان فن زانوے ادب تہہ کرتے تھے، تیر اندازی خلیفہ محمد شاکر سے گھوڑے کی سواری ملک بیڑا افسر چابک سواران محمد شاہ بادشاہ سے سیکھی، تمام ہمعصروں میں برتر اور شاذری میں سب سے بڑھ کر، غرض آپ کی ذات جامع کمالات معاصرین پر فائق بلکہ یکتائے روزگار تھی، اور فیض باطن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپنے پایا ہو......"

"اور تین موضع آپ کی جاگیر تھی، ان کی سند عالم بادشاہ اور دولت راؤ سندھیہ نے گزارنی تھی حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چار دوں بھائیوں میں شریک اور ایک موضع یعنی محل جنہ پرگنہ بوڈھانہ سے بلا شرکت آپ کے تصرف میں تھا،

چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسے مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا
کیا تھا، اب تک جاری ہے، مولوی نصر اللہ خاں صاحب کہتے ہیں کہ میری عملداری
میں محل جنہ کے سالانہ بارہ سو روپئے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے سوا اسکے
اکثر جا سے فتوحات بلا قید سال وماہ اللہ تعالیٰ پہنچاتا تھا، جو شخص کچھ گذرانتا
تو قبول فرماتے اور نہ دیتا تو ذکر تک بھی نہ لاتے، خدمت طلبا اور فقرا وغیرہ کی
بہت کرتے تھے، گویا جود وکرم آپ کا سرشت تھا، جو سائل آتا تھا بے نیل مرام نہ
جاتا تھا"

اس کے بعد شاہ صاحب کے درس وتدریس، تربیت باطن اور تصنیف کا ذکر ان
الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"جاننا چاہئے کہ دنیا میں فیض بخشی کے بہت طریقے ہیں، مگر ان میں تین طریقے مشہور
معروف ہیں، ایک تدریس دوسرا تربیت باطن جسے مریدی کہتے ہیں، تیسرا تصنیف
اور یہ ابواب منجملہ بہترین باقیات الصالحات ہیں، ان امور میں حضرت کا پایہ بلند
اور رتبہ ارجمند تھا، تدریس کا یہ حال کہ ہندوستان وغیرہ میں کوئی عالم کم نکلے گا
جس کو حضرت سے واسطہ نہ ہو، کہتے ہیں کہ ایک بدایوں کے عالم نے حدیث
شریف پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر اس کو نادانی سے یہ خیال آیا کہ اس شخص سے
پڑھے کہ جس کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیز نہ ہوں، تمام ہندوستان پھرتے پھرتے
حیران ہوا، جہاں گیا وہاں حضرت ہی کا فیض پایا، کوئی ایک واسطے سے کوئی دو
یا تین واسطے سے حضرت کا شاگرد نکلا، یہ بات ایسی ہے کہ جیسے کسی نے انسانوں
میں اپنی نسبت کرنی چاہی مگر یہ قید لگائی کہ اس خاندان میں ہو جس میں حضرت
آدم علیہ السلام نہ ہوں"

"مگر آپ نے مستقل بجز چار پانچ شخص کے اور دن کو بہت کم پڑھایا ہے
یعنی اپنے تینوں بھائیوں کو کہ رفیع الدین صاحب والد کے انتقال کے وقت
میبذی اور عبدالقادر صاحب صرف میر پڑھتے تھے، اور عبدالغنی صاحب قرآن شریف

حفظ کرتے تھے، تمام علوم پڑھایا اور اپنے داماد مولوی عبدالحئی صاحب کو، مولوی عبدالقیوم صاحب، مولانا اسحق صاحب علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ مولانا صاحب مجھ سے فرماتے تھے، میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ بعد غلبۂ آشوب چشم کے بھی پڑھائے ہوں مگر تمھارے والد مولانا عبدالحئی صاحب کو اور جناب غلام علی شاہ صاحب مجددی علیہ الرحمہ بھی شاگرد ہیں، بخاری شریف پڑھی ہے[1]۔ ان حضرات کے سوا اگر کسی کو پڑھایا ہے تو تین چار سبق سے زیادہ نہیں پڑھایا۔

"اور صبح کو جو ایک رکوع قرآن شریف کا قریب طلوع آفتاب ہر روز ایک تفسیر کے ساتھ سنا کرتے تھے، یہاں تک کہ بروز وفات بھی سنا ہے، اسکے قاری خاص مولانا اسحق صاحب ہوتے تھے، .... اور آپ کے برادروں کے ساتھ مولوی مفتی الٰہی بخش صاحب ساکن کاندھلہ اور مولوی قمرالدین صاحب منت تخلص وغیرہ سامع تھے، اسی طریق سے انھوں نے تحصیل کی"۔

شاہ صاحب کے درس اور شاگردوں سے متعلق اس کتاب کی روایت انوکھی اور عجیب سی ہے، مصنف لکھتے ہیں:۔

"مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں، میں نے مولانا اسحق صاحب سے پوچھا کہ حضرت اکثر لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم شاہ صاحب کے شاگرد ہیں، شاہ صاحب نے ہمیں تعلیم کی ہے، اسکی کیا حقیقت ہے، آپ نے فرمایا کہ بعد نابینا ہونے کے شاہ صاحب کے پڑھنے کی دو صورتیں تھیں، ایک تو میں صبح کو قرآن شریف کا رکوع پڑھتا تھا اور مدرسہ میں لوگ سامع رہتے تھے، دوسرے یہ کہ علماء و فضلاء اور بڑے بڑے بزرگوار اطراف سے حاضر ہو کر حصول اجازت تیمناً تبرکاً چاہتے تو حضرت شاہ صاحب فرماتے کہ چل قدمی کے وقت پڑھیں میں سنوں گا، اس وقت کچھ بیان بھی کرتے تھے، اس قسم کے شاگرد بے شمار ہیں۔ سوا اسکے جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس

---

[1] مصنف کے علاوہ تذکرہ نگاروں نے شاہ ابوسعید صاحب کو بھی شاہ صاحب کا شاگرد بتلایا ہے۔

بطور وعظ کے ہوتا تھا۔ اسکی کیفیت مرزا اعظم علی شاہ صاحب قادری چشتی اپنے استاد مولوی یار محمد صاحب مرحوم کی زبانی جو حضرت کے شاگردوں میں سے تھے، یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ کے وعظ میں ہزارہا آدمی رہتے تھے، ان میں جو پڑھے لکھے تھے وہ لوگ ایک ایک تفسیر اپنی اپنی استعداد کے موافق عربی ہو یا فارسی لے کر بیٹھے رہتے، جب کوئی آیت شروع کرتے تو حضرت ہر ایک سے پوچھتے کہ امام رازی کیا معنی کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن عربی کیا فرماتے ہیں اور قاضی بیضاوی کیا لکھتے ہیں — علیٰ ہذا القیاس جس کے پاس جو تفسیر ہوتی وہ اپنا بیان کرتا، جب سب تقریریں ہو جاتیں تب آپ فرماتے، خیر یہ سب بیان ہو چکا، اب جو خدائے تعالیٰ نے اس فقیر کے دل پر القا کیا ہے بیان کرتا ہوں، پھر وہ وہ مضامین فرماتے کہ کسی مفسر کے حاشیہ خیال میں کبھی نہ آئے ہوں، سب لوگ کتابیں بند کر کے حضرت کا منہ تکتے رہتے اور ششدر ہو جاتے ...... مولوی یار محمد صاحب علیہ الرحمہ مدتوں خدمت فیض درجت میں رہے ہیں اور کئی دورے قرآن مجید کے ان کے روبرو ہوئے ہیں، ان دوروں کا قرآن مجید شروع سے آخر تک محشیٰ ان کے فرزند مولوی محمد اسحٰق صاحب کے پاس موجود ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی طرح درس فرماتے تھے۔ اخیر درس ان کا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ تھا، وہاں سے حضرت نے شروع کیا — — — — — اھ

حضرت کا آخری درس آیۃ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم تھا، حضرت کے بعد وہاں سے مولانا اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا۔"

شاہ صاحب کے درس و تدریس کی کیفیت سننے کے بعد ان کے تصوف اور طریقہ تربیت باطن کا بھی کچھ حال تذکرہ نگار کی زبانی سنیئے، یوں تو انھوں نے اس کا ایک مستقل باب ہی قائم کیا ہے مگر اس باب میں بھی مختصراً رقمطراز ہیں۔

"تربیت باطن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ کو تمامی آداب سلوک اور اشتغال طریقت میں دستگاہ کامل اور ملکۂ راسخہ تھا، جیسا چاہتے ویسا طالبوں کو حسب استعداد

پہنچاتے تھے، کوئی طریقے کے مقید نہ تھے، کیونکہ اپنے عزیز و اقارب برادروں کی اولاد یعنی مولوی مخصوص اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل[۱] صاحب اور مولوی یعقوب صاحب اور مولانا اسحٰق صاحب وغیرہ سے قادریہ طریقہ میں بیعت لی تھی، اور امراء کو سلسلۂ چشتیہ میں اور دوسروں کو سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید کرتے تھے، چنانچہ جناب سید احمد صاحب طریقۂ نقشبندیہ میں مرید تھے مگر مولانا عبدالحیٔ صاحب کو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب سے بیعت تھی، اور شاہ صاحب خود صاحب طریقہ ہیں، کیونکہ آپ نے بعد تکمیل سلوک راہ ولایت اور سلوک راہ نبوت کے خاص ایک طریقہ سلوک راہ ولایت کا برعایت طبائع ابنائے روزگار استخراج کیا ہے، وصول الی اللہ کے واسطے نہایت آسان و سہل ہے، اس ہیچمیرز نے اس خاص سلوک طریقہ علیہ عزیزیہ کو مقالۂ پنجم میں ..... لکھا ہے .... اور حضرت کی توجہ وغیرہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، اگر کوئی خواہاں ہوتا تو فرماتے کہ تم غلام علی شاہ صاحب کے پاس جاؤ کہ وہ صاحب طریقہ ...... اور اس کام کے ذمہ دار ہیں، یہ فقیر طریقۂ تعلیم علوم ظاہری رکھتا ہے، اس پر بھی کوئی بہت خواہش اور الحاح کرتا اور آپ کے ذہن عالی میں آتا تو اس کے واسطے ایک وقت معین فرماتے اور جائے مقرر کرتے، مثلاً کسی کو بعد نماز مغرب اور کسی کو بعد نماز ظہر یا دوسرے وقت جو مناسب جانتے تعین کرتے، جیسے جناب سید احمد صاحب اور سید اللہ دیا صاحب برہان پوری اور مولانا یعقوب صاحب اور شیخ غلام جیلانی صاحب باغ پتی اور حافظ قطب الدین صاحب پھلتی، یہ اکابر حضرت سے توجہ لئے ہیں اور تکمیل کو پہنچے ہیں........"

---

[۱] مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحیٔ صاحب کے شاہ صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب سے بیعت ہونے میں راقم کو اختلاف ہے، عام روایت کے مطابق یہ بزرگ سید احمد شہید سے بیعت تھے، ممکن ہو ان میں سے کسی ایک نے تبرکاً بیعت کی ہو اور باقاعدہ تعلیم بعد میں سید احمد شہید سے حاصل کی ہو، بہرحال یہ بات تحقیق طلب ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصانیف کے سلسلے میں بھی اس کتاب کی روایتیں کچھ کم نہیں ہیں اس سے ان کی بہت سی تصانیف کے بارے میں شبہات اور ابہام دور ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:۔

"خوبی تصانیف کی تمام زمانے پر ظاہر و باہر ہے، بیان کی احتیاج نہیں، تفسیر فتح العزیز، تحفۂ اثناعشریہ، سرالشہادتین، بستان المحدثین، عجالۂ نافعہ، حواشی قول الجمیل، یہ تمام کتابیں مشہور و مطبوع ہیں، سوا ان کے علم معانی میں ایک رسالہ ہے۔ سوا اسکے صدرہ اور میرزاہد رسالہ پر بھی حواشی ہیں، حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ اللہ تعالیٰ، مولوی نور اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔ تفسیر فتح العزیز کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ آپ کی ایام جوانی میں عادت تھی کہ بعد نماز عصر تشریف رکھتے، اخبار دیار و امصار گوش زد ہوتے، دوسرے سخن و قصص بھی درمیان آتے اور اشخاص اسی قسم کے جمع ہوتے تھے، چنانچہ ایک کایستھ بھی درباریوں سے بادشاہ شاہ عالم کے اسی وقت حاضر ہو کر قصص دیار عرض کرتا، آخر کار وہ کایستھ فیض صحبت سے مسلمان ہو کر شیخ مصدق الدین نام پایا، اور کمال کو پہنچا، ان ہی کے حسب استدعا ۱۲۰۸ھ میں تفسیر شروع ہوئی، چنانچہ خود بدولت دیباچے میں تفسیر کے یہ کیفیت مفصل تحریر فرمائے ہیں شیخ مصدق الدین کے فرزند مولوی کرم اللہ صاحب بڑے فاضل اور ولی کامل خلفا سے غلام علی شاہ صاحب کے ہوئے ہیں۔"

"مرزا اعظم علی شاہ صاحب قادری چشتی اپنے استاد مولوی یار محمد صاحب مرحوم الصدر سے روایت کرتے ہیں، تفسیر کے ناتمام رہنے کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خواب میں جناب شاہ صاحب کو فرمایا کہ تم تفسیر لکھنا موقوف رکھو، اگر تمام کروگے تو اور تمام مفسروں کی محنت بے فائدہ ہوگی، کوئی کسی کی تفسیر نہ دیکھے گا، تمھاری اتنی ہی تفسیر کوئی سمجھے تو تمام قرآن کے مضامین پہ حاوی ہوگا،

آپنے حسب الحکم موقوف کیا، سورۂ بقرہ ناتمام رہا، واقعی ایسی ہی تفسیر نادر ہے کہ اسکے وصف میں زبان قاصر ہے، باوجود ضوابط علم تفسیر کے صحت روایات وآداب سلوک و اسرار حقایق ونکات معارف ایسے ہیں کہ اور تفاسیر میں کم ہونگے، جناب امام رازی قدس سرہٗ نے آیت کا ربط آیت سے دیا ہے، حضرت نے سوا اس کے سورہ کو سورہ سے مربوط کیا ہے، اسکی تحریر کا یہ حال تھا کہ مسودہ کا اتفاق نہ ہوا، اور جو لفظ فرمایا پھر دوبارہ وہ زبان پر نہ آیا، مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت کے آخر وقت کے مستفیضوں میں سے ہیں، حسب خواہش سکندر بیگم مغفورہ والیۂ بھوپال تفسیر مذکور کا تکملہ تائیس جلدوں میں کیا ہے، راقم نے دیکھا ہے، بہت خوب لکھا ہے، اس عصر میں ایسی استعداد ولیاقت کی فرد نایاب ہے دوسرے کا منہ نہیں جو یہ ہمت کرسکے، مگر دونوں کا فرق کرنے والا اپنے حوصلے کے مطابق سمجھ سکتا ہے[1]

"تحفہ اثنا عشریہ بھی آپ کی زندگی میں یعنی ۱۲۱۵ھ میں طبع ہوکر مشہور ہوئی اور وہ بھی ایسی ہی بے ساختہ لکھی گئی،[2] کہتے ہیں کہ جب تحفہ اثنا عشریہ چھپ کر شہرت پائی تو ایک کلکتہ کا کوئی نواب شیعہ مذہب تھا، اس کو نہایت شاق گذرا، اس نے وہ کتاب اور بہت سے روپے ایران کو روانہ کرکے وہاں کے فضلاء اور علما کو لکھا کہ یہاں سنیوں کو اس کتاب کی عبارت اور مضمون پر ناز ہے، چاہیے کہ دونوں کا رد ہو دے۔ ایران میں تمام فضلا، اور ارباب ثقات نے جمع ہوکر مدت دراز

---

[1] شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز کے سلسلے میں بہت سے شواہد اور نادر ومعتبر روایات راقم کو فراہم ہوئے ہیں جکی روشنی میں مختلف اور حیرت انگیز نتائج برآمد ہوتے ہیں، چونکہ یہ بحث طویل ہے اس لئے اسے الگ مقالے کی شکل میں عنقریب پیش کیا جائے گا۔

[2] تحفہ کا یہ نسخہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ پہلی بار تین سو کی تعداد میں ۱۲۱۵ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا، راقم کی نظر سے اسکے دو نسخے گذرے ہیں۔

تک تمام کتاب بکرات ومرات دیکھی، کچھ نہ ہو سکا، آخر کو وہ روپے سب چکا چکا کر
اس کے جواب میں ایک نامہ لکھ کر روانہ کیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ صاحب تحفہ نے
جو اپنے مذہب کی قدیم کتابوں کا حوالہ دیا ہے، اس ملک میں وہ مذہب صدہا
سال سے اٹھ جانے کے سبب سے وہ کتابیں ہمدست نہیں ہو سکتیں اور جو ہمارے
مذہب کی قدیم کتابیں اس میں مذکور ہیں ہم نے اب تک دیکھا نہیں، مضمون کا رد
تو کتابوں کی قدرت پر موقوف ہے، رہی عبارت ایسی صاف اور بے تعقید
کس منشی کا منہ ہے جو لکھ سکے، سبحان اللہ۔"

"آپ سے نظم و نثر بھی بہت یادگار ہے، اس محل پر برکۃً فقط ایک بیت
ایک قطعہ اور ایک قصیدے پر اکتفا کیا۔"[1]

فاضل تذکرہ نگار نے شاہ صاحب کی وفات کی بھی جو کیفیت بیان کی ہے، اسکی
تفصیلات موجودہ روایات میں بیش قیمت اضافہ ہیں۔ ان سے اصل واقعات کی تمام کڑیاں
مل جاتی ہیں، مصنف رقمطراز ہیں:۔

"آپ بہت قلیل الغذا اور کثیر الامراض تھے، جب وقت قریب آیا تو چند
روز سے غذا ترک کی، مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا، آپ نے فرمایا مجھ کو پکڑے
رہو، جب بیان شروع کروں تو چھوڑ دینا، ویسا ہی کیا، یعنی قوت روحانی اور
فیض یزدانی کا غلبہ ہوا، آپ کو چھوڑ دیا، وعظ فرمانے لگے، ہزاروں آدمی جمع ہوئے
اس حال میں بھی جیسا دور والے سنتے تھے ویسا ہی نزدیک والے بھی سنتے تھے،
بعد ازاں آیۂ شریفہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کا بیان کیا، اسکے
مطابق نقد اور اسباب سب تقسیم فرمایا، من بعد قریب لاکھ روپئے کے نقد اور

---

[1] اس کتاب میں جو اشعار ہیں وہ اور ان کے علاوہ دیگر مخطوطات و مطبوعات سے جو اشعار مل سکے ہیں، انکی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے جو راقم کے پاس موجود ہیں۔ اسکے علاوہ بعض نادر ادبی مرقعے و تشریحات ایک الگ مضمون کی شکل میں پیش خدمت ہوں گے۔

اصل میں کوشک انور اس جاگہ کا نام تھا، اب زبان زد عوام خوش نزور کا چھتہ مشہور ہے، اور شیخ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب مولوی عبدالغنی صاحب اور مولوی مخصوص اللہ صاحب وغیرہ قدس اللہ اسرارہم، ان سب کے مزار وہیں ایک ہی احاطے میں ہیں۔"

اس کے بعد شاہ صاحب کی تاریخ وفات کے شاہ رؤف احمد مجددی، ارتضا علیخاں صاحب گوپاموی اور حکیم مومن خاں مومن وغیرہ کے قطعات تاریخ درج کئے ہیں، جس سے یہ پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ۱۲۳۹ھ میں ہوا تھا، نہ کہ ۱۲۴۰ھ میں، اصل میں موخرالذکر سال سب سے پہلے سر سید نے شاہ صاحب کے تذکرے میں آثار الصنادید میں غالباً غلطی سے لکھ دیا تھا، اسکے بعد سے متعدد تذکرہ نویسوں، مثلاً رحمان علی[۱]، رحیم بخش[۲] دہلوی اور اسماعیل گودھوری وغیرہ نے، یہی سنہ سر سید سے نقل کر کے لکھا ہے حالاں کہ سر سید کی اس روایت کے خلاف بہت سارے شواہد قلمی خطوط اور تذکرے کی شکل میں موجود ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ یہ قدیم تذکرہ اور اس کے ساتھ مختلف معصروں کے قطعات تاریخ وفات سر سید اور ان سے نقل کرنے والے حضرات کی تردید ہوتی ہے۔

تذکرہ نگار نے اسکے علاوہ اور بہت ساری باتیں اس کتاب میں ایسی درج کی ہیں جو کسی اور تذکرے میں ابتک نہیں ملتیں مگر طوالت کے خوف سے ان کو حذف کیا جاتا ہے اور صرف انکی موسیقی کے سلسلے کی چند روائتیں ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں[۳]

"روایت ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سے وہ روایت کرتے ہیں مولوی وحیدالدین صاحب پھلتی سے کہ "وہ شاگرد ہیں مولانا اسمٰعیل شہید کے اور خلیفہ ہیں سید احمد صاحب قدس سرہٗ کے اور تیرہ سال حضرت شاہ صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب

۱؎ تذکرہ علمائے ہند ص۱۲۲ ۲؎ حیات ولی ص۶۴۳ ۳؎ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ موسیقی کے بہت اچھے عالم تھے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ "شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک نایاب تصنیف" معارف، دسمبر ۱۹۶۳ء۔

قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے ہیں، کہا انھوں نے کہ نواب نصر اللہ خاں والی
رامپور کے یہاں ایک قوال مسمی ہمت خاں بڑا صاحب کمال تین سو روپے ماہوار
کا نوکر تھا، تمام گوئیے اسکو مانتے تھے، ثانی تان سین جانتے تھے، ایک دن اسکو
خیال آیا کہ اگر مجھ کو تمام لوگ بڑا کمال والا جانتے ہیں، اس کا کچھ اعتبار نہیں، میں
اپنے ہنر کو جب تک حضرت کے محک امتحان پر عرض نہ کروں اور ان کی زبان
سے سند نہ لوں تو کیونکر اپنے کو کچھ چیز سمجھوں کس لئے کہ اس زمانے میں اس ذات
جامع الکمالات کی جیسی کوئی ذات نہیں اور کمال وہی معتبر ہے جو اہل کمال
پسند کریں اور داد دیں .... اسی آرزو میں دہلی کو آیا، وہ حضرت کا
آخر زمانہ تھا کہ بینائی سلب ہو گئی تھی اور تمام حواس میں ضعف طاری تھا، وہ یہ
حاضر ہو کر سلام کیا، آپنے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ "تو ہمت خاں اچھے
تو ہو، سنتے ہی نہایت حیران و ششدر ہوا، اور تمام حضار متعجب ہوئے کہ یہ شخص
تو کبھی یہاں نہیں آیا اور نہ کبھی حضرت نے اسکی آواز سنی اور نہ صورت دیکھی،
یہ کیا بات ہے کہ اس کا نام لے کر پکارا، اس نے بھی استفسار کیا تو فرمایا کہ تمھارے
گانے کا لوگ ذکر کیا کرتے تھے کہ ان کی آواز میں یہ بات ہے اور اس طرح
کا اتار چڑھاؤ ہے، وہ بات صاف تمھارے تکلم سے پائی گئی تو میں نے جانا
کہ اس انداز کا تمھارے سوا کوئی نہیں ہے، جب اس نے اپنا مدعا عرض
کیا کہ میں چاہتا ہوں اپنا جوہر حضرت کے روبرو عرض کروں، ارشاد ہوا
کہ مناسب، پھر حضرت نے ایک دن حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور
مولانا عبد القادر صاحب وغیرہ بڑے بڑے کملاء کو جمع کیا اور کوئی اغیار
سے نہ رہا تب اسکی یاد ہوئی، اور وہ گانے لگا، جو جو چیزیں اس کو یاد تھیں
سب سنا دیں، تمام حضار کو رقت ہوئی، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب
کہ نہایت مستقل مزاج تھے، ان کے بھی اشک جاری ہوئے، چادر منہ پر ڈالے
ہوئے بیٹھے رہے، اور حضرت بھی کھنڈولے پر جنباں تھے، جب وہ سب گا چکا

دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے واسطے زادِ راہ سفر حجاز اور ادائے مناسک حج وعمرہ وغیرہ کے اپنے نواسے مولانا محمد اسحٰق اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہما کو عنایت کئے اور چند ہزار روپئے مصارف مراسم وفات و تعزیت کے لئے دیئے، بعد ازاں کچھ اشعار عربی اور فارسی پڑھے، اور بہت شعر ایسے کہ ایک مصرع دوسروں کا اور ایک مصرع اپنا، چنانچہ یہ شعر مشہور قدسی علیہ الرحمہ کا۔[۵۱]

روز قیامت چوں شود ہر کس بگیرد نامۂ
من نیز حاضر میشوم تصویر جاناں در بغل

بجائے مصرع ثانی آپ نے فرمایا:-

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل

پھر فرمایا کہ میرا کفن ایسے کپڑے کا ہو جو میں پہنے ہوں، کرتا آپ کا ادھوتر کا اور پائجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا اور فرمایا کہ جنازے کی نماز باہر شہر کے ہو، اور بادشاہ میرے جنازے پر نہ آوے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ساتویں تاریخ ماہ شوال روز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ وقت طلوع آفتاب کے روح پرفتوح اس عالم گذران سے جانب عالم جاوداں روانہ ہوئی، جس جائے آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ خاک معطر ہوئی تھی، بہت لوگوں نے اپنے مکان میں اس کو رکھا تھا، اول بار دروازہ ترکمان دہلی کے باہر مولانا محمد اسحٰق صاحب نے امام ہوکر نماز پڑھائی، بعد ازاں نصیر الدین صاحب لکھنوی شافعی کے مقبرے میں جماعت سے نماز ہوئی، یہاں تک کہ پچپن[۵۵] بار جنازے کی نماز پڑھی گئی جوق در جوق آتے تھے اور پڑھتے تھے، بعض مقامات میں غائبانہ بھی نماز ہوئی ہے، مزار پر انوار آپ کا شاہجہاں آباد کے باہر دہلی دروازے کی سمت مہندیوں کے قریب خوش نور کے چھتے میں واقع ہے[۱]

---

[۱] یہ جگہ میر درد روڈ کے سامنے جیل خانہ اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کے پیچھے واقع ہے اور اب قبرستان مہندیوں کے نام سے مشہور ہے، اسی قبرستان میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کو بھی دفن کیا گیا ہے۔

تو فرمایا کہ واقعی تم اپنے کمال میں یکتا ہو مگر اس وقت شاید پرتو سے ان فقراء کے بھائے بھی مزاج میں کچھ تغیر واقع ہوا ہو گا کہ فلاں فلاں مقام میں یہ یہ بات رہ گئی ورنہ تم کو بخوبی معلوم ہوگی، اس نے عرض کی کہ پیر و مرشد فدوی کو جو کچھ معلوم تھا سب عرض کیا، یہ جو حضرت نے فرمایا ہو اس کا علم نہیں، کچھ حضرت کی طرف سے ارشاد ہو، جب آپ نے جس جس مقام میں جو جو اتار چڑھاؤ رہ گیا تھا اس کو بااحسن وجہ بتایا اور سمجھایا وہ نہایت خوش ہوا اور اپنے کو سب کچھ ہیچ جانا۔

ایک اور جگہ نواب مبارک علی خاں مؤلف کمالات عزیزی کی روایت سے جنھوں نے اپنی کتاب میں بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:۔

"دو قوالوں میں ایک راگ کی تشخیص میں بڑا اختلاف تھا، آخر باتفاق ہمدگر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راقم (نواب مبارک علی خاں) بھی اس وقت قریب موجود تھا، قوالوں کی تقریر سنکر ملا گیا، مگر وہ اپنا سوال عرض کر چکے تھے، حضرت نے ایسی کیفیت اس راگ کی بیان کی اور اس طرح اس کو سنا دیا کہ دونوں کا اطمینان خاطر ہوا اور دونوں خوش ہو کر دعا دیتے ہوئے چلے گئے۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب آخر عمر میں مختلف پریشان کن عوارض میں مبتلا تھے، ان کی طرف بھی مصنف نے کئی جگہ اشارہ کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"روایت ہے مولوی شجاعت حسین صاحب غازی پوری سلمہ اللہ تعالیٰ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے استاد مولوی سخاوت علی صاحب جونپوری سے، وہ شاگرد ہیں مولانا اسمٰعیل دہلوی شہید کے کہا انھوں نے کہ حضرت کو شدت حرارت قلب سے دھڑکے کا عارضہ تھا، تو کبھی کبھی شاہ راہ عام میں جو روبرو دولت سرا کے تھا عصر کے وقت واسطے تخفیف عارضہ اور تفریح طبع کے چہل قدمی کیا کرتے تھے۔"

شاہ صاحب کی یادداشت اور ان کے کمالات کے سلسلے میں ایک طویل قصہ لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

"........ یہ ماجرا اس ایام میں تھا کہ جن روزوں حضرت بسبب قصور ہضم کے دو یا تین تولے غذا اور اسی قدر نمک سلیمانی کھا کر چار ہزار قدم مشی فرماتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالات میں ایسے متعدد واقعات اور کیفیات مصنف

نے بیان کئے ہیں جن کو نقل کرنے کی گنجائش اس مقالے میں نہیں ہے، شاہ عبد العزیز صاحب کے بہت سے تلامذہ کے تفصیلی حالات جو اب بالکل نایاب ہیں، اس تذکرے میں ملتے ہیں۔ خاص طور پر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسحٰق، مولانا یعقوب اور مولانا سراج احمد خورجوی کے حالات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، اس مختصر سے تعارف سے ناظرین اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مؤتمر اسلامی[ع]

افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل

از شیخ محمد ال العبودی، رجسٹرار جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ
(ترجمہ۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)
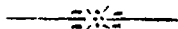
جناب صدر، اور معزز دوستو!

آپ کی اس موتمر کانفرنس کے جنرل سکریٹریٹ نے مجھ سے ایک ایسا تفصیلی مضمون لکھنے کی فرمائش کی جس کا موضوع ہو "براعظم افریقہ میں مسلمانوں کے مسائل اور اُن کی سیاسی و سماجی حالت کو بہتر بنانے کے لیے تجاویز" تاکہ کانفرنس اس مسئلے پر غور کر کے کوئی عملی قدم اٹھا سکے۔ میرا یہ مختصر مضمون اس فرمائش کی تعمیل میں پیش کر رہا ہوں جو حسب ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۔ براعظم افریقہ میں مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن۔

۲۔ اسلام اور مسلمانوں کی مخالف طاقتیں

۳۔ مسلمانوں کی بہبودی میں رکاوٹ ڈالنے والے حالات

۴۔ موجودہ سیاسی مسائل اور ہمارا موقف۔

۵۔ اسلامی عنصر کو تقویت پہونچانے کے لیے ضروری اقدامات۔

۱۔ براعظم افریقہ میں مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن

براعظم افریقہ کی مجموعی آبادی میں مسلمان ایک بڑی اکثریت ہیں۔ اس لیے کہ وہاں کی پوری آبادی (۲۵ کروڑ) میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵ کروڑ سے بھی متجاوز ہے، مسلمانوں کے اس مجموعہ کی

[ع] مؤتمر اسلامی مکہ مکرمہ میں پڑھے گئے مقالات میں سے پہلا مقالہ اکتوبر کے الفرقان میں دیا جا چکا ہے یہ دوسرا ہے۔ ان شاء اللہ اسی طرح الفرقان میں شائع ہوتے رہیں گے۔ مرتب

اہمیت جو دینی اور ثقافتی اعتبار سے مسلّم ہے اس لیے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ افریقہ کے غیر مسلم باشندوں کی اکثریت بُت پرست قبائل سے تعلق رکھتی ہے جہاں ابھی تک کسی آسمانی مذہب کی رسائی نہیں ہو سکی ہے اور اس لیے ان کے اندر اسلامی دعوت کو پیش کرنے کے لیے ایک بڑا میدان موجود ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس براعظم میں اسلامی دعوت کے پھلنے پھولنے کے جتنے مواقع ہیں سارے عالم میں شاید کہیں نہ ہوں، لیکن افسوس یہ مواقع بھی محدود ہوتے جا رہے ہیں، اسلام دشمن طاقتیں ان کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں اور جب تک ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسلامی اور عربی کوششیں وسیع پیمانہ پر ایک دوسرے کا ہاتھ نہ بٹائیں اس وقت تک ان سے فائدہ اٹھانے کا امکان نہیں ہو بلکہ بہت ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ مواقع ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں......اس بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ آئندہ بیس سال اس براعظم میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے فیصلہ کن مدت ہوگی اور اگر مطلوبہ کوششیں وسیع پیمانہ پر وجود میں آجائیں تو یہ امید ذرا بھی خوش فہمی پر مبنی نہیں ہوگی کہ افریقہ ایک اسلامی براعظم بن جائے۔

اس براعظم میں مسلم اکثریت کی کوششوں کے باوجود (جو بعض علاقوں میں ۹۰ فی صدی سے بھی اوپر ہے) یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان عام طور پر غیر مسلم اقلیتوں کے زیر حکومت ہیں۔ جن کی سیاسی پالیسیاں اسلامی اخوت سے ٹکراتی ہیں۔ یہ غیر مسلم اقلیتیں مسلمانوں پر ایسے نظام عائد کرتی ہیں جو نہ صرف اسلامی فکر کے منافی ہیں بلکہ دعوتِ اسلامی کی کامیابی کے مواقع کو بھی پوری طرح ختم کر دیتے ہیں۔

یہ حالات کئی باتوں کا نتیجہ ہیں:-

ا۔ جدید تعلیم سے مسلمانوں کی بالعموم محرومی اور دوری، جس میں کچھ تو نوآبادیات [illegible] کے قصد و ارادہ کو دخل تھا تاکہ مسلمان حکمرانی کے قابل نہ ہو سکیں۔ دوسرے خود مسلمانوں نے اپنی اولاد کو بے دینی کے اندیشے سے عیسائی اسکولوں میں داخل ہو کر تعلیم پانے سے باز رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام کلیدی عہدوں اور زندگی کے اہم شعبوں پر غیر مسلموں کو چھا جانے کا موقع مل گیا ـــ مزید برآں یہ کہ نوآبادیاتی تسلط نے جب ان ممالک کو آزادی دینے کا

ارادہ کیا تو اس کی مخصوص طور پر کوشش کی کہ جہاں تک ہو سکے زمامِ حکومت غیر مسلم لیڈرشپ کے حوالے کی جائے اور پھر مختلف معاہدوں اور اقتصادی امداد کے ذریعہ ان کی پشت پناہی کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس کی مثال سنغال، تشاد، تنجانیکا، یوگنڈا، اور جابیا ہیں جن میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰٪ سے لے کر ۹۸٪ کے درمیان ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان تمام ملکوں میں حکومت عیسائی اقلیت کے ہاتھوں میں ہے جس کے دل میں اسلام سے بغض و عناد بھرا ہوا ہے اگرچہ انتہائی عیاری کے ساتھ اس کو چھپانے کی کم و بیش کوشش کی جاتی ہے۔

۲۔ اسلامی بنیاد پر اسلامی جماعتوں کے متحد ہونے کا تصور اب تک غیر واضح ہے جس کی وجہ سے مسلمان مختلف سیاسی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ اس بنیاد پر بھی آپس میں اختلاف کھڑا کرتے ہیں کہ سیاسی سرگرمیوں سے دین کا کوئی تعلق ہی نہیں، حالانکہ یہ اختلاف اس کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ مسلمان بحیثیت اکثریت کے جن حقوق کے حقدار ہیں عملاً وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں اور ایک بے اثر اکثریت بن کر رہیں۔ اس اختلاف و انتشار کے افسوسناک نتائج کی مثالیں افریقہ کے ان ممالک میں بکثرت ہیں۔

۳۔ بعض اسلامی جماعتیں اسلام کا ایسا غلط تصور اور اس کی ایسی بگڑی ہوئی تصویر پیش کرتی ہیں جو باطل اور خرافات کا مرقع ہوتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے نئی نسلیں اسلامی رشتہ سے ٹوٹ کر عصر حاضر کے نئے فلسفوں اور نئے نظریوں کی طرف دیکھتی ہیں اور اس میں زندگی کے پیچیدہ مسائل کا حل ڈھونڈھتی ہیں، اسلامی اکثریت کی طاقتوں کو بھی جبر قدیم و جدید کے دو مکاتب فکر میں تقسیم کرتی ہے، قدیم مکتبِ فکر عصر حاضر کی روح اور زندگی کے تقاضوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو جدید مکتبِ فکر قدیم کو ناقابل اعتبار تصور کرتا ہے۔ اور خالص جدید افکار کو اپنی ترقیوں کا ذریعہ اور اسی کو اپنے مسائل کا حل تصور کرتا ہے۔ گو یہ دونوں مکتبِ فکر ہر جگہ حتیٰ کہ بلادِ عربیہ میں بھی موجود ہیں، لیکن افریقہ میں جہاں اسلام کے خلاف زبردست معرکہ آرائی ہے اور جہاں اسلام کا مستقبل ایک مضبوط متحدہ اسلامی محاذ پر موقوف ہے، یہ تقسیم بیحد خطرناک ہو جاتی ہے۔

۴۔ افریقہ میں بہت سی آزاد مسلم حکومتیں موجود ہیں جن میں اس بات کی پوری صلاحیت

ہو کہ اس بر اعظم میں اسلامی لہر کو مضبوط کرنے میں ایک مؤثر رول ادا کریں لیکن وہ اپنے داخلی مسائل میں اس طرح پھنسی ہوئی ہیں کہ اس اہم کام کی طرف کوئی توجہ نہیں کر پاتیں۔ یہ مسائل بیرونی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ ہوں یا اندرونی اختلافات کا بہرحال ان حکومتوں کی اس میدان میں سرگرمی اور اثر اندازی کے لیے سم قاتل ہیں۔ مثال کے طور پر سوڈان کے لیے جنوبی سوڈان کا مسئلہ، زنجبار کا اندرونی جھگڑا اور مراکش و الجزائر کا سرحدی قضیہ۔ اسی طرح مسلم افریقہ میں وہ تمام عیوب و اختلافات موجود ہیں جو عام طور پر عربی اور اسلامی ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو اسلامی تربیت کی کمزوری اور سامراج کے پیدا کردہ سیاسی اور اقتصادی احوال کا نتیجہ ہیں، جیسے کہ قومیت و وطنیت اور اشتراکیت وغیرہ کے نعرے بھی افریقہ میں ابھر رہے ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک صورت حال یہ ہے کہ ان لیڈروں کے اردگرد اسلامی ذہن رکھنے والے ایسے افراد یا جماعتوں کا بھی فقدان ہے جو انھیں صحیح رہنمائی دیں اور اس غلط بہاؤ کو روکنے یا کم سے کم اس کو سست کر دینے کا راستہ انھیں بتائیں۔ بعض جگہ اگر خوش قسمتی سے ایسے حکمراں پائے جاتے ہیں جو اپنے ملکوں کی سیاست و معیشت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا اور اسلامی دنیا سے خود کو مربوط رکھنا چاہتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ سامراج نے ایک طرف ان کو ایسے حالات میں چھوڑا ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر ان کا کام کسی طرح نہیں چل سکتا اور دوسری طرف تخریب کاری کے ایسے جال پھیلا دیے گئے ہیں جو وقت ضرورت سامراج کے ادنیٰ اشارے سے اس کے کام آسکتے ہیں۔

افریقہ کے ایک ایک ملک کے تفصیلی حالات کو نظر انداز کر کے اگر پورے بر اعظم پر ایک مجموعی نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ افریقہ کے بارے میں بڑی طاقتوں کی پالیسی بھی اس کی وحدت کے تصور ہی پر مبنی ہے اور اس نقطۂ نظر سے وہ افریقہ کی غیر مسلم قیادتوں کو ہر ممکن طریقے پر اس درجہ مضبوط و مؤثر بنانے کے لیے کوشاں ہیں کہ دنیا کی نظر میں یہی قیادتیں افریقہ کی ترجمان اور اس کے بست و کشاد کی مختار بن جائیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان بڑی طاقتوں نے افریقیوں کے اندر اتحاد و یکجہتی کے رجحان کا اندازہ کر کے اس بات کا مکمل منصوبہ بنایا ہے کہ کس طرح اس متحدہ افریقہ کی حکمرانی غیر مسلم عناصر کے

ہاتھ میں آجائے۔ اور اس کا تقاضہ ہے کہ ہم ہر افریقی ملک کے حالات کا جدا جدا جائزہ لینے کے ساتھ عملی پالیسی کا مدار اس کی وحدت کے تصور ہی پر رکھیں، جہاں جہاں اسلامی قیادتیں موجود ہیں اُن سے واقفیت حاصل کریں اور جہاں یہ قیادت مفقود ہے وہاں اسے وجود میں لانے کی کوشش کریں تاکہ افریقہ کے مسلمان پورے براعظم میں اپنا صحیح رول ادا کر سکیں۔

۲- اسلام اور مسلمانوں کی مخالف طاقتیں

ا- عیسائی مشنریاں۔ آج سے قریباً ڈیڑھ صدی بیشتر جب عیسائی مشنریوں نے افریقہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اُن کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ افریقیوں کو عیسائی بنائیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا بت پرست. مسلمانوں کے معاملے میں ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے عقائد بگاڑ دینا اور سیاسی و اجتماعی لحاظ سے ان کو کمزور کر دینا، اسلام کے آغوش سے ان کو نکالنے ورنہ کم سے کم ان پر سے اسلام کی گرفت کو کمزور کر دینے کی طرف ایک مؤثر قدم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوگا کہ اپنی اجتماعی زندگی کی اساس کمزور پڑ جانے پر وہ بے وزن اور بے اثر گروہوں کی شکل میں رہ جائیں جن کے ہاتھ میں کوئی طاقت نہ ہو۔

ہم اگر یہ سمجھ لیں کہ عیسائی مشنریوں کا یہ حملہ بالکل ناکام رہا تو یہ بڑی غلطی ہوگی کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی اقلیتیں کس طرح بعض اُن افریقی ملکوں تک پر قابض ہیں جن کی غالب اکثریت مسلمان ہے۔ مشنریوں کے کچھ خاص طریقے اور بھی ہیں جو افریقیوں کے لیے بڑے مؤثر ہیں اور اُن سے کام لینے میں یہ برابر لگی رہتی ہیں۔ وہ طریقے کیا ہیں۔ اسکول، شفاخانے اور پناہ گزین کیمپوں جیسے رفاہی کاموں کے ذریعے عوام میں نفوذ۔ اور پھر انھیں اڈوں سے وقت ضرورت اسلامی ممالک میں بغاوت کی آگ بھڑکانے اور اندرونی کشمکش کو ہوا دینے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ لیکن اب جبکہ افریقہ آزادی کی راہ پر گامزن ہو گیا ہے عیسائی مبلغین کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ ان کے مشن کا گزشتہ سامراج سے تعلق آزاد افریقہ میں ان کے لیے بڑی پریشانیوں اور دشواریوں کا باعث بن گیا ہے اور افریقہ کے عوام مسیحیت کو اُن سفید فاموں کے مذہب کی نظر سے دیکھتے ہیں جنھوں نے صدیوں ان کا

خون چوسا ہے۔ اس صورت حال نے ان مشنریوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ جگہ جگہ کانفرنسیں کرکے اپنے اور سفید سامراج کے تعلق کو دبا دینے کی اسکیمیں تیار کریں۔ اور جو افریقی ملک ابھی تک سامراج کے شکنجے میں ہیں اُن کی آزادی کے مطالبات کی تائید کریں، بلکہ مختصر یہ کہ ہر ممکن کوشش سے مسیحیت کو سیاہ فاموں کا مذہب بنا کر پیش کریں۔

اس سلسلہ میں جنوبی افریقہ اور جنوبی رھوڈیشیا کے کلیسا کا رویہ ایک مثال کی حیثیت سے دیکھنے کے قابل ہے جہاں کانفرنسیں منعقد کرکے نسلی امتیاز کی مخالفت کی گئی اس طرح اب یہ بھی مشاہدہ میں آنے لگا کہ کلیسائی عہدے بھی افریقی عیسائیوں کو دیے جانے لگے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس وسیع منصوبے کا ایک جزو ہیں جو افریقہ کی آزادی سے پیدا شدہ نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت اونچی سطح پر تیار ہو رہا ہے اور جس کا ایک اشارہ عیسائی دنیا کے موجودہ پوپ کی ایک حالیہ تقریر سے بھی ملتا ہے جس میں موصوف نے افریقہ کو "مسیح کی نئی سرزمین" کے نام سے یاد فرمایا۔

اس بات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ کو سامراج سے الگ کرنے کے اقدامات محض دکھاوا ہیں جس سے ایک زوال پذیر طاقت اپنے آپ کو سنبھالنا چاہتی ہے، اور یہی کیا سامراج اس وقت اپنی پالیسیوں کو ہر پہلو سے بدلنے اور ایسی شکلیں اختیار کرنے میں لگا ہوا ہے جس سے افریقی دھوکے میں آسکیں۔ جیسے کہ اقتصادی اور ثقافتی تعاون جس کا مقصد ایک نئے انداز سے تسلط برقرار رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ٹھیک جس طرح استعمار اور سامراج اپنا لباس بدل رہا ہے اس طرح اس کی دست راست عیسائی مشنریاں بھی ایک نیا روپ دھارنا چاہتی ہیں۔ اگرچہ دونوں کا مقصد بدستور ایک ہے اور دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار!

عیسائیت کا تبلیغی نظام اپنے ان نئے طور طریقوں کے ساتھ ساتھ افریقہ میں اپنی کچھ مددگار طاقتیں بھی رکھتا ہے اور وہ وہاں کی وہ حکومتیں ہیں جن میں عیسائیت کا پورا غلبہ ہے۔ اس چیز نے عیسائیت کو افریقہ میں کامیابی کا پورا موقع فراہم کردیا ہے۔ اور اسی چیز نے ہم پر یہ لازم کردیا ہے کہ افریقہ میں دعوتِ اسلامی کے مضبوط مرکز قائم کریں ورنہ

ہم اگر اس بارے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت کے اس منصوبے کو کامیابی کی پوری آزادی دے رہے ہیں کہ وہ افریقہ میں اسلام کو باہر سے لاکر تھوپے ہوئے مذہب کی شکل میں پیش کرے اور یہ وہ شکل ہوگی جسے آزاد افریقہ کا ذہن قبول کرنا کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ ہمیں اس خطرہ کی پیش بندی کے لیے پوری حکمت سے کام لینا ہے۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ یہاں اسلامی دعوت کا کام اہلِ افریقہ ہی کے ذریعہ سے ہو جن میں خود اسلام کی گہری جڑیں موجود ہیں۔

۲۔ سامراج۔ عیسائی مشن اور سامراج جس طرح ساتھ ہی ساتھ افریقہ میں داخل ہوئے تھے اسی طرح ان کی سرگرمیوں میں بھی حالات کے مطابق کہیں کھلے طور پر اور کہیں چھپے طور پر اتحاد قائم رہا۔ ایک طرف مشن کا کام یہ تھا کہ وہ اہلِ افریقہ کے دین و مذہب اور ثقافت و روایات کی بیخ کنی کرے اور ان کی قومی خودداری کے سوتے خشک کردے، دوسری طرف سامراج کا کام یہ تھا کہ وہ اس خلاء سے فائدہ اٹھاکر ان قوموں کو غلام بنائے اور یہاں کی دولت سے اپنی قوم کو مالا مال کرے۔ یہ افریقہ کے دورِ غلامی کی بات تھی۔ اور اب جبکہ افریقہ آزاد ہورہا ہے تو سامراج عیسائی مشنریوں کے کام سے ایک دوسرے انداز میں فائدہ اٹھا رہا ہے۔ افریقہ جب آزادی کے مرحلہ تک پہونچا تو عیسائی مشن کی وسیع جدوجہد کی بدولت قیادت و حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے ان کے رنگ میں رنگا ہوا ایک طبقہ تیار ہوچکا تھا۔ اب سامراجی طاقتیں ہر ممکن طریقے سے اس طبقہ کو اپنی جگہ دلا رہی ہیں اور امداد کی جو صورت بھی ان کے بس میں ہے (حتیٰ کہ بعض وقت فوجی مداخلت بھی) اس کے ذریعہ اس نوخیز طاقت کی پشت پناہی کررہی ہیں، قریب ہی کے گزشتہ سالوں میں، دیکھئے کہ مشرقی اور مغربی افریقہ کی ریاستوں، کینیا، یوگنڈا، تنجانیکا، جابون، تشاد اور داہومی میں حالات کو جوں کا توں رکھنے کے لیے کس تیزی سے بیرونی فوجیں اتاری گئیں اور اس کے مقابلہ میں زنجبار کی بغاوت کو کس لاپروائی کے ساتھ نظرانداز کیا گیا اسلیے کہ یہاں بغاوت اسلامی قیادت کے خلاف تھی۔

آج سامراجی طاقتیں اپنے اثر کی چھوٹی چھوٹی افریقی ریاستوں کے ذریعے افریقی اتحاد کے نام پر عیسائی قیادت کو مضبوط کرنے اور اسلامی قیادتوں کو ابھرنے سے روکنے میں انتہائی سرگرمی کے ساتھ منہمک ہیں اور اسلیے اسوقت انتہائی افسوس ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض مسلم حکومتیں بھی ان کے جال میں پھنس گئی ہیں۔

اور سیاسی تعاون کی راہوں سے دانستہ یا نادانستہ اسلامی قیادتوں کیخلاف عیسائی قیادتوں کی مددگار بن رہی ہیں۔

۳۔ اسرائیل۔ تیسری اہم طاقت جو افریقہ میں سرگرم عمل ہے وہ اسرائیل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل سامراج اور عیسائی مشنریوں سے الگ رہ کر کوئی کام نہیں انجام دے رہا ہے بلکہ انھیں کے دوش بدوش ایک ہی اسکیم کے ماتحت عمل پیرا ہے۔ افریقہ میں اسرائیلی سرگرمیوں کا موضوع ایک مستقل بحث چاہتا ہے جسکو ہم مختصراً حسب ذیل عنوانات میں بیان کریں گے یعنی

(الف) تاریخی پہلو۔ (ب) دینی پہلو۔ (ج) سیاسی پہلو۔ (د) اقتصادی پہلو۔ (ہ) پیغمبرانہ۔

(الف) اسرائیلی سرگرمیوں کا تاریخی پہلو۔

سامراج نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی ہے کہ عرب ہی وہ قوم ہے جس نے اسلام کو بر اعظم افریقہ تک پہونچایا اور وہ اب بھی اپنے افریقی بھائیوں کی قوت کا سرچشمہ اور ان کیلئے مرکز تقویت ہیں۔ نیز یہ بھی کہ افریقی بر اعظم کا مستقبل اور سامراج کے علی الرغم اسکی ترقی کے امکانات بڑی حد تک عرب و افریقہ کے ہم آہنگ تعلقات پر موقوف ہیں اسلیے سامراج کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ افریقیوں کو عربوں سے متنفر کرنے کے تمام وسائل استعمال کرے چنانچہ اُسنے عربوں کو غلاموں کی تجارت اور ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیلئے مطعون کیا اور اس سلسلہ میں بعض ایسی انفرادی اور شاذ مثالوں کا پروپگنڈہ کیا گیا جن سے کسی بھی معاشرہ کا دامن پاک نہیں دکھایا جا سکتا۔ یہ پروپگنڈہ اگرچہ افریقی مسلمانوں میں کامیاب نہیں ہو سکا، لیکن یہاں کے غیر مسلم لیڈروں اور قائدین پر اس نے برا اثر ڈالا اور عربوں کی نسبت مخالفانہ فضا پیدا کرنے کا سبب بن کر رہا۔ یہی وہ فضا تھی جس کو اسرائیل نے اپنے پروپگنڈے کے لیے استعمال کیا، چنانچہ آج افریقہ میں غلامی کا موضوع اسرائیلی پروپگنڈے کا ایک اہم باب بن چکا ہے، اسی طرح اسرائیلی پروپگنڈہ اس "ظلم و نا انصافی" کی تصویر کشی میں بہت حد تک کامیاب رہا جس سے اسرائیل کو اپنا فطری حق واپس لینے اور اپنے "اصلی وطن" واپس جانے میں دوچار ہونا پڑا پھر اسرائیل نے اپنے بارے میں اس نام نہاد "ظلم و نا انصافی" کی تصویر کو اس ظلم و نا انصافی کے ساتھ ملا کر پیش کیا جسمیں خود افریقی ایک عرصہ تک استعمار پسند قوموں کے ہاتھوں مبتلا رہے ہیں اور اسکے بعد یہ نعرہ بلند کیا کہ اسرائیلی اور افریقی دونوں نسلی اور مذہبی امتیاز کے سبب مظلوم قومیں ہیں اسلئے انکو دنیا سے ظلم و نا انصافی کا قلع قمع کرنے کیلئے متحد ہو جانا چاہیے۔

یہ دلائل حد درجہ بیہودہ اور ناقابل اعتنا ہیں اور تاریخی اعتبار سے ان کا رد کرنا بالکل آسان ہے لیکن عربی اور اسلامی ذرائع نے اس کا اہتمام بالکل نہیں کیا اور اسکو ایک بدیہی اور آپ سے ظاہر چیز سمجھ کر چھوڑ دیا، حالانکہ یہ پروپگنڈہ تمام افریقی ممالک میں زہر کی طرح سرایت کر رہا ہے اور عربی افریقی تعاون و اتحاد کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا۔

(ب) اسرائیلی سرگرمیوں کا دینی رُخ

افریقہ کے اندر اسرائیلی سرگرمیوں میں ایک دینی عنصر بھی شامل ہے اور وہ یہ ہے کہ یہودی وہاں کے عیسائیوں کے مذہبی جذبہ کی تائید حاصل کرنے کے لیے اپنے معاملہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اسرائیلی حکومت کا قیام دراصل ان پیشین گوئیوں کا ظہور ہے جو تمام عیسائی فرقوں کے مقدس صحیفوں "عہد نامہ قدیم" اور "عہد نامہ جدید" میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس بنیاد پر عربوں کے ہاتھوں اس حکومت کا سقوط خود مسیحی عقیدے کے لیے ایک چیلنج اور حکم الٰہی کی شکست ہے۔ اسرائیل کے لیے ایک بڑی پریشانی یہ تھی کہ عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں صاف صاف مذکور تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھوانے کے تمامتر ذمہ دار یہودی تھے اور اس لیے یہ کتابیں یہودیوں کی لعنت سے بھری ہوئی بھی ہیں۔ یہ چیز عیسائی اور اسرائیلی اتحاد کی راہ میں، بالخصوص عوامی سطح پر اتحاد و مفاہمت کی راہ میں ایک سخت رُکاوٹ تھی اور عرب یا کسی بھی یہود دشمن طاقت کو اسرائیل پر حملہ آور ہونے اور اس کے قلع قمع کر دینے کا بہترین موقع فراہم کرتی تھی۔ لیکن اسرائیل کی یہ مصیبت دنیائے عیسائیت کے مرکزی ادارے کے اس حالیہ فیصلے نے دور کر دی کہ یہودی من حیث القوم حضرت مسیح کے خون سے بری ہیں۔ اور اس لیے اسرائیلی پروپیگنڈا اس فتوے کا اب جتنا بھی سہارا لے وہ کم ہے۔ اس کے ساتھ اسرائیل کو ایک اور چیز سے بھی فائدہ پہنچ رہا ہے اور وہ یہ کہ افریقہ کے عیسائی بالخصوص اور دنیا بھر کے ارباب کلیسا بالعموم افریقہ میں اشاعت اسلام کے اندیشے سے بہت خائف ہیں اور اس لیے کسی ایسے تیسرے فریق کے خواہاں ہیں جو اس میدان میں عرب مسلمانوں کے ایک ازلی دشمن کی حیثیت سے ان کا حلیف بن کر رونما ہو۔

اسرائیل ایک طرف ان بنیادوں پر عیسائیوں کا تعاون حاصل کر رہا ہے اور دوسری طرف اُس کی یہ کوشش بھی ہے کہ فلسطین کے معاملہ میں مسلمانوں کی یکجہتی کو توڑ کر ایک بالواسطہ تائید حاصل کرلے۔ اس سلسلے میں اس کے پروپیگنڈے کا رُخ یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ کوئی مذہبی مسئلہ نہیں، خالص سیاسی مسئلہ ہے۔ یہ پانی کی تقسیم یا سرحدوں کی تعیین کا معمولی جھگڑا ہے وغیرہ وغیرہ افسوس ہے کہ افریقہ کی بعض اسلامی قیادتیں اپنی کم نظری اور اسلامی شعور کی خامی کی بنا پر اسرائیل کی اس چال سے متاثر بھی ہو رہی ہیں اور اسی کے ساتھ ہم اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ

بعض عرب سیاسی قیادتیں بھی اپنی جہالت یا حماقت سے اس اسرائیلی فریب کو مدد پہنچا رہی ہیں۔ وہ بار بار یہ آواز بلند کرتی ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ عرب قومیت کا مسئلہ ہے نہ کوئی اسلامی مسئلہ نہ دینی۔ اور پھر اس پر مستزاد اُن کا طرز عمل ہے کہ ایسے ہی متعدد مسئلوں میں وہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی ہمنوائی کرتی نظر آسکتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ افریقہ میں اگر کسی دینی یا سیاسی مسلم لیڈرشپ کو اسرائیل کی تائید پر مطعون کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ان عرب ملکوں اور اُن کے قائدین کے بیانات و طرز عمل ہی سے اپنے حق میں دلیل لاتے ہیں اور پھر برملا کہہ دیتے ہیں کہ قوم و وطن کا مفاد ہر چیز پر مقدم ہے۔

(ج) اسرائیلی سرگرمیوں کا سیاسی پہلو

افریقہ میں اسرائیلی سرگرمیوں کے پس پشت در اصل سامراجیوں کی شاطرانہ سیاست بھی کارفرما ہے۔ اس سیاست کا خلاصہ یہ ہے کہ افریقہ میں اسرائیل کے نفوذ کی سرپرستی کر کے اس علاقے میں عرب سیاست کا بہت اچھا توڑ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس شکل میں جو افریقی ریاستیں اسرائیل سے تعلقات استوار کریں گی ان سے عرب حکومتیں دشمنی مول لے لیتی ہیں تو اس طرح عرب افریقی اتحاد کے امکانات میں وہ زبردست رخنہ پڑ جائے گا جو عین مطلوب ہے اور اگر یہ حکومتیں اس مسئلہ پر سمجھوتے کی روش اختیار کرتی ہیں اور افریقی ریاستوں کو اسرائیل کے وجود کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے کی اجازت دیتی ہیں تو اسرائیل کا کام پھر یہ ہوگا کہ عرب افریقی تعلقات میں مستقل زہر چکانی کرے اور سامراج کا آلۂ کار بن کر ان ریاستوں کو سامراجیوں کے حلقۂ اثر میں لائے۔ اور اس سلسلے میں جو طریقے مفید مقصد ہو سکتے ہیں مثلاً اقتصادی اور فنی امداد یا پروپیگنڈہ اور اُس سے بھی آگے رشوت و فریب دہی ان سب میں یہ مانی ہوئی بات ہے کہ یہودی اپنا جواب نہیں رکھتے اور خود بھی انھیں وثوق ہے کہ اس میدان میں فتحیاب وہی ہوں گے۔

اسی طرح خود افریقی سیاست کا ایک پہلو بھی اسرائیل کے لیے مددگار ہو رہا ہے اور وہ ہے افریقی اتحاد کے سلسلے میں افریقہ کی عرب اور غیر عرب قیادتوں میں رقابت کا جذبہ۔ بلکہ خاص افریقی قیادتیں جن کی سامراج دشمنی شک و شبہ سے بالاتر ہے وہ اس خلوص کے باوجود اسرائیل کی پشت پناہ بھی ہیں اور یہ صرف اس لیے کہ وہ بعض طاقتور عرب قیادتوں کے

اثر و رسوخ سے خائف ہیں اور افریقہ میں عربی اور اسلامی اثرات کے نفوذ کے فرضی خطرہ کے مقابلہ کے لیے اسرائیل کو ایک مؤثر رکاوٹ سمجھتی ہیں۔

(د) اسرائیلی سرگرمیوں کا اقتصادی پہلو۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ افریقہ کی اکثر نو آزاد ریاستیں سامراج کی چھوڑی ہوئی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے بیرونی اقتصادی امداد اور فنی تعاون کی بیحد محتاج ہیں۔ ان ریاستوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اسرائیل اپنا بھرپور تعاون پیش کرتا ہے اور کچھ خاص اسباب ہیں جن کی بدولت اسرائیل کو اس مہم میں کامیابی حاصل ہو رہی ہے

(۱) یہ کہ قومی لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم اقتصادی فراست اور فنی مہارت میں یہودیوں کا مقابلہ نہیں کرتی اور اسی طرح دنیا بھر میں یہودی سرمایے کا تسلط بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یہ دوہری طاقت اسرائیل کو پورا موقع فراہم کرتی ہے کہ افریقہ پر حاوی ہو جائے۔

(۲) یہودیوں کی عالمی کمپنیاں غیر یہودی کمپنیوں میں بھی مختلف طریقوں سے دخیل ہیں اور اس طرح بین الاقوامی تجارت وصنعت پر اُن کا پورا اثر ہے

(۳) اقوام متحدہ کے ماتحت بین الاقوامی اداروں مثلاً یونسکو اور یونیسیف یا بڑی طاقتوں کے قائم کردہ ایسے اداروں کے اکثر ارکان یہودی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ افریقی ریاستوں میں اپنے فرائض اسرائیلی پالیسی کے ماتحت انجام دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک مزید بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ افریقہ میں اسرائیل کے اقتصادی نفوذ میں ایک بڑی حد تک ان حالات کا بھی دخل ہے جو مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں رونما ہو چکے ہیں، مثلاً خلیج عقبہ اور آبنائے تیران پر۔ اسرائیل کے قبضے نے مشرقی اور وسطی افریقہ میں اسرائیل کے حق میں بڑا نفسیاتی اثر ڈالا ہے۔

(ھ) اسرائیلی سرگرمیوں میں پروپیگنڈے کا عنصر

گزشتہ اوراق میں اسرائیلی سرگرمیوں کے دینی، تاریخی یا اقتصادی پہلوؤں کی جو تفصیل پیش کی گئی ان سب سے مل کر اسرائیلی پروپیگنڈہ مشینری کی تکمیل ہوتی ہے جو براعظم افریقہ پر چھائی ہوئی ہے اور مزید برآں ہر شہر میں اسرائیل افریقہ دوستی کی انجمنیں قائم کی

جارہی ہیں جو اسرائیل سے آنے والے مہمانوں کے لیے لیکچروں کا انتظام کرتی ہیں اور یہودی کارندوں اور اہم افریقی شخصیتوں کے درمیان تعارف کے لیے جلسے منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ تحفے تحائف پیش کرنے اور صحافتی نمائندوں، ریڈیو کے نامہ نگاروں اور کالجوں یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے لیے سفروں کا انتظام کرنے میں گراں قدر رقمیں خرچ کی جاتی ہیں اور اسرائیل کے تعلیمی اور فوجی اداروں میں تعلیم پانے والے افریقی طلباء کی خبریں افریقی اخبارات میں نمایاں طور سے شائع کرا کے یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسرائیل ہر علم و فن کا مرکز اور افریقہ کا بہترین دوست ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں یہ بھی کہنا چاہیے کہ اسرائیلی پروپیگنڈے کو ماضی میں جس چیز نے بیحد فائدہ پہنچایا ہے وہ عرب ملکوں کے باہمی اختلافات تھے۔ اسرائیلی ذرائع بڑی پابندی سے اُن الزامات کو نشر کرتے تھے جو ایک عرب فریق دوسرے کے خلاف عائد کرتا تھا۔ ان باتوں کی مدد سے اُس نے افریقیوں کے سامنے عربوں کی یہ تصویر پیش کی کہ وہ ایک منتشر اور باہم متحارب قوم ہیں جن میں کوئی کلمۂ اشتراک یا اتحادِ رائے نہیں اور اس لیے ان سے تعاون اور اُن پر تکیہ بالکل فضول ہے۔ اسی کے ساتھ اسرائیلی پروپیگنڈہ عربوں اور یہودیوں کے نزاع کی حقیقت سے ناواقف افریقیوں کو یہ باور کرانے میں بھی کامیاب ہوتا رہا کہ اسرائیل ہر مناسب قیمت پر عربوں سے اپنا جھگڑا طے کرنے اور اُن سے مصالحت کرنے پر راضی ہے مگر عرب اُسے مٹا کر دم لینے کے سوا کسی بات پر راضی نہیں۔

(۴) بین الاقوامی کمیونزم

کمیونزم کا تمام مذاہب کے بارے میں جو نقطۂ نظر ہے اس کے تحت اسلام کے بارے میں اس کا کوئی اور تصور بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ اس کو نیست و نابود کر دیا جائے اور یہ حقیقت اس بات سے نہیں بدل سکتی کہ بعض جگہ وہ سامراج کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ لینے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ موجودہ حالات میں کمیونزم اسلام کے لیے براہ راست کوئی خطرہ نہیں ہے اسلیے

کہ اس وقت اسے خود اپنے موجودہ دشمنوں سے فرصت نہیں ہے۔ لیکن واقعات و حالات کا طبعی انقلاب کسی سخت ٹکراؤ کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ آج کمیونسٹ کوشاں ہیں کہ مزدوروں اور طالب علموں کی تحریکوں اور کسانوں اور مختلف پیشے وروں کی نمائندہ انجمنوں پر قابض ہو جائیں اگر ان کو اس مہم میں کامیابی ہو جاتی ہے تو لازماً یہ طبقے اسلام کے ہاتھ سے نکل جائیں گے جیسا کہ روسی اور چینی درسگاہوں سے تعلیم پا کر آنے والے طلباء کا حال یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی روایات کا ادنیٰ احترام تک اپنے دل میں نہیں رکھتے۔

افریقہ میں اسلام کے لیے کیمونزم کا خطرہ اس لیے اور زیادہ قابل ذکر ہے کہ وہاں دینی تنظیمیں اور اسلامی شعور کمزور ہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہاں کی اسلامی جماعتیں بین الاقوامی کیمونزم سے کافی قریب بھی ہیں۔

(۳) مسلمانوں اور عربوں کے لیے موافق حالات

افریقہ میں مسلمانوں اور عربوں کے لیے صرف ناموافق اور مخالف حالات ہی نہیں ہیں بلکہ کچھ موافق اور سازگار حالات بھی پائے جاتے ہیں اور بشرط کوشش ان سے کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

مثلاً (الف) جنوبی افریقہ اور رہوڈیشیا میں افریقی عوام اور وہاں کی نسل پرست اقلیتی حکومتوں کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اس کی وجہ سے افریقیوں میں ایک بڑی جماعت عرب اور اسلامی حکومتوں کی طرف دیکھتی ہے اور ان کو ہر جگہ ایک طاقتور عنصر تصور کرتی ہے۔ خواہ اقوام متحدہ کا دائرہ ہو یا اس کے باہر یہ صورت حال عربی اور اسلامی مسائل میں افریقہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا بہترین موقع فراہم کرتی ہے اور افریقہ میں اسلامی اخوت کو مضبوط کر کے وہاں کے مسائل میں سرگرم کرنے کا بھی!

(ب) عیسائی مذہب افریقہ میں اب تک اس تہمت سے بری نہیں ہو سکا کہ وہ سفید فام سامراج کا دین ہے۔ کلیسا نے اس الزام کی تردید میں ہر طرح کی کوشش کر ڈالی مگر وہ لوگوں کے ذہن سے اس تصور کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اس لیے ابھی کچھ وقت تک ضرور عیسائی مذہب کے پھیلنے اور مقبول ہونے میں یہ تصور آڑے آتا رہے گا۔ اس زریں موقع سے اگر مسلمانوں نے

فائدہ نہ اُٹھایا تو وہ ہمیشہ اپنی اس غلطی پر کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔

(ج) تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بُت پرست آبادیاں افریقہ میں اسلامی دعوت کو قبول کرنے میں سب سے آگے ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی بھی منظم کوشش کی جائے تو ان کی بہت بڑی تعداد کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا جا سکتا ہے۔

(د) اسلامی ملکوں کی آزادی کے ساتھ ہی عربوں اور دوسرے مسلمانوں سے بہتر تعلق قائم کرنے کا طبعی رجحان، ان حکومتوں کا تعاون حاصل کرنے اور ان کی جغرافیائی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی وسیع اسلامی منصوبے کو بروئے کار لانے کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔

(ھ) افریقہ میں بھی حسبِ فطرت اسرائیل سے ایسی حرکتیں سرزد ہونا شروع ہو گئی ہیں جن سے ہمیشہ ہی دوسری قوموں میں نفرت کا جذبہ ابھرا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہ جذبہ اُبھر رہا ہے اور یہودیوں کے دھوکے، فریب اور رشوت کے ذریعہ لوگوں کو ہمنوا بنانے کی مذموم عادتیں جوں جوں ظاہر ہو رہی ہیں۔ افریقہ میں ان سے نفرت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوگا۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

(۴) ضروری اقدامات

(الف) سیاسی میدان میں:۔

سیاسی پہلو سے عرب اور دیگر اسلامی حکومتوں کے درمیان ایک مشترک لائحہ عمل تیار ہونا چاہیے جس میں تمام حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے اور اس میں اسرائیل سمیت تمام سامراجی اور نسلی طاقتوں کے خلاف افریقی حکومتوں سے تعاون کے امکانات کا سنجیدہ جائزہ بھی شامل ہو۔ ہمیں سیاسی لائحہ عمل کو تیار کرنے میں زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ ہمارے سیاسی موقف میں اگر کوئی خامی رہ گئی تو اس کے نتیجہ میں ہمارا بڑے سے بڑا پروپیگنڈہ اور مؤثر سے مؤثر اقتصادی تعاون بھی بے کار جا سکتا ہے

(ب) پروپیگنڈے کے میدان میں۔

ایک ایسی پروپیگنڈہ تنظیم جس کا تعلق صرف افریقہ سے ہو، ناگزیر ہے، اس کے ذریعہ

ان تمام الزامات کی تردید کی جائے جو سامراج نے عربوں پر لگائے ہیں اور جن کی نشر و اشاعت برابر مشنریوں اور صیہونی مرکزوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے، اسی طرح کچھ ملکوں میں مسلم صحافت (پریس) قائم کرنے کے متعلق غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں نوجوان طبقہ کو صحافت اور نشر و اشاعت کے کاموں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے پورا تعاون دیا جائے تاکہ وہ تدریجی طور پر نشر و اشاعت کے ذرائع سے سامراجیوں کی اجارہ داری کو ختم کر سکیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس عداوت کو کم کرنے کی کوشش بھی کی جائے جو عرب اور مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کے دل میں موجود ہے۔

(ج) ثقافتی میدان میں

ثقافت کی راہ سے افریقی حکومتوں کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے عرب اور دیگر مسلمانوں کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ یہاں مسلمانوں کی موجودہ تعداد اور اسلامی عربی ثقافت کی طرف ان کا طبعی رجحان اس مہم کو بہت زیادہ سہل بنا دیتا ہے۔ بشرطیکہ منظم اور مسلسل طور پر اس کیلئے کوشش کی جائے۔ ہم اس کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں:۔

(۱) جس علاقے میں بھی مدرسین اور واعظین کی ضرورت ہو برابر اور فوراً فراہم کیے جائیں۔

(۲) عربی اور اسلامی تعلیم کے لیے ایسا نصاب تیار کیا جائے جو افریقی ماحول اور حالات سے میل کھا سکے، نیز اس کے لیے نصاب کی کتابیں طبع کرائی جائیں۔

(۳) عرب اور دیگر اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے افریقی طلباء کے لیے تعلیمی وظائف جاری کیے جائیں اور مذہب و زبان کی تعلیم کے ساتھ دوسرے علوم کی تعلیم کا اہتمام بھی کیا جائے۔

(۴) افریقہ کے تمام موجودہ مدارس اور کالجوں کو ہر ممکن امداد کے ذریعہ مستحکم بنایا جائے اور حسب ضرورت مزید مدارس کھولے جائیں۔

(د) اقتصادی میدان میں۔

گزشتہ سطور میں ہم نے تفصیل کے ساتھ افریقہ کے لیے اقتصادی امداد اور فنی تعاون کی ضرورت کا ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ یہی وہ خلا ہے جس سے سامراج اور صیہونیت کو فائدہ

اٹھانے کا موقع مل رہا ہے، اس لیے عرب اور دیگر مسلم حکومتوں پر لازم ہے کہ وہ اس مقصد کے پیش نظر کوئی خاص پروگرام تیار کریں۔ مثال کے طور پر ہماری یہ تجویز ہے :۔

(۱) قرض دینے کے لیے ایک مالی ادارہ کا قیام، اور افریقی ممالک میں مسلمانوں کے سرمایہ لگانے کی حوصلہ افزائی، اور ان تمام سرکاری اور پرائیوٹ کمپنیوں کا استحکام جن کے مالک مسلمان ہیں۔

(۲) ایک سرمایہ کار کمپنی کا قیام، جس میں افریقی اور غیر افریقی لوگ شریک ہوں۔

(۳) مسلمان اور عرب مدرسوں، انجینیروں اور ڈاکٹروں کے افریقہ جانے کی حوصلہ افزائی، اور ترقی و خوشحالی کے تمام منصوبوں میں افریقیوں کے ساتھ تعاون۔

(۴) ان تمام مسلمان اور عرب حکومتوں کو جو افریقہ کی مسلم نو آزاد حکومتوں کی مالی امداد کر سکیں اسکی ترغیب دی جائے

(۵) افریقہ میں غیر افریقی اسلامی ملکوں کے جو باشندے آباد ہیں اُن کی متعلقہ حکومتوں کو متوجہ کیا جائے کہ وہ ان باشندوں میں تنظیم کی صورت پیدا کریں۔ نیز کوشش کریں کہ یہ لوگ افریقہ کی اسلامی جماعتوں سے قریب ہوں اور اسرائیلی سرگرمیوں پر خصوصی نظر رکھیں۔

دربارِ عالمگیری

(گذشتہ سے پیوستہ)[1]

(جناب ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی ایم اے)

عربی اصول و قواعد کے مطابق قرآنِ پاک کے مطالب اور مفاہیم کے بیان کرنے کا نام علم تفسیر ہے۔ ایسی استعداد اور مشق و مہارت پیدا ہونا جس کے واسطے سے احکام شرعیہ کا باحسنِ وجوہ اور صحیح طریقہ پر استنباط ہو سکے اور معانی قرآن تک رسائی، اس فن کی غرض و غایۃ سمجھی جاتی ہے، کلامِ الٰہی اس کا موضوع ہے جو بلاشبہ سراسر حکمتوں اور اسرار سے مالامال ہے۔

پچھلے اوراق اُلٹئے اس میں گزر چکا ہے کہ عہدِ صحابہ میں تفسیر اور آیات قرآنیہ کے افہام و تفہیم کا خاصا رواج تھا اور وہ اجلۂ علماء اور صحابہ جن کو مفسرین کا شیوخ کہا جائے حضرت علی عبداللہ بن مسعود، عبداللہ ابن عباس، ابی بن کعب اور زید بن ثابت سمجھے گئے اور سمجھے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی مرویات کا شمار حضرت علی کی مرویات سے زائد ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کو ترجمان القرآن، حبر الامۃ اور رئیس المفسرین کے القاب سے یاد رکھا گیا۔ اور یہ ان کا ایک امتیازی وصف گنا گیا۔ ابی بن کعب کو سید القراء کا لقب دیا گیا۔

یہ دور ختم ہوا ہی تھا کہ تابعین کا دور آیا حضرت عبداللہ بن عباس کے تلامذہ میں حضرت مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس بن کیسان، حضرت عطاء علماء مکہ میں آتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں علماء کوفہ زائد ہیں اور ان میں علقمہ بن قیس اور ابراہیم نخعی

---

[1] سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الفرقان بابت ماہ صفر ۱۴۰۵ھ۔

ممتاز ہوئے۔ حسن بصری، عطاء بن ابی سلمہ ضحاک بن مزاحم اور قتادہ بن دعامہ بھی فن تفسیر میں پیشوا ہی سمجھے گئے۔ علاوہ ازیں عہد تابعین کے بعد مفسرین کے ایک طبقہ نے صحابہ اور تابعین کے اقوال پر مشتمل تفسیریں لکھیں اور سفیان بن عیینہ، وکیع، شعبہ بن حجاج اور اسحٰق بن راہویہ کا شمار اسی طبقہ میں کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ایک طبقہ اور پیدا ہوا اور اس نے تفسیری احادیث و اقوال سے اسناد کا حذف کرنا شروع کیا ابو اسحٰق زجاج ابو علی فارسی ابو بکر نقاس اور جعفر بن نحاس اسمیں مشہور ہوے اور واقعہ یہ ہے کہ تفسیر میں خارجی اور نا ملائم عناصر کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب اسناد کے حذف کے ساتھ ساتھ مفسروں نے سلف کے نا تمام اور مختصر اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ اس پر مستزاد آگے چل کے علماء سلف کے اقوال تقریباً ترک ہوئے اور رطب و یابس سے تفسیریں پُر ہوئیں، اپنے اپنے ذوق کے مطابق اگر اقوال نقل ہوئے تو خوش فہمی کے شعور کے ساتھ یہ پچھلوں کی باتیں آنکھیں بند کر کے صحیح سمجھی جانے لگیں اور اسی طرح نقل ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اب تک جو کچھ بھی تفسیری سلسلہ میں کام ہوا اور تصانیف کی گئیں ان میں نقل کو زائد دخل رہا۔ لیکن چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں جب مختلف علمی تحریکیں پیدا ہوئیں، صرف و نحو بلاغت معانی بیان فقہ منطق فلسفہ کلام تصوف کے موضوعوں نے رواج پایا اور ان میں سے ہر فن کے ماہرین نے تفسیریں لکھیں تو اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دیا۔ کلام پاک کے الفاظ اور آیات کو اپنے فن کے زاویۂ نظر سے دیکھا اور اسی اعتبار سے اس کی توضیح اور تفسیر پر زائد زور دیا۔ زجاج واحدی ابو حیان وغیرہم نے اپنی تفسیروں میں لفظی تناسب اور وجوہ اعراب کی بحثیں کیں۔ ثعلبی نے مورخ کی شان سے قصص و حکایات کا اضافہ کیا اور قرطبی نے فقہی نقطۂ نظر کو بالاتر رکھا۔ امام رازی نے متکلمانہ بحثیں جس شان سے چھیڑیں اور اس طوالت کے ساتھ کہ تفسیر رازی کے مطالعہ کرنے والے یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ تفسیر رازی میں تفسیر کے سوا سب کچھ موجود ہے۔

سلسلۂ کلام یوں ہی دراز ہو گیا اب اگر تمام اقسام و انواع تفسیر کو روشنی میں لایا جائے تو بات کہاں تک پہونچے اس لیے علماء احناف کی تفسیروں ہی کے اشاروں پر اکتفا کرتا ہوں

امام زمخشری نے تفسیرِ کشاف لکھی اور اس کے متعلق خود فرمایا

ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد	تفسیروں کا اگرچہ کوئی شمار نہیں ہے لیکن
ولیس فیھا لعمری مثل کشاف	ان میں میرے نزدیک کشاف جیسی کوئی نہیں
ان کنت تبغی الھدی فالزم قرأتہ	اگر تم ہدایت کے جویا ہو تو اس کا مطالعہ
فالجھل کالداء والکشاف کشاف	رکھو، جہالت بیماری ہے اور کشاف

اس کا علاج۔

وہ ممتاز علماء احناف جنھوں نے تفسیریں لکھیں ان کے اسماء گرامی بہ ترتیب سنہ یہ ہیں:-

(۱) تفسیر وکیع۔ امام وکیع بن جراح کوفی شاگرد امام اعظم المتوفی سنہ ۱۹۷ھ

(۲) تفسیر النسفی۔ قاضی امام حافظ ابراہیم بن معقل المتوفی سنہ ۲۹۵ھ

(۳) تفسیر الماتریدی۔ امام محمد بن محمد بن محمود امام المتکلمین المتوفی سنہ ۳۳۳ھ

(۴) تفسیر ابی اللیث۔ نصر بن محمد فقیہ سمرقندی المتوفی سنہ ۳۸۳ھ

(۵) تفسیر کشاف۔ ۲ جلد۔ علامہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری المتوفی سنہ ۵۲۸ھ

(۶) تفسیر الخوارزمی۔ ابو الحسن علی بن عمران المتوفی سنہ ۵۳۹ھ

(۷) تفسیر العلائی۔ ۱۰ مجلدات۔ علامہ محمد بن عبد الرحمٰن بخاری زاہد المتوفی سنہ ۵۴۶ھ

(۸) تفسیر العتابی۔ امام ابو نصر احمد صاحب فتاویٰ عتابیہ المتوفی سنہ ۵۸۶ھ

(۹) تفسیر الکبیر۔ ۳۰ مجلدات۔ شمس الدین ابو المظفر یوسف سبط ابن جوزی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ

(۱۰) تفسیر ابو المعالی۔ ۷ مجلدات۔ برہان الدین بن ناصر حسین المتوفی سنہ ۶۸۹ھ

(۱۱) تفسیر الدیری۔ سعید الدین عبد العزیز بن احمد المتوفی سنہ ۶۹۳ھ

(۱۲) تفسیر مدارک التنزیل۔ ۴ مجلدات حافظ الدین نسفی صاحب کنز الدقائق و منار المتوفی سنہ ۷۱۰ھ

(۱۳) تفسیر سراج الدین۔ علامہ ابو حفص عمر بن اسحاق محدث ہندی المتوفی سنہ ۷۷۳ھ

(۱۴) تفسیر البابرتی۔ علامہ اکمل الدین محمد صاحب عنایہ المتوفی سنہ ۷۸۶ھ

(۱۵) کشف التنزیل۔ ۲ جلد ابوبکر بن علی مصری فقیہ المتوفی سنہ ۸۰۰ھ

(۱۶) تفسیر الزہراوین[عہ]۔ علامہ سید شریف الدین علی بن محمد جرجانی المتوفی سنہ ۸۱۶ھ

عہ۔ زہراوین سے مراد سورۂ بقرہ اور آل عمران [illegible] ہے۔

(۱۷) تفسیر تبصیر الرحمٰن ۲ جلد۔ علی بن احمد گجراتی المتوفی ۸۳۵ھ۔
(۱۸) تفسیر بحر مواج۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین جون پوری المتوفی ۸۴۹ھ
(۱۹) تفسیر ابن الضیاء۔ علامہ شیخ محمد بن احمد مکی المتوفی ۸۵۴ھ
(۲۰) تفسیر ذخیرۃ الفقر۔ شمس الدین محمد حلبی بن امیر حاج شارح منیہ المتوفی ۸۷۹ھ
(۲۱) تفسیر الجانی۔ فی تفسیر سورۃ العصر نور الدین عبد الرحمٰن المتوفی ۸۹۸ھ
(۲۲) تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ مولانا معین الدین صاحب معارج النبوۃ المتوفی ۹۰۷ھ
(۲۳) تفسیر ابن کمال پاشا۔ علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان رومی المتوفی ۹۴۰ھ
(۲۴) تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم۔ شیخ الاسلام مفتی ابو السعود عمادی۔ المتوفی ۹۸۲ھ
(۲۵) تفسیر سواطع الالہام شیخ فیض اللہ حنفی شاعر دربار اکبری المتوفی ۱۰۰۱ھ
(۲۶) تفسیر القرآن جامی ثانی۔ علامہ یعقوب المتوفی ۱۰۰۳ھ
(۲۷) تفسیر عقد الجواہر، تفسیر سورۂ کوثر۔ شیخ عمر بن نجیم صاحب بحر الرائق المتوفی ۱۰۰۵ھ
(۲۸) تفسیر القاری۔ ملا علی قاری علی بن سلطان محمد مکی المتوفی ۱۰۱۴ھ
(۲۹) تفسیر روح البیان۔ ۶ مجلدات۔ علامہ شیخ اسماعیل آفندی المتوفی ۱۱۳۷ھ
(۳۰) تفسیر ملا جیون، یعنی تفسیر احمدی جس کا پورا نام ہے التفسیرات الاحمدیۃ فی بیان الآیات الشرعیۃ۔

ملا جیون ابھی علوم متداولہ کی تحصیل سے تمام فارغ نہیں ہوئے، عمر کا صرف سولھواں سال تھا جب اس کو لکھنا شروع کیا اور اکیسویں سال میں پہونچے تھے کہ اس سے فراغت حاصل کر لی اور بقول ملا صاحب یہ زمانہ وہ تھا جب کہ علوم عقلیہ کی طرف لوگوں کی توجہ عام تھی اور منقولات سے ان کو کم کم ہی سروکار تھا۔ زمانہ محی الدین محمد اورنگ زیب کا تھا جو شرع اور احکام شرعیہ کا دور دورہ تھا، حدود شرعیہ کا قیام اور رسوم کفریہ کا زوال ہو رہا تھا باوجود مصنف کی کم عمری کے پھر بھی یہ کتاب ایک معیاری کتاب تیار ہو کے سامنے آگئی۔

عہ۔ یہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کے حاشیہ پر مصر میں طبع ہو گئی ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ ملّا صاحب کی اس طرف باوجود صغر سنی توجہ کیوں ہوئی، باوجودیکہ مال و زر کی تمنا تھی نہ شاہی انعام و اکرام کی آرزو دل میں، اس کا عہد عالمگیری کے ذکر اور عالمگیر کی واجبی مدح و ستائش کے بعد ایک موقع پر اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

ولیس ھذا المدح منا طمعا للدنیا	میں نے جو ستائش کی وہ دنیا کی لالچ میں
وطلبا للاثمان والثمین بل	نہیں کی نہ گراں قدر انعام کی تمنا میں
حسبة للّٰه وحرصًا لازدیاد	بلکہ خدا واسطے اور دین کی بڑھوتری کی
الدین اذ لم اکن من اھل	لالچ میں اس لیے کہ میں اس طرح کے
ھذا الشان ولا من فرسان	لوگوں میں نہیں ہوں اور نہ اس میدان کا
ھذا المیدان۔	سوار ہوں۔

اور اس موضوع پر قلم اٹھانے کی توجیہ ملّا صاحب نے اپنے قلم سے یہ کی ہے۔

وقد کنت قدیما اسمع من	عرصہ سے میں بڑے لوگوں کی زبانی سنا
افواہ الرجال الکرام ان الامام	آیا تھا کہ امام غزالی نے جو اسلام کے
الغزالی الذی ھو من اجلۃ	بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں انھوں نے
علماء الاسلام قد جمع آیات	اپنی طاقت اور استعداد بھر وہ آیتیں
الاحکام بحسب الطاقۃ والامکان	ایک جا کرلی تھیں جن سے احکام شرعیہ کا
حتی بلغت خمس مأۃ بلا زیادۃ	استنباط ہوتا ہے، ایسی آیات کا شمار
ولا نقصان۔	پانچ سو سے متجاوز نہیں نہ کم ہے۔

اور شاید انھیں اس کتاب تک رسائی نہ ہوئی چنانچہ نفس موضوع کا اشارہ وہاں سے ملتے ہی خود کمر ہمت باندھی اور یہ کام شروع کردیا۔

فامرت بلسان الالھام.....	لسان غیبی کے حکم پر میں نے اللہ کی مدد اور
ان استنبطھا بعون اللّٰہ تعالیٰ و	توفیق کو سہارا بنا کے احکام کا استنباط
توفیقه..... فاخذت اجمع	کرنا شروع کردیا۔ میں نے وہ آیات جمع
الآیات التی استنبطت عنھا	کرنا شروع کردیں جن سے میں نے قواعد

الاحکام الفقہیہ والقواعد الاصولیۃ	اصول عقائد اور مسائل فقہیہ کا استنباط
والمسائل الکلامیۃ ..... ثم	کیا پھر میں نے بہترین طریقہ پر ان کی تفسیر
فسرتہا باحسن وجہ من التفسیر	اور شرح لکھی تو مکمل طرز بیان کے ساتھ۔
وشرحتہا باکمل جہۃ من التحریر۔	

تفسیر احمدی لکھتے وقت ملا صاحب کے پیش نظر مختلف فنون وعلوم کی کتابیں تھیں مثلاً تفسیروں میں انوار التنزیل اور مدارک التاویل۔ اس کے علاوہ اتقان فی علوم القرآن، شرح وقایہ ہدایہ معہ شرح فتاوی حمادیہ۔ حسامی، توضیح تلویح، شرح عقائد تفتازانی اور حاشیہ خیالی وغیرہ وغیرہ، اپنی تفسیر میں ملا صاحب نے یہی نہیں کیا کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے اسی کو نقل کر دیا، بلکہ ان میں اپنی طرف سے اور اضافے بھی کیے۔

وقد الحقت الیہا بعض ما ذکر	بعض مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے
فی کتب السیر والمحدثین فضلا	علاوہ سیر کی کتابوں اور محدثین کی لکھی
علی ما اوردہ بعض المفسرین	باتوں میں سے بھی میں نے اس میں اضافے
وضممت الیہا من الابحاث	کیے ہیں اور بعض اونچی اونچی بحثیں اور
الشریفۃ والنکت اللطیفۃ	لطیف لطیف نکتے بھی میں نے بڑھا دیے
ما لم اظفر فی کلامہم بالتصریح	ہیں، وہ ایسے ہیں کہ میں نے دوسروں کے
بہا ولم اجد الاشارۃ الیہا۔	بیان میں اس طرح کھل کر لکھے ہوئے نہ
	پائے اور میں نے ان کے اشارے بھی
	نہ دیکھے۔

علوم قرآنیہ اور ما یتعلق بالقرآن پر مقدمہ میں اجمالی بحث کی ہے اور بہت ہی جامع ہے۔ احکام قرآنیہ کے استنباط میں ترتیب قرآنی کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ان کی لئے میں مسائل کی تخصیص اور تعیین نہیں ملتی، ہاں اس میں کچھ احکام فقہیہ مسائل کلامیہ اور توحید وغیرہ وغیرہ کی جھلک ملتی ہو۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ ہو۔ اس سے یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے، نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا پتہ ملتا ہے عصمت انبیاء

عدم امامت کفار اور اجماع کی حجیت فضائل شہدا، ایمان مفصل، وجوب قصاص یا عفو وغیرہ کے مسائل کا مختلف آیتوں سے استخراج کیا جاتا ہے

ایک آیت ملّا صاحب سامنے لاکے اس پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں، حالانکہ بظاہر عنوان کا آیت سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا لیکن اپنے انداز بیان اور فکر و غور سے اپنا مدعا ظاہر کر لے جاتے ہیں اور سننے اور سمجھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے۔ بیشتر مسائل میں علماء کے اختلافات کی پہلے تصریح کرتے ہیں ان کی آرا نقل کرتے ہیں۔ ان پر عالمانہ بحث کے بعد مرجح بات کو شرح و بسط کے ساتھ مدلل اور مبرھن کر دیتے ہیں۔ کہیں پہلے آیت اور اس کا شان نزول بیان کیا پھر مختصر الفاظ میں اس کی تفسیر کی اور دوسری آیات کو سامنے لاکے اس کے مطلب کی وضاحت کہیں نسخ اور انسا کے معانی کی وضاحت کی، پھر دونوں میں فرق ظاہر کیا، پھر کتاب کے سنت سے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کی بحث کی۔ پھر حنفیہ کا مسلک کہ سنت سے کتاب کا نسخ جائز ہے اور شوافع کے نزدیک نہیں اس کی تصریح کی اور آخر میں لکھ دیا۔

ونحن نقول ان النسخ لیس	ہم کہتے ہیں کہ واقعۃً نسخ سے تبدیل
بتبدیل فی الواقع بل ھو	نہیں ہوتی، بلکہ وہ محض بیان ہوتا ہے
بیان محض فجاز ان یبین اللہ	اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے کلام کی انتہا
مدۃ انتھاء کلام رسولہ او رسولہ	بیان کرے اور اس کا رسول اپنے رب کے کلام
مدۃ انتھاء کلام ربہ	کی انتہا ظاہر کر دے اس میں کیا حرج ہے۔

نور الانوار اصول فقہ کی کتاب ہے اس میں حنفیت کو جس طرح مستحکم اور مضبوط کیا گیا ہے اسی طرح تفسیر احمدی میں بھی احناف سے قیاس ہی قیاس کی حکمرانی کا اعتراض رفع کر کے قرآن اور سنت رسولؐ کو حنفیت کا منشا اور مولد بنانے کی پوری پوری مساعی جمیلہ شامل ہیں۔

تفسیر احمدی میں کئی مقامات پر ملّا جیون علیہ الرحمہ کے کچھ تفردات بھی ہیں۔

تفسیر میں آیات

وقالوا ھذہٖ انعام وحرث حجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم وانعام حرمت ظھورھا وانعام لا یذکرون اسم اللہ علیھا افتراء

علیہ سیجزیہم بما کانوا یفترون"

کی مکمل لفظی تحقیق اور تفسیر کے بعد عام علماء نے جن جن مسائل کا ان سے استخراج کیا ہے اس کو ظاہر کرنے کے بعد خصوصی اور ادر مسائل کا ملّا صاحب استنباط کر کے لکھتے ہیں۔

ولعمری ان ما اخبر اللہ تعالیٰ بشناعۃ حال الکفار فی ذلک اصدق دلیل علی بطلان ھذہ الرسوم التی اشتہرت بین بعض الانام و تفرد بھذا خاطری و ھو اعلم بحقیقۃ الحال۔

بقسم کہتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کی بدحالی اور بدکرداری کا ذکر کیا ہے اُن سے کفار کی ان مروجہ رسوم کا بالکل ٹھیک ٹھیک ابطال ہو جاتا ہے جن کا بعض لوگوں میں چلن اور رواج ہے اور اس بات کے بیان میں صرف میرے ہی ذہن کی رسائی ہوئی ہے اور اللہ حقیقت حال سے زیادہ واقف ہے۔

ملّا عبد السلام

قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی (اتر پردیش) کے رہنے والے تھے۔ وہاں ہی پیدا ہوئے لیکن تحصیل علوم متداولہ کی اپنے نانا ملّا عبد الکریم کے پاس قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں رہ کے کی۔ ان کا سلسلۂ نسب امام زین العابدین بن امام حسین بن علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک منتہی ہوتا ہے۔ تحصیل علوم کا کچھ زمانہ ملّا عبد السلام لاہوری تلمیذ فتح اللہ شیرازی ملقب بہ عضد الملک کے پاس بھی گذرا ہے۔ عہد شاہجہانی میں مؤخر الذکر مدرسۂ شاہجہانی میں مدرس تھے۔ اپنے استاد کی وفات کے بعد ان کی جگہ انھوں نے لی۔ ملّا عبد الحکیم والد ملّا قطب الدین سہالوی ملّا دانیال چوراسی اور ملّا عبد القادر فاروقی ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہوئے ہیں اور شاید مبالغہ نہ ہو کہ اس عہد میں ہندوستان بھر کا سلسلۂ تلمذ انھیں شخصیتوں پر منتہی سمجھا گیا ہے۔ شاہ تراب علی کشف المتواری میں لکھتے ہیں:-

ملّا عبد السلام مرحوم کہ شاگرد مخدوم شیخ عبد الکریم دیوہ درش کردہ آنحضرت

بودند در عہد سلطنت شاہجہاں اولاً مدرس مدرسۂ لاہور بعدہٗ مفتی لشکر بادشاہی گشتند

از علمائے فحول آں وقت بودند ..... در قصبہ دیوہ حویلی کہ واقع محاجی محلہ ست محل

سکونت شان بود نیز صبیہ خود را ہبہ کردہ بودند مع قدرے زمین مزروع چک بستہ

از موضع ادھیامئو دیہ معانی و زمینداری خود چنانچہ نواسۂ او بر آں قابض اند۔[1]

ان کو عہد عالمگیری میں فخر علماء سمجھا گیا۔

در عہد خویش نظیر نہ داشت بادشاہ بسبب اسنادیش و تبحر علوم بسیار اکرام او

میکرد و نزد خود می نشاند سند افتائے اردوئے معلی بنام ملا بود چنانچہ تا عرصۂ ممتد

خدمت مذکور را ازو تعلق میداشت۔[2]

یہ صاحب تصانیف بھی تھے، تہذیب اور منار الاصول کی شرحیں انھوں نے لکھیں اور ایک کتاب فن حکمت و منطق میں بھی انشراحات معالیہ کے نام سے کتب خانۂ انوریہ کاکوری میں قلمی موجود ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے فرزند شاہ ابو المعالی کے لیے ان کے زمانۂ درس میں لکھی تھی۔ ان کا مزار قصبۂ دیوہ میں ہے۔ راقم السطور کو اس کی زیارت کا موقعہ ملا ہے۔

(باقی)

---

۱ کشف المتواری صفحہ ۱۳۶۔ ۲ رسالہ باغ و بہار شیخ خیر الزماں صدیقی لکھنوی۔

ایک سانحہ

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مقیم مدینہ طیبہ کی وفات

آج ہی سہ نومبر کو عصر و مغرب کے درمیان اس عظیم سانحہ کی خبر ملی کہ شیخ وقت اور جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (مقیم مدینہ طیبہ) کا وصال ہو گیا ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ والحقہ بسلفہ الصالحین من عبادک الذین رضیت عنھم ورضوا عنک۔

اس دنیا میں کسی آدمی کا پیدا ہونا اور اٹھ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ روزانہ ہزاروں انسان اس دنیا میں آتے ہیں اور اسی طرح ہزاروں موت کے راستے سے چلے جاتے ہیں لیکن وہ بندے جو اپنے احوال و اوصاف اور فیوض و برکات کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اُن میں سے کسی کا اٹھ جانا بلاشبہ انسانی دنیا کے لیے بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے جس سے زمین و آسمان بھی متاثر ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے۔

یذھب الصالحون الاول فالاول وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر والتمر لایبالیھم اللہ بالۃ۔

اللہ کے نیک بندے ایک ایک کرکے اٹھتے چلے جائیں گے اور ایسے لوگ رہ جائیں گے جو ان کی نسبت ایسے ہوں گے جیسے جَو کی بھوسی یا سوکھی کھجوروں کے چھلکے جن کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

یہ گنہگار راقم السطور اپنے شعور کے گزشتہ قریباً چالیس سالوں میں یہ منظر برابر دیکھتا رہا ہے۔ حضرت شیخ الہند کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کی آخری زیارت نصیب ہوئی، ان کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس اور مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری (قدس اللہ اسرارہم) کا کچھ قرب تعلق بھی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا۔ ان سب کی وفات پر یہی محسوس ہوا کہ دین اور علم و معرفت کا نور دنیا سے اٹھتا جا رہا ہے اور ظلمت اس کی جگہ لے رہی ہے ــــ ہمارے ان اکابر و مشائخ کی کچھ یادگاریں جو باقی ہیں ان میں ایک بڑی صاحب فیض شخصیت حضرت مولانا محمد یوسف کی تھی جن کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ نے اسی سال ہم میں سے اٹھا لیا اور وہ ہمارے اس سال کا بہت بڑا دینی سانحہ تھا۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کی وفات بھی ہماری دینی دنیا کا بڑا عظیم سانحہ ہے۔

مولانا موصوف شیخ وقت بھی تھے اور اس دور کے جلیل القدر عالم دین بھی، عصر حاضر کی خصوصیات اور اسکے تقاضوں کو سمجھنا اور علوم نبوت کی تشریح اس طرح کرنا جس سے اس دور کے پیدا شدہ مسائل بھی حل ہوں ان کا خاص امتیاز تھا۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "ترجمان السنۃ" ان کے اس کمال کی آئینہ دار ہے ــــ افسوس کہ اسکی صرف ۳ جلدیں مولانا لکھ سکے جو شائع بھی ہو گئی ہیں۔ (چوتھی جلد جال ہی میں پاکستان میں شائع ہوئی ہے)

مولانا مرحوم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، پہلے دورۂ حدیث مظاہر العلوم میں پڑھ چکے تھے، اسکے بعد صرف حضرت شاہ صاحب سے علمی استفادہ کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیکر دوبارہ دورۂ حدیث یہاں پڑھا، پھر چند سال تک دارالعلوم میں مدرس بھی رہے۔ بعد میں جب قضا و قدر کے ایک فیصلہ نے حضرت شاہ صاحب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کو جامعۂ اسلامیہ (ڈابھیل سورت) بھیجدیا تو مولانا بدر عالم صاحب بھی جامعہ کے ایک استاذ کی حیثیت سے ان حضرات کے ساتھ یہاں آگئے اور یہاں کئی سال تک مسلسل حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری میں بیٹھ کر حضرت کے درسی افادات قلمبند کرتے رہے جنکو بعد میں عربی میں مرتب کیا اور فیض الباری کے نام سے وہ چار جلدوں میں مصر میں چھپ کر شائع ہوئی۔

۱۹۴۹ء میں مولانا ممدوح ہندوستان سے پاکستان چلے گئے اور ۲ سال کے بعد ۱۹۵۱ء میں وہاں سے حجاز مقدس آگئے اور جنت البقیع میں دفن ہونے کی آرزو کے ساتھ مدینہ طیبہ میں قیام کر لیا۔

کئی سال ہوئے موٹر کے ایک ایکسیڈنٹ میں ایسے مجروح ہو گئے تھے کہ بچنے کی کوئی توقع نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ابھی زندہ رکھنے کا تھا، زندہ رہے لیکن اسکے بعد صرف لیٹے رہ سکتے تھے بیٹھنے کے قابل بھی نہ تھے مگر دینی و علمی افادہ و افاضہ کا سلسلہ الحمد للہ جاری رہا۔ لیٹے لیٹے دینی اور اصلاحی گفتگو ہر وقت فرماتے رہتے تھے۔

عام مسلمانوں کے افکار و خیالات اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کیلئے "جواہر الحکم" کے نام سے آسان زبان میں احادیث نبویہ کی شرح کا ایک سلسلہ جاری فرما رکھا تھا، اب سے ۲ مہینے پہلے جب یہ عاجز مدینہ طیبہ حاضر ہوا، تو اس کا دوسرا حصہ عنایت فرمایا تھا۔ آج خبر وفات ملنے پر اسکو اٹھا کر دیکھا تو بسم اللہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد مولانا نے اس میں لکھا تھا۔

"اسوقت عالم کے انقلابات کا ہولناک نقشہ اور علماء و صالحین کا بڑی تیزی سے اٹھتے چلے جانے کا عبرتناک سماں میری آنکھوں کے سامنے ہے اس لیے اس سلسلہ کی چند احادیث اس حصہ میں بے اختیار درج ہو گئی ہیں تاکہ اہل فہم و سعادت اپنی قلیل فرصت کو بیکار ضائع نہ کریں اور جتنی جلد ممکن ہو اعمال خیر میں ہمت سے کام لیں۔"

عجب نہیں کہ مولانا پر اپنی وفات کا قرب منکشف ہوا ہو، اور یہی اُن کے لیے اس سلسلہ کا باعث اور محرک ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے دینی و علمی فیض کو تا قیامت جاری رکھے اور مسلسل ترقیات اور رفع درجات اس کو ذریعہ بنائے اور اپنی رحمت و رضا سے ان کو نوازے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل اور اعتصام کی توفیق دے اور ان کی پوری سرپرستی و نگرانی فرمائے۔ ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

مرتبہ
عتیق الرحمن عثمانی

(فی کاپی ۶۰ پیسے)

جلد ۳۳	بابتہ ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۶۵ء	شمارہ ۸

اگر اس دائرہ میں ○ سُرخ نشان ہے تو

اسکا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۔ ۲۰ دسمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھدیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیئے ۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر [illegible] نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

۹ اگست ۱۹۶۴ء کو مسلمانانِ ہند کی مختلف جماعتوں اور مختلف حلقوں کے نمائندوں میں ملت کے مشترک مسائل اور مشترک مقاصد کے لئے اشتراکِ عمل کی جو ہلکی سی شکل رونما ہوئی تھی، افسوس ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں اس میں پہلا شگاف بھی نمودار ہو گیا!

اتحاد و اشتراک کی یہ شکل "آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت" کے قیام سے بنی تھی، جس میں ذاتی طور سے ملت کا اعتماد رکھنے والی متعدد نمایاں شخصیتوں کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی ہند، اور مسلم لیگ وغیرہ کے اعلیٰ عہدیداران شامل تھے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ شکل کچھ بہت پائیدار بنیادوں پر قائم نہیں تھی۔ اور ایسے جھول موجود تھے جن سے نہ صرف اسکی معنویت بہت کچھ متاثر ہو سکتی تھی بلکہ اس کا وجود تک خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ مثلاً اس کا بنیادی تخیل تو یہ تھا کہ مختلف جماعتوں اور کارکن حلقوں کا ایک وفاق بنے اور ملک کے مخصوص حالات سے پیدا ہونے والے مشترک ملی مسائل جو مشترک جدوجہد اور متحدہ نمائندگی چاہتے ہیں ان میں سارا کام اسی کے ماتحت یا کم از کم اس سے مربوط ہو کر ہو۔ لیکن مجلس کی تاسیسی قرارداد میں اس تخیل کی بالکل وضاحت نہیں آئی، بلکہ اسکے برعکس مجلس میں بعض جماعتی حضرات کی شرکت اس مفروضے کے ماتحت ہوئی کہ اس سے کسی جماعت کے سر کوئی پابندی نہیں آتی، چنانچہ انھوں نے مجلس کی تاسیس میں اس صراحت ہی کے ساتھ حصہ لیا کہ اُن کی شرکت ذاتی اور انفرادی حیثیت میں ہے، جماعتی حیثیت میں نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات مجلس کا قیام بالکل بے معنی کر دیتی تھی اور کم سے کم مدت ہی

میں مجلس کو انتشار کا حادثہ پیش آسکتا تھا، کیونکہ مجلس کسی ایسے کام کے لئے قائم نہیں کی جارہی تھی جو ان جماعتوں کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ اس کا تو بنیادی کام وہی مسائل تھے جن میں یہ سب جماعتیں الگ الگ کم و بیش کام کر رہی تھیں۔ مجلس کا کام یہ تھا کہ ان میں مشترک لائحہ عمل اور مشترک جدوجہد وجود میں لائے۔ اور یہ کام جماعتوں کے پابندی قبول کئے بغیر ایک دن بھی کیونکر ہوسکتا تھا؟ ——— اس لئے اس ناقص شکل میں مجلس کا قیام کوئی بہت امید افزا چیز نہیں تھی ——— مگر جمعیۃ علماء کے حضرات اسی ذہن کے ساتھ آئے تھے کہ وہ ذاتی حیثیت میں شریک ہو رہے ہیں اس لئے جماعتی حیثیت سے کوئی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، لہذا اس ناقص شکل ہی کو غالباً اس اندیشے سے گوارا کیا گیا کہ ۸، ۹ اگست سنہ ۶۴ء کا نمائندہ شاورتی اجتماع اگر اتحاد و اشتراک کی کسی ظاہری شکل سے بھی خالی ہاتھ اٹھا تو یہ مضطرب قوم کی امیدوں کے لئے ایسا دھچکا ہوگا جس کی پھر شاید تلافی نہ ہوسکے۔ دوسری طرف شاید یہ امید بھی کارفرما تھی کہ جب مرحلہ اطمینان سے بیٹھ کر عملی تفصیلات طے کرنے کا آئے گا تو ان حضرات پر خود ہی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مجلس اپنے اصل مقاصد میں کوئی ایک قدم بھی ان لوگوں کی شرکت کے ساتھ اس وقت تک نہیں اٹھا سکتی جب تک یہ جماعتی طور پر مجلس کے قیام کو منظور نہ کرلیں۔ اس لئے جو نقص اور جھول تاسیسی قرارداد میں رہا جا رہا ہے وہ آگے خود ہی دور ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور مجلس کا جو دستور پاس ہوا اس میں بھی تاسیسی قرارداد کا یہ نقص دور نہیں ہوسکا، جس میں مجلس کو ٹوٹ پھوٹ کا حادثہ پیش آجانے یا بے معنی و بے مصرف ہو کر رہ جانے کے امکانات پوشیدہ تھے۔

ہمارے یہ خیالات آج نکات بعد الوقوع کی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہم نے الفرقان اکتوبر سنہ ۶۴ء کے انہی صفحات میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور پھر دسمبر سنہ ۶۴ء کے اداریہ میں بہت کھول کر یہ بات لکھی تھی کہ اگر مجلس کو باقاعدہ جماعتی وفاق کی حیثیت نہیں دی جاتی تو پھر یہ انتشار کے حادثے سے نہیں بچ سکتی۔ بہرحال یہ مسئلہ دستور سازی کے مرحلے میں بھی صاف نہیں ہوسکا۔ اور اسی اثناء میں مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ خیز مسئلہ آکھڑا ہوا۔ مجلس نے اس پر ایک

اہم قرارداد منظور کی جس میں مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اعلان کرتے ہوئے دیگر ضروری اقدامات کے علاوہ قانونی چارہ جوئی کا بھی فیصلہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک سب کمیٹی نامزد کر دی۔

منطقی اعتبار سے مجلس کی اس قرارداد کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جن جماعتوں کے ذمہ دار مجلس میں شریک تھے وہ جماعتیں اس مسئلے میں جداگانہ اقدامات سے پرہیز کرتیں۔ مگر قانونی اعتبار سے ان جماعتوں پر اسکی کوئی ذمہ داری نہیں تھی، کیونکہ ان کے ذمہ داروں نے اپنے جماعتی حقوق مجلس کو تفویض نہیں کئے تھے۔ یہی وہ مبہم اور مجہول پوزیشن تھی جس میں ایک طرف جمعیۃ علماء نے جائز سمجھا کہ وہ مجلس کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر مسلم یونیورسٹی کے لئے قانونی چارہ جوئی کرے۔ اور دوسری طرف مجلس سے تعلق رکھنے والے کچھ دوسرے افراد کو یہ بات سخت قابل اعتراض معلوم ہوئی کہ جمعیۃ کے ذمہ دار مجلس میں بھی شریک ہیں اور اُسے نظر انداز بھی کر رہے ہیں۔

جمعیۃ کا اقدام قابل اعتراض ضرور تھا۔ مگر صرف منطقی طور پر تھا، دستور مجلس کے اعتبار سے قانونی طور پر اس میں کوئی گرفت کی بات نہیں تھی۔ اس لئے مجلس کے ذمہ داروں کو تو حق تھا کہ وہ معاملے کے منطقی پہلو کو اٹھائیں اور اندرونی طور پر ارباب جمعیۃ سے یہ دریافت کریں کہ اس طرح مجلس کے کیا معنی رہ جائیں گے؟ مگر مجلس کی طرف سے کسی دوسرے فرد کو نہ تو اندرونی طور سے اس پر اعتراض کا حق تھا اور نہ علانیہ، لیکن معاملے کے الجھاؤ نے جس طرح جمعیۃ کو اس غلط اقدام کا موقع دیا اسی طرح کچھ دوسرے افراد سے اس دوسری غلطی کا ارتکاب کرا دیا۔ اور بجائے اسکے کہ مجلس کے یہ شرکاء مجلس کے کسی جلسے میں بیٹھ کر اس مسئلہ پر بات چیت کرتے باہر ہی باہر دست وگریباں ہوگئے۔ اور اس کا انجام ہوا مجلس سے جمعیۃ کا اظہار بیزاری اور جنرل سکریٹری جمعیۃ کا استعفےٰ۔

ہمارے اس نقطۂ نظر سے، اس بدانجامی کی بنیادی طور پر ذمہ دار، مجلس کی وہ تاسیسی قرارداد ہے جس کے ابہام نے اس بات کی اجازت دی کہ جماعتی ارکان اگر چاہیں تو کسی بھی مسئلے پر مجلس کو نظر انداز کر کے اپنی جماعت کے پلیٹ فارم سے آزادانہ کام کریں۔ اور خود مجلس

ہی کو ایک حریف اور رقیب کی جگہ پر رکھ لیں ــــ اس شکل میں یہ بات ناگزیر ہی تھی کہ جو لوگ معاملے کے اس الجھاؤ سے فائدہ اٹھانا چاہیں وہ بالآخر ایک دن الگ ہی ہو جائیں کیونکہ یہ دراصل علٰحدگی ہی کا راستہ تھا۔ مگر ارباب جمعیۃ نے اس طرز عمل کے ساتھ جس طریقے سے علٰحدگی اختیار کی[1] ـــــــــــــ وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ مجلس کو اُن سے شکایت ہوتی کہ یہ آپ حضرات کیا کر رہے ہیں اور اس طرح مجلس میں آپ کی شرکت کی کیا معنویت رہتی ہے؟ مگر ہوا یہ کہ مجلس نے تو اس طرح کی کوئی شکایت نہ کر کے ان حضرات کو باقاعدہ علیحدگی کا کسی سے موقع ہی نہ دیا۔ البتہ ان حضرات نے اُلٹی کچھ شکایات مجلس ہی پر قائم کر دیں۔ اور پھر مجلس کو صفائی کا کوئی موقع دئے بغیر اس سے علٰحدگی اختیار کر لی۔ اور اس طرح یہ ثابت کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ مجلس ان کے لئے ایک نہایت کڑوی گولی تھی جسے پتہ نہیں انھوں نے کس طرح اب تک نگلے رکھا تھا۔

کم از کم راقم سطور کو تو اس ہونے والی بات کا اس طرح انتظار تھا جیسے شام کے بعد صبح کا اور صبح کے بعد شام کا۔ اور اسکی ایک وجہ تو وہ تھی جس کا اظہار دسمبر ۶۳ء کے اس اداریہ میں کیا گیا تھا جس کا ابھی حوالہ گزرا ہے، اس اداریہ میں اس بات سے بحث کرتے ہوئے کہ مجلس مشاورت جس تخیل اتحاد واشتراک پر قائم کی گئی ہے وہ کس قدر مشکل ہے، یہ چیز سامنے لائی گئی تھی کہ برسہا برس گزر گئے، سب اس تخیل کے مطابق کام کی ضرورت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور ادھر پوری قوم بیچین ہے کہ یہ چیز ہو، مگر ہو کسی طرح نہیں پاتی۔ اور پھر اسکی وجہ یہ عرض کی گئی تھی کہ :-

"ہمارے نزدیک اس عجیب وغریب صورت حال کا، کہ سب اشتراک و اتحاد چاہتے ہیں، کوئی عذر بھی کسی کی زبان پر نہیں اور پھر بھی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھتی، خاص سبب یہ ہے کہ جن مسائل کو آج مشترک مسائل کہا جاتا ہے جن جا عتوں

---

[1] ہمارے ذہن میں یہ بات موجود ہے کہ جمعیۃ کے صرف ایک صاحب علٰحدہ ہوئے ہیں دوسرے (جناب مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی) ان سے متفق نہیں ہیں مگر پھر بھی ہم نے اس مضمون میں اس علٰحدگی کو جمعیۃ ہی کی علٰحدگی سے تعبیر کیا ہے آخر مضمون میں اسکی وجہ سے بھی سامنے آجائے گی۔

کا اصل دائرہ کار یہی مسائل ہیں، اور انہی میں اپنی سرگرمیوں کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو تھوڑا یا بہت اپیل کرتی ہیں، یہ جماعتیں اگر انہی مسائل میں اپنی جداگانہ سرگرمیاں ترک کر کے سارا کام مشترک پلیٹ فارم سے کریں تو اپنے انفرادی وجود کے لیے عام مسلمانوں کی دلچسپیاں آخر کس بنیاد پر حاصل کر سکیں گی؟ یہ ہے وہ نفسیاتی گرہ جو آج تک مشترک پلیٹ فارم کے قیام کا راستہ روکے رہی ہے اور جب تک یہ گرہ نہیں کھلے گی صحیح معنی میں کوئی مشترک پلیٹ فارم وجود میں نہیں آسکے گا۔"

(الفرقان دسمبر ۱۹۶۲ء۔ نگاہ اولیں)

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ وجہ موجودہ جماعتوں میں سے جمعیتہ علماء پر سب سے زیادہ چسپاں ہوتی تھی۔ اور اسی وجہ سے مجلس کے ساتھ شروع دن سے اس کا طرز عمل دیکھ کر ہمارے لئے یہ بات گویا بالکل یقینی تھی کہ وہ زیادہ دن مجلس کے ساتھ ظاہر داری بھی نہیں نبھا سکے گی۔ اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی۔ اور وہ یہ کہ جمعیتہ علماء، مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے ساتھ ہندو مسلم یا مسلمان اور حکومت سے متعلق سوالات میں اشتراک عمل کر کے، اپنا کیریہ خراب کر لے، یہ بہت انہونی بات تھی۔ پتہ نہیں کیسے یہ بات ہوگئی تھی کہ اسکے ذمہ داروں نے ان دو جماعتوں کے ساتھ مجلس میں شرکت منظور کر لی، ورنہ یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی نہیں۔ جون ۱۹۶۱ء کا مسلم کنونشن جو دہلی میں جمعیتہ کے زیر اہتمام ہوا تھا اس میں یہ دونوں جماعتیں اسی لئے شریک نہیں کی جا سکیں، اور پھر مجلس مشاورت میں شرکت منظور کرنے والے ارباب جمعیتہ نے دو ہی تین مہینے بعد جو جمہوری کنونشن منعقد کیا اس میں بھی ان دونوں جماعتوں کو دعوت بہر حال نہیں مل سکی۔ پس یہ بات واقعی بڑی حیرت انگیز تھی کہ ان دو کنونشنوں کے درمیان میں ایک وقت ارباب جمعیتہ کیسے ان دونوں جماعتوں کے ساتھ معاہدہ اشتراک کرنے پر تیار ہوگئے۔ اور اسکے برعکس یہ بات ذرا بھی حیرت انگیز نہیں کہ مجلس سے استعفے میں ان دونوں جماعتوں سے اپنے نظریاتی بُعد کے سوال پر بہت زور دیا گیا۔ واقعہ در اصل یونہی ہے اور ہم اس میں جمعیتہ کو ذرا بھی خطاوار نہیں گردانتے۔ حیرت انگیز بلکہ قابل اعتراض جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ جو کام بعد میں کرنا ہی تھا وہ پہلے ہی کیوں نہ کیا گیا۔ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے نظریات کے بارے میں چند دن کے لئے کوئی ڈھیل ہو جائے

کا تو سوال تھا نہیں اور نہ ہی ایسا تھا کہ ان کے اندر کسی تبدیلی کا تیقن حاصل کیا گیا ہو، پھر اس بنیاد پر شروع ہی میں مجلس کے اندر آنے سے معذرت کیوں نہ کر دی گئی؟ اس میں کوئی برائی نہ تھی، ایک نظریاتی بات تھی! لیکن اس وقت شرکت کرنے کے بعد آج یہ کہہ کر الگ ہونا کہ جمعیتہ کے اور ان دو جماعتوں کے درمیان سیکولرزم وغیرہ کے مسائل پر ہم آہنگی نہیں ہے، بڑی ستم ظریفی کی بات ہے۔ اسی طرح اگر مسلم یونیورسٹی کی رٹ کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے اخبارات سے کچھ مناقشہ ہو گیا تھا تو وہ اسکی شکایت مجلس سے کر سکتے تھے، کوئی ایکشن لئے جانے کا مطالبہ کر سکتے تھے، مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ شکایت ہوئی جماعت اسلامی سے اور استعفے دے دیا گیا مجلس سے ....
..... جماعت اسلامی کا تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا البتہ مجلس کو نقصان پہونچ گیا۔ خود مجلس سے اگر کوئی شکایت کی گئی ہے تو وہ یہ ہے کہ مستقل دستور اور تنظیم اُس وعدے کے خلاف ہو جو صدر مجلس نے اِن حضرات سے کیا تھا! لیکن یہ جاننے کے بعد کہ جو دستور بنا ہے اور اس میں جو تنظیمی اصول منظور کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کی رضامندی سے اور ان کی ترمیمات قبول کرکے بنا ہے، کون اس شکایت کو کوئی وزن دے سکتا ہے؟

اس سارے تجزیے کو مختصر کیا جائے اور بات چند لفظوں میں کہی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ارباب جمعیتہ پتہ نہیں کیسے مجلس میں شامل ہونے کی غلطی کر بیٹھے تھے۔ اور پھر اسکی تلافی کے لئے انھوں نے پہلے ہی دن سے ایسا رویہ اختیار کیا کہ خود مجلس ہی انھیں علیحدگی کا کوئی موقع دیدے۔ لیکن جب مجلس نے انھیں اس طرف سے بالکل ہی مایوس کر دیا تو مجبوراً خود ہی پیش قدمی کرنا پڑی اور جیسے تیسے اس غلطی کی تلافی کر لی ـــــ ہمارا یہ تجزیہ یقیناً ان حضرات کو بہت ناگوار گزرے گا۔ مگر ہم ایمانداری کے ساتھ اسکے علاوہ کوئی دوسری رائے قائم نہیں کر سکے ـــــ مجلس نے اس استعفے پر اپنے ۱۶، ۱۷ نومبر کے جلسے میں منظوری کی جو قرارداد پاس کی ہے وہ یقیناً اسکے ابتک کے رویے سے بہت مختلف ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ صورت ہرگز پیش نہ آتی، اگر اس استعفے میں غیر ضروری طور پر "حب الوطنی" کی نمائش کے لئے مجلس کی وطن دوستی کو ناپنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ یقیناً یہ ایک ناقابل فہم بات تھی اور اس پر نرمی غلط فہمیوں کا دروازہ

کھول سکتی تھی۔ ہم نے استعفے کے اس جزو پر گذشتہ ماہ بھی لکھا تھا اور آج مزید کہنا چاہتے ہیں کہ وطن دوستی یہ نہیں ہے کہ بغیر سمجھے بوجھے اقتدار کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔ یہ کم سے کم درجے میں کمزوری ہے، جو ضمیر کشی تک لیجاتی ہے۔ کوئی شخص اور کوئی جماعت اگر خود کو اس پر مجبور پاتی ہے تو وہ ایسا کرے، لیکن اس بات کی کسی کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دوسروں کو اسکے خلاف جانے پر وطن دشمنی کے لئے متہم کیا جائے۔ یہ سراسر نمائشی وطن دوستی کے لئے ملت دشمنی کا ارتکاب ہے، جسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مجلس نے اگر معاملہ کو اس زاویہ نظر سے دیکھا تو اُسے غلط کیسے کہا جا سکتا ہے؟ مجلس قابل مبارکباد ہے کہ اس نے استعفے کے اس جزو کی پیدا کردہ آزمائش میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی اور ۱۶، ۱۷، نومبر کے اسی جلسے میں ہند پاک تصادم کے متعلق وہ قرارداد منظور کی جو اسکے اپنے تصور کے مطابق وطن دوستی کا تقاضہ تھی۔

بات بس بات نکلتی چلی آئی۔ اور اس پھیلاؤ سے اندیشہ ہے کہ ہمارے مدعا کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ ہم نے مجلس کی تاسیسی قرارداد کے نقص کو جو اس انتشار کا ذمہ دار قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جمعیتہ کی علٰحدگی کی ذمہ داری بھی اس قرارداد پر ہے، بلکہ اسکے برعکس حقیقت یہ ہو کہ قرارداد میں یہ جھول گوارا ہی صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ جمعیتہ شامل رہے لیکن یہ بیچ نہیں ہوا اور اسکے بجائے صحیح یہ ہوتا کہ یا تو جمعیتہ مجلس کے بنیادی تخیل کو واضح طور پر قبول کر کے اس میں شامل ہوتی اور یا پھر اس نیک کام سے کسی دوسرے مناسب وقت تک کے لئے صبر کر لیا جاتا۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا کہ جو صورت اٹھارہ برس سے چل رہی تھی بس وہی قائم رہتی یعنی جماعتوں کا عدم اشتراک و تعاون، لیکن اب اس میں مزید برائی کھلے ہوئے عناد، تلخی اور آویزش کی پیدا ہو گئی ہے جو یقیناً پہلے سے بدتر صورت حال ہے اور ملت کے لئے بیحد خطرناک!

ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ مجلس کے قیام کے وقت کے حالات میں یہ بظاہر ایک اچھی ہی شکل تھی اور آئندہ مزید بہتری ہی کی توقع کی جانی چاہیے تھی! مگر اب تو انجام سامنے آ چکا ہے اس لئے غلطی کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں ــــ اسی طرح جمعیتہ کے بارے میں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اگر شروع میں اپنے اس موقف کا اظہار کرتی کہ مختلف جماعتوں کے درمیان اشتراک عمل کیلئے

معارف الحدیث

نفلی روزے

[معارف الحدیث کے اس سلسلہ میں "کتاب الصوم" کی احادیث کی تشریح اب سے دو سال پہلے الفرقان کی چند اشاعتوں میں کی گئی تھی اس میں وہ حدیثیں درج ہونے سے رہ گئی تھیں جن کو محدثین "صیام التطوع" (نفلی روزے) کے زیرِ عنوان درج کرتے ہیں اور جن میں مختلف مہینوں اور مختلف دنوں میں نفلی روزے رکھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے یا نفلی روزوں کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خاص ہدایت مروی ہے۔ آج کی صحبت میں وہی حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں۔]

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرطِ لازم قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی۔ اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعتِ اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لیے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی امت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ آپ اس کی بھی پوری

احتیاط فرماتے تھے کہ لوگ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجہ میں رکھیں ــــ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھیے !۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکٰوۃٌ وَ زَکٰوۃُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ ۔

ــــــ ــــــ رواہ ابن ماجۃ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکلنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔　　(سنن ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت :۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَصُوْمُ وَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَکْمَلَ صِیَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَیْتُہٗ فِیْ شَهْرٍ اَکْثَرَ مِنْہُ صِیَامًا فِیْ شَعْبَانَ　　ــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور (نفلی روزوں کے بارہ میں) یہ تھا کہ آپ کبھی کبھی مسلسل بلا ناغہ روزے رکھنے شروع کرتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے۔ ــــ اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہ کہ ــــ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں۔ (اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جزء کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ کا کوئی لگا بندھا دستور و معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلا ناغہ روزے رکھتے تھے اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے، مقصد یہ تھا کہ امت کے لیے آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو، بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے۔ اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جزء کا مطلب یہ ہو کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کیے ہیں)، ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے ـــــ بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی مہینے میں بارگاہ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لیے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے۔

آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارہ میں ملک الموت کو احکام دیئے جارہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا۔ اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آرہی ہے۔ اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے:-

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ ______ رواہ مسلم

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنۃ بعشر امثالھا" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں ____ بس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے

رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا یعنی اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینے میں تین نفلی روزے کافی ہیں :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَإِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَءْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں، آپ نے فرمایا یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اسکی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر

حق ہے، (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے اللہ کی عبادت کرو، سنو) جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے اس لیے تم ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو اور مہینے میں ایک قرآن پاک (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لیے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔) آپ نے فرمایا تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کر لو اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار یعنی روزہ کا ناغہ، اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور ان کو عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ نے پہلے انھیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینہ میں ایک قرآن پڑھنے کے لیے فرمایا، اور جب انھوں نے عرض کیا کہ میں بآسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دیدی جائے تو آپ نے انکو صوم داؤدی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرما دی اور اس سے زیادہ کے لیے منع فرما دیا۔ لیکن اس حدیث ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کی ممانعت کا منشا یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صوم داؤدی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دیدی، بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں صرف پانچ دن میں قرآن پاک ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ اور بعض صحابہ کو حضور نے

تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔[1]

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيْقُ ذَالِكَ أَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذَالِكَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَنِّيْ طُوِّقْتُ ذَالِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَصِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ ــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اسکے اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر تکدّر اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا۔

رضینا باللہ ربًّا وّ بالاسلام دینا و	ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو
محمّد نبیًا نعوذ باللہ من غضب	اپنا دین بنا کر اور محمد علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ
اللہ و غضب رسولہ۔	کی پناہ اسکی ناراضی سے اور اسکے رسول کی ناراضی سے۔

حضرت عمر بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے، یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] مجمع الزوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالے سے سعید بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مروی ہے۔
[illegible]

مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر زائل ہوگیا، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اور اسکے بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہ اُس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا، پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور اس آدمی کے بارہ میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزہ کے رہے؟ آپؐ نے فرمایا کیا کسی میں اسکی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اسلئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور اسکے بارہ میں کیا ارشاد ہے جو ہمیشہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا یہ صوم داؤدی ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی اُن کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اس آدمی کے بارہ میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ (اور اس طرح اوسطاً ہر مہینہ میں دس دن روزہ رکھے) آپؐ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اسکی طاقت عطا فرمائی جائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہٰذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنالے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزہ کے بارہ میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اسکی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں گی) اور یوم عاشورا (۱۰ محرم) کے روزے کے بارہ میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں انہی کے بارہ میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں، یعنی نفلی روزوں کے بارہ میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے؟ آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی ——— یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق استاذ اور

مربی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت کرنی چاہیے تھی یا یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میرے لیے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل مناسب ہے؟ اُس نے بجائے اس کے حضورؐ کا معمول دریافت کیا تھا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے بہت سے شعبوں میں اُن بہت سے اسباب کی بنا پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالح امت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرزِ عمل بھی اختیار فرماتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہیے تھا، ـــــ استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جزء ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور کی ناگواری کو محسوس کرکے کل مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا "رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُولِهٖ" ـــــ اس کے بعد آپ سے نفلی روزوں ہی کے بارہ میں صحیح طریقہ پر سوالات کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

ہمیشہ روزے رکھنے والے کے بارے میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ "لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ" (اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، یہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ نے اپنی طرف سے جو بیان فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں اور ان کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو "الحسنة بعشر امثالها" کے حساب سے تیس روزوں کے برابر ہو جائیں گے اور اس طرح ان کو صوم دہر کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ مزید نفل روزے رکھنا اور کسی کی ہمت ہو تو یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں، حضور نے امید ظاہر فرمائی کہ رب کریم کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کی خطا کاریوں کا اور یوم عاشوراء کا روزہ پہلے سال کی خطا کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جبکہ اہل حج کا ذکر ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت میدان عرفات کا وقوف ہے جس کے لیے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے اگر حاجی لوگ اس دن روزہ رکھیں گے تو اُن کے لیے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہونے تک ذکر و دعا

کو جلد دینا مشکل ہوگا اس لئے ان کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم امت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اس وقت جب کہ آپ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن روزہ رکھ کر اس دن کی خاص خاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجہ کا حصہ لے لیں، اسی طرح یوم النحر یعنی بقرعید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

یوم عاشوراء کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا، جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارہ میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاء اللہ درج ہوں گی۔
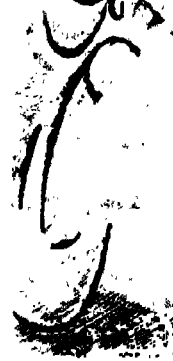
مؤتمر اسلامی

مقالہ سوم

اسلام اور اجتماعی انصاف

——— جناب احمد زکی یمانی

(وزیر پٹرول و معدنیات مملکت سعودی عرب)

آج سے چودہ سو سال پہلے عالم بشریت پر خوفناک اندھیرا چھایا ہوا تھا، جس میں انسان کا نہ کوئی احترام تھا اور نہ اسے آزادی کی نعمت میسر تھی۔ جنگل کے قانون کا دورہ دورہ تھا اور نفسانی خواہشات اور استبداد کا سکہ چلتا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی بہتری منظور ہوئی اور اس نے اس خطۂ ارض کو جو سب سے زیادہ تاریک تھا، اس غرض کے لیے منتخب فرمایا کہ وہاں ایک ایسی شمع ہدایت روشن کرے، جس سے ساری دُنیا نور حاصل کرے اور اس طرح وہ انسان کو اس کی عزت و آزادی واپس لوٹائے اور عدل و انصاف اور مساوات کی بنیادوں پر ایک اچھا معاشرہ وجود میں لائے۔

غرض ایک معجزہ بروئے کار آیا۔ سرزمین مکہ اور اس کے گرد و پیش کے معاشرہ نے، جہاں نسب پر عزت و شرافت کا مدار تھا اور عیش و عشرت میں غرق آقاؤں کی خدمت میں غلام مشقتیں اُٹھاتے تھے، ایک نئے معاشرہ کی شکل اختیار کر لی جس میں انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر تھے۔ اور وہ سب مل کر اس طرح ایک جسم بن گئے کہ اگر اس کے ایک حصے کو کوئی شکایت ہوتی تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا۔

ہماری آج کی دُنیا ایک مہلک حیرت و اضطراب اور گھپ اندھیرے میں زندگی گزار رہی ہے، صنعت و حرفت کی تمام روشنیاں ان اندھیروں کو دور کرنے سے عاجز اور اہل دنیا کو اطمینان قلب اور حقیقی آزادی واپس دلانے سے قاصر ہیں۔ کینہ ور شیوعیت (کمیونزم) کی افسرط اور

مستبد سرمایہ داری کی تعزیر کے درمیان انسان اپنا احترام کھو چکا ہے۔ بعد اقوام عالم اصلاح احوال کے لیے جو بھی تجربے کرتی ہیں، ان سے حالات اور بھی خراب اور بدتر ہو جاتے ہیں، آج عقلا اور دانش مند اسی نازک صورت حال پر غور کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ان کے سامنے معاشرے کے ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے اور متضاد گروہوں کی باہمی طبقاتی کشمکش کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

اجتماعی ظلم کا ہمہ گیر مسئلہ

حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے فرض کیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس ضمن میں لوگ اپنے منافع دیکھیں اور باہم مل کر اپنے مشکلات کے بارے میں صلاح و مشورہ کریں۔ ہم سب کے سب اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں کہ اس اجتماعی ظلم کے مسئلے پر غور کریں جس کی جڑوں نے ہر جگہ پھیل کر سرطان کی شکل اختیار کر لی ہے، اور اس کی جو بھی دوا کی جاتی ہے اس سے مرض اور بڑھتا ہے۔

ہم یہاں مکہ میں ہیں جو منبع ہدایت اور مصدر نور ہے۔ اس لیے یہاں ہم سے یہ توقع نہیں ہونی چاہیے کہ ہم دوسروں کی طرح ان تجربوں کی طرف رجوع کریں جو ناکام ہو چکے ہیں۔ یا کم از کم ان کی کامیابی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچی۔ ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے کہ انھی چیزوں کو باہر سے درآمد کریں اور ان کے اجنبی ہونے اور ان کے نقصانات کے باوجود یہاں انھیں نافذ کرنے لگ جائیں۔ دراں حالیکہ ہمارے پاس ایک کامیاب تجربہ موجود ہے جس کا ہم سے قریب ترین تعلق ہے یعنی ہم اس کے ہیں اور وہ ہمارا ہے "كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ مِنْ لَدُنْ عَزِيزٍ حَكِيمٍ (یہ کتاب ہے جس کی محکم آیات ہیں اور زبردست اور حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے) اور وہ شریعت ہے جس نے ایسا نظام عدل و انصاف قائم کیا جو فرد کے احترام و آزادی کا محافظ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے جماعت کا سرگرم خادم بناتا ہے۔ اس نظام میں نہ فرد جماعت پر مسلط ہوتا ہے اور نہ جماعت میں اس کی ذات فنا ہوتی ہے۔ البتہ جب جماعت کی مصلحتوں سے اس کی ٹکر ہو تو اس وقت بے شک فرد کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔

میرے نزدیک آج ہمارے لئے اس مسئلہ سے بڑھ کر جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے کوئی اور مسئلہ نہیں اور کسی دوسرے مسئلے کا حل تلاش کرنا اس سے زیادہ ضروری نہیں۔ لیکن یہ حل ہمارے دین اور ہماری تاریخ سے اخذ ہونا چاہیے۔ ہم نے اگر یہ نہ کیا تو جو امانت ہمیں دی گئی ہے وہ گویا ہم نے ضائع کر دی اور مسلمان اقوام کو طوفان کے حوالے کر دیا کہ وہ انھیں بہا کر لے جائے اور مچھلیاں ان کو نگل جائیں۔

مگر اس سلسلے میں صرف اتنا کافی نہیں کہ ہم لوگوں سے یہ کہہ کر کہ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اسلام کو عملی جامہ پہنایا جائے اور اس کے اوامر و احکام کی پیروی کی جائے، اپنے ملکوں کو لوٹ جائیں۔ جہاں پریشان حال انسانوں کی چیخیں اور بھوکوں کی آہیں ہمارے کانوں سے آ آ کر ٹکرائیں اور ہمارے پاس کوئی سوچا سمجھا نقشہ نہ ہو جسے ہم اپنی قوموں کی مشکلات کے حل کے طور پر پیش کر سکیں۔ ان حالات میں ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسلام سے ایسے احکام کا استنباط کریں، جن سے موجودہ مشکلات کا علاج ہو سکے۔ اس کے بعد احکام کی تطبیق کے لئے عملی طور سے غور و فکر کیا جائے پھر ہم خود کو ان احکام الٰہی پر عملدرآمد کے لئے کمربستہ کریں۔ اور اس راہ میں نہ ہمیں جانوں کی پروا ہو اور نہ مال کی۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام نے اجتماعی ظلم دفع کرنے اور عدل کو وجود میں لانے کے لئے، جو وسائل تجویز کئے ہیں میں ان پر اس قدر سیر حاصل بحث کر سکتا ہوں کہ جس سے آپ کے سامنے ان مشکلات کا پورا حل اپنی عملی شکل میں سامنے آ سکے، یہ چیز میری وسعت سے باہر ہے اور میری حقیر معلومات اس سطح تک پہونچنے سے قاصر ہیں۔ لیکن مجھے جب اس اہم موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو یہ بھی پسند نہ ہوا کہ اسے قبول نہ کروں۔ میں شاید اس میں حصہ لے کر اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ جن حضرات کو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم اور لوگوں کی مشکلات کا تجربہ ہے ان کے سامنے غور و فکر کا ایک دروازہ کھول دوں۔ تاکہ ان امور پر زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ گفتگو ہو سکے۔ پس میں مسئلہ کو اور صرف اس کے بنیادی پہلوؤں کو پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور اس کے بعد حل کی طویل گفتگو آپ کے لئے چھوڑتا ہوں

زیر بحث موضوع

اجتماعی ظلم کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک ظلم تو وہ ہے، جس کا نشانہ فرد بنتا ہے یہ ظلم فرد کی شخصیت کو ختم اور اس کی آزادی و احترام کی نفی کر دیتا ہے۔ اور یہ سب جماعت کے نام اور مصلحت عامہ کے عنوان سے ہوتا ہے۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرد کی طاقت

شل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کی صلاحیتیں مردہ اور اس کا جوش پژمردہ ہو جاتا ہے اور وہ جماعت کے لئے کسی کام کا نہیں رہتا۔ اور یہ وہ چیز ہے جو آج انتہا پسند اشتراکی نظاموں کے زیر سایہ پائی جاتی ہے اسی طرح غیر اشتراکی نظاموں میں بھی فرد کو رنگ، مذہب اور قومیت کی بنیاد پر عزت و آزادی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور جماعت اپنے ایک جزء کو کاٹ کر پھینک دیتی ہے، اس کی صلاحیتوں اور قوتوں سے محروم ہو جاتی ہے اور فرد اس امتیازی سلوک اور محرومی کے مصائب اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کے برعکس یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ جب فرد کی ہوسناکیاں جماعتی مصالح سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں تو خود جماعت ہی ظلم کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس نظام میں اجارہ داری کا دور دورہ ہوتا ہے مزدوروں کا خون چوسا جاتا ہے۔ لوگوں سے ان کی روزی چھین لی جاتی۔ اور یوں دولت چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے۔ غالب اکثریت مصیبتیں اٹھاتی اور اقلیت عیش کرتی ہے۔ معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے اور آئے دن کی شورشوں اور انقلابوں کے لئے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ یہ وہ نتائج ہیں جو استحصال پسند اور غیر متوازن سرمایہ دارانہ نظاموں میں سامنے آتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں ہی بیک وقت اجتماعی ظلم کا نشانہ بن جاتے ہیں جبکہ جماعت پر کوئی ایسا فرد مسلط ہو جاتا ہے جو اپنی ہوا و ہوس پر جماعتی مصلحتوں کو قربان کرے اور اس کی خاطر لوگوں کی عزت و آزادی کا گلا گھونٹ دیا جائے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اجتماعی ظلم کا مبدا و مصدر مال ہے۔ اور یہ کیفیت اس وقت رونما ہوتی ہے جب فرد اور جماعت حریف ہو کر ترازو کے دو پلڑوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور پلڑا کسی ایک طرف جھک جاتا ہے۔ اس مفروضہ پر جو علاج بھی اس سلسلے میں تجویز کئے جاتے ہیں وہ نہایت تنگ اور خالص مادی نقطۂ نظر پر مبنی ہوتے ہیں۔ اکثر علاج نہیں بلکہ اندھا ردعمل کہنا چاہیے کہ ظلم کا توڑ جوابی ظلم سے اور حرص و طمع کا علاج کینہ پروری سے کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے بھی بے شک مال و دولت کو خاص اہمیت دی ہے۔ اور اس پہلو سے اپنی خصوصی توجہ اس پر مبذول کی ہے کہ اجتماعی ظلم کا ایک بڑا سبب مال بھی ہے لیکن اسلام نے اس مسئلہ سے مختلف طریقوں سے نمٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے پیش نظر سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ فرد اور جماعت کے یہ جو دو پلڑے ہوتے ہیں، ان کو برابر رکھا جائے۔ اور اگر دونوں میں

کسی ایک کا جھکنا ناگزیر ہو، تو وہ پلڑا جماعت کا ہو۔ اسلام کے نزدیک اجتماعی عدل و انصاف کے معنی صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو مساوی اجرتیں ملیں اور اس طرح اقتصادی ناہمواری نہ پیدا ہو سکے، جیسا کہ کمیونزم کا تصور ہے، اور جو اس تصور کی تطبیق میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ایک ایسی انسانی مساوات چاہتا ہے، جو بہت سی قدروں کی جامع ہو۔ اور ظاہر ہے ان قدروں میں سے یقیناً ایک قدر خالص اقتصادی بھی ہوگی جس کے مطابق سب کو ایک سے مواقع حاصل ہوں اور سب افراد اپنی عملی صلاحیتوں کے اظہار میں آزاد ہوں۔

اسلامی عدلِ اجتماعی کے اسی وسیع نقطۂ نظر کی بنا پر صرف جماعت اور افراد کے حقوق کی حفاظت کرنے والے قوانین کا نافذ کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے اور پھر اس کے ساتھ اس پرجوش اسلامی دعوت کی ضرورت ہے، جس سے معاشرہ کا انداز فکر عادلانہ بنے اور محبت و اخوت کی گرمی جاری و ساری ہو جائے۔ کیوں کہ ہمہ جہت عدل و انصاف صرف اسی طاقت سے وجود میں آسکتا ہے۔

بہرحال میں اس مقالے میں اولاً "حق ملکیت" سے بحث کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ عدل اجتماعی کی بحث میں یہ سب سے پہلا اہم مسئلہ ہے۔ پھر "مساوات" کے بارے میں اسلام کا موقف پیش کروں گا۔ اس کے بعد تیسری بحث "اجتماعی کفالت" کی ہوگی اور پھر "خاتمہ" میں اس بحث کے نتائج آپ کے غور و فکر کے لئے پیش کرنا چاہوں گا۔

۱۔ مال

حق ملکیت اور افراد کے حقوق دولت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بڑا عادلانہ اور دانش مندانہ ہے۔ سب سے پہلے تو وہ انفرادی ملکیت کی حمایت کرتا ہے۔ وہ اس ملکیت کو اتنا ہی قابل احترام سمجھتا ہے، جتنا انسانی جان کو۔ وہ صاحب مال کو مال کی حفاظت کا ہر طریقہ سے حق دیتا ہے جس میں قتال بھی شامل ہے۔ اگر مال کا مالک اس کی حفاظت کرتا ہوا جان دے دے، تو شہید ہوگا (۱)، اگر اس کے مال پر چور دست درازی کرے، تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا (۲)، یا اگر کوئی شخص اس کے مال کو غصب کرے تو وہ

اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا (۴)۔

ایک فرد اگر شرعاً جائز طریقوں سے مال حاصل کرتا ہے۔ تو وہ اسے بلا کسی روک ٹوک کے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے (۵) تاکہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کے آثار ظاہر ہوں (۶)۔ بلکہ اس بارے میں کنجوسی ممنوع ہے اسی قدر جس قدر فضول خرچی (۷)۔ وہ اس مال کو شرعاً جائز طریقوں سے افزائش مال کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے جماعت کے مفادات و مصالح پر زد نہ پڑے جب صاحب مال کا انتقال ہو جائے تو اس کی متروکہ ثروت اس کے عزیزوں اور وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ اور دولت کو ایک جگہ جمع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ (۸)

اسلام میں ملکیت کا تصور

اسلام کی نگاہ میں "ملکیت" ایک نیابت اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ اسلام نے انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا اور اسے ہر طرح کی ضمانت دی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس نے مال [illegible] مالک کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس دینی اساس کو اچھی طرح سے سمجھ لے جس پر کہ اس کی ملکیت قائم ہے اور اس اہم مقصد کو جانے جس کی بنا پر اسے ملکیت میں تصرف کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ صاحب مال کے اندر ایسی نفسیاتی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ طمع و حرص سے بچ کر اس اجتماعی فریضہ کو ادا کر سکے، جو بحیثیت مال کے مالک کے اس پر عائد ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ مال کا اصلاً مالک اس کا دنیاوی مالک نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت تو محض ایک نائب اور وکیل کی ہے اصل مالک تو اللہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لله ما في السموات وما في الارض (۹) (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، وہ سب اللہ کا ہے) اللہ نے اپنے بندوں کو اس ملکیت کے استعمال کے لئے مقرر کیا ہے۔ "آمنوا بالله ورسوله وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه" (۱۰) (ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس [illegible]) قرآن مجید میں جہاں غلاموں کی مکاتبت کا ذکر [illegible] آتاكم" (۱۱) (اللہ کے مال میں سے جو اس نے [illegible] کہ ان کے پاس مال ہے ....

وہ محض واسطہ ہیں۔ مال تو اللہ کا ہے، اور انہیں اللہ نے اس مال پر اپنا نائب و وکیل بنایا ہے

یہ ہے اسلام کے نزدیک ملکیت کی دینی اساس۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ چیز مالک کے حق تصرف میں عملاً کوئی رکاوٹ بنے۔ ہاں اس حالت میں یہ چیز ضرور رکاوٹ ہے جبکہ فرد شرائط وکالت کی خلاف ورزی کرنا چاہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ ملکیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ملکیت شئے اور ایک ملکیت منفعت۔ اب مذکورۂ بالا اصول پر شئے کا مالک تو حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہوگا۔ اور منفعت کی ملکیت مالک کو حاصل ہوگی۔ یعنی وہ مال و دولت میں آزادی کے ساتھ تصرف کرے جیسے کہ وقف کے متولی کو اختیار ہوتا ہے الا یہ کہ وہ واقف کے شرائط کی خلاف ورزی کرنے لگے۔

حق ملکیت کے استعمال پر پابندیاں

شریعت اسلامی پہلا قانون ہے جس نے انفرادی حقوق کے استعمال پر ایسی پابندیاں عائد کی ہیں کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہونچے اور اس طرح صاحب مال کے اختیار کو محدود کر دیا ہے۔ قرآن مجید نے بہت سے مقامات میں اس سلسلے میں اور دیگر حقوق کے معاملات میں زیادتیوں کے ارتکاب سے روکا ہے۔ خاص طور سے وصیت، طلاق اور دوسروں سے اپنا حق طلب کرنے جیسے معاملات میں زیادتی کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے (۱۲)

حنفی اور مالکی مذہب

اس سلسلے میں فقہ اسلامی کے دو مذہبوں (حنفی اور مالکی) نے جو احکام و قواعد بیان کئے ہیں ان سے ظلم و زیادتی اور عدل و انصاف کے درمیان ایسی واضح حد بندی ہو جاتی ہے جو دوسرے قانونی نظام میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی دور حاضر کی قانونی فکر کو اس کی باریکی تک رسائی ہوئی ہے۔ ان دونوں مذہبوں میں حسب ذیل تین اصول کو بنیاد ٹھہرایا گیا ہے۔

۱۔ نہ خود نقصان اٹھایا جائے نہ دوسرے کو پہونچایا جائے۔
۲۔ دو برائیوں میں ایک برائی اختیار کرنا ناگزیر ہو تو کمتر برائی کو اختیار کیا جائے۔
۳۔ جماعتی مصلحت کو انفرادی مصلحت پر مقدم رکھا جائے۔

ہم دونوں مذہبوں کے احکام کی روشنی میں انفرادی حقوق پر تین پابندیاں ضروری قرار دے سکتے ہیں

۱۔ کسی حق کو صرف اسی غرض کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے، جس غرض کے لئے وہ حق ملا ہے۔ امام مالک نے اسی اصول کو احوال شخصی کے مسائل پر منطبق کیا ہے۔ خاص کر نابالغ اولاد

کے مال پر باپ کی تولیت کے مسئلے میں (۱۴) اور باپ کے اس حق میں کہ وہ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر سکتا ہے (۱۵) نیز اس حق میں کہ وہ بالغ لڑکی کے نکاح پر معترض ہو سکتا ہے (۱۶) امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ ولی کے ان حقوق سے زیر ولایت افراد کی مصالح کا تحفظ مقصود ہے پس اگر ولی ان کی مصلحت کے خلاف کام کرتا ہے تو وہ قابل رد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے اسی بنیادی اصول کو نابالغ پر حق ولایت اور نکاح کے لئے کسی وکیل کی ولایت عامہ کو محدود کرنے میں بھی استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اس ذیل میں نکاح کے لئے وکالت عامہ کی بعض شکلوں میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اس اصول کے انطباق میں اختلاف بھی واقع ہوا ہے۔ جیسے امیر کسی شخص کو حکم دے کہ کسی (غیر متعین) عورت سے اس کا (امیر کا) نکاح کر دیا جائے اور وہ شخص اس حکم سے فائدہ اٹھا کر کسی کی باندی کو امیر کے عقد میں دیدے تو امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہوگا، لیکن صاحبین کے نزدیک عورت کا کفو ہونا ضروری ہے (۱۷)

۲۔ کسی حق کا استعمال اگر عام عادت کے خلاف دوسروں کے لئے باعث ضرر ثابت ہو تو اُسے غیر قانونی قرار دیا جائے گا۔

امام مالک نے اس اصول کو عمومی حیثیت سے پڑوس کے تعلقات کی تنظیم (۱۸) مکانوں کی کھڑکیاں کھولنے سے پیدا ہونے والے مخصوص تنازعات کی بندش (۱۹)، مشترک اموال کی تقسیم (۲۰) اور غیر آباد زمینوں پر قبضہ گیری (۲۱) کے مسائل میں استعمال کرتے ہوئے فیصلہ دیا ہے کہ ان معاملات میں جائز حقوق کے استعمال سے اگر عام عادت کے خلاف کسی کو ضرر پہونچے تو صاحب حق کو اپنے حق کے استعمال سے روکنا واجب ہوگا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے اسی اصول سے کئی منزلہ مکانات کے مالکوں کے حقوق و فرائض کی تعیین، موکل کی غیر موجودگی میں وکیل کو اس کی وکالت سے دست بردار ہو جانے کی ممانعت اور کسی اجیر کے اس حق کو مشروط کر دینے میں کام لیا ہے کہ وہ اجیر سے کیا ہوا معاملہ فسخ کر سکتا ہے (۲۲) ان کے نزدیک یہ حق کسی عذر ہی پر مبنی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی معقول عذر نہیں ہے تو اس حق کا استعمال ظلم قرار دیا جائے گا۔

۴۔ کسی ایسے حق کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی جس کا مقصد خود کوئی فائدہ اٹھانا نہ ہو بلکہ دوسرے کو نقصان پہونچانا ہو۔

امام مالک نے اس اصول کو خاص طور پر پڑوسیوں کو اپنی ملکیت کے کسی ایسے استعمال سے باز رکھنے میں استعمال کیا ہے جس سے محض دوسرے پڑوسی کو ضرر ہو خود کو کوئی نفع نہ ہو (۲۳)۔ امام ابو حنیفہ نے بھی اس سے ایسے ہی مسائل میں کام لیا ہے۔ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، اس اصول کی تطبیقات و مثالوں سے بھری ہوئی ہے جن میں سب سے اہم چیز یہ ملتی ہے کہ امام ابو یوسف نے غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے معاملے میں عام افراد کے علاوہ حکومت کو بھی اس شرط کا پابند کر رہے ہیں کہ اس حق کے استعمال سے کسی دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ (۲۴)

اوپر جو کچھ مذکور ہوا، اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ حقوق اور ان کے استعمال کے متعلق حنفیہ اور مالکیہ کا نقطہ نظر آپس میں ملتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر حق سے ایک غرض اور مقصد وابستہ ہوتا ہے جسے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر صاحب حق اس مقصد کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور وہ اپنے اس حق کو دوسروں کی ضرر رسانی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ تو اس کا ایسا کرنا ظلم اور زیادتی سمجھا جائے گا اور اس حق کا کوئی قانونی جواز نہیں رہے گا مگر امام شافعی اس نظریہ کے علی الاطلاق حامی نہیں ہیں۔

امام شافعی کا مسلک امام شافعی کے نزدیک صاحب حق اپنے حقوق میں علی الاطلاق مختار ہے وہ جیسے چاہے۔ اسے استعمال کرسکتا ہے خواہ اس میں اسے کوئی فائدہ نہ ہو، یا دوسروں کو اس سے نقصان پہونچے۔ لیکن بعض قرآنی احکام اور مستقل عادات کے آگے وہ بھی مجبور ہوئے کہ اپنے اس اصول کو مطلق نہ رہنے دیں (۲۵)، اور ان کے بعد ان کے جو شاگرد آئے، انھوں نے امام صاحب کی اس رائے سے بہت زیادہ اختلاف کیا اور اس بارے میں حنفیہ اور مالکیہ کے مسلک پر چلے۔ امام شافعی کی اس رائے کے خلاف شوافع میں سے جن حضرات نے لکھا ہے ان میں اہم ترین شخصیت امام غزالی ہیں۔ انھوں نے نکاح، طلاق، معاہدہ اور پڑوسی وغیرہ کے حقوق پر ان کے اجتماعی مقاصد کی روشنی ہی میں بحث کی ہے۔ (۲۶) متاخرین میں سے اس نظریہ کے قواعد و ضوابط کے اثبات میں ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے انھوں نے

امام شافعی کی رائے کی مخالفت کی کیونکہ یہ رائے ظلم کی موجب اور عدل وانصاف کے منافی ہے (۲۷)، چنانچہ نویں صدی ہجری کے فقہاء کے ہاں تقریباً یہ رائے عام طور پر تسلیم کی جانے لگی کہ حق کے استعمال میں، دوسروں پر ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے (۲۸)۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ کی اکثر دفعات میں اس نظریہ کی تطبیقات ملتی ہیں (دفعات ۱۱۹۸ - ۱۲۱۲)۔ اسی طرح قدری پاشا مرحوم نے اپنی کتاب الاحوال العینیہ میں اس نظریہ کی بعض تطبیقات بیان کی ہیں (دفعات ۵۷ - ۵۹)۔ ۱۹۴۸ء میں اپنے حق کے استعمال میں ظلم وزیادتی کے ارتکاب کے اس نظریہ کو جیسا کہ وہ شریعت میں ہے، مصر میں داخل کیا گیا ہے

اسلام کا نظریہ ملکیت اور یورپی ماہرین قانون

یورپ کے ماہرین قانون میں سے جو لوگ اسلام کے نظریہ ملکیت، اس کے مقاصد اور انفرادی حقوق کے استعمال پر اس کے عائد کردہ قیود سے متاثر ہوئے، ان میں سے ایک، فرانسیسی پروفیسر دوجی ہیں۔ موصوف ایک عرصہ تک قاہرہ میں لاکالج کے پرنسپل رہے تھے۔ اور ظاہر ہے اس دوران میں ان کا مصر کے علماء وفقہاء سے ملنا جلنا رہا۔ پروفیسر دوجی نے اپنا "تکافل اجتماعی" (اجتماعی کفالت) کا مشہور نظریہ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ ملکیت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایک اجتماعی عمل ہے۔ بعد ازاں انھوں نے اس کی بالکل اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تشریح کی ہے۔ پروفیسر موصوف کا یہ نظریہ مغرب میں خوب مقبول ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں جب روس میں "انقلاب اکتوبر" ہوا، تو ملکیت کے بارے میں بالشویکوں کے اپنے جو نظریے تھے، وہ حقیقت واقعی کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور وہ انھیں روس کے اس وقت کے حالات میں منطبق کرنے میں ناکام رہے۔ انقلاب کے پانچ سال بعد لینن مجبور ہوگیا کہ وہ بعض بورژوائی قوانین ملکیت کو بحال کرے تاکہ ان کو شیوعیت کی منزل تک پہنچنے سے پہلے کے عبوری دور میں نافذ کیا جائے۔ اسے N.E.P. (نیو اکنامک پالیسی) کا نام دیا گیا۔ لینن نے اپنی اس پالیسی کی تشکیل میں پروفیسر دوجی کی تحریروں سے استفادہ کیا۔ اس کا خود بہت سے روسی ماہرین قانون نے اعتراف کیا تھا۔ لیکن بعد میں وہ اپنے ان تحریروں سے پھر گئے ہیں (۲۹)۔ لینن کے اس قانون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ یہ قانون شہری حقوق کی حفاظت کرتا ہے، سوائے ان حالات کے جب کہ انھیں اجتماعی واقتصادی اغراض کے خلاف استعمال کیا جائے

لیکن اس سب سے قطع نظر جس کی بنا پر اسلامی شریعت اور سوویت روس کے قانون کی اس دفعہ میں مشابہت پائی جاتی ہے اس سے جو نتائج نکلتے وہ ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روس کی بالشویک سرزمین اسلامی فکر کے لئے سازگار نہیں ہے جیسے کہ وہ زاویۂ نظر جس سے روس معاملے کو دیکھتا ہے، شریعت اسلامی کے زاویۂ نظر سے مختلف ہے مسلمانوں کے ہاں اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ ملکیت کی کامل حفاظت کی جائے جبکہ بالشویک نظریہ بالکل علی العکس ہے۔ وہ سرے سے ملکیت کا ہی انکار کرتے اور اسے اصلاً باطل قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعد میں جب انھیں حقائق واقعی مجبور کرتے ہیں، تب وہ ملکیت کو اس شرط کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا استعمال اجتماعی و اقتصادی اغراض کے لئے ہو۔

بہرحال یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں پیش کی ہوئی لینن کی عارضی اسکیم اب ایک مستقل حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ لینن کے بعد روسی لیڈروں نے اس میں اور بھی توسع سے کام لیا ہے اور اس طرح ہر نئے سال میں بالشویک نظام کی ناکامیوں سے پردہ جلد اٹھتا جا رہا ہے۔ آج ایک شخص پورے وثوق کے ساتھ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اس وقت کا عملی روسی نظام مارکس کے بالشوزم سے بے حد جدا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں ہے جب شیوعیت کے خواب کو آخری شکست نصیب ہو گی کسے خبر ہے کہ یہ بعید ترین راہ سے گزرتا ہوا قافلہ ان ناکامیوں کے نتیجے میں اس اسلامی طرز فکر ہی کو نہ اپنا لے جس کا بیج بہرحال اس کے ذہن میں پڑ چکا ہے اگر ایسا ہوا تو یہ اسلام کے معجزوں میں سے کوئی انوکھا معجزہ نہ ہوگا۔ ——— باقی

حوالے

— مضمون میں حاشیوں کے نشانات (ہندسے) حوالوں کیلئے ہیں۔ اس قسط کے حوالے درج ذیل ہیں

۱۔ ایہا الناس ان دماءکم و اموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا و کحرمۃ شہرکم ھذا۔ (اے لوگو بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر قابل حرمت ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے لو ایسے ہی قابل حرمت جیسے یہ دن اور جیسے یہ مہینہ) ۲۔ من قتل دون مالہ فھو شہید (اخرجہ الشیخان) (جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے) ۳۔ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ (القرآن: المائدۃ) (چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے ان کے اس فعل کی جو انھوں نے کیا)

۴۔ من اقتطع مال امرئ مسلم بغیر حق لقی اللہ عزوجل وھو علیہ غضبان۔ (مسند امام احمد) (جس نے

کسی مسلمان کا بغیر حق کے مال لے لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں ملے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا۔ ۵۔ قل من حرم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (القرآن الاعراف) (اے نبی کہہ دو کس نے اللہ کی قابل زینت چیزوں کو جو اس نے بندوں کیلئے پیدا کیں اور رزق کی اچھی چیزوں کو حرام ٹھہرایا) یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (القرآن الاعراف) اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ ۶۔ فاذا اتاک اللّٰہ مالا فلیرا اثر نعمة اللّٰہ علیک وکرامتہ (ابو داؤد و نسائی) جب اللہ تعالیٰ تمھیں مال دے تو اللہ کی نعمت اور تکریم کا تم پر اثر دکھنا چاہیے۔ ۷۔ ولا تجعل یدک مغلولة الیٰ عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا (القرآن۔ الاسراء) اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے ہی باندھ لینا چاہیے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہوگے ۸۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔ (القرآن: النساء) ماں باپ اور قرابت دار جو کچھ چھوڑ جائیں اس میں سے مردوں کیلئے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں۔ ۹۔ للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض (القرآن) اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں ۱۰۔ القرآن سورۃ الحدید ۷۔ ۱۱۔ القرآن سورۃ النور ۳۳۔ ۱۲۔ . . . .

۱۳۔ وصیت کے بارے میں آیت ہے: ۔من بعد وصیة یوصی بها او دین غیر مضار وصیة من اللّٰہ واللّٰہ علیم حلیم۔ (البقرہ) طلاق کے حق کے بارے میں آیت ہے: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان، اپنا حق طلب کرنے کے بارے میں آیت ہے: ۔ولا تاکلوا اموالکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ۱۴۔ المدونة الکبریٰ الامام مالک (امام عبدالرحمن بن القاسم سے امام سحنون کی روایت۔ جزء ۱۴ ص ۱۹۹) ۱۵۔ المدونة الکبریٰ جزء ۴ ص ۵۔ ۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۔ ۱۷۔ کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف وبهامشه الجامع الصغیر محشّٰی حاشیہ ص ۳۳۔ ۱۸۔ المدونة الکبریٰ جزء ۱۴ ص ۲۳۵۔ ۱۹۔ ایضاً جزء ۱۵ ص ۱۹۷۔ ۲۰۔ ایضاً جزء ۱۴ ص ۲۴۱ ۲۱۔ ایضاً جزء ۱۵ ص ۱۹۵۔ ۲۲۔ کتاب الخراج حاشیہ ۱۰۲، ۱۰۳۔ ۲۳۔ المدونة الکبریٰ جزء ۱۵ ص ۱۹۴، ۱۹۵ ۲۴۔ کتاب الخراج ص ۵۳۔ ۲۵۔ کتاب الام، امام شافعی جزء ۵ ص ۱۸۹، ۲۰۱، ۲۱۱۔ ۲۶۔ احیاء علوم الدین، امام غزالی، جزء ۲ ص ۱۴، ۲۵، ۳۵، ۳۶، ۴۸، ۲۱۳۔ ۲۷۔ اعلام الموقعین، امام ابن القیم جزء ۳ ص ۱۴۳، ۱۴۴۔ ۲۸۔ ابن عابدین۔ رد المحتار علی الدر المختار پر حاشیۃ الزیلعی (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق)

صرف مسائل کا مشترک ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان مسائل کے لئے جدوجہد کے بارے میں سب کا
انداز فکر بھی ہم آہنگ ہونا چاہیئے تو یہ ایک معقول بات ہوتی، اور اس بنا پر جمعیتہ اگر علیحدہ کر دیتی تو
اس کو ملامت نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن اس نے اس جرأت اور صاف گوئی کے بجائے یا اس لئے
کہ رہنمایان جمعیتہ کے ذہن میں یہ نظریاتی بات اس وقت مضبوط شکل میں تھی ہی نہیں (اسے
صاف گوئی کے لئے معاف رکھا جائے) ایک مذموم شکل اختیار کی۔ اس نے دل میں عدم اشتراک
کا تہیہ رکھا اور اس پر عمل کیا، لیکن اوپر سے اشتراک پر رضامندی کا لبادہ بھی اوڑھ لیا اور
کوشش یہ کی کہ اس لبادے کو اس پر اتارنے کی ذمہ داری دوسرے اپنے سر لے لیں، لیکن جب یہ
نہ ہوا تو اپنی غلطی کا اعتراف کرتے یا اسے نباہنے کے بجائے اس انداز سے اپنا دامن چھڑایا کہ نہ تو
ملت کے اندرونی مصالح کی کوئی پرواہ کی اور نہ خارجی نزاکتوں کا کوئی لحاظ!

بہرحال جمعیتہ نے مجلس سے علیحدگی اختیار کرلی، اور چاہے اسے صرف برسر اقتدار گروہ کی
علیحدگی کہا جائے لیکن جب تک وہ گروہ برسر اقتدار ہے، جو آج ہے، یہ جمعیتہ ہی کی علیحدگی
کہلائے گی اور اس صورت میں مجلس کی وہ "کل ملت نمائندہ" حیثیت باقی نہیں رہ جائے گی جو
اس کا بنیادی تخیل تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ارکان مجلس معاملہ پر از سر نو غور کریں۔ مجلس جو تمام
مسلم جماعتوں میں اشتراک عمل کا پلیٹ فارم بننے کے عنوان سے قائم ہوئی تھی، اس کے لئے یہ ہرگز
مناسب نہیں ہوگا کہ کوئی جماعت اسے حریف کی نظر سے دیکھے، جیسا کہ جمعیتہ کی طرف سے یہ صورت
پیدا ہو چکی ہے اب یا تو مجلس اپنے بنیادی تخیل میں ترمیم کرکے اسے محض اپنی موجودہ محدود حیثیت
کے مطابق بنانے پر اکتفا کرے۔ یا بالکل کسی نئے تخیل پر اسکی از سر نو تنظیم کی جائے۔ یہ تخیل کیا ہو؟
یقیناً یہ مسئلہ بہت قابل غور ہے۔ مگر دونوں میں سے ایک بات بہرحال ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ابوالرضا محمد فاروقی دہلوی رح

حالات — ملفوظات — مکتوبات

(از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

پچھلے دنوں مجھے مکتوبات شاہ ابوالرضا محمد کا ایک قلمی نسخہ برائے مطالعہ دستیاب ہوا ——— اس مجموعہ میں ۴۸ مکتوبات ہیں — ان میں سے اکثر مکتوبات نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میرا اولاً ارادہ تو یہ تھا کہ ان مکتوبات پر ہی ایک مقالہ لکھوں، بعدہٗ مناسب یہ معلوم ہوا کہ پہلے حضرت شاہ ابوالرضا محمدؒ کے حالات لکھوں ——— حالات کے بیان کرنے میں اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود اتنے صفحات ہو گئے جتنے صفحات میں مکتوبات پر تبصرہ کرنے کا قصد تھا — اچھا ہوا کہ اس بہانے اس عظیم شخصیت کے ذکر خیر کی سعادت نصیب ہو گئی جس نے میدان تسلیم و رضا میں گامزن ہو کر اور راہ فقر و درویشی اختیار کر کے ایک مثالی نمونہ قائم کیا۔ جس نے اپنے نفس گرم سے محفل فقر اور بزم تصوف کو گرما دیا، جس نے اپنی تمام عمر، توکل و استقامت کے ساتھ ساتھ اتباع سنت میں گزار دی جس نے دہلی اور اطراف دہلی کے تشنگان معرفت کو مسجد فیروز آباد کے ایک تنگ و تاریک حجرے میں بیٹھ کر سیراب کیا — سچ پوچھئے تو حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ پر براہ راست اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر بالواسطہ اس ذات ستودہ صفات کے فیوض و برکات کا نمایاں اثر پڑا اور ان دونوں شخصیتوں کی تعمیر میں اس درویش حق آگاہ کی سیرت کو بھی بہت کچھ دخل ہے ——— میں نے یہ حالات انفاس العارفین، نزہتہ الخواطر جلد (۱) حیات ولی اور مزارات اولیاء دہلی سے اخذ کر کے

ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کیے ہیں۔

حضرت شاہ ابوالرضا محمد دہلویؒ، حضرت شیخ وجیہ الدین فاروقی شہیدؒ کے صاحبزادے اور حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے برادر کلاں تھے۔ آپ غالباً ۱۰۴۵ھ یا ۱۰۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایک مستقل رسالہ شوارق المعرفۃ اپنے عم بزرگوار کے حالات میں لکھا ہے جو باریک قلم سے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور انفاس العارفین میں شامل ہے — اس میں حضرت شاہ ابوالرضا محمدؒ کے حالات، ملفوظات، کرامات، کچھ مکتوبات اور بعض مسودات درج ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے عم محترم کا زمانہ نہیں پایا، اس لیے کہ وہ آپ کی پیدائش سے بارہ سال پہلے اس عالم فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ اسی بنا پر آپ نے عم مکرم کے سوانح و ملفوظات لکھنے سے پہلے تصریح فرما دی ہے کہ مجھے یہ واقعات ایک دو واسطوں سے پہونچے ہیں، چنانچہ شوارق المعرفۃ کو اس عنوان سے شروع فرمایا ہے۔

"قسم ثانی در احوال معارف مآب امام الطریقۃ والحقیقۃ ...... مخدومنا مولٰنا الشیخ ابوالرضا محمدؒ" —

قسم اول میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وہ احوال و ملفوظات تحریر فرمائے ہیں جن کو اکثر و بیشتر براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا ہے۔

تعلیم

شوارق المعرفۃ میں شیخ ابوالرضا محمدؒ کی تعلیم کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ہے۔ جس سے ان کے تمام اساتذہ اور تمام کتب درسیہ کا پتہ چلتا، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حافظ بصیر دہلویؒ سے (جو عہد شاہجہانی کے بڑے جید عالم تھے) اور حضرت خواجہ عبیداللہ عرف خواجہ خُردؒ ابن حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"فی الحقیقۃ علوم ایشاں ہمہ وہبیہ بودند" یعنی درحقیقت ان کے تمام علوم وہبی اور لدنی تھے۔

تجرید و توکل

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصے اپنے والد ماجد شیخ وجیہ الدین شہیدؒ کے حکم سے ایک امیر کبیر کے دربار میں ملازم ہو گئے۔ وہاں آتے جاتے رہے۔ آخر کار، تجرید تام اور توکل کلی کا غلبہ ہوا اور یہ ملازمت چھوڑ دی۔ بعد ازاں مسجد فیروز آباد کے ایک حجرے میں رہ کر پوری زندگی گزار دی۔

رفیقۂ حیات کی بے نظیر قربانی

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے شہرت و تواتر کے ساتھ یہ بات پہونچی ہے کہ عم بزرگوار نے جب راہ فقر کو اختیار کیا تو اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ "اے رفیقۂ حیات ہم نے جس راستہ کو اختیار کیا ہے وہ ایک دشوار گزار راستہ ہے، یقیناً اس راہ میں جو تکالیف جھیلنی پڑیں گی وہ سخت جگر خراش اور جاں گسل ہوں گی۔ مگر ہم نے تو اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اس راہ کو مصائب و تکالیف کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے ___ اب تمہارا مسئلہ رہ جاتا ہے، اس کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ہماری حالت فقر و درویشی کے باوجود، لذیذ غذاؤں اور عمدہ لباسوں سے قطع نظر کر کے اگر ہماری رفاقت منظور کرو تو نبھا، ورنہ تمہیں اختیار ہے"۔ اس نیک بخت دیندار اور وفا شعار بیوی نے یہ سن کر اپنے تمام زیورات اتار دئیے اور معمولی لباس پہن کر اپنے شوہر کی رفاقت کا عہد کیا۔

پیر و مرشد

آپ نے راہ سلوک کو کس کی رہنمائی میں طے کیا؟ اور آپ کے پیر و مرشد کون تھے؟ اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان سے جو معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اویسی المشرب تھے، براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دعائی فیوض حاصل کیے تھے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ عم بزرگوار خود یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ ایک درویش تھے جو حضرت شیخ تاج الدین سنبھلیؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت خواجہ خُردؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان کے حالات بہت اونچے تھے، ایک دن حضرت خواجہ خُردؒ نے اپنی ایک مجلس میں یہ فرمایا تھا کہ جو شخص طالب معرفت ہو اُسے چاہیے کہ اس درویش سے تعلق بیعت پیدا کرے۔ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں ان بزرگ سے

بیعت ہونے کا تقاضہ پیدا ہوا ــــ مگر میں نے ان سے بیعت نہیں کی۔

عُسر کے بعد یُسر جیسا کہ لکھا جا چکا مسجد فیروز آباد کے ایک تنگ حجرے میں آپ کی رہائش تھی۔ ابتدا میں اکثر ایسا ہوا کہ دو دو تین تین فاقے متواتر آئے۔ فاقوں کے بعد جَو کی چند روٹیاں میسر آجاتیں تھیں اور کچھ چھاچھ نصیب ہوجاتی وہ روٹیاں محمد جان طحان اور دوسرے غریب معتقدین لے آتے تھے۔ ان روٹیوں کو آپ فقراء اور مستحقین پر مساوی تقسیم فرمادیتے اور بطور سد رمق خود بھی کچھ تناول فرمالیتے تھے۔

کچھ عرصے تک آپ کے گھر میں چولھا، ہنڈیا، چکی وغیرہ کچھ نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ برکت تمام ظاہر فرمائی اور اپنے بندوں کے قلوب کو آپ کی طرف متوجہ کردیا۔ چنانچہ ایک وسیع حویلی آپ کے اہل وعیال کے واسطے تعمیر کرائی گئی اور منجانب اللہ توسیع رزق کا انتظام بھی ہوگیا۔

استغناء اُمراء و سلاطین سے کنارہ کش رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عالمگیرؒ جیسے دیندار بادشاہ کو بھی باوجود اُن کی درخواست کے اپنی ملاقات کا موقع نہیں دیا۔ غرضکہ امراء و رؤسا کی طرف اُن کو بالکل التفات نہ تھا ان کے ہدایا بھی بڑی مشکل سے قبول فرماتے تھے ـ البتہ مخلص غرباء کے معمولی ہدایا جلد شرف قبولیت حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ کفش دوزی کرنے والے اور آٹا پیسنے کی محنت کرنے والے یا اسی قسم کی محنت مزدوری کرنے والے غریبوں کے چار یا پانچ پیسے بھی بڑی خوشی سے قبول فرمالیتے تھے۔

سیرت وصورت حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کے مطابق آپ قوی العلم، فصیح اللسان عظیم الورع، وسیع المعرفۃ اور نرم زبان بزرگ تھے ــ آپ کا قد لانبا، بدن چھریرا تھا، رنگ میں سرخی وسپیدی کے ساتھ ایک قسم کی ملاحت بھی تھی۔ ڈاڑھی گنجان نہیں تھی۔ رخساروں پر گوشت اس قدر کم تھا کہ چہرے کی تمام رگیں اُبھری ہوئی نظر آتی تھیں۔

وعظ و درس آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ وعظ فرمایا کرتے تھے وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ شروع میں تین حدیثیں زبانی پڑھتے تھے ـ خوب ٹھہر ٹھہر کر ـــ

اُن احادیث کے پڑھتے وقت مجلس ومجمع کی ہر جانب نگاہ رکھتے تھے، پھر ان حدیثوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔ بعدہٗ اس زمانہ کی اردو میں بھی ترجمہ فرماتے تھے اور ان احادیث کے متعلق جو مناسب اور ضروری تشریحات ہوتی تھیں ان کو بھی بیان فرماتے تھے مگر اعتدال کے ساتھ۔ یعنی تشریحات میں نہ زیادہ طوالت ہوتی تھی اور نہ بہت زیادہ اختصار وایجاز ہوتا تھا۔ (حضرت شاہ صاحبؒ نے اگرچہ بتصریح نہیں فرمائی مگر قرینے کی دلالت سے گمان غالب یہ ہے کہ کل تقریر اردو ہی میں ہوتی ہوگی)

شروع شروع میں ہر علم کا درس دیتے تھے اور طالبانِ علوم جوق درجوق آپ کی اعلیٰ استعداد اور خوبیٔ تقریر کی وجہ سے آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔ آخر میں فقط دو کتابوں کا درس دیتے تھے بیضاوی اور مشکوٰۃ المصابیح۔ باقی زیادہ وقت توجہ الی اللہ اور خاص مریدین سے معارف، بیان کرنے میں گزرتا تھا۔۔۔ وحدتِ وجود کے قائل تھے اور اس مضمون میں بقول حضرت شاہ صاحبؒ "تحقیق عظیم" رکھتے تھے۔۔۔ اپنی مجالس میں صوفیائے کرام کی باریک باریک باتوں کی تشریح ووضاحت بھی فرمایا کرتے تھے۔

جذبۂ اتباعِ سنت غلبۂ عشق اور مسلک توحید وجودی کے ساتھ ساتھ اتباعِ سنت کا بھی انتہائی خیال رکھتے تھے۔۔۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے مسجد کے باہر کھڑے ہو جاتے پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے اور بائیں جوتے پر بایاں پاؤں رکھ کر پھر دایاں پاؤں مسجد میں رکھتے تھے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ ان دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے جن سے یہ طریقہ ثابت ہوتا ہے۔۔۔ ایک مقام پر حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں "حضرتِ ایشاںؒ چنداں مقید بودند کہ ہیچ ادب وسنت از ایشاں ترک نمی شد الیٰ آخر العمر" یعنی آپ شریعت کے اتنے پابند تھے کہ آخر عمر تک کوئی مستحب عمل اور سنت طریقہ آپ سے ترک نہیں ہوا۔

غلبۂ ورع واحتیاط حضرت شاہ صاحبؒ، شیخ مظفر رہتکیؒ کی زبانی بیان فرماتے

ہیں کہ اوائل میں جب میں رہتک سے حضرتؒ کی خدمت میں آتا تھا تو مصری کے کچھ کوزے ہدیے کے طور پر لے آتا تھا۔ حضرتؒ ان کو قبول نہیں فرماتے تھے صرف اس احتیاط کی بنا پر کہ دیہات و قصبات کے رؤسا کی بیع و شرا قانون شرعی کے مطابق نہیں ہوتی ــــ اسکے بعد میں نے یہ کیا کہ یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا موقوف کر دیا، البتہ آپ کے بچوں کو مصری کے کوزے لا کر دے دیتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے حسب معمول بچوں کو کوزے دیے بچے ان کوزوں کو لے کر آپ کی خدمت میں چلے گئے، آپ نے ان میں سے کچھ تناول فرما لیا، پھر ایک دن میری طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہاری لائی ہوئی مصری کھالی تھی۔ اب ہم نے تورعات زائدہ سے دست کشی کر لی ہے آئندہ جو ظاہر شرع کا حکم ہو گا اسی پر عمل کریں گے۔

کرامات و روشن ضمیری

حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کی کرامات بڑی تفصیل سے لکھی ہیں اور روشن ضمیری کے بھی کئی واقعے بیان فرمائے ہیں۔ یہاں ان سب کا احاطہ مقصود نہیں، صرف ایک واقعہ اس سلسلے میں لکھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ عنایت اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک شخص ــــ جو بڑا جید فاضل تھا اور مجادلہ و مناظرہ میں بھی پوری مہارت رکھتا تھا۔ (اور جس کی سکونت غالباً دہلی کے باہر کہیں کی تھی) ــــ مجھ سے ایک دن کہنے لگا کہ میں نے شہر دہلی کے علماء و فضلاء کو آزما لیا، یہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس پر میں غالب نہ آیا ہوں ــ میں نے اس سے کہا کہ کبھی تم مجلس شیخ ابو الرضا محمد میں بھی حاضر ہوئے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ ابو الرضا محمد عوام کے سامنے تفسیر حسینی کا وعظ بیان کیا کرتے ہیں اور اس سے زیادہ ان کا مبلغ علم نہیں ہے۔ میں نے کہا ایسی بات نہ کہو، ان سے ملاقات تو کر لو، چنانچہ وہ جمعہ کے دن مجلس وعظ میں آیا، وعظ کے بعد اس کے دل میں یہ آیا کہ ان سے مناظرہ کروں، حضرت نے اس وقت اس کی جانب ایک خاص توجہ فرمائی، اس توجہ کا ہونا تھا کہ اس کا عجیب حال ہو گیا، صرف و نحو کا کوئی قاعدہ تک اس کے حافظے میں نہ رہا، دیگر علوم کا تو کیا ذکر ہے ــــ اس نے جب اپنا یہ حال دیکھا تو ندامت کے ساتھ اظہار نیازمندی

کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا بھائی میں عالم نہیں ہوں میں تو صرف تفسیر حسینی کا وعظ عوام کے سامنے بیان کیا کرتا ہوں، اس نے کہا کہ اب میں اپنے قول و اعتقاد سے توبہ کرتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے اس کو بیعت نہیں کیا اور یوں فرمایا کہ جن تختیوں پر نقوش قائم ہو جاتے ہیں پھر وہ کام میں نہیں آتی ہیں۔

ملفوظات آپ کے بہت سے ملفوظات حضرت شاہ صاحبؒ نے نقل فرمائے ہیں جو آپ کی علمی و روحانی بلندی کو ظاہر کرتے ہیں ان میں سے چند ملفوظات یہاں لکھتا ہوں۔

(۱) فرمایا ـــــ سب سے اچھی ریاضت، کھانے پینے میں توسط و اعتدال اختیار کرنا ہے ـــــ دوام توجہ کے ساتھ ـــــ یہاں تک کہ دوام توجہ ملکہ بن جائے۔

(۲) فرمایا ـــــ جب حضوری کی کیفیت جاگزیں ہو جاتی ہے تو پھر وہ گفتگو کرنے یا اسی طرح کے مشاغل سے زائل نہیں ہوتی ہاں اگر علوم دقیقہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہوگا تو ایک خفیف سا حجاب ضرور واقع ہو جائے گا۔

(۳) فرمایا ـــــ ایک عارف کو یہ بات نہ چاہیے کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف مائل کرے اور اس کی توجہ اپنے شیخ کی طرف سے پراگندہ کر دے، وہ مرید خوشامد و اصرار کرے تب بھی اسکو اسکے شیخ کے سپرد کر دے۔ لیکن اگر اس کا شیخ وفات پا چکا ہو یا کہیں (دور دراز علاقے میں) چلا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴) فرمایا ـــــ کہ ائمہ اہل بیت کی طرف سے اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی انکار اور رد ثابت نہیں ہے، یہ بات (کہ اہل بیتؓ نے صحابہؓ کا انکار کیا ہے) محض (بدعقیدہ لوگوں کا) افترا ہے۔

(۵) فرمایا ـــــ نجات، تقلید انبیاء علیہم السلام میں مضمر ہے۔ انبیاءؑ کی تقلید عقائد کے اندر بغیر زیادت و نقصان کے ہونی چاہیے ـــــ جیسا کہ قدماء اہل سنت کا مذہب ہے ـــــ ہاں اگر کوئی کسی صاحب کشف سے فیض پائے ہوئے ہو اور وہ اُن عقائد کی تفصیل و تحقیق کر کے دوسروں کو آگاہ کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۶) فرمایا ــــ اگر کسی کو امرِ منکر کا مرتکب دیکھو تو جان لو کہ یہ بھی ارادۂ الٰہی کے بغیر نہیں ہے ــــ لیکن اُس شخص کو نصیحت وتذکیر بھی ضرور کرنی چاہیے۔ فانّ الذکریٰ تنفع المومنین اس لیے کہ نصیحت وتذکیر مومنین کو نفع پہونچاتی ہے۔ اب چاہے سَو میں سے ایک کو نفع پہونچے ــــ بالکل ایسا سمجھو کہ کسی کی کنیزک بھاگ جائے اور وہ ہر کوچہ و بازار میں آواز لگائے ــــ اگرچہ کنیزک کسی ایک جگہ موجود ہو اور اس کی خبر بھی ہزاروں سننے والوں میں سے کوئی ایک ہی لائے

(۷) فرمایا ــــ ایک فاضل نے ایک صوفی سے دریافت کیا کہ صوفیاء اتنی ریاضات اور اتنے مجاہدات کیوں کرتے ہیں؟ صوفی نے جواب دیا کہ اگر تجھ سے کہا جائے کہ اتنی محنت کرے گا تو تجھے سلطنت مل جائے گی یا بادشاہ تیرے پاس آئے گا ــــ پھر تو محنت ومجاہدہ کرے گا یا نہیں؟ فاضل نے کہا کہ ایسی صورت میں تو ہر کوئی محنت ومجاہدہ کرے گا۔ صوفی نے کہا کہ بسبب ریاضات ومجاہدات حضرتِ حق باعظمتِ اُلوہیت خانۂ قلوب صوفیاء میں جلوہ گر ہوجاتے ہیں، پھر وہ ریاضات ومجاہدات کیوں نہ کریں؟ ــــ

(۸) اِذا تحیّرتم فی الامورِ فاستعینوا باصحابِ القبور۔ (یعنی جب تم امورِ دنیا میں متحیر و پریشان ہوجاؤ تو اصحابِ قبور سے استعانت کرو) اس مقولے کے بارے میں فرمایا کہ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ احوالِ موتیٰ کو یاد کرنا اور اُن سے عبرت حاصل کرنا ــــ امورِ دُنیا سے توجہ کو ہٹادیتا ہے اور فکرِ معاش کو مضمحل کردیتا ہے (لہذا قبر کا دھیان فکرِ دنیا کو کمزور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے) ــــ

(۹) فرمایا ــــ لوگوں کے اولیاء سے انکار کا ایک بڑا سبب شرکتِ مکان ہے کہ ایک محلے میں یا ایک شہر میں سکونت رکھتے ہوں اور شرکتِ زمان بھی ایک سبب ہے کہ ہمعصر و معاصر ہوں ــ اور شرکتِ نسبت بھی ایک سبب ہے کہ وہ ولی عزیزوں میں سے ہو ــــ عوام اکثر اُس شخص کے معتقد ہوتے ہیں جو خدام بہت رکھتا ہو اور عبادت بھی بہت کرتا ہو اگرچہ وہ عبادت ریا و عُجب کے ساتھ ہو۔

(۱۰) فرمایا ــــ علم الیقین ــــ دھواں دیکھ کر آگ کے وجود پر استدلال کرنا ہے۔

عین الیقین براہ راست آگ کو دیکھنا ہے۔ اور حق الیقین اپنے اندر آگ کا علم ہونا ہے۔
مشاہدہ، عین الیقین میں ہوتا ہے اور وصول و شہود، حق الیقین میں ــــ

تالیفات علاوہ مجموعہ مکتوبات کے آپ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام اصول الولایۃ لاھل العنایۃ ــ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ احقر کے مطالعہ سے گزرا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے انفاس العارفین میں اس رسالے کے بھی کچھ اقتباسات درج فرمائے ہیں۔

وفات حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ مظفر رہتکی ذکر کرتے تھے کہ حضرت ایشانؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہوگی ــ جب حضرتؒ کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہوگئی تو مجھے برابر آپ کی وفات کا اندیشہ لگا رہا۔ جب آپ کی عمر پچپن سال کی ہوگئی تو مجھے ایک تقریب میں شرکت کے لیے رہتک جانا ہوگیا۔ چلتے وقت میں نے ہمت کر کے اپنا اندیشہ ظاہر کیا اور اس سلسلے میں استفسار کیا۔ حضرتؒ نے تبسم فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم کو وطن جانا چاہیئے۔ اس فکر میں مت پڑو ــــ میں رہتک چلا گیا، میرے پیچھے حضرت کا انتقال ہوا ــــ جب رہتک سے واپس آیا تو شاہ سعداللہؒ گلشن دہلویؒ نے (جو حضرت شیخ عبدالاحدؒ کے مشہور خلیفہ اور ہندوستان کے معروف شاعر ہیں) مجھے حضرتؒ کے اواخر ایام حیات کا ایک واقعہ سنایا جس میں حضرت شیخ عبدالاحدؒ نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا وفات سے کچھ دن پہلے ملاقات کے لیے تشریف لانا اور دیگر تمام باتیں تفصیل سے بیان کیں[1]

پیر بھائیوں نے اس طرح بیان کیا کہ حضرت چند روز پیشتر کچھ کسل اور کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ دو ایک دن پیشتر سے کھانے کی طرف بالکل رغبت نہیں رہی تھی، نیز چیزوں سے پہلے سے بھی زیادہ بے تعلقی پیدا ہوگئی تھی۔ کسی چیز کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ وفات کے دن جب نماز عصر کے لیے مسجد میں جانا چاہتے تھے تو اہل خانہ سے ملنے گئے اور

---

[1] شوارق المعرفۃ (مترجمہ انفاس العارفین) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالرضا محمدؒ کی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ عبدالاحدؒ کی قریبی رشتے دار تھیں۔

وہاں سے اس طرح رخصت ہوئے جیسے کہیں سفر پر جانے کی تیاری کر رہے ہوں۔ نمازِ عصر پڑھنے کے بعد مقامات حضرت خواجہ نقشبند کو مطالعے کے لیے طلب کیا۔ ایک مرید نے اس وقت حضرت کے سامنے (تھالی میں) پان پیش کئے۔ ایک دو پان اس میں سے لے کر کھائے۔ پھر خنداں و شاداں اپنے تکیے سے ٹیک لگائی بس اتنی ہی دیر میں دیکھتے دیکھتے آپ کی روح مائل پرواز ہوگئی ——

نزع کے عالم میں اپنے بھائی سیدنا حضرت شیخ عبدالرحیمؒ کی طرف اشارہ کیا کہ ان کو بلاؤ۔ کچھ لوگ ان کو بلانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور کچھ لوگ یہ گمان کر کے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی آپ کو اٹھا کر گھر تک لائے اس وقت حضرت شیخ عبدالرحیمؒ آگئے۔ دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ روح مبارک پرواز کر چکی ہے —— یہ واقعہ ۱۷ر محرم الحرام ۱۱۰۱ھ[1] کا ہے۔

مزار مزارات اولیاء دہلی میں ہے کہ آپ کا مزار بی بی فاطمہؒ کے مزار سے آگے جو نو محلہ کو راستہ جاتا ہے وہاں ہے اور بی بی فاطمہؒ کا مزار قلعۂ کہنہ کے سامنے سڑک سے دائیں طرف جو مسجد و مدرسہ سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے اس کے برابر سے کچے راستے جا کر تھوڑی دور گنجان درختوں میں ایک چار دیواری کے اندر ہے۔ (مزارات اولیاء دہلی ص ۲۲ و ۲۳)

اولاد ملفوظات کے ضمن میں شیخ مظفر رہتکیؒ کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کئی صاحبزادے تھے۔ مگر نام صرف ایک صاحبزادے شیخ محمد فخر العالم کا ملتا ہے جو سب سے بڑے تھے اور جنھوں نے اپنے والد ماجد کے مکتوبات کو جمع کیا ہے ——

(باقی)

---

[1] انفاس العارفین ہی میں ہے کہ بعض مریدوں نے آپ کی تاریخ وفات "آفتاب حقیقت" سے نکالی ہے۔ مگر اس مادے سے ۱۱۰۳ھ برآمد ہوتے ہیں —— واللہ اعلم بالصواب

دربارِ عالمگیری

(از جناب ڈاکٹر سید مصطفےٰ حسن علوی ایم اے (پی ایچ ڈی)

(۵)

ملا عبدالسلام دیوی مذکور الذکر کو تلمذ اپنے والد بزرگوار سے بھی تھا اور دربار عالمگیری سے الحاق کے قبل دربار شاہجہانی سے ان کے تعلقات رہے ہیں، اور وہی زمانہ تھا کہ جب غالباً منار وغیرہ کی شرح کے قبل یا اس کے ہی دوران میں افضل الدین خاقانی شروانی کی کتاب تحفۃ العراقین کی شرح لکھی تھی، اسی میں حمد و نعت اور منقبت کے بعد وجہ تصنیف پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے نام سے پہلے

خوشہ چین خرمن دانائی عبدالسلام درشیخ کبیر

لکھنے کے بعد یوں رقمطراز ہوئے ہیں کہ بعضے

دوستان و یاران ارجمند

کے پیہم اصرار سے

دریں اوان فرخندہ زمان سعید کہ ہزار و پنجاہ و ہفت ہجری است موافق سنہ جلوس بست میمنت مانوس سلطان سلاطین جہان خاقان خواقین قطب سپہر سلطنت آفتاب آسمان خلافت شہنشاہ دیں پناہ شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ در مدت پانزدہ روز از کمین بطون بمعرض ظہور جلوہ داد۔

تھے تو عالم بڑے پائے کے اور ان کی موت "موت العالم موت العالم" کی مصداق بنی ہوگی لیکن تذکرہ نویسوں نے سنہ وفات کہیں لکھا نہیں، مآثر الکرام میں علامہ سید غلام علی بلگرامی نے بس صرف یہ لکھ دیا کہ دیوی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے، لاہور تشریف لے گئے تو اپنے ہم نام ملا عبد السلام لاہوری سے علمی استفادے کیے اس کے بعد بہ عہد شاہجہانی

چندے بہ منصب افتا عسکر نامور گردید

عہد عالمگیری سے اتصال اور مشاغل کا تذکرہ نہیں کیا۔

شیخ عظمت اللہ کاکوروی

ملا عظمت اللہ ان کے والد ملا عزیز اللہ یہ قصبہ کاکوری مضافات لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ان کو دربار عالمگیری میں خاص تقرب حاصل رہا، یہ اپنے عہد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے رہے۔ خداداد ذہانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر کم ہی تھے، علوم دینیہ اور خاصکر فقہ اور جزئیات فقہ میں ایسے حاوی تھے کہ عالمگیر نے اپنی بیٹی زیب النساء کو فقہ کی تعلیم انھیں سے دلائی۔ کتاب چشمۂ فیض میں منشی فیض بخش ان کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

ملا عظمت اللہ کہ فضیلت برجستہ می داشت نواب زیب النساء بیگم بنت عالمگیر را مسائل فقہی تعلیم می فرمود وایں حویلی موسومہ بہ پرانی حویلی کہ سابق از خشت پختہ بود جانی خان در عہد آصف الدولہ خشتہائے آں را بردہ بعد ازاں شیخ طفیل علی آنرا خام درست کردند و بلا شرکت در تصرف فرزندان شیخ غلام نبی مرحوم ست احداث کردۂ ملا عظمت اللہ بود۔

اس کے علاوہ جواہر الانشا میں شیخ غلام مرتضیٰ کے ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔

" ملا عظمت اللہ توسل از سرکار زیب النساء صبیۂ عالمگیر بادشاہ گرفتہ بود نواب محمد یار خاں پسر بہمن یار کہ از عظماء دربار شاہی بود بس شفقتہا و عطوفت بملا مرحوم می کرد چنانچہ خدمت فوج داری و امانت سرکار خیرآباد و معاملات دیگر بتوجہاتش بنام پسر شان جار اللہ مقرر و مفوض گشت۔"

ملا جار اللہ

ان کی تعلیم و تربیت علاوہ دیگر سرآمد روزگار علما و فضلا کے اپنے والد بزرگوار ملا عظمت اللہ استاد زیب النسا دختر عالمگیر سے ہوئی اور ان کی نشو و نما شاہان دہلی کی درباری فضاؤں کی منت کش ہے، قسمت کے بڑے یاور تھے سن رشد ہی سے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ انھیں منتظم الملک کا خطاب عالمگیر نے دیا اور شاہی مصالح کی دیکھ بھال کے صلہ میں ہفت ہزاری کے منصب پر فائز رہے، ان کو ترخانی پوزیشن بھی حاصل ہوئی اور اس پوزیشن کی بدولت یہ مختلف ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے اور انھیں خلعت اور طرح طرح کے انعام اور ایک وافر سالانہ رقم برابر خزانۂ شاہی سے ملتی رہی "ترخان" قدیم ترکوں کا ایک اعزازی لقب تھا ترکی کے لفظی معنی امان نامہ یا سندِ امارت کے تھے[۵] یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عالمگیر اپنے آبا و اجداد کی روش کے خلاف خطابات دینے میں بہت ہی سخت اور محتاط تھا اور چھان بین کی جائے تو پتہ چل سکتا ہے کہ اس کے زمانے میں سوائے غیر معمولی خدمات والوں کے دوسروں کے لیے یہ عنایتیں خال خال ہی ہوئی ہیں لیکن ملا جار اللہ کی رفعت شان کی یہ ایک دلیل ہے کہ ان کو سب طرح کے خطابات و انعامات سے نوازا گیا، کشف المتواری میں میر شاہ تراب علی لکھتے ہیں :-

"شیخ جار اللہ منصب دار بادشاہی دو سالہ دار صاحب فیل و سوار شدند۔ و زیادہ تر از پدر خود صاحب اقتدار و نامدار شدند"

انھیں جاگیر میں قصبہ جھونہ ملا تھا اور وہاں ہی جار اللہ نگر نام سے ایک بستی بسائی تھی جب چلتے اور سفر کرتے تھے تو توپوں کی سلامی دی جاتی اور ایک بڑی تعداد خدم و حشم کی ہوتی تھی، چنانچہ "چشمۂ فیض" میں منشی فیض بخش کا بیان ان کے متعلق یہ ہے۔

قصبۂ جھونہ کہ متصل باڑی ست در جاگیر او بود ..... حالا ویران ست ..... چہار

۵۔ تاریخ بخارا و میری

زنجیر فیل و چہار ضرب توپ باخودمی داشت و دہ ہزار سوار و پیادہ ملازم رکاب او بودند
...... افاغنۂ ملیح آباد...... کہ نواب می گویانید ند و افاغنۂ رو سا ور ام نگر و عالم نگر
ہمیشہ رفیق و نوکر او بودند۔

اثاث البیت کی وہ فراوانی تھی کہ اپنے گھر پر اس کے رکھنے کی گنجائش نہ پاکے دوسری حویلی تعمیر کرائی۔

چوں در حویلی گنجائش خود و سامان خویش نیافت حویلی دیگر در مقابل آں معہ برج
اربعہ و اندرون آں حویلی و دیوان خانۂ وسیع و رفیع مشتمل بر امکنۂ متعددہ و دروازۂ
بزرگ کہ فیل با عماری در آید و بالائے آں بارہ دری خوبصورت خوش ترکیب پائین
آں طویلہ اسپان و بیرون آں جلو خانہ و بازار با دوکا ہنائے پختہ بکمال استحکام
بنا نہادہ۔

یہ بڑے صاحب دل مخیر اور فیاض تھے جواہر الانشا میں منشی غلام مرتضیٰ سے ان کی فیاضی پر یہ ریمارک ہیں۔

شیخ فیاضے بود کہ با خویشان و اقارب علی قدر مراتب سلوک و مراعات
می نمود اسپان و زرہا بر قوم در مردم برادری تقسیم می نمود... و مردم برادر ماش
از کوچک و بزرگ محروم نگذاشت...... مردم بفیاضیش منصبہا بر داشتند و
خوش زندگانی کردند۔

اس صاحب حشمت شخصیت اور اس ذات پرشکوہ کی یاد چند زبانوں پر ہے یا چند صحیفوں میں، اس کے علاوہ ان کے بنا کردہ قلعہ کے کچھ حصے بارہ دری محل اور ایک مسجد سے باقی ہے، باقی رہے نام اللہ کا۔ اس کے علاوہ ایک قرولی جس کے دستہ پر جواہرات جڑے ہیں اور میان پر اعلیٰ قسم کی مینا کاری موجود ہے۔ ان کی قبر قصبہ کاکوری کے تکیہ بے نوا شاہ میں اسپتال کی عمارت کے مضافات میں اب تک ہے اور زبان حال سے اپنی ویرانی کا مرثیہ پڑھ رہی ہے اور گویا گزرنے والوں سے کہہ رہی ہے ؎

فاتحہ پڑھتے چلیں تربت ترخان پہ ذرا　　ان سے مقدور بھی ہو فرصت یک دم تو کہاں ہو

لیکن بایں ہمہ لوگ پاس سے گزرتے ہیں اور کسی کو توفیق نہیں ہوتی، یہی شخصیت وہ شخصیت تھی کہ بقول صاحب جواہر الانشا۔

"در عہد عالمگیر بادشاہ ہیچ کارے بے ضابطہ از خطاب و سواری فیل و پالکی جھالر دار و عطائے سر پیچ مرصع نمی شد واحدے را مجال و یارائے نہ کہ از مرکز اعتدال و مرتبہ خود پا بیروں گذارد و کارے خلاف ضابطہ نماید لیکن شیخ (حبار اللہ) از حضور بادشاہ بہ منصب دو ہزاری سرفرازی می داشت و عطائے پالکی جھالر دار و سر پیچ مرصع شدہ مامور بہ سواری فیل بود و ہم ہفت ہزار سوار و پیادہ بدستخط خود نوکر گرفتہ عمل محالات متعلقہ می نمود و سامان کار می داد۔

مولوی حکیم عبداللہ

عہد عالمگیر کی نامور شخصیتوں میں سے ہوئے ہیں، دربار سے تعلق بھی ان کا رہا انھوں نے عمر سو سال سے بھی زائد پائی اور عالمگیر کے بعد کے دربار بھی انھوں نے دیکھے کہتے ہیں کہ ان کے مزار پر پانی چھڑک کے دعائیں لوگ مانگتے اور باران رحمت کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو بارش ہو جاتی۔ ان کا مزار قصبۂ کاکوری کے ایک محلہ ولی نگر میں ہے۔ اہل قصبہ ان کے دوران قیام وطن میں آتے اور ان کے ملفوظات سے مستفید ہوتے یہی جواہر الانشا کے مصنف جن کا ذکر صفحات ماقبل میں ہوا ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہوئے ہیں۔ فن طب میں کمال رکھتے اور نباضی میں شہرہ آفاق انھیں حاصل ہوا، بڑے بڑے امرا اور نواب زادے مزمن اور مہلک بیماریوں میں ان کا علاج کر کے فائدے اٹھاتے اور انھیں جاگیروں سے نوازتے، یہ اکیس سال محض علم طب کے حصول میں وطن سے باہر رہے اور جب وطن اس مدت مدید کے بعد آئے تو اعزہ واقربا کو ان کی شناخت کرنے میں دشواری ہوئی، ان کی فراست اور رسائی دماغ کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص ان کے سامنے سے گزرا جو بظاہر اچھا خاصا تھا آپ پاس والوں سے اس کو دیکھ کے کہنے لگے کہ آپ لوگ اس متحرک مردے کو دیکھ لیں اس میں قوت اور سکت نہیں مگر بس پھر رہا ہے، اس کے مرنے کے دن قریب ہی ہیں، چنانچہ ایسا ہوا کہ ایک ہی ہفتہ میں

مرض کا بحران ہوا اور وہ چل بسا، اکثر تشخیص مرض کے لیے نبض اور قارورہ بھی نہ دیکھتے اور صورت دیکھ کے مرض کو تاڑ لیتے۔ ان کا بیشتر وقت یادِ الٰہی اور کتب حکمت کے مطالعہ میں گزرتا، ذات الجنب تپ دق اور اسہال کبدی کے بڑے بڑے پیچیدہ علاج کیے اور مریضوں کو شفا ہوئی، ان کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ خواہ کیسے ہی ذی ثروت لوگ ان کو علاج کے لیے گھر پر بلاتے مگر وہ کہیں نہ جاتے، ان کے تحفہ تحائف قبول کرنے سے بھی احتراز کرتے، بڑے قانع اور بڑے صابر و ضابط تھے۔ شروع شروع شیخ ثناء اللہ لکھنوی کی ہمراہی میں دلی گئے اور بعد چندے منصب دار شاہی ہو گئے۔ زمانہ طفولیت ان کا اپنے والد ماجد کی نگرانی میں گزرا خوش نویسی کی مشق حاصل کی اور وقت کے بڑے بڑے خوش نویسوں پر فوقیت حاصل کر لی۔ فارسی پڑھی تو ایسی کہ اس میں ید طولیٰ انھیں حاصل ہو گیا۔ نیز نثر نویسی اور شعر گوئی میں انھیں پورا پورا امتیاز حاصل تھا ان کے اکثر معاصرین ان کی شاگردی کا دم بھرتے، دست کاری میں بھی امتیاز حاصل تھا۔ لوگ ان کی دست کاری کا لوہا مانتے۔ جب یہ سب کچھ حاصل کر چکے والد ماجد کے حکم سے علوم عربیہ کی تحصیل میں لگ گئے۔ ابھی متوسطات تک پہونچے تھے کہ والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ انھیں کے مضافات میں کسی راجہ کے یہاں نوکری کر لی اور ۱۲ برس تک اس راجہ کی مصاحبت میں عیش و عشرت سے گزر اوقات کی۔ اتفاق سے راجہ علم موسیقی کا بڑا شائق تھا اس فن سے خود تو واقف تھا ہی اسکے دربار میں بڑے بڑے موسیقی کے ماہر جمع رہتے ان کی دیکھا دیکھی مولوی حکیم عبد اللہ کو بھی شوق دامنگیر ہوا اور ۱۲ سو روپئے جمع کر کے آلات موسیقی خریدے، خود نہایت ہی خوش گلو، خوش لحن اور خوش آواز تھے یہ اس کے بعد ہوا کہ ملازمت سے برداشتہ خاطر ہو کے کل سامان عیش اثاثہ اور گھوڑا اسک بیچ ڈالا اور اس کو بیچ کے فن طب کی کتابیں خرید لیں کبھی کبھی اس عہد کے حکماء سے درس لیتے اور ادھر ادھر کچھ پڑھتے رہتے۔ عطاروں کی دوکانوں پر بیٹھ کے دواؤں کی ناپ تول اور دواؤں کی پہچان حاصل کرتے رہے اور کہتے ہیں کہ حکیم علوی خاں دہلوی سے انھوں نے رجوع کیا اور فن سکے کامل نے، جب علم طب سیکھنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ سے یہ عہد بھی کر لیا کہ شفا ہی دوا کرو دوں گا۔ علوی خاں نے انھیں بہت سے ذاتی مجربات بتائے۔ مطب میں ان سے نسخے لکھواتے اور کبھی کبھی فن طب کے علاوہ دوسرے فنون کے درس بھی دیتے۔ بعد حصول طب وطن آ کے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور خلق اللہ کو طرح طرح کے فائدے پہونچاتے رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ
وحید الدین خاں

لبرل اسلام

مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام پر جس نظرثانی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، اس کے تعارف کے طور پر الفرقان، اپریل ۱۹۶۵ء میں ایک تحریر "لبرل اسلام" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ یہ دراصل مسٹر آصف فیضی کی کتاب[1] A MODERN APPROACH TO ISLAM کا ایک حصہ تھا، ذیل میں اس کتاب کے چوتھے باب اسلام کی تعبیر نو (THE REINTERPRETATION OF ISLAM) کا ترجمہ دیا جارہا ہے۔

اسلام کا مطالعہ، ایک تاریخی مظہر کی حیثیت سے، پچھلی دو صدیوں میں نہایت احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہے، سولہ یا سترہ ملکوں میں اس کا پھیلاؤ اور اس کے پیرووں کی کثرت، مختلف اقتصادی، مذہبی اور نسلی قوتوں کا نتیجہ تھا۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً چار سو ملین ہے۔ اب یہ عام طور پر مان لیا گیا ہے کہ اسلام نے ایک عظیم تہذیب پیدا کی۔ اور یہ کہ ادب، سائنس، فلسفہ، دینیات، تاریخ اور قانون کو ترقی دینے میں اس کے علماء کا اہم حصہ ہے۔ جمالیات کے میدان میں مسلمان تعمیرات کے اعتبار سے سب سے آگے تھے۔ اس کے آرٹسٹوں نے نقاشی اور موسیقی پر گہرا اثر ڈالا، اور دستکاری مثلاً برتن سازی، پچہ کاری، خطاطی، جلد سازی، زردوزی، لباس سازی اور طباخی کے فنون کو ترقی دی۔ اور اب، تاخیر کے بعد، علماء کے درمیان عام طور پر تسلیم کیا

---

[1] ایشیا پبلشنگ ہاؤس، بمبئی ۱۹۶۲ء، صفحات ۱۲۰۔

گیا ہے کہ اسلام کا پھیلاؤ خون کے پیاسے اور آستین چڑھائے ہوئے عربوں کی تلوار کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ محمد ابن عبداللہ کی تعلیمات اور آپ کی شخصیت کا نتیجہ تھا جن کو ٹائن بی انسانیت کے عظیم محسنوں میں سے ایک شمار کرتا ہے۔[۱]

یہ ایک تازہ ترین خیال ہے۔ ورنہ قدیم یورپ میں محمدؐ کو مرگی زدہ، جعل ساز، تفرقہ انداز اور جھوٹا رسول سمجھا جاتا تھا اور کافرانہ بت پرستی کے موضوع (PAGAN IDOL) سے زیادہ آپ کی حیثیت نہیں تھی۔ رائے کی یہ تبدیلی اسلام اور اس کی زبانوں کے مطالعہ میں اضافہ کی وجہ سے ہے اور صداقت کے اس انکشاف کی وجہ سے ہے جو علمی تحقیق کا طریقہ اختیار کرنے کے بعد حاصل ہوئی ہے! "ایک جھوٹا رسول جو وحشیانہ قوت استعمال کرنے کا عادی تھا" — یہ تاریخ کی اہم ترین تہذیبی قوتوں میں سے ایک (اسلام) کی بالکل سادہ سی توجیہہ بن گئی تھی۔ گاندھی کے ظہور اور ہندوستان کی آزادی کے بعد ثابت ہو گیا کہ انسانی قوت کے مقابلہ میں تلوار ایک کمزور ہتھیار ہے۔ اس طرح علمی دنیا آہستہ آہستہ اسلام کو مطالعہ کا ایک قیمتی موضوع سمجھنے کی طرف آئی اور اب یہ ایک بدیہی مسلمہ قرار پا چکا ہے کہ اسلام اور اس کی قوتوں کا فہم اس کے مذہب اور قانون کے گہرے مطالعہ کے بغیر ناممکن ہے۔ یورپی مستشرقین نے انیسویں صدی کے دوران میں اس اعتبار سے کافی کام کیا ہے۔ مگر ہمارے اوپر سب سے زیادہ احسان ڈچ مستشرق سی۔ اسنوک ہرگرونجی (C. SNOUCK HURGRONJ) کا ہے جو اسلامی فلسفہ قانون کے مطالعہ کے جدید اسکول کا بانی ہے۔ اس کے بعد گولڈزیہر (GOLDZIHER) ونسنک (WENSINCK) برسٹراسر (BERSTRAESSER) نے اس کی پیروی کی۔ اور اب اس زمرہ میں سینٹلانا (SANTILLANA) ملیٹ (MILLIOT) شاخت (SCHACHT) اور ٹائن (TYAN) کے نام ہیں۔ ہے

اسلام میں قانون (LAW) مذہب (RELIGION) سے الگ نہیں۔ دونوں دھارے ایک ہی نہر میں بہتے ہیں اور ناقابل امتیاز ہیں۔ ان کو شریعت اور فقہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ گویا اسلام کے مذہبی قانون کے دو پہلو ہیں۔ شریعت کا دائرہ زیادہ وسیع ہے وہ اپنے حلقہ میں

---

[۱] CIVILIZATION ON TRIAL (LONDON 1953), 1960.

سارے انسانی اعمال کو لے لیتی ہے۔ فقہ نسبتاً محدود ہے اور اسی شعبہ سے بحث کرتی ہے جس کو عام طور پر قانونی اعمال (LEGAL ACTS) کہا جاتا ہے۔ شریعت ہمیشہ ہم کو الہام کی یاد دلاتی ہے۔ یعنی وہ علم جس کو ہم قرآن و حدیث کے سوا کہیں سے حاصل نہیں کر سکتے۔ فقہ میں عقلی قوتوں پر زور ہے اور علم نبوت سے استنباط کیا جاتا ہے۔ شریعت کا راستہ خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر دیا ہے، فقہ کی عمارت انسانی کوششوں سے کھڑی ہوتی ہے۔ فقہ میں کوئی عمل قانونی ہوتا ہے یا غیر قانونی، ما یجوز و ما لا یجوز، جائز یا ناجائز۔ اور شریعت میں پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے اعتبار سے عمل کے مختلف درجے ہیں۔ فقہ ایک اصطلاح ہے جو قانون کے لیے فنی مفہوم میں استعمال ہوتی ہے اور شریعت راستبازی کا وہ قانون ہے جو براہ راست خدا نے مقرر کیا ہے۔ تاہم صفائی کے ساتھ یہ اعتراف کیا جا سکتا ہے کہ دونوں کے درمیان امتیازی خط صاف طور پر کھنچا ہوا نہیں ہے اور مسلم علماء خود بھی اکثر اوقات دونوں اصطلاحوں کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام انسانی اعمال کا معیار (CRITERION) خواہ وہ شریعت کے دائرے کا ہو یا فقہ کے دائرے کا، ایک ہی ہے ــــــ اور وہ ہے ایک معیاری ضابطہ کی پیروی کر کے خدا کی رضا حاصل کرنا ـ ۸۶

مذہب کا دعویٰ ہے کہ خدا ایک ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں، جمہوریت کا اصرار ہے کہ اسٹیٹ ایک ہے اور اس کے قوانین سب پر یکساں حیثیت سے عائد ہوتے ہیں، قوانین غیر شخصی اور خارجی احکام (OBJECTIVE RULES) ہیں جن کو ریاست اپنے تمام شہریوں پر بلا استثنا نافذ کرتی ہے۔ مگر مذہب کی بنیاد عظیم معلمین کے شخصی تجربات پر ہے۔ اس کی اپیل شخصی، فوری اور وجدانی ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے احکام اور اس کے طور طریقے کسی گروہ میں عمومی حیثیت سے نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ اس کا اندرونی عقیدہ مخصوص طور پر شخصی ہے، کوئی ریاست مذہبی وفاداری کو اس طرح بالجبر نافذ نہیں کر سکتی جس طرح وہ اس کے قوانین کو نافذ کر سکتی ہے۔ مذہب اسلام ایک خدا اور اس کے پیغمبروں پر عقیدہ رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر اسلام ایسا نہیں کر سکتا اور نہ اسے کرنا چاہئے کہ وہ متعین کرے کہ کس طرح لوگوں کے اوپر اس عقیدے کی اطاعت کو بزور نافذ کیا جائے۔ بزور نافذ کرنے سے مراد (۱) ایک چیز

کے کرنے کا حکم دینا اور (۲) اس کی عدم تعمیل پر سزا دینا ہے، عقیدے کا ایک معاملہ کس طرح خارجی طاقت کے ذریعہ نفاذ کا معاملہ بن سکتا ہے۔ ایک معلم مجھے تعلیم دے سکتا ہے، وہ اپنے نمونہ سے مجھے متاثر کر سکتا ہے، وہ میرے جذبات کو بھڑکا سکتا ہے، مگر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنے عقیدے پر مجبور کر سکے۔ اس طرح ایک قانونی حکم جو بذریعہ ریاست نافذ کیا جا سکتا ہے اور ایمان و ضمیر جو تمام تر ایک شخص کا ذاتی معاملہ ہے، دونوں کے درمیان کھلا ہوا فرق ہے۔ ۵۶

آج اسلام کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے۔ شریعت، قانون اور مذہب دونوں پر مشتمل ہے۔ مذہب کی بنیاد روحانی تجربہ (SPIRITUAL EXPERIENCE) پر ہے۔ قانون کی بنیاد اجتماع کی خواہش پر جو اس کی مقننہ کے ذریعہ ظاہر ہوئی ہو یا کسی ایسے حاکم کے ذریعہ ظاہر ہوئی ہو جو قانون سازی کا مجاز ہو۔ مذہب اپنے اندرونی مغز کے اعتبار سے ناقابل تغیر ہے۔ یہ اندرونی مغز ہے خدا کی محبت خدا کے لیے جس کے ترانے تمام دنیا کے عارفوں اور صوفیوں نے گائے ہیں۔ اگر شریعت ان دونوں چیزوں کا نام ہے تو ہر ایک دوسرے کو برابر مخالف سمت میں کھینچتی رہیں گی۔ خدا کی معرفت ایک راز ہے اور انسان ہمیشہ اس کی تلاش میں رہے گا۔ اس تلاش میں ہر عقیدے کے لوگ بلا لحاظ مذہب برابر ہیں۔ مگر قوانین میں ملک ملک اور زمانے زمانے کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، ان کے لیے ناگزیر ہے کہ سماج کے بدلتے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ عربوں کے قوانین اسکیمو پر منطبق نہیں کیے جا سکتے، آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کے قوانین اتر پردیش کے زرخیز علاقے کے لیے غیر موزوں ہیں۔ قوانین وقت اور حالات کی کٹھالی میں دھات کی مانند ہیں۔ وہ پگھلتے ہیں، وہ آہستہ آہستہ مختلف شکلوں میں منجمد ہوتے ہیں۔ وہ دوبارہ پگھلتے ہیں اور مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ ارتقاء کا یہ طریقہ انسانی سماج سے ہم رشتہ ہے۔ کوئی بھی چیز ساکن نہیں ہے سوا اس کے جو مردہ اور خالی از حیات ہو۔ قوانین بھی ساکن نہیں رہ سکتے۔ ہندوستان ہماری آنکھوں کے سامنے بقیہ دنیا کے ساتھ تبدیل ہو رہا ہے۔ یہ تبدیلیاں نتیجہ ہیں فطرت کے اوپر ہمارے کنٹرول کا، زندگی کے بارے میں ہمارے تصورات کا، اور ہماری اس خواہش کا

کہ ہم انسان کے سماجی حالات کو ترقی دیں۔ ہماری مقننہ قوانین کا ایک سیلاب بہا رہی ہے اور قانون سازی کی یہ کوشش سماج کے اندر ہمارے عمل کو متعین کر رہی ہے۔ ۸۷

مگر انسان کا ذہن اور اس کا ضمیر آزاد ہیں۔ اس کو اجازت ہونی چاہیے کہ کائنات کی آخری حقیقتوں کے بارے میں جو عقیدہ چاہے رکھے۔ اس کے عقیدہ اور خیال کو بیڑی نہیں پہنائی جا سکتی۔ اس طرح اسلام میں ایک اندرونی کشمکش جاری ہے۔ اولاً مذہبی قانون کے عمر رفتہ تصورات (AGELESS CONCEPTS) جدید تمدنی قانون سے ٹکرا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بیمہ یا وہ قرضے جو حکومت جاری کرتی ہے۔ بیمہ اور سود کا لینا یا دینا شریعت کے اعتبار سے ممنوع ہے۔ جبکہ جدید ریاست (MODERN STATE) میں نہ صرف اس کی اجازت ہے بلکہ وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ثانیاً۔ پرانے قانون کے تشدد کو ختم کرنے کے لیے اسلام کے قدیم قانون پر ایک نئے نظام کا قلم لگایا جا رہا ہے، یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک نیا قانونی مجموعہ شریعت کی جگہ لے رہا ہے۔ اول الذکر کی ایک مثال ہندستان کا اسلامی قانون ہبہ (MUHAMMADAN LAW OF GIFTS) ہے جس میں انگلستان کا اصولِ مساوات فقہ (اصل اسلامی قانون) کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ موخرالذکر کی مثال ہندوستان کا قانون شہادت ہے جس نے اسلام کے قانون شہادت کو مکمل طور پر بدل دیا ہے۔ تمام اسلامی ملکوں میں یہ دہرا عمل جاری ہے۔ دنیوی قانون (SECULAR-LAW) شریعت کے قانون کو ختم کر رہا ہے اور اس کی جگہ لیتا جا رہا ہے۔ شمالی افریقہ میں فرانسیسی اصول قانون، وسط ایشیا میں روسی قانون، ہندوستان میں انگلش کامن لا، انڈونیشیا میں ڈچ قانون، اور سب سے بڑھ کر بین الاقوامی قانون جو اتنا زیادہ متاثر ہوا ہو کہ نہ صرف قانون کا ظاہری ڈھانچہ بدل گیا ہے، بلکہ اس نے مسلمانوں کے تصور انصاف تک کو بدل دیا ہے۔

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شریعت قانون اور مذہب دونوں ہے، قانون عین اپنی فطرت کے اعتبار سے تبدیلی کو قبول کرتا ہے۔ اس کے برعکس مذہب کا مغز نا قابل تغیر ہے، یا کم از کم خدا کا عقیدہ غیر متبدل آدرش (UNALTERABLE IDEAL) ہے، ایک دوامی تلاش

(PERENNIAL QUEST) ہے۔[1] اگر اسی طرح کی دو مخالف قوتیں ایک ساتھ رکھی جائیں تو ان کے درمیان ٹکراؤ ہونا لازمی ہے۔ یہی وہ ٹکراؤ ہے جو اس کتاب کا بنیادی موضوع ہے۔ میرا حل یہ ہے کہ:

۱۔ مذہب اور قانون کی تشریح بیسویں صدی کی اصطلاحات میں کی جائے

۲۔ اسلام میں مذہب اور قانون کے درمیان فرق کیا جائے۔

۳۔ اس بنیاد پر اسلام کی تعبیر کی جائے اور اسلام کے عقیدے کو ایک نیا مفہوم دیا جائے۔

اگر اس تجزیہ سے بعض ایسے عناصر میں ترمیم واقع ہو جائے جن کو ہم روح اسلام کا جزو سمجھتے رہے ہیں یا انھیں بالکل چھوڑ دینا پڑے تو ہمیں حالات کے اس فیصلے کو قبول کرنا چاہیے۔ اگر اندرونی عقیدہ بچایا جا سکے اور اس کو طاقتور بنایا جا سکے تو اس قسم کا آپریشن، اگرچہ وہ کافی تکلیف دہ ہوگا، وہ ایک ایسے جسم کو صحت اور طاقت دے گا جو خون کی کمی کی وجہ سے سوکھ رہا ہے اور جس کی رہنمائی کے لیے کوئی تازہ آئیڈیل موجود نہیں۔ ۸۸

تعبیر نو کی ضرورت

جب ہم مسلمانوں کے عقیدے کا جائزہ لیں تو ہم کو عام طور پر راسخ العقیدہ اور غیر راسخ العقیدہ کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔ یہ کوئی علمی تقسیم نہیں ہے اور ہم کو اس مفروضہ پر نہیں چلنا چاہیے کہ ایمان وضمیر کے معاملات کی بالکل دو ٹوک طریقے سے تقسیم ممکن ہے۔ لوگوں کے عقائد میں باریک باریک فرق ہیں۔ کوئی لاادریت کا قائل ہے اور کوئی بے اعتقادی میں مبتلا ہے۔ عقیدہ کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ ریاضیاتی طرز کی تقسیم غلط نتیجہ تک پہونچائے گی۔ اس لیے ہماری عام اور لچک دار تقسیم یہ ہوگی:

۱۔ راسخ العقیدہ مسلمان۔

۲۔ غیر راسخ العقیدہ یا زیادہ بہتر الفاظ میں غیر مقلد (NON-CONFORMIST)

---

[1] پہلے مذہب کے قانونی احکام دور جدید کے لیے ناموزوں نظر آئے۔ پھر شعائر اور عبادات اور مناسک غیر ضروری روایات قرار دے کر فہرست سے خارج کر دیے گئے۔ اب عقیدہ رہ گیا تھا۔ مگر وہ بھی جدید تصورات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں کسی متعین شکل میں باقی نہیں رہا بلکہ محض ایک مجہول آئیڈیل ہو کر رہ گیا جس کی تلاش میں انسان ہمیشہ سرگرداں رہے گا اور شاید کبھی پا نہ سکے گا۔ وحید الدین

راسخ العقیدہ سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اسلام کے باضابطہ عبادتی رسوم (REGULAR RITUAL) پر اعتقاد رکھتے ہوں، خواہ اس کی پابندی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں اور وہ اب بھی اس پر مطمئن ہوں کہ بحیثیت مجموعی مذہب کا جو ڈھانچہ ائمہ نے مقرر کیا ہے، وہی اصل مذہب ہے اور عبادت کی جو رسوم ہیں وہ آج کے مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہیں اور اس میں کسی قسم کی انقلابی تبدیلی خطرناک ہوگی۔ یہ ناممکن ہے اور شائد نامناسب بھی کہ ہم اس گروہ کی مزید تفصیلات میں جائیں۔ مثال کے طور پر کچھ لوگ سنجیدگی کے ساتھ مخصوص عبادتی رسوم پر عقیدہ رکھتے ہیں اور بڑے پیمانے پر اس کے اوپر عمل کر رہے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ اگر وہ بعض احکام شریعت پر عمل نہ بھی کر پاتے ہوں تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی غفلت ہے اور یہ ان کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ عبادتی رسوم کے قدیم ڈھانچہ کو پوری طرح برقرار رکھیں۔ ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو عبادتی رسوم میں بہت معیاری ہیں مگر عقیدہ اور کردار میں کمزور ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو کردار میں پختہ ہیں مگر عبادتی رسوم میں پیچھے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو خدا پر اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر زبردست اعتقاد رکھتے ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو زندگی کے دھارے کے ساتھ بہہ رہے ہیں، قسمت کی طرف سے بے فکر ہیں، ضمیر کی خلش سے آزاد ہیں۔ مگر بچوں کے سے عقیدے سے ان کا دماغ پر ہے۔ یہ سب اور دوسرے وہ لوگ جو اسلام پر اس کے قدیم ڈھانچہ اور عقیدہ کے مطابق ایمان رکھتے ہیں، وہ ہماری تقسیم کے مطابق "راسخ العقیدہ" مسلمان ہیں، خواہ عقیدہ، کردار اور عمل کے اعتبار سے وہ کتنے ہی مختلف ہوں اور خواہ وہ عقائد کی پوری فہرست کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ ۸۹

غیر مقلد (NON-CONFORMISTS)، یا اگر آپ چاہیں تو ان کو غیر راسخ العقیدہ (UNORTHODOX) کہہ لیجئے۔ وہ بنیادی طور پر پہلے گروہ سے مختلف ہیں۔ غیر راسخ العقیدہ کی اصطلاح کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ سچ پوچھئے تو اسلام میں راسخ العقیدہ اور غیر راسخ العقیدہ کی اصطلاح سرے سے نہیں ہے۔ صرف ایک منظم چرچ ہی راسخ العقیدہ، غیر راسخ العقیدہ اور بدعتی کے معیار مقرر کر سکتا ہے۔ اگر چرچ نہ ہو تو کسی شخص کے بارے میں یہ تصور کرنا ہی مشکل ہوگا کہ فلاں شخص بدعتی ہے اور فلاں راسخ العقیدہ ہے۔ مگر مدعا کی وضاحت کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ غیر مقلد وہ ہے جو اسلام کے باضابطہ عبادتی رسوم (نماز وغیرہ) پر عقیدہ نہیں رکھتا

اور ائمہ کی مقرر کی ہوئی بنیاد کو قبول نہیں کرتا۔ ایمان کی معیاری تعریف یہ ہے :-

۱۔ زبان سے اقرار۔

۲۔ عقیدے کی سچائی (SINCERITY OF BELIEF)

۳۔ اصول اسلام کے مطابق عمل (جیسا کہ شارع نے مقرر کیا ہو)

غیر مقلد[1] پہلی چیز کو چھوڑ کر شکل ہی سے کسی اور پر پورے معنی میں عمل کرتا ہے۔ عقیدہ کا مخلصانہ اقرار اسلام کی واحد کسوٹی ہے۔ عقیدہ، بعض معاملات میں غلط فہمی پر مبنی ہو سکتا ہے۔ جیسے اسلام کے عبادتی رسوم اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ ناقابل قبول ہیں۔ یہی وہ نقطۂ نظر ہے جو غیر مقلدیت پیدا کرتا ہے۔ اگر آپ نظریاتی طور پر متفق ہوں مگر عمل نہ کرتے ہوں جب بھی آپ راسخ العقیدہ ہیں۔ البتہ اگر آپ بعض عقائد یا اصول کا انکار کرتے ہوں۔ سوا خدا و رسول کے عقیدہ کے، تب آپ غیر مقلد ہیں۔

ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا تناسب اسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جو ائمہ کو سند تسلیم نہیں کرتے، کچھ نماز کو ضروری نہیں سمجھتے۔ کچھ ایسے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ عمل ہی عبادت ہے (WORK IS PRAYER) کچھ ایسے بھی ہیں جو خود مذہب کے خلاف بحث کرتے ہیں مگر جانچ کا اصلی معیار پھر بھی باقی رہتا ہے ـــــ کیا آپ اس اسلام کو جسے ائمہ نے مرتب کیا ہے، بحیثیت مجموعی اور عام طور پر ساری انسانیت کے لیے مفید اور صحیح سمجھتے ہیں۔ ـ ؟

میرا عاجزانہ جواب، اسلام کی صداقت کو مانتے ہوئے اور اس کا احترام کرتے ہوئے، نفی میں ہے اور اس سلسلے میں ایک غیر مقلد ہوں (NON-CONFORMIST) ہوں۔ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں مذہب کا منکر (NON-BLIEVER) نہیں ہوں، منکر وہ شخص ہے جو بذات خود مذہبیت کی واقعیت یا اسلام کا انکار کرے یا کم از کم مذہبی عقائد کے بعض بنیادی اصولوں کو چیلنج کرے۔ ایک غیر مقلد مذہب کے بعض اعمال یا

[1] غیر مقلد کا لفظ یہاں اس مفہوم میں نہیں ہے جس مفہوم میں وہ مذہبی حلقوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ مضمون کے اپنے مفہوم میں ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

تصورات پر معترض ہو سکتا ہے یا اس کا انکار کر سکتا ہے، مگر پھر بھی وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی شخص ہوگا۔ وہ مذہب میں اپنی ذاتی بصیرت کے مطابق اعتقاد رکھتا ہے نہ کہ روایتی تصورات کے مطابق۔ تاریخی شہادتیں بتاتی ہیں کہ غیر مقلد اکثر بہت گہرے عقیدے کے لوگ رہے ہیں اور غیر مقلد وہ اسی لیے تھے کہ مذہب میں وہ غیر متزلزل عقیدہ رکھتے تھے، میں یہ ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ عقائد کا موجودہ ڈھانچہ ہمارے لیے مفید ہے یا ہمارے آج کے دور میں بھی وہ اپنے اندر صداقت رکھتا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے عقیدے کی از سر نو تشریح کروں۔ یہ میرا ارادہ نہیں ہے کہ میں ایک نیا فرقہ بناؤں اور نہ میں کوئی مذہبی معلم ہوں۔ مگر اس تلاش اور اس جہم میں قطعیت کے ساتھ میں یقین رکھتا ہوں کہ اسلام جیسا کہ میں نے اسے سمجھا ہے، وہ بیسویں صدی کے انسان کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔ میں اس مروجہ تشریح کو قبول نہیں کر سکتا جو سنی اماموں یا شیعہ مدارس فکر نے پیش کی ہیں۔ پیچیدہ تفصیلات، بے معنی عبادتی رسوم اور بے روح تصورات نے مجھے جمود میں مبتلا کر دیا ہے۔ ذیل میں کوشش کروں گا کہ مختصر طور پر اسلام کی آزادانہ تشریح (LIBERAL INTERPRETATION) کی ایک اسکیم پیش کروں۔

(باقی)

ذوقِ تھا
اُٹھے

مرتبہ

عتیق الرحمٰن صدیقی ایم۔اے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(فی کاپی ۶۰ پیسے)

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۶/۰
پاکستان سے ۷/۰
ششماہی
ہندوستان سے ۳/۵۰
پاکستان سے ۴/۰

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵ شلنگ
ہوائی ڈاک سے
ایک پونڈ دس شلنگ

جلد ۳۳ | بابتہ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ مطابق جنوری ۱۹۶۶ء | شمارہ ۹

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے، تو

اسکا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ جنوری تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

سکھوں کی قیادت پنجابی صوبے کی جدوجہد کے لیے ایک انتہا پسندانہ پروگرام کا اعلان کر چکی تھی کہ اسی دوران میں کشمیر کے اندر گڑبڑ شروع ہوگئی جو آگے بڑھ کر باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کرنے لگی مگر سکھ قیادت اپنا پروگرام واپس لینے پر تیار نہیں ہوئی حتیٰ کہ اس سلسلے میں عین پنجاب کی سرحد پہ شدید جنگ شروع ہو جانے کے بعد بھی، بڑی مشکل سے اس قیادت نے اپنا پروگرام صرف عارضی طور پر ملتوی کیا۔ اور جونہی یہ جنگ بند ہوئی، وہ دوبارہ اپنی صفیں درست کرتے ہوئے نظر آنے لگے ـــــ یہ اسی ہندوستان کی ایک تصویر ہے۔

دوسری ایک تصویر، ٹھیک اس کے بالمقابل یہ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان کوئی نئی چیز نہیں مانگ رہے تھے، بلکہ سو سال پہلے تنہا اپنے بل بوتے پر جس مسلم یونیورسٹی کی داغ بیل ہم نے ڈالی تھی، اسے ایک مسلمان وزیر ہی کے شوقِ سیکولر نمائی کے صدقے میں کلیتہً حکومت کے قبضے میں جاتے ہوئے دیکھ کر فریاد کر رہے تھے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ لیکن جونہی کشمیر میں مذکورہ بالا گڑبڑ کا آغاز ہوا، ہم نے احتجاج و فریاد کی یہ بساط از خود ہی لپیٹ کر رکھ دی اور اس کی جگہ ہماری زبانیں اپنی حکومت سے اظہارِ وفاداری اور پاکستان سے نبرد آزمائی کے نعروں سے تر ہونا شروع ہو گئیں۔ حتیٰ کہ اس دوران میں پارلیمنٹ کے اندر اس آرڈیننس کی منظوری کا بل آیا جس کے خلاف ہم احتجاج کر رہے تھے۔ اور اس شان سے پاس ہوا کہ باہر اس کے خلاف کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف پارلیمنٹ کے اندر کوئی کوئی آواز اس کے خلاف سنائی دے جاتی تھی جو نا گزیر تھی۔ اس بل کے پاس ہو جانے کے بعد مسلم یونیورسٹی کی ایگزیکیوٹو کونسل اور کورٹ دونوں کے

ممبران تمام تر حکومت کے نامزد ہیں اور ان کے ذریعہ سے وزیر تعلیم مسٹر چھاگلا پوری طرح اس پوزیشن میں ہیں کہ اس مسلم یونیورسٹی اور اسکے مسلم طلباء کو جس جس طرح چاہیں سیکولرزم کا بپتسمہ دیں۔ اور ان اقدامات کا آغاز ہو بھی گیا ہے۔ چنانچہ ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۶۵ء کو اس نامزد ایگزیکٹیو نے اپنے جلسے میں یہ سفارش منظور کی کہ یونیورسٹی میں خالص اسلامی دینیات کے بجائے مختلف مذہبوں، کلچروں اور ہندوستانی تہذیب کی تعلیم طلبہ کو دیجائے۔ اور یہ اس لیے کیا جائے کہ اس ترمیم سے یونیورسٹی کا سیکولر کردار واضح ہوجائے گا ——— پھر اس سیکولر کردار کو مزید وضاحت بخشنے کے لیے یہ رائے بھی قائم کی گئی کہ یونیورسٹی کے نام میں بھی اس طرح کی تبدیلی مناسب ہوگی جس طرح کی تبدیلی ہندو یونیورسٹی کے نام میں راجیہ سبھا نے منظور کی ہے (یعنی مسلم کا لفظ ہٹا دیا جائے) مگر چونکہ راجیہ سبھا کی منظور کردہ یہ ترمیم ہندو عوام کی سخت مخالفت کا نشانہ بن گئی اور اس کے نتیجے میں لوک سبھا اس پر غور کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکی اس لیے ایگزیکٹیو کونسل نے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرنے سے قبل اتنی عنایت فرمائی کہ کورٹ کی رائے بھی اس مسئلہ میں معلوم کر لی جائے، جو اسکے نزدیک مسلمانوں کی عوامی رائے کے قائم مقام ہوگی۔

کورٹ نے ۶ دسمبر کو اس سلسلے میں رائے پیش کی ہو کہ "مسلم" کا لفظ تو نہ ہٹایا جائے البتہ اس سے پہلے لفظ "نیشنل" کا اضافہ کر دیا جائے یعنی "نیشنل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ"۔ بظاہر تو یہ تجویز بڑی معصوم ہو کہ ایک لفظ بڑھا دینے سے کیا ہوتا ہے جبکہ اصل لفظ برقرار رہ جائے۔ مگر واقعہ یہ ہو کہ یہ پہلا لفظ دوسرے لفظ کو بالکل بے معنی کر دینا ہے۔ یہ مسلم یونیورسٹی کو نیشنلائز کر لینے کی موجودہ کاروائیوں کو جائز کرنے کا ایک ایسا ہی اقدام ہے جیسے لفظ "مسلم" کا ہٹا دیا جانا۔ البتہ اس فرق کے ساتھ کہ اس میں حجابات نہاں ہے اُس میں وہ عریاں ہو جاتی۔

بہرحال مسلم یونیورسٹی کو سیکولر بنانے کے یہ تمام اقدامات ہو رہے ہیں، مگر جس طرح آرڈیننس کی منظوری کا بل پارلیمنٹ میں پاس کیے جانے پر مسلمانوں کے احتجاج کی بیٹھی ہوئی بساط دوبارہ نہ بچھ سکی، اسی طرح یہ سب خبریں بھی آرہی ہیں اور عالم یہ ہے کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہو رہی۔ وہ مسلم یونیورسٹی جس پر چار مہینے پیشتر صرف خطرات کا سایہ دیکھ کر کوئی کسی سے پیچھے رہنے کو تیار نہیں نظر آتا تھا، اب ان خطرات کو واقعات کی شکل میں دیکھ کر بھی کوئی کسی سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں۔ بلکہ اسکے بجائے اظہار وفاداری سے فرصت پانے کے بعد آپس کے محاذ گرم ہوئے ہیں۔

جمیعۃ علماء میں جو اختلافات کسی حد تک دبے دبے چل رہے تھے، اکتوبر کے مہینے سے ان پر پورے طرح شباب آیا ہوا ہے۔ ساری توتوں کا مصرف اب یہ آپس کی اٹھا پٹخ ہے۔ ابھی نومبر کے آخر میں ناراض گروہ کے زیر اہتمام جمیعۃ کی مجلس منتظمہ (جنرل باڈی) کا ایک جلسہ بھوپال میں منعقد ہوا جس نے برسراقتدار گروہ کے بہت سے فیصلوں کو کالعدم قرار دیا۔ اور اب اس کے جواب میں مجلس منتظمہ ہی کا دوسرا جلسہ ۱۰، ۱۹ دسمبر کو دہلی میں ہوا ہے جس کے بعد کہنا چاہیئے کہ جمیعۃ کے اندرونی اختلافات کا ایک دور مکمل ہوگیا، دوسری طرف جمیعۃ کے ارباب اقتدار نے مجلس مشاورت سے بھی اپنا تعلق نہ صرف توڑ لیا ہے، بلکہ ۱۰، ۱۹ دسمبر کو دہلی والے اجلاس کا تو سارا زور ہی مجلس کی مذمت پر، اسے فرقہ پرست ٹھہرانے پر اور مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین پر صرف ہوا ہے۔

غرض مسلم یونیورسٹی کا کیس جو ایک بار جوش وفاداری یا غلبۂ خوف کے نیچے دبا تو اب آنکھیں ترس رہی ہے کہ ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

مگر کچھ لوگوں کو تو باہمی پیکار سے فرصت نہیں اور باقی لوگ خدا ہی بہتر جانے کہ کس عذر یا کس مصروفیت میں مبتلا ہیں ـــــ حد یہ ہے کہ علی گڑھ کے اولڈ بوائز جنھوں نے بجا طور پر سب سے زیادہ اپنے آپ کو حقدار سمجھا تھا کہ اس کیس میں مسلمانوں کی نمائندگی کریں اور لکھنؤ میں جمع ہو کر ایک تجویز کی شکل میں عہد کیا تھا کہ وہ اپنی اس مادر درسگاہ کے مسلم کردار کو بدلنے کے ہر اقدام کی آخری دم تک سخت ترین مزاحمت کریں گے، وہ تو شاید مزاحمت کا کوئی ایک قدم اٹھائے بغیر ہی دم توڑ گئے اور اس عہد و پیمان کے بعد یہ تمام اقدامات جن کا خطرہ تھا وجود میں آتے چلے جا رہے ہیں، مگر ان کی ایک بار بھی کہیں آواز سنائی نہ دے سکی۔

اس طرح کی صورت حال دیکھ کر بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان آخر ہندوستان میں کس طرح عزت و وقار کی زندگی بسر کریں گے۔ ان کے قائدین اگر کسی معاملے کو لے کر آخر تک چل نہیں سکتے تو پھر بھلا وہ ایسے معاملات پر تیز گفتار ہوتے کیوں ہیں، کیوں نہیں شروع ہی میں اپنا عذر یا وہ

ایسا لہجہ رکھتے کہ عدم شنوائی سے رسوائی تو نہ ہو۔ گزشتہ اٹھارہ برس میں مسلمان شاید کہیں اتنی بڑی ذلت سے دوچار نہیں ہوئے تھے جتنی اس یونیورسٹی کے کیس میں انھیں نصیب ہوئی ہے! اور قدرتی طور پر کمتری اور بے بسی کا جو احساس ان چند مہینوں میں ان پر طاری ہوا معمولی رفتار سے شاید مزید اٹھارہ برس میں بھی یہ نوبت نہ آتی ——— کیا عام مسلمانوں کی قیادت کرنے والوں اور علی گڑھ اولڈ بوائز کے سربراہوں کو اس کا احساس نہیں ہے؟ پھر آخر یہ سکوت کیا معنی رکھتا ہے جو یونیورسٹی کا کردار بدلنے کے ان تمام اقدامات کے باوجود طاری ہے جن کی خبریں پئے بہ پئے اخبارات لا رہے ہیں؟ گستاخی معاف ہو ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان تمام اصحاب میں سے ایک ایک کا گریبان پکڑ کر پوچھیں جنھوں نے کسی پلیٹ فارم اور کسی تنظیم کی نمائندگی کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی آرڈیننس اور مسٹر چھاگلا کے عزائم کو مسلمانوں کے جائز مفادات یا دستور کی رُو سے چیلنج کیا تھا، کہ اب وہ ساکت و صامت کیوں ہیں؟ اور اپنی تنظیم یا اپنے پلیٹ فارم کی استطاعت بھر وہ ان اقدامات کے مزاحم کیوں نہیں ہوتے جنھیں وہ مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت سانحہ قرار دیتے تھے؟ ——— ہمیں تعجب ہوگا اگر یہ معلوم ہو کہ ان حضرات کے دل میں خود یہ سوال نہیں اُبھر رہا ہے اور خود ان کا احساسِ ذمہ داری ان سے باز پرس نہیں کر رہا ہے!

واقعہ یہ ہے کہ مسٹر چھاگلا اور گورنمنٹ نے مسلمانوں کے ساتھ اتنی برائی نہیں کی جتنی برائی ان لوگوں نے کی جنھوں نے مسلمانوں کے اندر ایک جوش بھر کے انھیں کھڑا کیا اور پھر خود بیٹھ گئے انھیں کامرانی کی اگر کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی تو پسپائی کی کوئی "شاندار" نہ سہی آبرومندانہ راہ تو ڈھونڈھ سکتے تھے۔ مگر جس طرح وہ قوم سے کچھ کہے سُنے بغیر تکلیف میدان سے غائب ہوئے ہیں اُس نے قوم کے جسم پر آبرو کا ایک تار اور دل میں ڈھارس کی ایک رمق بھی نہیں رہنے دی ہے، کیا یہ کوئی معمولی جرم ہے؟ ہماری نظر میں یہ ایک عجیب تماشہ نمائندگانِ ملت کی سطح پر مسلسل ہو رہا ہے کہ گو اشتراک و تعاون کی تو کوئی قرارداد ان کے درمیان نہیں، مگر چلنا ہر ایک دوسرے کے سہارے چاہتا ہے۔ جہاں اس طرح کا کوئی مسئلہ سامنے آیا جس سے قوم کے جذبات و مفادات متاثر ہوتے ہوں اور نمائندہ حضرات کا فرض ہو جاتا ہو کہ وہ سامنے آئیں تو سب اپنی ذمہ داری سمجھ کر میدان میں آجاتے ہیں۔ مگر پھر اس میدان میں قائم بھی رہنا

تنہا کوئی اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ جب تک دائیں بائیں میدان بھرا ہوا ہے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی آواز دوسرے سے نیچی نہ رہے، مگر جہاں دیکھا کہ میدان خالی ہونا شروع ہو گیا ہے یا کچھ لوگ آوازیں روک رہے ہیں تو بس احساس ذمہ داری کا سارا جوش ختم ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں پورا میدان صاف! ـــــ یہ کیا مذاق ہے؟ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا۔ اس صورت حال کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ مسلمانوں کی کوئی تنظیم اپنے اندر یہ طاقت نہیں پاتی کہ اس طرح کی جدوجہد کا بار تنہا اٹھا سکے۔ اور یقیناً ہر تنظیم پر یہ بات واضح بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ مذاق بار بار ہوتا ہے اور کوئی یہ سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ روز روز کے تماشے مسلمانوں کو کس قدر مفلوج اور کس قدر بے آبرو کرتے جا رہے ہیں!۔

بات ذرا عمومی رُخ پر چلی گئی، ورنہ اس وقت کہنا صرف مسلم یونیورسٹی کے بارے میں ہے کہ آیا مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والے حضرات ان کے اس تاریخی اور نہایت قیمتی ورثے کو مسٹر چاگلا کے لیے چھوڑ دیں گے کہ وہ نیشنلزم اور سیکولرزم کی داد پانے کے لیے جس طرح چاہیں اسے لٹائیں! یہ ٹھیک ہے کہ معاملہ اب صرف مسٹر چاگلا کا نہیں رہا ہے بلکہ پوری حکومت اور حکمراں پارٹی کا ہو گیا ہے جس کی توقع نہیں تھی اور اسی لیے کامیابی کا وہ یقین و اعتماد جس کی بنیاد پر لوگوں نے آواز اٹھائی تھی بُری طرح یاس و ناامیدی میں بدل گیا ہے۔ لیکن کیا اس سے اس بات کی اجازت بھی نکلتی ہے کہ ہم اپنے کیس سے دستبردار ہو جائیں۔ اور یہ نوٹ بھی نہ کرائیں کہ جو کچھ فیصلہ ہوا ہے اور جو اس کے نتیجے میں ہو رہا ہے ہم اس پر راضی نہیں ہیں؟ کامیابی کی امید بے شک ہم ان حالات میں نہیں کر سکتے کہ پوری حکومت اور حکمراں پارٹی مسٹر چاگلا کے کھیل کو کامیاب بنانے کے لیے اس طرح تُل گئی ہے جیسے یہ مدت سے اس کی آرزو ہو۔ لیکن اس پر ناراضگی کے اظہار سے تو ہمیں کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ بالخصوص ہندو یونیورسٹی ترمیمی بل کے سلسلے میں حکومت اور حکمراں پارٹی نے جو بالکل مختلف رویہ دکھایا ہے اور پارلیمنٹ کی بالاتری کے اس فلسفے کو، جس میں مسلمانوں کی چیخ پکار کا اثر لینا کسرِ شان سمجھا گیا تھا، جس طرح ہندو پبلک کے احتجاج کے سامنے تہ کر کے رکھا گیا ہے اس نے بھرپور موقع فراہم کیا ہے کہ ہم اپنے معاملے میں امتیازی رویہ کو الم نشرح کریں (باقی صفحہ ۵۶ پر)

معارف الحدیث

نفلی روزے

(بسلسلۂ گزشتہ)

مہینے کے تین روزوں کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول :-

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ ـــــ رواه النسائی

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ ایک عاشورہ کا روزہ، دوسرے عشرۂ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے، تیسرے ہر مہینے کے تین روزے، اور چوتھے قبل فجر کی دو رکعتیں۔ (سنن نسائی)

تشریح :- مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ

ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهْرِ كَانَ یَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ یَكُنْ یُبَالِیْ مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهْرِ یَصُوْمُ ۔

رواہ مسلم

معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے، انھوں نے فرمایا ہاں آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے، معاذہ نے پوچھا کہ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں میں) رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ اسکی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینے کے کس حصہ میں رکھیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھنے کا حضور کا معمول ذکر کیا گیا ہے، اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتے کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے آپ کے لیے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا اُمت کے مختلف الحال لوگوں کے لیے باعث زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابہ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلہ میں اکثر ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایامِ بیض کے روزے :-

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

يَا اَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ ـــــ رواہ الترمذی والنسائی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔)

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اَنْ نَصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ

ـــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ "الحسنة بعشر امثالها" کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشوراء کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت :-

اوپر جو حدیثیں ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزوں کے بارہ میں درج ہوئیں ان میں سے بھی بعض میں یوم عاشوراء کے روزہ کی فضیلت اور اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جارہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ ـــ رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشوراء (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا، آپ نے اُن سے دریافت کیا (تمھاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور اُن کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی (ان کی پیروی میں)

اس دن روزہ رکھتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم ان کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزہ کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہونچ کر ہی عاشوراء کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا، حالاں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ "قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشوراء کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے، پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آ کر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔"

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشوراء زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے، قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی کچھ روایات اس دن کے بارہ میں اُن تک پہونچی ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملّتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے اُن میں آپ اُن سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشوراء کا روزہ بھی رکھتے تھے، لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے ـــــ پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا اور اُن سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشوراء کو حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ نے اس دن کے روزہ کا زیادہ اہتمام فرمایا اور

مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں، بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے
اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے، چنانچہ
صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رُبَیّع بنت مُعَوِّذ بن عفراءؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کی صبح مدینہ کے آس پاس کی اُن بستیوں میں
جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج
کے دن روزہ رکھیں اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصہ میں کچھ نہ کھائیں
پئیں بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں ـــــ ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے ائمہ نے
یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشوراء کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے
روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت
ایک نفلی روزے کی رہ گئی جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ابھی اوپر
گزر چکا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے
گناہوں کی صفائی ہو جائے گی" ـــــ اور صوم یوم عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہو جانے
کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں
کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ
يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ۔

ـــــــــــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ
آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں
سوائے اس دن یوم عاشوراء کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے طرز عمل سے حضرت ابن عباسؓ نے یہی سمجھا کہ

نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشوراء کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُہُ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صُمْنَا الْیَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ یَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰی تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء میں روزہ رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے، اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے ——— عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہو گئی (صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں اور اس لیے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہیے ——— چنانچہ اسی مقصد سے آپ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کو روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اُس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے ــــــ اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل میں فرق ہو جائے گا اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشوراء کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اسکے بعد کے دن گیارھویں کا رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانا رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارھویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم۔

مؤتمر اسلامی

مقالہ سوم

اسلام اور اجتماعی انصاف

(از استاذ محمد زکی یمانی ، وزیر پٹرول و معدنیات سعودی عرب)

(۲)

انفرادی ملکیت کے بارے میں اسلام کا عمومی نقطۂ نظر

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اسلام نے کس طرح انفرادی ملکیت کی اجازت دی ہے اور اس حق کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت کی ہے اس کے بعد اس حق کے تصرفات کو اجتماعی قیود کا پابند کر دیا ہے تاکہ ان سے جماعت کو نقصان نہ پہونچے، اور انفرادی ملکیت جماعت کی سعادت کا سبب بنے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے انفرادی حرص و طمع کے امکانات کو قابو میں رکھنے کے لیے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے چند ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہونے کا بھی سد باب کیا ہے۔ قرآن نے اغنیا کے بجائے خاص طور پر صرف فقراء کو مال فئ (وہ مال غنیمت جو بغیر لڑائی کے ہاتھ آئے) دیئے جانے کا جو سبب بتایا ہے، وہ یہ ہے "کئ لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" (تاکہ مال ادل بدل کر تمھارے مالداروں ہی کے ہاتھوں میں نہ رہے)۔ اس کے علاوہ اسلام نے نفع پر نہیں بلکہ اصل سرمائے پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ہر سال ایک مقرر مقدار میں ضرورتمندوں کے حق کے طور پر وصول کی جاتی ہے۔ اسی ضمن میں اسلام کا قانونِ وراثت آتا ہے جس کے تحت متوفی کی ثروت متعدد رشتہ داروں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پھر شریعت جو متوفی کو وصیت کا حق دیتی ہے اس میں بھی یہ پابندی ہے کہ کسی شرعی وارث کے حق میں نہ ہو جس سے وہ ترکہ کے ایک بڑے حصے کا تنہا مالک بن جائے اور اس سب کے بعد اسلام ناجائز ذرائع سے افزائشِ دولت کو

حرام قرار دے کر اس امر کی مزید پیش بندی کرتا ہے کہ دولت فرد اور جماعت دونوں کی مشترک طور پر خدمت کا ذریعہ بنے۔ کسی حریص فرد کے ہاتھ میں جمع ہو کر لوگوں کی مجموعی مصلحت کے خلاف استعمال نہ ہو۔

وسائل ملکیت اور افزائش دولت کے طریقے

جن وسائل سے ایک فرد صاحب ملکیت بنتا ہے اسلام نے ان کا تعین کر دیا ہے۔ اور ان وسائل کے بغیر کوئی ملکیت پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ سکتی، فقہائے مسلمین کے نزدیک ملکیت کا حق خود اشیاء کی طبیعت سے صادر نہیں ہوتا، بلکہ اس حق کا اثبات شریعت کی اجازت اور کسی چیز کو اس کا سبب ٹھہرا دینے سے ہوتا ہے۔ (۳۰)

وسائل ملکیت میں سے سب سے اہم وسیلہ آبادکاری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "عام زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ اس کے بعد تمہاری ہے، جو غیر آباد زمین کوئی آباد کرے وہ اس کی ہے۔ اور اگر اس طرح کی کوئی زمین ایک شخص تین سال تک بغیر کام میں لائے روکے رکھے تو پھر اس زمین پر اس کا حق نہیں رہتا۔ (۳۱)۔ بہت سے فقہاء کے نزدیک غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا حق امام (حکومت) کی اجازت کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ یعنی اتنی ہی زمین پر حق قائم ہوگا جس کی منظوری حکومت دے دے

بہرحال شریعت کے مذکورہ اصول سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ملکیت کو جماعت کی خدمت کا وسیلہ دیکھنا چاہتی ہے۔ غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کی ہمت افزائی میں یہی نقطۂ نظر کارفرما ہے۔ کیونکہ ایسی زمینوں کی آبادکاری سے قومی دولت اور عمومی خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر شریعت اس حق کو ایسی صورت میں ساقط کر دیتی ہے جبکہ زمین پر صرف قبضہ کر کے رکھ لیا جائے اور ایک معقول مدت (تین سال) کے اندر اسے کام میں نہ لایا جائے۔

اس کے علاوہ ملکیت کے کچھ اور بھی ذرائع ہیں جیسے شکار کرنا، زمین سے کوئی معدنی دولت برآمد کر لینا، یا بطور جاگیر یا وراثت کے ذریعہ سے کچھ ملنا۔ لیکن سب سے اہم ذریعہ عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے اور اس کی بہیں ترغیب دلائی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وقل

اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون" (۳۲) (ان سے کہو کہ عمل کرو۔ اور جو تمہارا عمل ہوگا اسے اللہ، اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے)۔[ع ۵] دوسری جگہ ارشاد ہے" فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ" (۳۳) (تم اس (زمین) کے رستوں میں چلو (معاشی جدوجہد کرو) اور خدا کا دیا ہوا کھاؤ) رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عامل (کام کرنے والے) کی بڑی تکریم فرمائی ہے اور کام کرنے پر زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا" ان اللہ یحب العبد المؤمن المحترف" (۳۴) (اللہ تعالیٰ روزگار کرنے والے مومن کو محبوب رکھتا ہے)۔ آپ کا ایک اور ارشاد ہے" ما اکل احدکم طعاما قط خیرا من عمل یدہ" (۳۵) (تم میں سے کسی نے کبھی اس کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو تمہیں اپنے ہاتھ کے عمل سے حاصل ہو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور آپ کو حضرت خدیجہ نے اپنے تجارتی کاروبار کے لیے رکھا تھا۔ آپ کے خلفاء اور صحابہ بھی مختلف کام دھندے کرتے تھے۔

اسلام نے ملکیت کے جو وسائل و ذرائع بتائے ہیں اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وراثت اور اقطاع (حکومت کے عطیات) کو مستثنیٰ کرکے ان سب میں قدر مشترک عمل ہے (اور یہ جو دو وسیلے مستثنیٰ نوعیت کے ہیں ان کا بھی اپنی جگہ پر پورا جواز موجود ہے) اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اکیلا مال افزائش مال کا سبب نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے ساتھ عمل و محنت نہ شامل ہو۔ اب ایک طرف اسلام اور دوسری طرف اشتراکیت و سرمایہ داری کے نظاموں میں جو فرق ہے وہ یہاں اچھی طرح سے واضح ہو جاتا ہے، جہاں تک سرمایہ داری کا تعلق ہے وہ عمل کو بے شک ذریعۂ ملک قرار دیتی ہے۔ لیکن اس نے افزائش مال کے معاملے میں صرف سرمائے کو حق مطلق دیا ہے اور یہ اصول مانا ہے کہ مال سے مال پیدا ہوتا ہے۔ دوسری طرف شیوعیت نہ تو ملکیت میں اور نہ افزائش مال میں سرمائے کا کسی طرح کا دخل مانتی ہی نہیں چاہے سرمایہ دار کا عمل بھی اس میں شامل ہو۔ وہ سارا حق عمل و محنت کا مانتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا موقف ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ

ع ۵ اس آیت سے اس طرح کا استشہاد بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ مگر بظاہر آیت کا معاشی عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ سیاق آیت دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ بلکہ خود آیت کے الفاظ میں بھی اس کا قرینہ موجود ہے۔　　(الفرقان)

عمل و محنت کی اسی طرح تکریم کرتا ہے جیسے اشتراکیت کے اصول و مبادی اس کی تکریم کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ افزائش مال میں تنہا سرمایہ کا حق تسلیم نہیں کرتا اور اسی لیے سود کو (جس میں عمل کا دخل نہیں ہوتا) وہ بڑی سختی سے حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ اس وقت شیوعیت (کمیونزم) سے پورا اختلاف کرتا ہے جب وہ افزائش مال کے عمل کا ایک عنصر سرمائے کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ایسے اصول مقرر کرتا ہے جن میں دونوں میں سے کسی عنصر کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ بہرحال اسلام پیداوار میں سرمایہ اور محنت دونوں کا حق تسلیم کرتا ہے اور اشیاء کی قیمتوں میں ہر ایک کا حصہ مقرر کرنے کے لیے منصفانہ پیمانوں سے کام لیتا ہے۔

۲۔ مساوات

جب بھی انسانیت کی پشت پر ظلم و طغیان کے کوڑے برسے، اس نے ہمیشہ مساوات کے خواب دیکھے۔ دنیا کی قومیں گزرے زمانوں سے مساوات کی تلاش میں سرگرداں رہی ہیں، مگر انہیں یہ مساوات سوائے فلسفیوں کی تصنیفات کے اور کہیں نظر نہ آئی گویا مساوات ایک سراب تھی۔ جب بھی کوئی اس کے پاس پہونچا وہ نظروں سے روپوش ہو گئی۔ اس دوران میں رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتے ہیں۔ آپ اس خواب کو ایک حقیقت بنا دیتے ہیں۔ ایسی حقیقت جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا اور پہلی دفعہ دنیا میں ایک معاشرہ وجود میں آیا جو مساوات کے بارے میں باتیں کرنے کے بجائے اس پر عامل تھا۔ بعد میں اگر اسلامی اُفق سے یہ درخشاں نور چھپ گیا اور صرف کبھی کبھی اس کی آتی جاتی شعاعیں نظر آتی رہیں تو یہ قصور اسلام کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہے جنھوں نے اپنے اسلام کو ضائع کر دیا اور اپنے مجد و شرف کا سرا کھو دیا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ ایک زندۂ جاوید دین ہے، وہ ایک ایسا چشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا ہم اگر اس کی طرف لوٹیں گے تو اس کو اسی حالت میں پائیں گے جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے وہ ہماری روحوں کے لیے غذا ہے۔ ہماری قوت کا سرچشمہ ہے اور عدل و انصاف کی ایک ایسی اساس ہے جس میں ظلم بار نہیں پا سکتا۔ وہ ایسی مساوات ہے جس میں عربی اور عجمی کی کوئی تفریق نہیں اور تقوے کے سوا فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں۔

وسیع تر مساوات جیسا کہ گزر چکا ہے، اسلام میں مساوات کا تصور کسی تنگ دائرے کے اندر محدود نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کی رُوح کو مساوات میں ڈبو تا ہے۔

اسلام میں مساوات کا نقطۂ آغاز ایک خدا پر ایمان ہے جو تنہا جلاتا اور مارتا ہے۔ وہی تنہا رزق دیتا ہے اور روکتا ہے، ہر چیز پر اسی کا اختیار ہے اور ہمارے اس کے درمیان نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔ سب اس کی بارگاہ میں بندگی کے رشتے سے برابر ہیں خواہ کوئی کتنا ہی بلند مرتبہ ہو اور کوئی کتنا ہی نادار۔

جب مسلمان اسلام کے اس عقیدے کے اساسی معانی پر ایمان لاتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے کمزور اور فانی وجود کو خدائے قادر و رحیم کی طاقت سے براہ راست مربوط محسوس کرتا ہے اور اس سے اس کے اندر خود اعتمادی اور خودداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اسے یہ شعور بخشتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں معاشرے کے ہر ہر فرد کے مساوی ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے اور فقر کا خوف سوائے خدائے رازق کے آگے جھکنے کے کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا، اللہ کو مالک الملک مان کر وہ کسی عہدہ و منصب کی پرستش کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اور موت و زندگی خدا کے ہاتھ میں مان لینے کے بعد موت کا خوف اسے دبانے کے قابل نہیں رہتا تو پھر اسلامی معاشرہ اس مرحلہ میں داخل ہوتا ہے جو حقیقی مساوات کا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد ہی قوانین اسلامی اپنا اثر دکھلاتے ہیں، اور یہ اسلامی معاشرہ وہ اُمّت بنتا ہے جسے قرآن مجید نے "خیر امتٍ اخرجت للنّاس" کہا ہے۔

مساوات اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے۔ اور انصاف پسند غیر مسلم مصنفین تک نے اسلام پر اگر کچھ لکھا ہے تو اس کی اس خصوصیت کا ضرور اعتراف کیا ہے۔ اس ضمن میں یہاں مشہور برطانوی مفکر تھامس کارلائل نے جو کچھ لکھا ہے یہاں صرف اسی کا حوالہ کافی ہے۔ کارلائل نے لکھا ہے کہ "اسلام کی سب سے بلند تر خصوصیت میری نظر میں اس کی مساوات ہے۔"

قرآن مجید نے بار بار مساوات پر زور دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" (۳۹) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو مختلف قومیں اور

مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)

"وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من امن وعمل صالحا، فاولئک لهم جزاء الضعف بما عملوا وهم فی الغرفات امنون (۳۷)

(اور تمھارے اموال اور تمھاری اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنا دے، مگر ہاں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے، سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے عمل کا دگنا صلہ ہے۔ اور وہ بالاخانوں میں چین سے ہوں گے۔)

اسلام کی یہ دعوت ایک نعرۂ انقلاب تھی جس نے اس معاشرے میں ایک زلزلہ ڈال دیا جو غلاموں اور آقاؤں کے طبقات پر قائم تھا۔ ابوجہل نے یہ درس مساوات سنا تو بگڑ کر پیغمبر اسلام سے مخاطب ہوا کہ "محمد! تم اس لیے آئے کہ سُمیّہ کے ذلیل بیٹے اور اس کے آقا ولید کو برابر کر دو؟" آپ نے فرمایا ہاں وہ دونوں آدم ہی کے تو بیٹے ہیں اور آدم کی بنا مٹی تھی! ابوجہل کہتا کہ تم انھیں ہمارے برابر بنائے دے رہے ہو جبکہ وہ ہمارے غلام ہیں؟ حضرت محمد بڑے اطمینان سے فرماتے کہ نہیں ہم تو انھیں تمھارا سردار بھی بنائیں گے! اور یہ آپ نے اس وقت کر کے دکھا دیا جب مہاجرین و انصار پر مشتمل دو لشکروں پر ایک دفعہ حضرت زیدؓ اور اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے اُسامہ بن زید کو سربراہ بنایا ـــــ اور یہ بات آپ پر ختم نہیں ہوگئی۔ آپ کے بعد خلیفۂ ثانی عمر بن الخطابؓ نے تو یہاں تک کہا کہ اپنے بعد منصب خلافت کے لیے تمنا کرتے تھے کہ کاش ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے۔ اسلام کی تاریخ میں مساوات کے یہ نمونے اس کثرت سے ہیں کہ اس تنگ وقت میں ان کا بہترین حصہ بھی پورا نہیں سامنے لایا جا سکتا۔

غرض یہ اسلام تھا جس نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا، ان کے دلوں کو متحد کیا۔ انھیں قانون کے سامنے اور معاشرے کے اندر مساوات دی۔ اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان کا اپنا عمل ہی سب کچھ ہے "لیس للانسان الا ما سعی" اور "لا تزر وازرة وزر اخری" (انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ کسی کا بوجھ دوسرے کے ذمہ نہیں)

ایک اعتراض | بعض لوگ اسلام پر ... ہیں کہ اس نے غلامی کو برقرار رکھا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے غلامی کو روا نہیں رکھا۔ بلکہ جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ غلامی جزیرۂ عرب کے معاشرے کی اساس ہے۔ چنانچہ اس نے ایسے قواعد وضع کیے، جن سے اس کا قلع قمع ہو سکے۔ اسلام غلامی کا دروازہ بالکل تو نہ بند کر سکا، لیکن اس نے نئے غلام بنانے کا دروازہ کافی تنگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے غلاموں کا درجہ بلند کیا، اور انھیں اللہ کی نظر میں اور بہت سے اجتماعی حقوق میں آقاؤں کے برابر کر دیا۔ اسلام نے مال کے عوض غلاموں کو آزاد کرنے (مکاتبت) کا حکم دیا۔ اور بیت المال میں سے ایک رقم غلاموں کو آزاد کرانے (فک الرقاب) کے لیے خرچ کرنا فرض ٹھہرایا۔ اس طرح اسلام نے بہت سی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا قرار دیا۔ اگر اسلامی معاشرہ اس راہ پر چلنے سے انحراف نہ کرتا، جو شریعت اسلامی نے غلاموں کے بارے میں تجویز کی تھی تو غلامی کبھی کی مٹ گئی ہوتی۔

مرد و عورت میں مساوات اسلام سے پہلے کسی نظام نے مرد اور عورت کا درجہ مساوی قرار نہیں دیا۔ اسلام نے سب سے پہلے تو ان دونوں کو اللہ کی نظر میں برابر قرار دیتے ہوئے اعلان کیا "ومن یعمل من الصّالحات من ذکر او انثیٰ وھو مومن فاولئک یدخلون الجنّة ولا یظلمون نقیرا" (۲۸)

(اور جو کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مومن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینه حیاة طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون" (۲۹)۔

(جو کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو، تو ہم اس کو ایک خوشگوار زندگی عطا کریں گے اور ان کے اچھے کاموں کا بہترین بدلہ دیا جائے گا)

ارشاد الٰہی ہے:۔

"فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض" (۳۰)

(سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو اُن کے رب نے کہ میں کسی شخص کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اکارت نہیں کروں گا)

اس کے بعد اسلام نے عورت اور مرد کو حق تصرف اور حق ملکیت میں بھی برابر قرار دیا جس سے اکثر نظام اب تک خالی ہیں، بالخصوص شادی شدہ عورت ابھی تک وہاں ان حقوق سے محروم ہے۔ قرآن مجید میں ہے :-

"للرجال نصیب مما اکتسبو وللنساء نصیب مما اکتسبن (۴۱)

(مرد جو کمائیں وہ ان کا حصہ اور عورتیں جو کمائیں وہ ان کا)

اسلام نے مردوں کو عورتوں پر برتری بعض مخصوص حالات میں دی ہے اور اسکی وجہ بھی ہر دو کی الگ الگ فطری استعداد اور ذمہ داریاں ہیں۔ چنانچہ جس معاملے میں مرد اور عورت اپنی اپنی فطری استعدادوں اور ذمہ داریوں میں برابر ہوں، تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا، اور ان کے درمیان مساوات لازم ہوگی۔ پس اسلام نے اگر لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو وراثت میں دُگنا حصہ دیا ہے تو اس کے ساتھ مرد پر عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری بھی ڈال دی ہے جس میں عورت شریک نہیں ہے۔

اسلام نے عورت کو چودہ سو سال پہلے جو حقوق دیئے تھے دوسری جنگ عظیم کے بعد جا کر کہیں برطانیہ اور فرانس جیسے ملکوں نے وہ حقوق عورتوں کو دیئے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام نے مساوات کسی دباؤ کے ماتحت نہیں دی ہے، یہ خالص اسکے اس عقیدہ کا نتیجہ ہے جو عورت کے لیے مساوی عزت واحترام کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اسی لیے اس مساوات کو وہ ایسی آزادی میں تبدیل ہونے کی اجازت نہیں دیتا جس سے عورت مردوں کی خواہشات کا کھلونا اور بازار کی جنس بن جائے۔

اجتماعی ذمہ داریاں

اسلام بنی نوع انسان کو حرّیت اور مساوات کی جو دولت بخشتا ہے اس کے مقابلے میں کچھ ذمے داریاں بھی اسلامی معاشرے کے ہر فرد پر اپنی حیثیت کے مطابق دوسرے افراد کے سلسلے میں عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کی ادائیگی ہی کی تصویر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں ملتی ہے ـــــ

آپ نے فرمایا۔

مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ منہ عضو تداعیٰ لہ سائر الجسد بالسھر والحمّٰی (۴۲)

(مسلمانوں کی مثال باہمی محبت واخوت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم، کہ اسکے کسی عضو کو تکلیف ہو تو باقی سارا جسم بھی تکلیف سے بےچین ہوتا ہے)

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً (۴۳)

(مسلمان ایک دیوار کی مانند ہیں جس کی ہر اینٹ دوسری کی مضبوطی کا باعث ہوتی ہے)

ہر فرد کی اپنی ذات کے بارے میں ذمہ داریوں کے بعد اُس کی ذمہ داریاں درجہ بدرجہ وسیع ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک ایک مسلمان کا فرض ہے (وبالوالدین احسانا) اس کے بعد دوسرے قریبی عزیزوں کی خبر گیری (واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ) پھر یہ دائرہ اہلِ قرابت سے بھی آگے پھیلتا ہے اور اس حد تک وسیع ہو جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ایما اھل عرصۃٍ اصبحت فیھم امرؤ جائعاً فقد برئت منھم ذمۃ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ (۴۴)

(جس بستی میں میں کوئی آدمی صبح کو بھوکا اُٹھے اس بستی کے بارے میں اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں)

یہ صرف پیغمبرانہ احساس ذمہ داری نہیں، بلکہ اسلام نے اس کو قانون کی شکل دی ہے اور حضرت عمرؓ کے ایک قانونی فیصلہ کے مطابق اس پوری بستی سے ایسے شخص کی دیت وصول کی جائے گی جو اس بستی میں بھوک سے مرجائے۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے ورنہ دنیا کا کوئی نظام اس حد تک نہیں جاتا۔

فرض کفایہ

ہر سوسائٹی ایک کل کی حیثیت سے مختلف خدمتوں کی حاجتمند ہوتی ہے، مثلاً اس کو ضرورت ہوتی ہے طبیبوں کی، انجنیروں کی، قانون دانوں کی، ماہرینِ اقتصادیات کی وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے یہ تمام علوم فرض کفایہ کا درجہ رکھتے ہیں کہ اگر

بقدر ضرورت لوگ انھیں حاصل کرلیں تو باقی سب سے فرض ساقط ورنہ سب کے سب گنہگار۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے جہاد کے نازک مواقع پر بھی ایک جماعت کو تفقہ فی الدین اور دوسروں کی تعلیم کے کام میں لگا رہنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا گناہ سب پر عائد ہوگا۔

۳۔ اجتماعی کفالت

اجتماعی کفالت کا تصور، جو اس بیسویں صدی میں ہر مہذب حکومت کا واقعی یا نمائشی شعار بن گیا ہے، خالص اسلام کا عطیہ ہے جس سے اس نے انسانیت کو اس وقت بہرہ مند کیا جب اس دنیا کا شعار یہ تھا کہ زندگی صرف طاقتور کے لیے ہے اور غریبوں کی حاجتمندانہ آہ وفغاں یا نظر انداز کردی جاتی تھی اور یا گلا گھونٹ کر فراموش کردی جاتی تھی۔ اس خود پرستی کے عالم میں اسلام نے اجتماعی کفالت کا انقلابی نعرہ بلند کیا، اسے حکومت کی قانونی ذمہ داری ٹھہرایا اور اس کا مالی بار بھی حکومت کے خزانے پر ڈالا۔

کفالت اجتماعی کا اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک میں بروئے کار آچکا تھا جس کی شہادت یہ روایت دیتی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئیں تاکہ آپ سے اپنے یتیم بچوں کے لیے کچھ کہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ان بچوں کے معاملے میں فقر و احتیاج سے خائف ہو۔ میں اس دنیا میں اور آخرت میں ان کا ولی اور ذمہ دار ہوں۔ آپ نے حضرت جعفر کی بیوی سے یہ بات اس بنا پر نہیں کہی کہ حضرت آپ کے قریبی عزیز تھے۔ بلکہ آپ کا یہ ارشاد امام اور سیاسی حاکم کی حیثیت میں تھا۔

آپ کے بعد خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس اصول کو نہایت واضح بنیادوں پر استوار کیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور پھر عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں یہ اصول اپنی معراج کمال کو جا پہونچا جس کی برکت سے یہ حال ہوگیا کہ زکوٰۃ دینے والوں کا کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔

کفالت اجتماعی کا اسلامی نظریہ کفالت اجتماعی کے نظام کی ضرورت معاشرے کے افراد کو پیش آنے والی تین قسم کی آفات کی

بنا پر پیدا ہوتی ہے (۱) جسمانی آفتیں جو افراد کو لاحق ہوتی ہیں اور انھیں کام کرنے کے قابل نہیں رہنے دیتیں۔ جیسے کہ بیماریاں، جسمانی معذوری اور بڑھاپا۔ (۲) پیشہ ورانہ آفات۔ وہ آفتیں جو کام کرنے والوں کو اپنے کام کے سبب پیش آتی ہیں اور ان کی وجہ سے وہ جزوی یا کلی طور پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ (۳) غربت و افلاس کی آفت جس سے اس شخص کو واسطہ پڑتا ہے جو کثیر العیال ہو اور آمدنی کم ہو۔

ان آفتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسلام کیا تجویز کرتا ہے، اس کے لیے ہمیں غور توجہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھنا چاہیے جو انھوں نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے گورنر کو لکھا تھا۔ (۴۵) حضرت علیؓ لکھتے ہیں :۔

"گرے ہوئے طبقوں کے بارے میں جن کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں اور مسکینوں، محتاجوں، مصیبت زدوں نیز جسمانی معذوروں کے بارے میں اپنی ذمہ داری کے لیے اللہ سے ڈرتے رہو، ان طبقوں میں سے بعض تو منہ سے سوال کر لیتے ہیں اور بعض صورت سوال بن کر۔ ان کے معاملے میں اللہ نے اپنے جس حق کا تمھیں ذمہ دار بنایا ہے اس کی نگہداشت کرو۔ ان کیلئے ایک تو اپنے بیت المال میں سے حصہ مقرر کر دو اور دوسرے ہر شہر کی سرکاری آمدنی کی پیداوار میں سے، خواہ وہ رہنے والے پاس کے ہوں یا دور کے۔ یاد رکھو کہ تمھیں ان سب کے حقوق کا نگراں بنایا گیا ہے۔ پس خوش عیشی ان سے تمھیں غافل نہ کر دے۔ اس بارے میں تمھاری ذرا سی کوتاہی بھی قابل معافی نہیں ہوگی۔ اور نہ دوسرے اہم کاموں میں انہماک کی معذرت قابل قبول ہوگی۔ نہ تم ان سے نظر پھیرو اور نہ تکبر سے گردن موڑو۔ ان میں سے جو شخص تم تک نہیں پہونچ سکتا اور جسے لوگ حقیر جانتے ہیں اس کا خود پتہ چلانے کی کوشش کرو اور اس کام کے لیے اپنے معتمد خدا ترس اور تواضع پسند لوگوں کو مقرر کرو..... یتیم کنبوں اور عمر رسیدہ کمزور، جن کے پاس نہ وسائل ہیں اور نہ وہ خود سوال کرنا پسند کرتے ہیں، ان کی پوری طرح دیکھ بھال کرو۔ بے شک حاکموں کی یہ ذمہ داریاں بڑی گراں ہیں، لیکن ذمہ داریاں ہوتی ہی گراں ہیں۔"

حضرت علیؓ کا اپنے والی مصر کے نام یہ خط محض باتیں نہیں جو صفحۂ قرطاس پر لکھ دی گئیں۔

بلکہ وہ نافذ ہونے والا قانون ہے جو ایک صاحب اقتدار حاکم اپنے ایک والی کے نام بطور حکم کے جاری کرتا ہے تاکہ اسے بروئے کار لایا جائے اور اس کی مدد سے کفالت اجتماعی کے ایک بہترین نظام کی طرح پڑے۔

اسلام میں اجتماعی کفالت کے مکمل عملی نظام کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پہلو سے تاریخ اسلام کا جائزہ لینا ہوگا جس سے ان مصائب و آفات کا تعین ہو سکے گا جن کی پریشانیوں سے لوگوں کو نجات دلانے کے لیے اسلام نے اس اصول سے کام لیا۔

(ا) فقر و احتیاج اس بارے میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے دو واقعات کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

ایک رات حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑا رہی ہے۔ اور بچہ ہے کہ بری طرح چلا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ اس نے جواب دیا (اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہے) کہ عمر دودھ پیتے بچے کو تو وظیفہ نہیں دیتے۔ میں اس لیے بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں کہ مجھے اس بچے کا وظیفہ ملے۔ اور اس سے میں اپنی احتیاج پوری کروں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے گھر لوٹے، انھوں نے نماز فجر ادا کی، اور سلام پھیرنے کے کہنے لگے۔ اے عمر! تیرے لیے خرابی ہو، معلوم نہیں مسلمانوں کے کتنے بچے تو نے مار ڈالے۔ پھر انھوں نے یہ منادی کرائی کہ اے لوگو! اپنے بچوں کا جلد دودھ نہ چھڑاؤ، ہم نے ہر بچے کے لیے اس کے پیدا ہونے کے بعد سے ہی وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔

دوسرا واقعہ بھی ایک عورت ہی کا ہے جو اپنے بھوکے بچوں کو چولھے پر ہنڈیا رکھے، جس میں کہ خالی پانی اور صرف کنکریاں تھیں، بہلا رہی تھی کہ حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے، یہ دیکھتے ہی فوراً واپس گئے اور خود بیت المال سے غلہ لے کر آئے۔ خود بچوں کے لیے کھانا پکایا۔ اور جب تک وہ کھا کر سیر نہیں ہوئے وہاں رہے۔

(ب) بڑھاپا اور بیماری حضرت علیؓ نے والیِ مصر کے نام جو ہدایات بھیجی تھیں، ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں ہم حضرت عمرؓ کی زندگی کی بعض مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک اندھے کو دیکھا کہ وہ راہ چلنے والوں سے

بھیک مانگ رہا ہے۔ انھیں معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے، اس نے کہا جزیہ، احتیاج اور بڑھاپے نے۔ حضرت عمر اسے اپنے گھر لے گئے اور اس کی ضرورت پوری کی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے بیت المال کے خازن کو بلوایا اور اس سے کہا "یہ کتنی بری بات ہے۔ خدا کی قسم ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہم نے اس کی جوانی سے تو فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے ذلیل کر رہے ہیں۔ بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہیں۔" انما الصدقات للفقراء والمساکین"۔ اور یہ شخص مساکین اہل کتاب میں سے ہے۔ حضرت عمر نے اسی وقت سے بوڑھوں، بیماروں اور معذوروں سے جزیہ معاف کر دیا اور ان کے گزارے کے لیے بیت المال سے وظیفے مقرر کیے جانے کا حکم دیا۔ اس طرح اسلام میں عدل اجتماعی کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں مملکت کے تمام غیر مسلم باشندے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

اس کی ایک اور مثال حضرت عمر کا وہ واقعہ ہے جب آپ شام جاتے ہوئے ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جنہیں کوڑھ تھا، یہ لوگ عیسائی تھے، حضرت عمر نے انھیں صدقات دینے کا حکم دیا اور ان کا گزارہ مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت طلحہ نے حضرت عمر کو رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ چپکے سے ان کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت عمر ایک مکان میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے نکلے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت طلحہ اس مکان میں گئے اور وہاں ایک اندھی معذور بڑھیا دیکھی۔ حضرت طلحہ نے اس سے پوچھا کہ یہ کون شخص تمہارے پاس آتا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ یہ ایک عرصے سے میری دیکھ بھال کر رہا ہے۔ جس چیز کی مجھے ضرورت ہوتی ہے وہ لا کر دیتا ہے اور میری جو تکلیف ہوتی ہے وہ دور کرتا ہے۔

(ج) زچگی حضرت عمر اپنی عادت کے مطابق ایک رات گھر سے نکلے۔ پھرتے پھرتے وہ ایک جگہ پہونچے تو وہاں ایک عورت کو دردِ زہ میں کراہتے سنا۔ واپس گھر گئے اور اپنی بیوی ام کلثوم کو اس عورت کے پاس لے گئے انھوں نے اس عورت کو ولادت میں ضروری مدد دی اس دوران میں حضرت عمر خود کھانا تیار کرنے میں لگ گئے الخ واقعہ پوری تفصیل کے

ساتھ مشہور ہے، یہاں جس جزو کے ذکر کی اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ اس ہنگامی مدد سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اس عورت کے شوہر سے فرمایا کہ وہ صبح کو آ کر ملے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کی ضرورت کا باقاعدہ بندوبست فرمایا۔

یہ اور اس طرح کی دوسری اعلا مثالیں جو ہماری تاریخ میں پائی جاتی ہیں، اُن سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اسلام نے اجتماعی مصائب کے سدباب پر کس درجہ توجہ دی ہے۔ اگر مسلمان اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان اصولوں پر عامل رہتے تو آج ہماری بالکل دوسری حالت ہوتی لیکن ہم اس میں ناکام رہے، جس کا نتیجہ ہمارا مسلسل زوال اور انحطاط ہے ہم پھر سے اپنی عزت بحال کر سکتے ہیں اگر ہم اللہ کے حکم کی طرف لوٹیں اور اسے اپنے اندر پوری طرح قائم کریں۔

کفالتِ اجتماعی کے مالی ذرائع

اجتماعی کفالت کی ضمانت دینے والے دوسرے تمام نظاموں کے برخلاف (جو اس کفالت کا استحقاق انھیں افراد کو دیتے ہیں جو اپنے مال سے ان نظاموں میں حصہ دار بنتے رہیں یعنی کفالتی اسکیم کے لیے سرمایہ مہیا کریں) اسلام کوئی مالی ذمہ داری فرد پر عائد نہیں کرتا۔ بلکہ سرکاری خزانے سے کفالت کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ حسب ذیل ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے اور یہ اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔ زکوٰۃ کہاں کہاں خرچ ہو، قرآن مجید نے ان مصارف کی یوں وضاحت کی ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله" (۴۶)

(صدقات (زکوٰۃ) صرف حق ہے غریبوں اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو اس کی تحصیل پر مقرر ہیں اور جن (نومسلموں) کی دلجوئی کرنا ہے۔ علیٰ ہٰذا غلاموں کے آزادی حاصل کرنے، قرضداروں کے قرضے ادا کرنے اور جہاد اور مسافروں پر خرچ کی جائے گی)

یہ ایک امر مسلم ہے کہ زکوٰۃ کے بعض مصارف اب ختم ہو گئے ہیں۔ جہاں تک "مولفۃ القلوب" کا تعلق ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے انھیں زکوٰۃ میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ "فی الرقاب"

یعنی غلاموں کا قصہ اب پرانا ہو گیا ہے اس کی حیثیت محض تاریخی رہ گئی ہے۔ اور غلام سرے سے ہے ہی نہیں۔ ۵ ہے " العاملین علیھا " یعنی زکوٰۃ کی تحصیل کا کام کرنے والے۔ تو وہ اب حکومت کے ملازم ہوتے ہیں اور سرکاری خزانہ سے ان کو تنخواہ ملتی ہے اس لیے ان پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ظاہر ہے اب زکوٰۃ کی ساری رقم بیت المال میں جائے گی تاکہ اس سے کفالت اجتماعی کی ضرورتیں پوری ہوں۔ اور مملکت سعودیہ نے اسی بنا پر حال میں یہ قانون بنا دیا ہے کہ زکوٰۃ کی تمام آمدنی ادارۂ کفالتِ اجتماعی کے حساب میں جمع کی جائے گی عام سرکاری خزانے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲۔ عطیات و صدقات۔ اس نظام کے لیے سرمائے کی دوسری مد زکوٰۃ کے ماسوا عطیات و صدقات ہیں، حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں اس مد پر کافی اختلاف رائے بھی ہو چکا ہے، حضرت عثمانؓ نے ایک مجلس میں جہاں حضرت ابوذر غفاری بھی موجود تھے۔ کعب الاحبارؓ سے سوال کیا کہ اگر مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو کیا اس کے بعد اس مال میں کوئی اور حق باقی رہتا ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب دیا کہ نہیں! اس پر حضرت ابوذر نے کعب کو ڈانٹا۔ اپنا عصا ان کے سینے پر مارا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو، اور دلیل میں یہ آیت پڑھی۔

" لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ " (۴،۲)

(یہ نیکی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتب سماویہ پر۔ اور پیغمبروں پر۔ اور دیتا ہو مال اس کی محبت کے باوجود، رشتہ داروں کو اور یتیموں کو، محتاجوں کو اور مسافروں کو، اور گردنیں چھڑانے کے لیے (غلاموں کو)، اور نماز کی پابندی رکھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو)

اس کے بعد حضرت ابوذر نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی اور ذوی القربیٰ اور یتامیٰ پر خرچ کرنے میں تفریق کی ہے (یعنی ان کو دو الگ باتیں ٹھہرایا ہے) اور یہ دلیل حضرت ابوذرؓ کی ٹھیک ہی ہے کیونکہ عطف کے پیرایہ میں دو چیزوں کا بیان ان کی غیریت پر دلالت

کرتا ہے اور اس سے قطع نظر بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی میں انفاق پر بڑا زور دیا گیا ہے کسی جگہ حکم ہے اور کسی جگہ ترغیب دلائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ غریب بیوہ عورت اور مسکین کی مدد کرنے والے کا وہی درجہ بتایا گیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہے! اسی طرح جو شخص ایک یتیم کو اکل و شرب میں اس وقت تک اپنے ساتھ رکھے جب تک وہ اس سے بے نیاز نہ ہو جائے، اسکے لیے جنت کی بشارت آئی ہے۔

۴۔ ٹیکس۔ ضرورت ہو تو اس مقصد کے لیے ٹیکس بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ مصالح مرسلہ کی بنیاد پر فقہ مالکی میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ جب بیت المال خالی ہو یا فوج کی ضرورتیں بڑھ جائیں اور وہ بیت المال سے پوری نہ کی جا سکتی ہوں تو اس صورت میں فقہ مالکی کے مطابق امام اغنیا پر اس وقت تک کہ جب تک بیت المال میں روپیہ نہ آ جائے اتنا ٹیکس لگا سکتا ہے جس سے ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ یہ ٹیکس فصلوں کی کٹائی یا پھلوں کو توڑنے کے وقت لگایا جانا زیادہ مناسب ہے۔

اس بارے میں یہ رائے صحیح نہیں کہ امام ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قرض لے، بلکہ جیسا کہ امام شاطبی نے فرمایا ہے، غیر معمولی حالات میں صرف اس صورت میں قرض لیا جا سکتا ہے کہ بیت المال میں کہیں سے آمدنی کی توقع ہو اور اس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ لیکن اگر کسی آمدنی کا انتظار نہیں اور بیت المال کے ذرائع آمدنی اتنے کم ہیں کہ وہ ضرورت کے لیے کافی نہیں، تو امام کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ لوگوں پر ٹیکس لگائے۔

غرض امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مصالح مرسلہ کی بنیاد پر، جس پر کہ مالکی فقہا کا عمل ہے، کفالت اجتماعی کے لیے ضروری وسائل فراہم کرنے کی خاطر بیت المال کی آمدنی کی اس تیسری مد سے کام لے، جبکہ اس کی دو سابق الذکر مدوں یعنی زکوٰۃ اور عطیات و صدقات سے معاشرے کی ضرورتیں پوری نہ ہوں۔

اختتامیہ

وقت کی تنگی اور اپنی معلومات کی کمی کے باوجود میں نے جو کچھ اوپر لکھا ہے، اس سے ہم

بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اجتماعی ظلم کے سدباب کی اسلام کو کس قدر فکر ہے اور وہ حق اور عدل کی ساری بنیادوں پر ایک متوازن معاشرے کے قیام کے لیے کس قدر باریک بینی سے کام لیتا ہے۔
اب میں اپنی اس بحث کے جس کے نقائص کا مجھے اعتراف ہے، بعض بنیادی اصول اخذ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس امید پر کہ ان پر مزید غور و خوض ہوگا اور ان کے بارے میں آپس میں گفت و شنید ہوگی۔ اور اس طرح ان میں سے جن باتوں پر آپ اتفاق کریں گے انھیں قبول کر لیا جائے گا۔ پھر ان بنیادی اصولوں کو زیادہ تفصیل سے قلم بند کر کے ایسی شکل دے دی جائے گی کہ آج اس جدید دور میں ہمارے لیے جو سب سے اہم مشکل ہے اُسے حل کرنے کے لیے اللہ کا جو حکم ہے وہ واضح ہو جائے۔
یہ بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) شریعت اسلامی کے مقررہ حدود کے اندر ملکیت اور انفرادی حقوق قابل حفاظت بھی ہیں اور قابل احترام بھی۔

فی الحقیقت تمام اموال اللہ کی ملکیت کے حکم میں آتے ہیں اور اللہ نے اپنے بندوں کو ان اموال پر اپنا نائب مقرر کیا ہے تاکہ وہ انھیں اس طرح خرچ کریں اور اپنے مفادات و مصالح کے مطابق ان میں یوں تصرف کریں کہ اس سے جماعت کے مفادات و مصالح پر زد نہ پڑے۔ کیونکہ دراصل یہ جماعت ہی کے مفادات و مصالح ہیں، جن کے لیے اللہ نے اموال پیدا کیے۔
ملکیت ایک اجتماعی ذمہ داری ہے جس کے لیے اسلام نے غصب، چوری اور ضبطی کے خلاف پوری ضمانت دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام نے صاحب ملکیت پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کے استعمال میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب نہ کرے، اور اس مقصد سے منحرف نہ ہو جس کے لیے ملکیت اُسے سپرد کی گئی ہے۔

(۲) اسلام فرد کے وجود کا احترام کرتا ہے۔ اور ان حدود کے اندر جن میں جماعت کے مفادات پر زد نہ پڑے اور اس شکل میں جس سے کہ وہ جماعت کے لیے مفید ثابت ہو، فرد کی آزادی اور اسکے احترام کی حفاظت پر شدت سے زور دیتا ہے۔
معاشرہ کے افراد میں مساوات کا قیام اسلام کے احکام میں سے ایک حکم ہے جو یہ لازم کرتا ہے کہ تمام اہل وطن کو مساوی مواقع حاصل ہوں اور ریاست کی نظر میں سب برابر ہوں۔

اسلام نسلی تفریق کو اس کی ہر شکل میں ناپسند کرتا ہے۔ وہ ہر فرد کو حق دیتا ہے کہ اسے کام ملے۔ اور واجب قرار دیتا ہے کہ ہر فرد کام کرے۔

(۲) اسلامی معاشرے کے ہر فرد کا یہ ثابت شدہ حق ہے کہ بے کاری، مرض، معذوری، بیوگی اور بڑھاپے میں (یعنی ہر ایسی حالت میں جب کہ وہ وسائلِ معاش سے کسی ایسے سبب کی وجہ سے محروم ہو جائے جس میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہ ہو۔) اس کی اجتماعی طور پر کفالت کی جائے۔

ان گزارشات کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور آپ سب حضرات کو اپنے دین کی خدمت اور اپنے احکام کی سربلندی کی توفیق دے اور ہمارے اربابِ حکومت میں سے مومنوں کی اپنی شریعت کے قیام کے لیے دستگیری فرمائے۔ بے شک اللہ ہی ہے توفیق دینے والا اور سیدھے راستے پر چلانے والا۔

حوالے

۳۰۔ الملکیۃ ونظریۃ العقد فی الشریعۃ الاسلامیہ ـ شیخ ابوزہرۃ۔

۳۱۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف۔

۳۲۔ التوبۃ۔ ۱۰۵

۳۳۔ سورۃ الملک۔ ۱۵

۳۴۔ القرطبی فی تفسیرہ۔

۳۵۔ البخاری

۳۶۔ الحجرات۔ ۱۳

۳۷۔ سورۃ السبا۔ ۳۶۔۳۷

۳۸۔ سورۃ النساء۔ ۱۲۴

۳۹۔ سورۃ النحل۔ ۹۷

۴۰۔ سورۃ آل عمران۔

۴۱۔ النساء۔ ۳۲

۴۲۔ متفق علیہ

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ مسند امام احمد

۴۵۔ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۰۰

۴۶۔ التوبۃ۔ ۵۹

۴۷۔ البقرۃ۔ ۱۷۷

حضرت شاہ ابو الرضا محمد فاروقی دہلوی ؒ

(۲)

(از ــــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوبات

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ ابو الرضا محمد دہلوی ؒ کے مکتوبات کی تعداد ۴۵ ہے۔ جن کو صاحبزادۂ گرامی قدر شیخ محمد فخر العالم نے جمع کیا ہے۔ مجموعۂ مکتوبات کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں لکھا ہے کہ "یہ میرے والد ماجد کے مکتوبات ہیں جن کو انھوں نے بعض کبرائے وقت مشائخ زمان نیز احباب و مسترشدین کے نام تحریر فرمایا ہے۔"

یہ مکتوبات حسب ذیل حضرات کے نام لکھے گئے ہیں۔

(۱) شیخ عبد الاحد ؒ ابن شیخ محمد سعید ؒ ابن حضرت مجدد الف ثانی ؒ۔

(۲) خواجہ شیخ محمد نقشبند ؒ ابن خواجہ محمد معصوم ؒ ابن حضرت مجدد الف ثانی ؒ

(۳) مرزا محمد سرہندی ؒ

(۴) شیخ عبد الحفیظ تھانیسری ؒ

(۵) شیخ محمد مراد کشمیری ؒ

(۶) خواجہ عبد الرحیم کشمیری ؒ

(۷) شاہ محمد مظفر ؒ مشکل۔

(۸) فضیلت مآب ملّا عصمت اللہ فاروقیؒ قاضی مراد آباد۔
(۹) شہاب الدین قلی ملقب بہ غازی الدین خاں صدیقیؒ سمرقندی۔
(۱۰) سید علی اکبرؒ
(۱۱) شیخ محمودؒ
(۱۲) حاجی عبداللہ سلطان پوریؒ
(۱۳) عنایت خاںؒ۔
(۱۴) میر عزت اللہؒ
(۱۵) میر عبدالحکیمؒ
(۱۶) خواجہ عبدالکریمؒ۔
(۱۷) حقائق آگاہ شیخ بایزید قدس سرہٗ
(۱۸) شیخ محمد یحییٰؒ۔
(۱۹) ایک دوست جن کا نام درج نہیں۔

سب سے زیادہ مکتوبات حضرت شیخ عبدالاحدؒ نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام ہیں ـــ جو تعداد میں تیرہ۱۳ ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب حضرت شیخ عبدالاحدؒ کی والدۂ ماجدہ کی تعزیت میں اور ایک ان کے بھائی کی تعزیت میں ہے۔ باقی گیارہ خطوط مضامین عالیہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں چار پانچ مکتوب وہ ہیں جو راہِ سلوک کی ایک دقیق بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انفاس العارفین میں حضرت شیخ عبدالاحدؒ کے مکتوبات اور ان کے جواب میں اپنے عم بزرگوار کے مکتوبات ـــ درج کر دیے ہیں، اور ان مکتوبات کی بعض عبارات کی تشریح بھی اپنے قلم سے فرمائی ہے۔ ان مکتوبات کے علاوہ شیخ عبدالحفیظ اور محمد مرزا سرہندیؒ کے نام جو مکتوبات ہیں ان میں سے بھی کچھ کو شامل کتاب کیا ہے۔ علاوہ شیخ عبدالاحدؒ کے کچھ حضرات کے نام چھ چھ کچھ کے نام تین تین اور دو دو مکتوب ہیں۔ زیادہ تر ایک ایک گرامی نامہ ہے۔ ان میں سے کچھ سفارش پر مشتمل ہیں۔ اور سب سے آخر میں جو مکتوب ہے وہ ایک دوست کے نام ہے۔ جن کا نام جامع کو معلوم نہ ہوسکا ہوگا۔ خواجہ شیخ

محمد نقشبندؒ کے نام جو دو گرامی نامے ہیں ان میں سے ایک اس موقع پر لکھا گیا ہے جبکہ خواجہ محمد نقشبندؒ نے قصدِ حج بیت اللہ کیا ہے، دوسرا اُن کے کسی عزیز کی تعزیت میں ہے ___ شاہ محمد مظفر رہتکیؒ کے نام دو مکتوب ہیں۔ ان میں سے پہلے کے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔ "این نامہ بکسے ننمائند۔ (یہ خط کسی کو نہ دکھانا) یہ مکتوب اسرار و معارف توحید پر مشتمل ہے، عوام اور ناواقفین کے فہم سے بالاتر ہونے کی بنا پر خود ہی اس مکتوب کی اشاعت کو منع فرما دیا۔ شیخ رہتکیؒ کے نام کا دوسرا خط مع ترجمہ کے آگے آرہا ہے۔

میں نے جن مکتوبات کا انتخاب کیا ہے وہ سوائے ایک کے (جو بنام شیخ عبد الحفیظ تھانیسریؒ ہے) انفاس العارفین میں بھی نہیں ہیں ___ مجھے مسرت ہے کہ میں ان نادر مکتوبات کو ناظرین الفرقان کے مطالعہ کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ بنظر اختصار خیال تو یہ تھا کہ ان مکتوبات منتخبہ کے صرف اُردو ترجمہ ہی پر اکتفا کیا جائے لیکن اول تو یہ مکتوبات نادر الوجود ہیں، دوسرے ان کی فصاحت و بلاغت دلآویزی اور تاثیر، نیز جامعیت و معنویت نے تقاضہ کیا کہ اصل عبارت کو برقرار رکھ کر ترجمہ بھی کر دیا جائے ___ البتہ اپنے ذوق کے مطابق افادیت ناظرین کو پیش نظر رکھ کر بعض مکتوبات کے اقتباس پر اکتفا کی گئی ہے۔ ان مکتوبات میں سے اکثر کی زبان فارسی ہے چند عربی زبان میں بھی ہیں ___

شیخ عبد الحفیظ تھانیسری کے نام (۱) ؎

برادر ارجمند، دل پیوند۔ عبد الحفیظ از التفات بما سوائے او سبحانہ و تعالیٰ محفوظ باشند۔ مکتوب برادر رسید نوشتہ بودند کہ بفضلِ الٰہی وقتِ جمعیت بے کلفت میسر می آید و حالے شگرف

برادر ارجمند عبد الحفیظ ماسوائے خدا کی طرف التفات سے محفوظ رہیں ___ تمہارا مکتوب پہونچا اُس میں لکھا تھا کہ بفضلِ الٰہی وقت جمعیت بے کلفت میسر آتا ہے اور عجیب کیفیت

؎ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انفاس العارفین میں آپ کے متعلق صرف اتنا تحریر فرمایا ہو "از خواص اصحاب ایشاں بود" یعنی شیخ عبد الحفیظ حضرت شیخ ابو الرضاؒ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔

روئے می نماید ۔ الحمد للہ ۔ حق تعالیٰ زیادہ ازیں جمعیت کرامت فرماید و باستقامتِ ظاہر و باطن مشرف دارد ۔ چوں تعهدِ عیال و اطفال بامرِ شریف حضرت رب العزت است داخلِ دائرہٗ طاعت و عبادت است از تحملِ مشاقِ آں چارہ نیست صابر باشد سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ...... بقیہ النصیحۃ ملازمت العبودیۃ علی السنۃ و دوام المراقبۃ ...... والسلام

نمودار ہوتی ہے ۔ اللہ کا شکر ہے ۔ حق تعالیٰ اس سے زیادہ جمعیتِ قلب نصیب فرمائے اور استقامتِ ظاہر و باطن سے مشرف رکھے ۔ چونکہ اہل و عیال کی دیکھ بھال بھی حضرت ربُّ العزت کا حکم ہے اسلئے یہ بھی دائرہٗ طاعت و عبادت میں داخل ہے ۔ اہل و عیال کے لیے محنت و مشقت برداشت کرنا بھی ضروری ہے ۔ صابر رہیں ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگدستی کے بعد خوشحالی کا سامان مہیا فرمائے گا ۔ .... باقی نصیحت یہ ہے کہ سنت کے مطابق عبادت کو لازم پکڑیں اور دوامِ مراقبہ کا التزام کریں ۔ ...... والسلام ۔

شیخ عبد الحفیظ تھانیسری کے نام (۲)

...... ولایت بر سہ قسم است ، ولایتِ ایمانی و ولایتِ عرفانی و ولایتِ احسانی ۔ ولی بولایتِ ایمانی و عرفانی محفوظ نباشد از صدورِ کبیرہ متعمداً چہ جائے صغیرہ ۔ اما ولی بولایتِ احسانی محفوظ است از صدورِ کبیرہ مطلقاً و از صدورِ صغیرہ متعمداً والسلام ۔

...... ولایت تین قسم کی ہے ، ولایتِ ایمانی ، ولایتِ عرفانی ، ولایتِ احسانی ۔ ولایتِ ایمانی و عرفانی والا ولی ، قصداً کبیرہ گناہ صادر ہونے سے بھی محفوظ نہیں ہوتا چہ جائیکہ صغیرہ سے محفوظ ہو ۔ لیکن ولایتِ احسانی والا ولی مطلقاً صدورِ کبیرہ سے اور متعمداً صدورِ صغیرہ سے محفوظ ہوتا ہے ۔ والسلام ۔

خواجہ محمد مرادؒ کشمیری کے نام (۱) [۵]

[۵] شیخ محمد مراد کشمیریؒ ابن مفتی محمد طاہر کشمیریؒ ، کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے والد ماجد سے تحصیلِ علوم و سلوک (باقی [illegible])

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ السلام علیکم و
رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ برادرِ ارجمند خواجہ محمد مراد از
حقیقتِ مریدی و مرادی بجستہ فرجام بودہ از
شربِ بندگی و آزادی سیراب کام باشد ۔
مکتوب مع یادگار کمربند پشمینہ رسید، خاطر مسرور
گردید ۔ از استغنائے محبوب چہ نگارم۔ امّا از
عنایتِ بے غایت شے می نویسم۔ بگوشِ ہوش
استماع نمائند ۔ کہ ہیچ چیز را جز حق تعالےٰ
حقیقتِ ہستی نیست ۔ و ہستی ہمہ چیزہا پرتو
نورِ وجود اوست و بقائے وجود ہمہ اشیاء بہ بقاءِ
فیضِ حضرت اوست کہ اگر یک لمحہ فیض او نرسد
ہمہ عالم دراں لمحہ در کتمِ عدم رود ۔ پس
ہمہ موجودات در عینِ زمانِ وجود از دعویٔ
وجود مبرّی اند بزبانِ قال و حال اقرار
می نمایند کہ ما بیگانگانِ خرابۂ عدم ہر چند بخلعتِ
وجود از درگاہِ واجب الوجود وجودہا داریم ولیکن
در حقیقت ہم چناں بیگانہ ایم کہ پیش از تشریفِ
وجود بودیم ۔ کریمہ ۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ

بعد تسمیہ و سلام ــــ برادر ارجمند خواجہ محمد مراد
حقیقت مریدی و مرادی سے کامیاب ہوکر مشرب
بندگی و آزادی سے سیراب ہوں ــ تمہارا مکتوب
مع ایک اونی کمربند کے پہونچا دل خوش ہوا ــ
استغنائے محبوب حقیقی کے بارے میں کیا لکھوں،
البتہ اُنکی عنایتِ بے غایت کے متعلق لکھتا ہوں
غور سے سنو ــــ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو
درحقیقت، ہستی حاصل نہیں ہے ۔ تمام چیزوں
کی ہستی اُسی کے نورِ وجود کا پرتو ہے اور تمام
اشیاء کے وجود کی بقاء، بقائے فیضِ خداوندی
کے ساتھ وابستہ ہے ــ اگر ایک لمحہ بھی اس کا فیض
نہ پہونچے تو تمام عالم اسی لمحہ معدوم ہو جائے۔
پس تمام موجودات اپنے وجود کے زمانے میں دعویٔ
وجود سے دست بردار ہیں اور زبانِ قال و حال سے
اقرار کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم بیگانِ خرابۂ عدم نعمتِ
واجب کی جانب سے خلعتِ وجود مل جانے کی
وجہ سے (بظاہر) وجود رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت
میں اُسی طرح وجود سے برہنہ ہیں جس طرح وجود

(بقیہ صفحہ گذشتہ)
حضرت شیخ عبدالاحد نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذریعہ طلب کی۔ ان کے ہمراہ سرہند گئے وہاں بہت عرصے رہ کر
کشمیر گئے جہاں عبد وہاں سے پھر لوٹ کر ایک سال کامل اپنے شیخ کی خدمت میں رہے وہاں سے استفادہ کیا پھر کشمیر گئے اور
وہیں ایک مسجد میں [illegible] ہے۔ [illegible] مکتوبات نے آپ کا احوال
[illegible] ظاہر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے شاگرد [illegible] نے بھی بیعت پڑھے ہوں۔

برا ثبات ایں دعویٰ گواہ است وحدیثِ اَلاَ کلُّ شیئٍ ماخلا اللہ باطلٌ ___ مبیّنہٗ رفع ایں اشتباہ ___ برادرا چوں ایں شہود بدوام پیوندد، مرید را ارادہ رخت از میانہ بربندد ..... آفتابِ مراد از افقِ حقیقت طالع گردد، بساطِ ظلمتِ غیر وغیریت درنوردد .... فقدان بوجدان مبدّل گردد قلق واضطراب تسکین پزیرد۔ عطش وتشنگی رو بزوال آرد وبآبِ زلالِ وصال سیراب گردد۔ سعادتِ سرمدی بحصول انجامد؎

آں سرّے کہ از گوش شنیدیم ز خلقے
از علم بعین آمد واز گوش بآغوش

بقیۃ النصیحۃ ___ لازمۃ العبودیۃ علی السنۃ ودوام المراقبۃ ....

ملنے سے پہلے تھے ___ قرآن مجید کی پیش کردہ آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسند فرمایا ہوا ایک عرب شاعر کا مصرعہ مذکورہ اس دعوے کے گواہ ہیں ___ برادرم! جب یہ شہود راسخ ہو جاتا ہے تو پھر آفتابِ مراد، افقِ حقیقت سے طلوع ہوتا ہے اور ظلمتِ غیر وغیریت کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ فقدان وجدان سے بدل جاتا ہے، قلق واضطراب کو تسکین ہو جاتی ہے۔ تشنگی دور ہو کر وصال کے آبِ زلال سے سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ نیز سعادتِ سرمدی کی دولت ہاتھ لگتی ہے ___

(ترجمہ شعر) وہ بھید جس کو لوگوں کی زبان سے اپنے کانوں سے سنا تھا اب وہ علم الیقین سے عین الیقین کی حد تک پہونچ گیا اور گوش سے آغوش میں آگیا ___

باقی نصیحت یہ ہے کہ مطابقِ سنت عبادت وطاعت کو لازم قرار دیں اور دوام مراقبہ اختیار کریں ___

خواجہ محمد مراد کشمیری کے نام۔ (۲)

سوختۂ آتشِ محبتِ ابدی وستِ بادۂ مودّتِ سرمدی برادرم خواجہ محمد مراد بعد از حمد وصلوٰۃ وسلام از دعاگوئے خود، ابوالرضا محمد مطالعہ نمایند۔ محب آنست کہ ہرچہ گوید با دوست

..... برادرم خواجہ محمد مراد بعد از حمد وصلوٰۃ وسلام ___ اپنے دعاگو ابوالرضا محمد کی طرف سے مطالعہ کریں۔ محب وہ ہے کہ جو کچھ گفتگو کرے دوست کے ساتھ گفتگو کرے، جو کچھ سنے

گویند وہر چہ شنود از دوست شنود و باہر کہ نشیند با دوست
نشیند وہر چہ بیند از دوست بیند ۔۔۔ نصیحت
جامعہ آنست کہ قدم در متابعت حضرت
سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ
واصحابہ اجمعین ۔ استوار داشتہ خدائے عزوجل
را بہ بیان حسن وجمال جہاں آرائے او بر بندگان
او محبوب گردانند وخود را بہ ہیچ کس فضل ندہند۔
ع۵
زیادہ چہ نویسم کہ قصہ چنین است،
فرصت اندک، موت در کمین است

دوست سے سُنے۔ جس کسی کے ساتھ بیٹھے دوست
کے ساتھ بیٹھے .... اور جو
کچھ دیکھے دوست سے دیکھے ۔۔ ... ایک
جامع نصیحت یہ ہے کہ اتباع حضرت محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت قدم رہ کر
اللہ تعالیٰ کی محبت کو اُس کے جہاں آرا حُسن و
جمال کو بیان کرکے اس کے بندوں کے دلوں میں قائم کریں۔
زیادہ کیا لکھوں ۔۔ بات یوں ہے کہ
فرصت کم ہے اور موت گھات لگائے
کھڑی ہے۔

خواجہ محمد مُراد کشمیریؒ کے نام (۳)

برادر سعادت آثار خواجہ محمد مراد،
بدریائے نیستی و نامرادی فرو رفتہ
دُرّ یتیم ہستی حقیقی را علی الدوام در
کفِ مراد داشتہ اوقات عزیزہ را
بوظائفِ طاعات و عبادات و تلاوتِ قرآن
و رعایتِ احسان، موظف دارند و بعبارات
غریبہ و اشارات عجیبہ محجوبان و مہجوران را

برادرم خواجہ محمد مراد۔ دریائے نیستی و
نامرادی میں غوطہ زن ہو کر ہستی حقیقی کے
دُرِّ یگانہ کو ہمیشہ کفِ مراد میں رکھتے ہوئے
اپنے اوقات عزیزہ کو طاعات، عبادات،
تلاوتِ قرآن اور رعایتِ حُسن سلوک میں
صرف کریں ۔ نیز اچھی عبارات و عمدہ
اشارات کے ذریعے مہجوروں کو [illegible]

ع۵۔ مطالعۂ مکتوبات کے وقت خاکسار [illegible] ایک عجیب کیفیت پیدا ہوئی [illegible]
شعر یاد آگیا ۔ اجل لگائے ہوئے تاک [illegible] ہوش باش کہ عالم سرائے بربادی ہے ۔۔ مگر [illegible]
[illegible]

مشتاقانِ لقاءِ آں بادشاہِ حسن وجمال گرداند و مراہم خدمت وعبادت او سبحانہ وتعالیٰ بر طالبانِ راہ مقرر سازند۔ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ راکسے بخواب دیداز حالِ خیر مآل او پرسید جواب گفت "طاحت العبارات وفنیت الاشارات وما نفعنا الاّ رُکیعاتٌ رکعناہا فی جوف اللیل" حق تعالیٰ آں برادر را از شہوتِ شہرت ولذتِ قبولِ خلق محفوظ ومصؤن داراد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔

قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بحسب امرءٍ من الشرّان یشارُ الیہ بالاصابع فی دینٍ او دنیا الاّمن عَصمہُ اللہ۔
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

حسن وجمال (اللہ تعالیٰ) کی ملاقات کا مشتاق بنادیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کی راہ و رسم طالبانِ راہ کے لیے مقرر کریں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور اُن کے حال کو دریافت کیا۔ جواب میں فرمایا کہ (ہماری) سب عبارتیں ختم ہوگئیں اور تمام اشارات ختم ہوگئے بس ہم کو تو اُن دو معمولی رکعتوں نے فائدہ دیا جو رات کے اندر ہم نے پڑھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ آنعزیز کو شہرت کی خواہش اور قبولِ خلق کی لذت سے محفوظ رکھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ انسان کی بُرائی کے لیے یہی کافی ہے کہ اُس کی طرف لوگ انگلیوں سے (اُسکے مشہور ہونے کے باعث) اشارہ کریں دین یا دنیا کے بارے میں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کی حفاظت فرمائے (کہ وہ شہرت کے باوجود اس کی بُری تاثیر سے محفوظ رہے)۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

"دربارِ عالمگیری"

(از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی)

—— (۶) ——

ابو الخیر

ملک ابو الخیر، یہ ملک ابو المکارم عالم دین حافظ قرآن صوفی منش قاری کے بیٹے تھے، ابو الخیر اپنے پدر بزرگوار سے زیادہ ظاہری ثروت سے مالا مال ہوئے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرتے اور جو کچھ ہوتا اس پر ہی قناعت کرتے۔ نہ کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلے نہ کسی کی ملازمت کی نہ خدمت گزاری میں اوقات صرف کئے علوم عربیہ سے پورے واقف۔ باپ دولت مند تھے انھیں کی دولت کے سہارے خوب خوب عیش کیا بڑھاپا آیا تو باہنر و قابل اولاد کی خدمت گزاری نے آرام سے گزار دی۔ تاہم مزید مدد معاش کے لئے ہنر و علم پرور شہنشاہ عالمگیر نے سو بیگہ زمین بھی معافی میں دے دی۔

دریں وقت میمنت عنوان فرمان والاشان صادر شد کہ یک صد بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ ملیح آباد تابع سرکار لکھنؤ مضاف صوبۂ اودھ در وجہ مدد معاش شیخ ابو الخیر ولد شیخ ابو المکارم حسب الضمن مقرر باشد کہ حاصل آن را صرف معیشت نمودہ بدعائے بقائے دولت روز افزون اشتغال نماید۔ باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال زمین مزبورہ پیمودہ و چک بستہ بتصرف او باز گذارند و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل با جان راہ نہ دہند و بعلت مال و جہالت و اخراجات مثل پیش کش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و جراثیمہ و طلعانہ و بیگار و شکار و مقدمی و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد تشخیص چک دیگر

زراعت و کل مطالبات سلطانی و تکالیف دیوانی مزاحم نشوند و درین باب ہر سال سند جدید
نہ طلبند و اگر در محصل دیگر چیزے دانستہ باشد آں را اعتبار نہ کنند۔ فرمان بست و پنجم جمادی الاولیٰ
۳۴ سنہ جلوس مطابق ۱۱۰۲ سنہ ہجری۔

ملّا عبد الرقیب

ملا عبدالرقیب کا سلسلہ نسب ملّا عبدالبکر جامی سے ملتا ہے۔ شہنشاہ عالمگیر انھیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا صاحب نسبت درویش صفت ذی علم اور ماہر مدرس تھے اور باوجود دولت و ثروت مال و متاع، اوراد و اشغال کے بڑے پابند تھے۔ انوار معرفت سے خوش دل رہتے زہد و تقویٰ ان کا شعار رہا اور تدیّن اور پاک دامنی سے آراستہ و پیراستہ رہے۔ طلاقت لسانی اور عذب البیانی ان کا طرۂ امتیاز تھا عزم کی پختگی حوصلہ کی وسعت فکر کی متانت اور ظاہری وجاہت بذل و احسان اور حسن اعمال و کردار میں مشہور تھے متوسطات تک کتب درسیہ میں ملا سعید فرنگی محلی سے تلمذ حاصل تھا۔ احادیث کی سند ملّا غلام نقش بندی لکھنوی سے لی۔ اپنے استاد کی معیت میں دہلی میں قیام کیا اور بحکم شاہ عالمگیر وزیر الممالک اسد خاں و نواب عابد خاں صدر الصدور ایک فرمان کے ذریعہ اٹھائیس بیگہ اراضی مضافات لکھنؤ پرگنہ کاکوری میں حاصل کی اور اس کے محاصل سے گزر بسر کرتے رہے۔ پہلے پہلے وظیفہ نقد ملتا رہا پھر اراضیات معافی میں تبدیل ہوگیا۔ نواب اسد خاں کو بھی ان پر اعتماد تھا اور اس حد تک کہ ان کے بہت سے پیچیدہ معاملات کا سلجھانا بھی ان سے متعلق رہا۔ شاہی عدالت میں قضایا اور مہمات میں پیروی کرتے بادشاہ ان کی دیانت اور ایمان داری کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے اپنے چند ذاتی معاملات بھی ان کے سپرد کر دیے۔ بعد چندے گو کہ باضابطہ ان کا تعلق حکومت سے منقطع ہوگیا لیکن درباری امراء سے ان کا میل جول برابر رہا جب شاہ عالمگیر حسن ابدال کی زیارت کے لئے کابل گئے تو لشکر عالمگیری کے ساتھ یہ بھی تھے۔ عہد عالمگیری میں تمام ہندستانی صوبہ جات سے جزیہ کی وصول یابی انھیں کی نگرانی اور سرکردگی میں ہوتی۔ وطن کے قیام اور مستقل رہائش کے فیصلہ کے بعد صوبہ اودھ کے جزیہ کا حصول اور حساب کتاب ان سے متعلق رہ گیا۔ اور ان کی حسن کارگزاری اور وسیع تجربہ کی بدولت جزیہ کی مقدار میں معتدبہ اضافہ ہوا خیرآباد میں ملک محمد عوض، شیخ عبدالحبیب سندیلہ میں اور چھوٹے بھائی ان کے شیخ عبدالحفیظ لکھنؤ و مضافات لکھنؤ میں نیابتہ ان کی طرف سے کام کرتے رہے۔ خود دھندیا دورہ کے سلسلہ میں خدام کی ملاقات

ابوالفضل سے استفادہ کے لئے یہ روزانہ لکھنؤ آتے۔ ملا غلام کے واسطے سے دہلی سے آیا ہوا ان کے نام ایک خط ملا جس میں صوبہ اودھ کی تاریخ لکھنے کے کام کی انھیں پیشکش ہوئی تھی! اور یہ کام بھی بخوبی انجام پایا۔ جب عالمگیر کی خدمت میں ان کا مرتبہ مسودۂ تاریخ پہونچا تو عالمگیر بہت خوش ہوا اور اسے دیکھ کے اس نے یہ نوٹ لکھا کہ صوبجات ہند کے دوسرے سوانح نگاروں سے ملا عبدالرقیب کا مسودہ واضح ہے۔ اور مختصر بھی۔ ملا عبدالرقیب نے اپنی نیابت میں ہر ہر ضلع میں ایک وقائع نگار کا تقرر کر دیا تھا جہاں سے روزانہ کے حالات قلم بند کر کے ان کے پاس آتے اور ان کی نظر ثانی کے بعد عالمگیر تک پہونچ جاتے۔ لوگ اس صوبہ کے انھیں بھی اپنا ماویٰ ملجا سمجھتے اور مشکلات میں انھیں کی طرف رجوع کرتے۔ انجین ضلع ...(اودھ) ان کی جاگیر میں تھا۔ انھوں نے وہاں سرا اور مسافر خانہ اور کنواں بھی بنوا دیا تھا، بیواؤں کی تنخواہیں، یتیموں کے وظیفے اور لاچاروں کی خفیہ اور علانیہ مدد کرتے رہتے۔ واما السائل فلا تنھر پر پورے پورے عامل رہے۔ کسی شاعر نے حالات اور واقعات دیکھ کر یہ شعر بھی ان کی شان میں کہا تھا ؎

شیخ عبدالرقیب کز فیضش
ہر کس را النصیب پنہانی ست

ذی علم اور ذی فضل شخصیتیں جیسے مولوی کرم اللہ کھیولی اور ملا محمد اصغر بالنسوی اوقات فرصت میں ان کی صحبت میں بیٹھتے اور علمی بات چیت میں اوقات گزاری کرتے۔ کبھی حدیثی نکات بیان ہوتے اور کبھی قرآنی نکتہ رانیاں ہوتیں۔ ان کا روحانی سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ شاہ میر لاہوری سے بیعت تھے اور اپنے مرشد کے دل میں ان کی خاصی قدر و قیمت تھی۔ کبھی یہ ان کی خدمت میں پہونچتے تو مرشد ان کی پیشانی کا بوسہ دے کے بہت خوش ہوتے۔ شیخ محمد قلندر لاہر پوری، شاہ عبدالرزاق بانسوی، شاہ عبداللطیف جھنگانوی، شاہ دوست عرف شاہ دوسی لکھنوی سے ان کے بڑے مراسم اور بڑے تعلقات تھے۔ کتب بینی کا شوق تھا اس لیے کتابوں کا ذخیرہ بھی اچھا جمع کر لیا تھا۔ دل بیار و دست بکار ریاضیات شاقہ اور مجاہدات میں بھی سرگرم رہتے۔ دعائے سیفی ان کے ورد میں رہتی۔ صائم النہار اور قائم اللیل تو تھے ہی مگر باوجود شہرت اور مال و متاع ان جیسی پر قانع تھے ان کا مقولہ تھا کہ نفس کو قوت نہ پہونچانا چاہیے اس لئے کہ نفس بہانے جو خواہشات شیطانی میں جلد آجاتا ہے۔ باتوں میں عمر بحث تک بہت جلد پہونچتے اور ان کی ذکاوت طبع اور ندرت فکر کی داد ملتی۔ ایک بار علما کی مجلس میں حافظ واعلیٰ الصلوٰۃ

الصلوٰۃ الوسطیٰ میں صلوٰۃ وسطیٰ کے تعیین کی بحث چھڑی تو انھوں نے کہا کہ حافظوا علی الصلوات
اشارہ حرکات بدنی اور ارکان کی طرف ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ میں صلوٰۃ قلبی بدوام شہود کی طرف ۔

شیخ فصیح اللہ بانسوی نے ان کے ملفوظات محافل خمسہ کے نام سے محفوظ کیے تھے۔ عدل پسند اور عدل
ست حد درجہ کے تھے اور مقدمات اور پبلک کے معاملات میں خواہ اجانب ہوں یا اقارب شمہ برابر
رعایت مدنظر نہ رکھتے ما آتاکم الرسول فخذوہ پر پورے پورے عامل تھے قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی کا ایک
ملہ ان کے سامنے پیش آیا۔ انھوں نے جو حق سمجھا اس پر فیصلہ صادر کر دیا ایک فریق نے ان پر عزیزداری کی
یت کا غلط الزام لگا کے بادشاہ کی خدمت میں درخواست دی۔ عالمگیر نے شاہزادہ کام بخش کے
یقات سپرد کی کہ اگر واقعی ایسا ہے تو معزول کر دیئے جائیں۔ یہ خبر مرزا یار علی بیگ کو جو شاہی مقربین میں
پہونچی تو انھیں بہت انقباض خاطر ہوا۔ اور تین روز تک دربار میں نہیں گئے۔ بادشاہ نے طلب کیا تو جواب
میں بہت ضعیف ہو گیا ہوں مجھے درباداری سے معاف کر دیا جائے۔ علاوہ بریں مجھے زیارت حرمین
نگی ہے۔ عالمگیر نے پھر اصرار کیا یہ حاضر ہوئے تو استعفا لئے ہوئے اور عذر یہ تھا کہ آپ کو اب تک مجھ پر
ماد تھا وہ اب نہیں رہا۔ اس لئے مستعفی ہوتا ہوں۔ عالمگیر نے سوال کیا کہ یہ کیسے؟ انھوں نے جواب دیا
یہ ایسے کہ آج تک آپ کو مجھ پر اعتماد تھا اور مجھے ملا عبد الرقیب پر اور یہ وہی شخصیت ہیں کہ ان کی دیانت
ری کا حال سن کے آپ نے سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ آج آپ نے مخالفوں کی بات پر اعتماد کر کے ان کو
زول کر دیا تو مجھے بھی معزول سمجھئے۔ بادشاہ نے جب سنا تو فوراً ملا کی بحالی کے احکام جاری کر دیئے۔

انھیں تصنیف اور تالیف کا بھی شوق تھا اور ایک کتاب اسی داعیہ سے تفسیر میں لکھی تھی اور ان میں
ص طور پر وہ آیات لی تھیں جن کا تعلق واردات قلبی سے ہوتا ہے۔ ان کے ملفوظات "محافل خمسہ" کے تم
مجموعہ میں یہ رسالہ بھی شامل ہے۔ یہ صاحب کرامات بھی تھے۔ صاحب "محافل خمسہ" لکھتے ہیں کہ
ں نے ایک روز ان سے رخصت چاہی کہ اپنے وطن بانسہ چلا جاؤں۔ فرمایا کہ آج نہ جاؤ راہ میں بھیگ
ؤ گے۔ میں نے عرض کی برسات کا موسم تو ہے نہیں اور مجھے ضرورت بھی شدید ہے فرمایا اچھا جاؤ میں
اور ابھی ۲-۳ میل ہی چلا ہوں گا کہ بلا وہم و گمان بادل گرجے برسے اور برس کے نکل گئے میں شرابور
ہو گیا۔ آگے جانے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ وہاں ہی بادل جڑیں دھم گئیں مجھے قیام کرنا پڑا۔

ان کی یہ بھی ایک خاص آن تھی کہ باوجود کمالات باطنیہ اور قوائے متصرفہ کسی کو مرید کرنے میں

شامل ہی رہے۔ ہاں اگر مرید کیا تو اپنے بیٹے شیخ محمد کو اور انھیں بعد کو خلیفہ مجاز بھی بنا دیا۔ باقی روحانی اور باطنی استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو مستفید ہوتی رہتی۔ ان میں صاحب محافل خمسہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شہنشاہ عالمگیر کا انتقال ہو چکا تھا اس کے دو ہی سال بعد ان کا ہوا جب تخت نشین بدلتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا تاج ور آتے آتے آتا ہے تو فضا میں تبدیلی پیدا ہوتی، ماحول میں تغیر رونما ہوتا ہے اور انقلابی شورشیں کہیں سر اٹھاتی ہیں اودھ کے صوبہ میں بیسواڑہ کے راجاؤں نے فسادات اور فتنوں کے علم اٹھائے اور ان کے وطن کو قبضہ میں لانے کا تہیہ کیا تو انھوں نے اس آتش فتنہ کی لپٹوں سے محفوظ رہنے کے لئے بطور حفظ ما تقدم اپنے بیٹے محمد منتجب کو سواروں اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ حراست کے لئے اور ان شعلوں سے بچاؤ کی خاطر روانہ کر دیا۔ عالمگیر کے بعد شاہ عالم تخت آرائے حکومت ہوا تو انکی بحالی اور حسب سابق اپنی پوزیشن پر برقرار رہنے کی انھیں سند دی گئی۔ لیکن دنیا اور ما فیہا سے نفور و بیزار بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر علائق دنیوی سے قطع تعلق کر کے ہمہ وقت اور ہمہ تن یاد حق میں مشغول رہنے لگے علالت شروع ہوئی ضعف و نقاہت میں زیادتی ہوئی۔ دوا علاج کا کوئی نام زبان پر لاتا تو فرماتے یہاں کی سختیاں آخرت کے سکون اور آرام کی باعث ہوں گی اب تو لو وہاں کی لگی ہوئی ہے۔ دوا علاج بے سود ہی سے ہوں گے۔ تو کمزوری کی زیادتی تھی۔ بڑی بڑی مقدس ہستیاں قاضی مینا قلندر رھونوی اور بانسہ کے شاہ عبد الرزاق عیادت کو [illegible] گئے۔ وقت آخر تھا صاحبزادے کو بلا کے کہا دشمن مخالفت پر کمربستہ ہوں تو پریشان نہ ہونا اور برائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی ہی کی صورت میں دینا۔ حدیث میں ہے کہ الانسان عبید الاحسان۔ صاحب جواہر الانشا لکھتے ہیں کہ انھیں یہ روایت محمد یعقوب فرنگی سے پہونچی اور انھوں نے ملا نظام الدین فرنگی محلی سے سنا کہ ایک دفعہ ملا عبد الرزاق بانسوی نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو فرمایا کہ ابھی میں نے جنت کی سیر کی جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں دیکھا کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور ملا عبد الرقیب دونوں بڑی شان و شوکت سے بیٹھے ہیں یہ منظر جب میرے سامنے آیا تو مجھے انتہائی خوشی ہوئی اس لئے کہ یہ دونوں میرے دوست تھے جن کو یہ رتبہ اور شرف ملا تھا انکا مزار قصبہ کاکوری کے محلہ چودھری تالاب میں ہے اور ایک محلہ جزیہ گڑھی انھیں کے نام سے مشہور ہے دو حویلیاں اور دیوان خانہ تھا جن کے ٹوٹے ہوئے آثار تو ہیں لیکن دیدۂ عبرت کا نشیمن تھا ایک مسجد ہے جس کا سن تعمیر [illegible] کتبہ سے [illegible] پڑھا جاتا ہے موجود ہے۔ ملا عبد الرقیب نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی وفات سے قبل ذکر انفاس [illegible] زور سے جاری تھا [illegible] رحمہ اللہ

ترجمہ

از:۔ وحید الدین خاں

لبرل اسلام (۲)

[مسٹر آصف فیضی کی کتاب "اے ماڈرن اپروچ ٹو اسلام" کے چوتھے باب کا ترجمہ۔
اسلام کے بارے میں جدید تعلیمیافتہ مسلمانوں کے طرز فکر کے ایک مطالعہ کے طور پر]

تعمیر نو کے عام اصول

تاریخی طریقہ HISTORICAL APPROACH اسلام کا پیغام چودہ سو سال پہلے کی دنیا میں آیا تھا۔ کیا اب اسکی نئی تشریح کی ضرورت ہے۔ کیا وہ تمام دنیا اور ہر زمانے کے لئے نہیں۔ دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں ہے۔ خواہ ایک پیغام سچا ہو اور خواہ وہ ایک مفہوم میں دائمی بھی ہو، پھر بھی اسی مقدمہ کے تحت ضروری ہے کہ اسکو جدید دنیا کی سائنس، فلسفہ، نفسیات مابعد الطبیعیات اور دینیات کے تحت سمجھا جائے۔ ورنہ دنیا کا فکر اور اسکی روشنی اسے ختم کر دے گی۔ ۹۱

انسان کی تاریخ میں یہ تقریباً صرف دس ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ اسکے ذہن میں خداؤں کا تصور آیا۔ جو اسکی قسمت پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ آسمان کے ستارے، جنگل کے درندے ہوا کی چڑیاں، خشکی پر رینگنے والے جانور، اور سمندر کی مچھلیاں مافوق الفطرت ہستیاں تصور کی گئیں جو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہیں اور ساری دنیا میں انسان نے ان خداؤں کو پوجنا شروع کر دیا۔ اور قربانی، بھجن، مذہبی اعمال و رسوم اور رقص کے ذریعہ اس نے کوشش کی کہ ان کی آفتوں سے بچ سکے۔ اسکے تقریباً پانچ ہزار برس بعد ــــ یعنی اب سے صرف پانچ ہزار برس پہلے میسو پوٹامیا یا اس کے آس پاس اور نیز ہندوستان میں معلوم

تاریخ میں پہلی بار انسان اس عقیدے تک پہنچا کہ خدا ہزاروں نہیں بلکہ صرف ایک برتر ہستی ہے ——— برہم، وجود مطلق (ABSOLUTE) خالق، رام، یا رحیم، جس نام سے بھی تم اسے پکارو، وہی ایک عبادت کا مستحق ہے۔ ایک لمبی دکھ بھری تلاش کے بعد انسان اس عظیم دریافت تک پہنچا۔ بلاشبہ انسانی تاریخ کی عظیم ترین واحد دریافت! یہ زیرو، آگ، لوہا، نظریہ اضافیت یا کسی اور دریافت سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ یہ تصور بذات خود ایک نادر چیز ہے، وہ ایک پُر اسرار اور محرک طاقت ہے، وہ مایوس روحوں کو زندگی دیتا ہے، وہ زندگی کو بامعنی بناتا ہے، وہ آدمی کو وہ کچھ دیکھنے کے قابل بناتا ہے جو وہ نہیں دیکھ سکتا، آدمی کو وہ کچھ سننے کے قابل بناتا ہے جو وہ نہیں سن سکتا، آدمی کو وہ کچھ جاننے کے قابل بناتا ہو جس وہ جان نہیں سکتا ——— وہ انسانی علم اور اسکی تبدیلیوں پر منحصر نہیں ہے۔ یہ ایک دوامی تصور ہے جو بدلتا نہیں۔ جس کے لئے نہ زوال ہے اور نہ نقص۔ یہ پیغام اکثر کسی حساس انسان کی مرتعش روح کی معرفت آیا ہے۔ انھیں منتخب لوگوں میں سے ایک پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ ان کی تلاش کی تاریخ، ان کا ذہنی کرب اور بالآخر روشنی کا حصول قرآن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ کتاب سچائی کے اس اندرونی ادراک سے بھری ہوئی ہے جو خدا کے متعلق انسان کی معرفت کی تدریجی تاریخ کو بتاتی ہے۔ یہاں اس کی ایک مثال نقل کی جاتی ہے۔

سورۂ تکویر کا ترجمہ

خدا کے وجود کا عقیدہ قلبی واردات سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ نہ ثابت کیا جا سکتا نہ ہی غلط ٹھہرایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ وقت کے امتحانات میں برقرار رہ سکا۔ انسانی عقل یا معلومات یا سائنس کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ ہمارے مفروضے، نظریات اور حقائق سب اپنی فطرت کے اعتبار سے قابل تغیر ہیں۔ مگر خدا کا عقیدہ ناقابل تغیر اور وجدانی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ انسان کی عظیم ترین واحد دریافت ہے۔

مگر اس کامل صداقت کا انتقال صرف ایک ناقص ذریعہ سے ہوتا ہے، یعنی زبان کے ذریعہ سے۔ زبان ایک انسانی چیز ہے، وہ تغیر پذیر ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، کوئی زبان پانچ یا دس ہزار برس سے زیادہ پڑھی اور سمجھی نہیں جا سکتی، ہماری زمین پر ایسی بہت سی انسانی تحریریں موجود ہیں جن کا مطلب لا معلوم ہے۔ عبرانی کی قدیم زبان میں پچھلے دو ہزار برس کے اندر کافی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور لسانیات کے مطالعہ نے قطعی طور پر واضح کر دیا ہے کہ الفاظ کے معنی اور ملتے جلتے الفاظ کے باہمی فروق ارتقائی تبدیلی کے تابع ہیں۔ کوئی زبان ٹھہری ہوئی نہیں رہتی۔ الفاظ اور محاوروں کی تاثیری قوت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یہ کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ ان معلوم چیزوں میں سے ہے جو تغیر پذیر ہیں، جس طرح سے یہ واضح ہے کہ الفاظ، محاورے، استعارے اور تشبیہات جو پیغمبر کے زمانے میں عرب استعمال کرتے تھے، اس میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو چکی ہیں، ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ وقت گزرنے کے بعد ان کا سمجھنا اتنا ہی مشکل ہو سکتا ہے جتنا کہ موہن جوداڑو کی زبان کا سمجھنا۔ مگر ہم مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ اس کا مرکزی پیغام اس کی زبان سے زیادہ مدت تک باقی رہے گا۔ اور وہ ہے خدا کا عقیدہ ——————

"آسمان اور زمین ٹل جائیں گے مگر میری باتیں (WORDS) ہرگز نہ ٹلیں گی۔ (متی ۲۴ آیت ۳۵) اس لئے میرے نزدیک یہ بالکل واضح ہے کہ ہم پیچھے قرآن کی طرف واپس نہیں جا سکتے۔ البتہ قرآن کو لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ میں قرآن کو سمجھنا چاہتا ہوں اس مفہوم میں جیسے کہ پیغمبر کے زمانہ کے عربوں نے سمجھا تھا، مگر صرف اس کی تعبیر نو کے لئے اور اس کو اپنی زندگی کے حالات پر منطبق کرنے اور اس پر اس حد تک عقیدہ رکھنے کے لئے جس حد تک وہ بیسویں صدی کے انسان کی حیثیت سے مجھے اپیل کرتا ہے۔ مجھ سے صحرا میں رہنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ میں اونٹ پر سواری کروں اور کپڑے گھوڑے کھاؤں۔ قبائلی لڑائیوں میں شریک ہوں، داڑھی رکھوں اور جبہ پہنوں اور ایک دقیانوسی عرب کی ذہنیت اپنے اندر پیدا کروں۔ مجھے فرق کرنا چاہیئے شاعرانہ حقیقت (POETIC TRUTH) اور حقیقی صداقت

(FACTUAL TRUTH) میں۔ میں فرق کروں گا مذہب کے مغز اور اس کے چھلکے میں۔ قانون میں اور مذہبی افسانہ (LEGEND) میں۔ مجھے اسلام کے پیغام کو ایک جدید انسان (MODERNMAN) کے طور پر سمجھنا اور قبول کرنا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو صدیوں پہلے رہتا تھا۔ میں سند (AUTHORITY) کا احترام کرتا ہوں مگر ذہن وضمیر کے معاملات میں بلا کیف (WITH OUT HOW) کسی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے اور قرآن کے لئے ضروری ہے کہ اسکی تشریح اس کے تاریخی ماحول کے اندر اور واقعہ نگاری کے اصولوں کے مطابق کی جائے۔ سب سے پہلے ہم ماقبل اسلام عیسائیت اور یہودیت کا مطالعہ کریں گے۔ یہ مطالعہ سامی مذاہب کے درمیان ہمدردانہ مفاہمت کے ذہن کے تحت ہونا چاہیئے۔ یہودیت اور عیسائیت کو ان کے تاریخی ماحول میں پوری طرح سمجھنے کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام کا پیغام اور اس کی معنویت ہمارے اوپر واضح ہوسکے۔

ہندستان ایک مذہبی ملک ہے۔ ہم ہندستان میں بالخصوص زیادہ بہتر طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ مذہب کی تعبیر کرسکیں۔ یہاں ہندو، بدھسٹ، جینی، سکھ، عیسائی، زرتشت کے پیرو یہودی اور مسلمان ایک سیکولر دستور کے سایہ میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں جو قانونی طور پر ہر عقیدہ کی یکساں ضمانت دیتا ہے۔ یہ دستور ہماری طویل روادارانہ روایت کے مطابق ہر شہری کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنا عقیدہ رکھے۔ اس پر عمل کرے اور اسکی تبلیغ کرے۔ رواداری کی اس روایت کا لحاظ، چند بدنام استثنا کو چھوڑ کر، ہندو، مسلم اور برطانی حکمراں سب کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح کے جغرافیہ میں رہنے کی وجہ سے ہندستانی مسلمان کو یہ موقع ہے کہ وہ ہر روز اپنے عقیدے اور عمل کو اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جانچے اور مقابلہ کرے۔ ہندو بزرگوں کا احترام مسلمانوں کی طرف سے اور مسلم بزرگوں کا احترام ہندوؤں کی طرف سے اس ملک کی عام خصوصیت رہی ہے۔ اس طرح اسلام کی ہندستانی تعبیر (INDINN INTERPRETATION OF ISLAM) کو ایک مشترک مذہبی زندگی اور مشترک عارفانہ تجربات سے [illegible] حاصل کرنے کا موقع ہے جو کہ تعصب اور مذہبی دیوانگی کے خلاف کش مکش میں مصروف ہے اور انتخابیت (ECLECTICISM) اور رواداری کو جنم دے رہا ہے۔ یہ بہت

بڑا موقع ہے جو اسلام جیسے عالمی مذہب کو یہاں حاصل ہے۔

تعبیر نو کے بنیادی اصول

چھٹے اصول جو اسلام کی جدید تعبیر کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں، یہ ہیں:۔

۱۔ مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ۔
۲۔ سامی نسلوں کے مذہب کا تقابلی مطالعہ
۳۔ سامی زبانوں اور لسانیات کا مطالعہ
۴۔ قانون اور مذہب کی علٰحدگی
۵۔ شریعت اور علم کلام کی دوبارہ جانچ
۶۔ علم کائنات (COSMOLOGY) اور سائنسی حقائق کی نئی تعبیر

[۱] مذاہب کی تاریخ

تاریخ مذاہب کا علم اب اکثر یونیورسٹیوں میں نصاب کا اہم جزو بن چکا ہے۔ شکاگو کے پروفیسر جوزف کٹاگوا (JOSEPH M. KITAGAWA) نے اپنی ایک حالیہ تحریر میں "تاریخ مذاہب کے کام کی نوعیت اور اس کا پروگرام" بتایا ہے وہ کہتے ہیں کہ مذاہب کی تاریخ کو پہلے تقابلی مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ شکاگو یونیورسٹی میں تقابلی مذہب کا شعبہ الہیات کے شعبہ کے ساتھ ساتھ کام کرتا ہے۔ ہیسکل لکچرول (HASKELL LECTURESHIP) کے انتظام نے اس اسکول کو بہت تقویت دی ہے اور نمایاں ترین اشخاص نے اپنے لکچروں سے اس کی پشت پر شاندار علمی روایت قائم کی ہے مثلاً ہارٹ فورڈ سیمنری کے میکڈانلڈ (D.B. MAC DONALD) کولمبیا یونیورسٹی کے ولیم جیکسن (A.V. WILLIAM JACKSON) جان ہاپکنس کے موریس بلوم فیلڈ (MAURICE BLOOMFIELD) ہیڈل برگ کے کارل بزولڈ (KARL BEZOLD) کلکتہ کے رادھا کرشنن (S. RADHAKRISHNAN) آکسفورڈ کے ایچ، اے، آر، گب (H.A.R. GIBB) اور پیرس کے لوئیس مسگنان (LOUIS MASSIGNON)۔

کٹاگوا اس شعبے کی نوعیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" یہ ظاہر ہے کہ تاریخ مذاہب کا مطالعہ پورے مذہب کا مطالعہ نہیں ہے، معیاری شعبے (NORMATIVE DISCIPLINES) جیسے دینیات اور فلسفہ اور بیانیہ شعبے (DESCRIPTIVE DISCIPLINES) جیسے سماجیات، علم الانسان وغیرہ مختلف پہلوؤں سے مذہب اور مذہبی مظاہر سے وابستہ ہیں۔ اسی کے ساتھ خود تاریخ مذاہب محض اسکا نام نہیں ہے کہ اسلام، عیسائیت، بدھ ازم، ہندوازم قدیم مذاہب کی تاریخ یا مختلف مذاہب کے اصول، رسم و رواج اور کلیسائی اداروں کے تقابلی مطالعہ کے متعلق کتابیں اکھٹا کرلی جائیں۔ مختصر یہ کہ تاریخ مذاہب نہ تو محض معیاری شعبہ ہے اور نہ بیانی شعبہ، اگرچہ وہ ان دونوں سے تعلق رکھتا ہے "

دوسرا اہم ٹکڑا اس کے بعد ہمیں ملتا ہے :-

" (یونیورسٹی میں) تقابلی مذہب کا شعبہ جن امور سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہیں۔ مذہب کا آغاز، کسی نسل کی ترقی میں مذہب کا حصہ، شخصی مذاہب کا ارتقاء بڑے مذاہب کے عناصر ترکیبی کا موازنہ اور حقیقی عمل کی حیثیت سے مذہب کی قدر و قیمت۔ تاریخ افکار کے اوپر بھی وقت دیا جاتا ہے تاکہ خود مذہبی علم کی ارتقائی صورتوں کے متعلق معلومات حاصل ہوسکیں "

مطالعہ اور تربیت کا یہی طریقہ ہے جو اسلام کے حق میں سچی قدردانی کا پس منظر پیدا کرے گا یہ ہمارے دینیات کے طلبہ کے لئے بہترین آغاز ہوگا۔ الازہر اور دیوبند کی پیداوار اس قسم کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکتی ہے :

سامی مذہب

اس بنیادی مطالعہ سے آغاز کرتے ہوئے ہم موسیٰؑ کے ظہور سے پہلے کے سامی مذاہب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں گے۔ اور اس طرح کے مطالعہ کے لئے رابرٹسن اسمتھ (ROBERTSON SMITH) کی کتاب سامی نسلوں کا مذہب (RELIGION OF THE SEMITES) نقطۂ آغاز کا کام دے سکتی ہے۔ اس کے بعد یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا ایک تاریخی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہو۔

ان تین مذاہب کے درمیان مماثلت اتنی زیادہ اور اتنی بنیادی ہے کہ اسکے مطالعہ کے لئے ایک مستقل شعبہ " سامی مذہب کا تقابلی علم " کے نام سے کھولا جا سکتا ہے ۔ اس طرح کا ایک مربوط اور تقابلی مطالعہ وقت کی بہت بڑی ضرورت بن چکی ہے ، ہمارے درمیان عیسائیت کے ایسے علماء موجود ہیں جو اسلام کی بخوبی معلومات رکھتے ہیں ۔ ہمارے یہاں اسلام کے ایسے علماء موجود ہیں جو عیسائیت یا یہودیت سے واقف ہیں اور ہم میں یہودیت کے ایسے علماء ہیں جنھوں نے اسلام یا عیسائیت پر مہارت حاصل کی ہے اور انھوں نے بعض متعلقہ زبانیں بھی سیکھی ہیں ۔ مگر ہمارے درمیان ایسے علماء نہیں ، اور اگر ہوں گے تو بہت کم ، جو اسلام ، عیسائیت اور یہودیت کے اصول ، تاریخ اور مابعد ترقیات کے بارے میں یکساں واقفیت رکھتے ہوں ۔ اس مطالعہ کا ایک خصوصی پہلو مذہبی تصورات کے درمیان پیوند کاری (HYBRIDIZATION) ہوگا ۔ اسماعیلی تحریک اسلام اور ہندوازم کا مخلوطہ (HYBRIDS) ہیں ۔ نصیریہ نے عیسائیت کا تثلیث کا عقیدہ لیا اور اس کو اسلام کی ایک شکل کے ساتھ ملا دیا ۔ اسی طرح اور بھی مسلم یا یہودی فرقے ہو سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے متاثر ہوئے ہوں ۔ قرآن اور پیغمبر کی زندگی بہت واضح ہو جائے گی اگر اس طرح کا مطالعہ خالص علمی اور معروضی انداز میں کیا جائے ۔

۲ سامی زبانوں کی تقابلی لسانیات

اب ہم زبان اور اس کے صحیح فہم پر آتے ہیں ۔ عربی زبان کا مطالعہ اس کی خاندان کی دوسری زبانوں کے اندر کیا جانا چاہیے ۔ یہ بات واضح طور پر ذہن میں رہنی چاہیے کہ عربی ، عبرانی ، آرامی ، سریانی اور حبشی زبان وغیرہ ایک لسانی طبقے سے تعلق رکھتی ہیں جنکو سامی زبانیں کہا جاتا ہے ۔ عربی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے آدمی اس طبقہ کی دوسری زبانوں سے کچھ نہ کچھ آشنا ہو جاتا ہے اور سامی زبانوں کی تقابلی گرامر سے بھی اسکو کافی واقفیت ہو جاتی ہے ۔ اس موضوع پر جرمن مستشرقین نولدیکی (NOELDEKE) اور بروکل مین (BROCKELMANN) وغیرہ کا مطالعہ توجہ کے ساتھ کرنا چاہیے تاکہ ہم ان لغزشوں اور غلط مفروضوں سے بچ سکیں جو قرون وسطیٰ کے عرب لغویین کے کام میں پائی جاتی ہیں ۔ فرانکل (S.FRAENKEL)

کی کتاب جو ۱۸۸۶ء میں لیڈن سے شائع ہوئی اور جیفرے (A. JEFFERY) کی کتاب (FOREIGN VOCABULARY OF THE QURAN) جو ۱۹۳۸ء میں بڑودہ سے شائع ہوئی، ان میں ان ترقیات کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے جو اس سلسلے میں یورپی ماہرین لغات نے حاصل کی ہیں۔ مثال کے طور پر اب ہم کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ "فاروق" کا لفظ فرق (فرق کرنا) کے مادہ سے نکلا ہے۔ بلکہ یہ ایک سریانی لفظ "پاروقہ" سے آیا ہے جس کے معنی ہیں نجات دہندہ (DELIVERER) عمرؓ کا نام فاروق اس اعتبار سے پڑا کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے ظلم سے نجات دلانے والے تھے۔ یہ لقب انھیں عیسائیوں کی طرف سے دیا گیا جو ایک خاص زمانے تک سریانی زبان استعمال کرتے تھے۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی کثرت سے ملیں گی۔

[۲] قانون کی مذہب سے علیحدگی

معاشرتی قانون کی اخلاقی یا مذہبی قانون سے علیحدگی اب اسلام میں بلا تاخیر ہو جانی چاہیئے۔ سب سے پہلے ہمیں عالمی اخلاقی اصول جیسے سچائی، ازدواجی عصمت، دیانت داری وغیرہ، اور مخصوص اخلاقی قوانین جیسے سور اور شراب کی حرمت کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ اول الذکر کا حکم تمام مذاہب میں دیا گیا ہے۔ موخر الذکر کا حکم سب کے یہاں نہیں ہے۔ اس سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس طرح کے معاملات میں زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔

اس کے بعد ہمیں قانون کو لینا ہے۔ پہلا کام یہ ہے کہ مذہبی عقائد اور اصولوں کو منطقی طور پر قانونی احکام وضوابط سے الگ کر دیا جائے۔ انسان کا بنیادی عقیدہ قانون کی خارجی پیروی سے کچھ مختلف چیز ہے، اخلاقی نوعیت کے احکام ضمیر سے تعلق رکھتے ہیں، مگر قانونی احکام کو اسٹیٹ ہی کے ذریعہ نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اخلاقی معیار داخلی (SUBJECTIVE) ہیں اور قانونی احکام معروضی (OBJECTIVE) تقدس کے باطنی تصور کو ایک حد تک سماج کے خارجی طرز عمل سے الگ کر دینا چاہیئے۔ یہ علیحدگی آسان نہیں ہے۔ اس کو غیر اسلامی بھی سمجھا جائے گا۔ مگر شریعت پر دوبارہ غور و فکر کرنے کی کوشش اسی اصول کو ماننے کے بعد ہی شروع ہو سکتی ہے۔

اس لئے اعمال کی قانونی حیثیت کے بارے میں نئے درجات مقرر کرنا ہوں گے۔ شریعت میں احکام کے پانچ درجے بتائے گئے ہیں ـــ فرض، مندوب، مباح، مکروہ، حرام، اس میں ایسے معاملات بھی داخل کرنے ہوں گے جو شریعت کے دائرے سے باہر ہیں، مگر خاص حالات میں سول عدالتوں کے قانون کے مطابق عین جائز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ترکی میں معاشرتی قانون کا نفاذ، سول میرج اور طلاق، کمپنی لا، انشورنس، فضائی قانون، ہائر پرچیز اگریمنٹ، بین الاقوامی مالیاتی لین دین جس پر سود لگتا ہے، سرکاری قرضے وغیرہ۔ عدالتوں میں زیر بحث آنے والے قوانین کا تقدس مسلمان کی نظر میں کچھ مختلف ہونا چاہئے جیسے انکم ٹیکس، ریونیو، صنعتی جھگڑے، ایسے معاملات میں اصولی طور پر سیکولر قانون کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ یہودیوں کے یہاں ایسا ہو چکا ہے۔ ربی اگناز میبام (RABBI IGNAZ MAYBAUM) کہتا ہے ـــ "ہم تورات کو چھوڑ نہیں سکتے، مگر تورات، جہاں تک اس کے دیوانی اور فوجداری قوانین کا تعلق ہے، اس نے اپنا عمل ہماری زندگی میں اسی وقت ختم کر دیا جب کہ ہم مغربی تہذیب کے ملکوں کے شہری ہو گئے"[۱]

اس طرح کی ایک آزاد تعبیر (LIBERAL INTERPRETATION) کسی اسلامی ملک کے دستور کو متاثر کرنے والی ثابت ہوگی۔ اسلام کے مطابق خدا ہر چیز کا مالک ہے، وہی کسی ریاست کا حقیقی حکمراں ہے اس طرح کا ایک نظریہ جدید دنیا میں ناقابل عمل ہے اور واحد قابل عمل نظریہ صرف وہ ہے جو بے شمار جدید جمہوری دستوروں میں دیا گیا ہے یعنی یہ کہ کسی ملک کے جو شہری ہیں وہی اس علاقہ کے حکمراں ہیں۔ اگر مذہب بتدریج تمدنی قانون کی زنجیروں سے آزاد ہو جائے اور قانون کو آزادانہ بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع ملے تو مسلم سوسائٹی بلا شبہ بہت تیزی سے ترقی کرے گی۔

مذہب کو چاہئے کہ وہ خدا کی پرستش، روحانی صفائی زندگی کی باقاعدگی پر زور دے اور کرو اور نہ کرو (DO'S AND DONTS) کی جزئیات میں الجھے، تمام

۱ـــ THE JEWISH MISSION (LONDON 1949) P. 94

چیزوں سے قطع نظر کرکے اسلامی بھلائیاں، مثلاً فیاضی، تواضع، اخوت، بلند ہمتی اور انسانیت کی تعلیم، مسلم تاریخ کی مثالوں کی روشنی میں دینا چاہیئے، مزید یہ کہ اسلام کی اخلاقیات کو جدید دنیا کے فلسفی اور علمائے اخلاقیات کی تعلیمات سے مضبوط کرنا چاہیئے، ہم کو اپنا دل اور اپنا دماغ بارتھ (BARTH) ٹلک (TILLICH) کیرک گارڈ (KIERKEGAARDE) اور رادھا کرشنن کے افکار کے لئے کھلا رکھنا چاہیئے۔ ہمیں قرآن کو ایک ایسی کتاب نہیں بنا دینا چاہیئے جس نے خدا کے کلام کو بس ایک کتاب میں بند کر دیا ہو۔ اور سنت کو ایک معصوم ماخذ کی حیثیت دیدی ہو۔ اگنازیہام نے لکھا ہے کہ یہودی ربّی "اپنی ضمیر کی آواز پر کان نہیں لگاتے، وہ قانون کی کتابیں الٹتے رہتے ہیں" (P. 97) یہی حال ہمارے مسلم علماء کا ہے۔

۵ شریعت اور علم کلام کا از سر نو جائزہ　اسلام کے علم دینیات کو ہر پہلو سے دوبارہ جانچنا چاہیئے اور جدید فلسفہ مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، نفسیات اور منطق کو اسلام کے بنیادی عقائد کی نئی تشریح میں استعمال کرنا چاہیئے، اسلام کا فن دینیات (علم کلام) اپنے مختلف پہلوؤں سے امام غزالی کے بعد کوئی ترقی نہیں کر سکا ہے، مغربی خیالات کا جدید سیلاب، لوتھر اور اس کے بعد کے پروٹسٹنٹ مفکرین کی عظیم ترقیاں سینٹ ٹامس اکوئیناس (ST. THOMAS AQUINAS) اور سوررز (SUAREZ) سے لے کر مارٹین (MARITAIN) اور بردیا (BERDYAEV) تک کی علمی کوششیں اور جدید دنیا کے یہودی اور دوسرے مفکرین کے خیالات کو، اپنا مخصوص امتیاز باقی رکھتے ہوئے اسلام کے کلامی اصولوں کے استحکام اور دوبارہ تشکیل RE-SHAPE کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔

۶۔ سائنسی حقائق اور علم کائنات کی نئی تعبیر　قدیم مذہبی کتاب یا حدیث میں جہاں کہیں مظاہر فطرت یا سائنسی حقائق پر کلام کیا گیا ہو، اس کو مقدس نہ قرار دینا چاہیئے بلکہ علمی تنقید کے لیے کھلا رہنا چاہیئے۔ اور پھر جدید سائنس کی روشنی میں یا تو انھیں قبول کیا جائے یا ان کی اصلاح کی جائے یا انھیں رد کر دیا جائے۔ اس میں علم الانسان، حیاتیات، طبیعیات، ریاضیات، کیمیا اور علم الادویہ سب شامل ہیں۔ عالم کا تصور اور وقت اور کائنات کا تصور جو کوپرنیکس کے

زمانے میں تھا، وہ اب انقلابی طور پر بدل گیا ہے، اسلام کو ان تبدیلیوں کا لحاظ کرنا ہوگا اور مذہب کے نقشے سے سائنسی عدم مطابقت ختم کر دینی پڑے گی۔ ۱۰۱

مثال کے طور پر مسیح کی بے باپ کی پیدائش پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ یہی معاملہ قرآن میں جنت دوزخ کی تشریحات کا ہے۔ ان چیزوں کی لفظی صداقت (LITERAL TRUTH) پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کی شاعرانہ صداقت (POETIC TRUTH) زیادہ حقیقی اور اہم ہے۔ روزہ کے فائدے اور روحانی برکتیں اس کے تنگ اور سخت مسائل پر اصرار کئے بغیر بتانا چاہیئے۔ مشرقی عرب کے پورے علاقے میں یہ حال ہے کہ رمضان کے مہینے کی راتوں کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جشن، ملاقات، موسیقی اور رقص کے پروگراموں میں شرکت۔ وقت اور پیسے کے ضیاع کے لیے خاص ہے۔ بلاشبہہ مذہبی اعمال میں لچک کا طریقہ اختیار کرنا اسلام کی روح کے زیادہ مطابق ہوگا۔ (باقی)

نگاہ اولیں، بقیہ صفحہ ۶

اور بتائیں کہ ہمارے احساسات اس معاملے میں کیا ہیں۔

جب سے مسلم یونیورسٹی کا یہ تازہ قضیہ پیدا ہوا ہے ہمارا برابر یہ احساس رہا ہے کہ ہندستانی جمہوریت میں مسلمانوں کو حکومت سے اپنی شکایات کے طویل سلسلے میں اتنا مضبوط اور بے غبار کیس کوئی دوسرا نہیں ملا ہے۔ یہ مسلمہ طور پر مسلمانوں کی ایک تاریخی ملکیت کا، جس پر موجودہ حکومت کے ایک انکوائری کمیشن کی مہر تصدیق بھی لگ چکی ہے، غصب ہے۔ اور غصب کنندہ براہ راست حکومت! — اس کیس میں اگر مسلمانوں کو اقلیت ہونے کی وجہ سے ہار ماننی پڑے تو یہ صرف ہندوستانی جمہوریت کا ننگ ہو۔ لیکن مسلمان اس ہار پر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں اور بانداز عمل اس ظلم سے سمجھوتہ کرنے لگیں، تو اس کا الزام کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہ پست ہمتی کی وہ حد ہے کہ اس کے بعد اگر عزت و آبرو کی باتیں کرنا چھوڑ ہی دی جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

الفرقان لکھنؤ
مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی
فی پرچہ ساٹھ نئے پیسے
سنہ آغاز ۱۹۳۳ء
ظور نعمانی
33(10)
5 FEB 1969

قرآن آپ سے ___ کیا کہتا ہے؟
تالیف ___ مولانا محمد منظور نعمانی
بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے،
لیکن ہماری دُنیا اس سے ناآشنا ہے یہانتک کہ اسکو "کلام الٰہی" ماننے والی
اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے
(یہ کتاب)
اسی صورت حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے۔
یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
جسمیں ۳۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
یہ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ
قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔
نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، ۳۰۰ صفحات، مجلد مع گردپوش، قیمت ۴/-
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

سالانہ چندہ
ہندستان سے -/6
پاکستان سے -/7
ششماہی
ہندستان سے 3/50
پاکستان سے -/4

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

(فی کاپی ۶۰ پیسے)

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک سے
۱½ پونڈ

جلد ۳۳ | بابتہ ماہ شوال ۱۳۸۵ھ مطابق فروری سنہ ۱۹۶۶ء | شمارہ ۱۰

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ فروری تک آجانے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی' پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

[illegible] پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

از ———— محمد منظور نعمانی

جدید تمدن اور زمانے کے نئے حالات نے زندگی کے مختلف شعبوں میں بہت سے ایسے مسائل پیدا کر دیے ہیں جن کا واضح حکم ہماری فقہ میں موجود نہیں ہے اور روزمرہ کی زندگی میں مسلمانوں کا بھی ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے بارہ میں شریعت کا حکم معلوم ہو ——— اس کی بہتر اور زیادہ اعتماد و اطمینان کے قابل صورت یہ ہو سکتی تھی کہ مختلف مکاتبِ فکر کے صاحبِ بصیرت علماء کی کوئی مجلس ان مسائل پر اجتماعی طور پر غور کرے ——— الفرقان کے ناظرین کو یاد ہو گا کہ اب سے قریباً ڈھائی سال پہلے ستمبر ۶۳ء میں اسی مقصد کے لیے "مجلس تحقیقات شرعیہ" کے نام سے علماء کی ایک مجلس قائم ہوئی تھی۔ اس نے غور و فکر اور تحقیقات کے لیے مسائل کی جو ابتدائی فہرست تیار کی تھی اس میں بیمہ (انشورنس) کا مسئلہ سرِ فہرست تھا جس کے بارہ میں مجلس نے اپنا تحقیقی کام ختم کر کے حال ہی میں اپنے فیصلہ کا اعلان بھی کر دیا ہے جو متعدد اخبارات میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

مجلس نے اپنے اس تحقیقی کام کے لیے جو طریقۂ کار اختیار کیا اور جو مواد جس طرح فراہم کیا اور ارکانِ مجلس کے علاوہ اس دور کے دیگر اکابر علماء و اہلِ فتویٰ کی تحقیقات و آراء سے بھی جس طرح استفادہ کیا اس کا تذکرہ ان شاء اللہ موجبِ بصیرت ہو گا۔

سب سے پہلے مجلس کی طرف سے ایک سوالنامہ[1] تیار کیا گیا جس میں بیمہ کی حقیقت اور اس کی مختلف اقسام کے بارہ میں مستند معلومات کی روشنی میں ضروری تنقیحات کی گئیں۔ نیز بیمہ کے مصالح اور مفاسد تفصیل سے لکھے گئے۔ اس کے بعد بیمہ کی مختلف اقسام کا شرعی حکم معلوم کرنے کیلئے چند سوالات

---

[1] یہ سوالنامہ جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب ندوی سندیلوی نے مرتب کیا تھا جو مجلس تحقیقات شرعیہ کے کام کے گویا اصل ذمہ دار ہیں۔

قائم کیے گئے ۔

یہ سوالنامہ جو بجائے خود ایک تحقیقی اور تفتیشی کام تھا ارکان مجلس کے علاوہ ہندوستان و پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کے قریب قریب تمام مشاہیر علماء اور اہل فتویٰ کو بھی بھیجا گیا اور ان میں سے اکثر حضرات نے پوری توجہ اور اہتمام کے ساتھ مفصل اور مدلل جوابات لکھے ۔ توقع کے مطابق بعض حضرات نے بیمہ کی تمام شکلوں کو ہر حال میں ناجائز اور قطعی حرام قرار دیا اور لکھا کہ بیمہ اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے چونکہ ربوٰا بھی ہے اور قمار بھی اور شرعی نقطۂ نظر سے اس میں اور بھی مفاسد ہیں اس لیے کسی شکل اور کسی حال میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے ۔ اس جواب کے لکھنے والوں میں جناب مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری رحمانی سلفی اور جناب مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی حنفی خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے الگ الگ انداز میں پورے استدلال کے ساتھ اپنا یہ نقطۂ نظر تفصیل کے ساتھ لکھا اور بلاشبہ احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ بیمہ جیسے معاملات سے بچا ہی جائے ۔ دوسرے اکثر حضرات نے بھی اسکو تو تسلیم کیا کہ بیمہ ربوٰا اور قمار کی شکل سے خالی نہیں ہے اسلئے اصلاً ناجائز ہی ہے ۔ لیکن اسی کے ساتھ ان حضرات نے یہ بھی لکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن کی تحقیق یہ ہے کہ ربوٰا و قمار جیسے عقود فاسدہ کی حرمت کا حکم دارالاسلام میں ہے ، جو علاقے دارالاسلام نہ ہوں ان میں ایک مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ اس طرح کے معاملات اگر کرے تو وہ اگرچہ صورت میں ربوٰا یا قمار ہو لیکن حقیقت میں ربوٰا یا قمار نہیں ہے اس بنا پر ان علاقوں میں اس طرح کے معاملات ان دونوں اماموں کی تحقیق کی بنا پر ناجائز نہیں ہیں ، اسلیے ایسے علاقوں کے جو لوگ اپنی املاک وغیرہ کے تحفظ کیلئے اپنے مخصوص حالات میں بیمہ کو ناگزیر سمجھیں ان کے لیے اس مسلک کی بنا پر گنجائش ہے ۔

مجلس کے سوالنامہ کے جواب میں اکثر اہل علم و اصحاب فتویٰ نے تفصیلات کے فرق کے ساتھ یہی جواب دیا ۔

ان میں خاص طور سے قابل ذکر حضرات یہ ہیں :-

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) مولانا مظفر حسین مظاہری (مفتی مظاہر علوم سہارنپور) مولانا محمد یحییٰ قاسمی (مفتی [illegible] بہادر اڑیسہ) مولانا ولی حسن صاحب (مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی)

مولانا ولی حسن صاحب کا جواب ایک مبسوط تحقیقاتی مقالہ ہے جو الفرقان کے قریباً پچاس صفحات کے بقدر ہوگا [illegible] مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کی تصدیق بھی ہے ۔ یہ پورا مقالہ رسالہ "بینات کراچی" میں شائع [illegible] بیانات [illegible] ربوٰا بین المسلم والحربی" کے بارہ میں امام ابوحنیفہ

اور امام محمدؒ کا جو مسلک ہے بعض شرائط کے ساتھ وہی مسلک امام دار الہجرت مالک بن انسؒ کا بھی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (سابق مفتی دار العلوم دیوبند مقیم حال کراچی) کا جواب بھی حسب توقع مفصل مدلل اور فقیہانہ ہے اور اسکا حاصل بھی قریب قریب یہی ہے۔ اور غالباً وہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مفتی امارت شرعیہ بہار مولانا محمد یحییٰ قاسمی نے اپنے جواب میں ربوٰا وغیرہ عقود فاسدہ سے متعلق دار الاسلام اور دار الحرب کی تفریق کے بارہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مذکورہ بالا مسلک کو منقح اور مدلل طور پر پیش کرنے کی بڑی فاضلانہ اور فقیہانہ کوشش کی ہے۔

[illegible] دسمبر کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا اجلاس ہوا۔ ارکان مجلس نے سوالنامہ کے موصولہ جوابات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے غور و فکر اور باہمی مشاورت سے بنیادی طور پر اسی دوسرے مسلک پر اتفاق کیا جس کا حاصل یہی ہے کہ بیمہ جیسے عقود فاسدہ جن کی شکل ربوٰا اور قمار کی ہے شریعت اسلامی میں ان کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے عام حالات میں ان سے احتراز ہی کرنا چاہیے۔ مگر چونکہ متعدد ائمہ (امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اور ایک حد تک امام مالکؒ) بھی دار الاسلام سے باہر یعنی دار الحرب میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ان عقود فاسدہ کو ربوٰا اور قمار ہی نہیں سمجھتے اور اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اسلئے جن حالات میں بیمہ کے بغیر عظیم نقصانات کا اندیشہ ہو تو دفع ضرر کے لیے ان ائمہ کے مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے فان الضرر مدفوع، والضرورات تبیح المحظورات۔

مسئلہ پر غور و فکر کے اثنا میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ ربوٰا (سود) اور میسر (قمار) کی حرمت کا اعلان قرآن مجید میں بھی صراحت اور جس شدومد کے ساتھ کیا گیا ہے اسکے باوجود امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ اور امام مالکؒ نے اس حکم کو دار الاسلام کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہوئے دار الحرب میں ان عقود فاسدہ کے جواز کا جو حکم دیا ظاہر ہے کہ یہ رائے ان ائمہ کرام نے جب ہی قائم کی ہوگی جب ان کے سامنے اس کی کوئی روشن اور قوی دلیل سامنے آئی ہوگی۔ کیونکہ صرف قیاس اور اجتہاد سے کسی امام کے نزدیک بھی قرآن مجید کے ایسے قطعی، صریح اور مطلق احکام میں تخصیص و استثنا نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے یہ وہی دلائل ہوں جو مبسوط سرخسی وغیرہ میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مسلک کی تائید میں ذکر کیے گئے ہیں یا ان کے علاوہ اور دلائل ہوں ـــ بہرحال ان ائمہ کبار کا یہ فتویٰ بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ انہوں نے کسی محکم دلیل کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی ہے ـــ علاوہ ازیں قرآن مجید میں سورۂ نساء میں جہاں خطاءً قتل مومن کے کفارہ اور دیت کا حکم بیان کیا گیا ہے وہاں دار الاسلام کے مقتول مسلم باشندہ اور دار الحرب کے مقتول مسلم باشندہ کے حکم میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ پہلے کے قتل کی صورت میں کفارہ بھی واجب ہوگا اور مقتول کے ورثاء کو دیت بھی ادا کرنی ہوگی اور دوسرے کے قتل کی صورت میں صرف کفارہ دینا ہوگا دیت ادا نہیں کی جائے گی۔ بہرحال جان کی دیت میں یہ تفریق خود قرآن مجید نے کی ہے اور ظاہر ہے کہ مال کا مسئلہ جان کے مقابلہ میں بہرحال اهون ہے۔

معارف الحدیث

نفلی روزے

(مسلسل)

عشرہ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ :-

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندہ کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے۔ اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرہ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں۔ کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّیْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے

والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت ابو قتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالے زیر عنوان "ہر مہینے کے تین نفل روزے" پہلے گزر چکی ہو اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آچکا ہو اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جاچکی ہو کہ یوم عرفہ کے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لیے نہیں ہو جو ادائے حج کے لیے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں ان کے لیے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے ـــــ اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جاچکی ہے۔

(فائدہ) بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزہ کے بارہ میں فرمایا گیا ہو کہ اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے" ـــــ اس شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات "لیلۃ القدر" کو اس نے "خیر من الف شہر" ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ یہ اس کی کریمی ہے ـــــ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مومن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرھویں شعبان کا روزہ :-

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ ـــــ رواه ابن ماجه

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت آسمان دنیا پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کردوں، کوئی بندہ ہے جو [illegible]

روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اسکو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجتمندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں ۔ غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اسی حدیث کی بنا پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دینی حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے اسکے ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔ البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جسکی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابل اعتبار ہو۔ مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اسلئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم۔

خاص دنوں میں نفلی روزے :۔

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لیے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اس بارہ میں رہنمائی ملتی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں [illegible] روزہ سے ہوں۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ ــــــ رواه الترمذی والنسائی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ ــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے۔ اسی دن میں تمہارے نبی کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا! ــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی اللہ کے حضور میں پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں"۔ اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لیے بھی نعمت اور رحمت ہیں ــــ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ٥

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ .... فَلَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ــــــ رواہ الترمذی والنسائی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ کا روزہ ہوتا تھا لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لیے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِیَامٍ مِنْ بَیْنِ اللَّیَالِیْ وَلَا تَخْتَصُّوْا یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِیَامٍ مِنْ بَیْنِ الْاَیَّامِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ صَوْمٍ یَصُوْمُهٗ اَحَدُکُمْ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لیے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو۔ الّا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں) (صحیح مسلم)

(تشریح) جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی ——— اس کے علاوہ اس ممانعت کے علماء کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں، بہرحال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشا یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَیْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلٰثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِیْسَ ——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینے کے تین روزوں کے بارہ میں حضورؐ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لیے آپ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینے میں آپ نے کسی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینے میں بعد والے تین دنوں منگل بدھ اور جمعرات کا ــــ (اور جمعہ کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے) ــــ گویا علاوہ اُن مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے :-

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استوار کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرما دی، اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا، یہ بات حاکم مطلق کی شانِ حاکمیت کے عین مطابق ہے اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے منع فرمایا ہے یوم الفطر کے روزے سے اور قربانی کے دن کے روزہ رکھنے سے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ صِیَامِ یَوْمَیْنِ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ مَوْلٰی ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَانِ یَوْمَانِ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِیَامِهِمَا یَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِیَامِكُمْ وَالْاٰخَرُ یَوْمٌ تَاْكُلُوْنَ فِیْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ ـــــ رواہ مسلم

ابو عبید مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی، انھوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمہارے فطر کا دن ہے اور دوسرا اپنی قربانیوں کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ نُبَیْشَةَ الْهُذَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَیَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔
ـــــ رواہ مسلم

نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایام تشریق (۱۱-۱۲-۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لیے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد "فطر کا دن" یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لیے اس دن روزہ رکھنے میں منشاء الٰہی کی مخالفت ہے اور یوم النحر کا روزہ اس لیے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں اس لیے ان کا حکم بھی یہی ہوگا ــــ اور نبیشہ ہذلی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اس لیے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوگا ؎

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں   خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ توڑا بھی جا سکتا ہے:۔

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّيْ إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ ـــــــــــ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تمھارے ہاں کھانے کے لیے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے فرمایا تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں ـــــ پھر ایک اور دن آپ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں حیس (خرما اور مکھن کا ملیدہ) ہدیہ میں آیا ہے اس کو نوش فرمالیں، آپ نے فرمایا دکھاؤ ہم نے آج روزہ کی نیت کرلی تھی، پھر آپ نے اس میں سے نوش فرمایا اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کرلینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِإِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔

ـــــــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی

ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور اُمِّ ہانی آپ کے داہنی جانب تھیں کہ ایک بچی آپ کے پینے کے لیے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر اُمِّ ہانی کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ میں روزہ سے تھی اور میں نے یہ پی کے روزہ توڑ دیا، آپ نے فرمایا کیا تم اس روزہ کے ذریعہ کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا) تو آپ نے فرمایا اگر نفلی تھا تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

(تشریح) اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں ——— "اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِیْرُ نَفْسِہٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ" (یعنی نفلی روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے) مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں، آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ ——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزہ سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا ہم نے اس کو کھا لیا، پھر حفصہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دونوں روزہ سے تھے ہمارے سامنے کھانا آیا جس کو

(باقی ص...)

حضرت شاہ ابوالرضا محمد فاروقی دہلوی رح

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

(۳)

مکتوبات

خواجہ عبدالرحیم[ع] کشمیری رح کے نام

بعد از حمد و صلوٰۃ و سلام۔ برادرم خواجہ عبدالرحیم از دعاگوئے خویش ابوالرضا محمد مطالعہ نمائیند۔ کہ چوں بادشاہِ عالم حسن و خوبی خیر بندہ خواہد اورا بخود آشنا کند و بر تقرب خویش بینا گرداند تا پیوستہ از قرب بیندیشد و ہموارہ خود را با او و اورا با خود بیند۔ لاجرم حرمت و تعظیم حق صفت او شود و محافظت بر ادب صحبت عادتِ او گردد و ہر دم راحت و انس افزاید و دولتِ نو بنو حاصل آید۔ چہ شقاوت و حسرمان'

بعد از حمد و صلوٰۃ و سلام۔ برادرم خواجہ عبدالرحیم اپنے دعاگو ابوالرضا محمد کی طرف سے مطالعہ کریں۔ کہ جب بادشاہِ عالم حسن و خوبی (اللہ تعالیٰ) اپنے بندے کے حق میں خیر چاہتا ہے تو اُس کو اپنا آشنا بنا دیتا ہے۔ اور اپنے تقرب پر بینا کر دیتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ اس کے قرب کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ خود کو اس کے ساتھ اور اس کو اپنے ساتھ سمجھے۔ پھر تو لازمی طور پر تعظیم حق کرنا اُس

[ع] آپ کشمیر کے ... میں سے تھے۔ ... پہونچ کر تحصیل علم کی تھی۔ تمام عمر درس و افادہ میں بسر کی۔ ...ھ میں وفات پائی۔ (مترجم)

مردوداں ازاں راہ یافت کہ خود را بوہم باطل وخیالِ فاسد از حضرت قدسِ او دور شمردند و بحجب وغفلت از نواخت حضرتِ او محجوب گشتند واو سبحانہ وتعالیٰ بجمیع کمالاتِ ذاتیہ وافعالیۂ خود از ذات وصفات وافعالِ ما بما نزدیک تر است زیرا کہ قرب صفتِ اوست تقدس وتعالیٰ وصفاتِ تبارک وتعالیٰ جز حقیقی نباشد وقربِ حقیقی آں باشد کہ بہیچ وجہ قابلِ بُعد نباشد نہ بظاہر نہ بباطن ونہ بوہم ونہ بخیال ونہ بفہم ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست
میانِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

زیادہ چہ نویسم کہ قصہ چنین است، فرصت اندک وموت در کمین است

بندے کی صفت ہو جاتی ہے اور ادبِ صحبت کی محافظت اس کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے ہر وقت اس کے راحت واُنس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور دولتِ نو بنو اس کو حاصل ہوتی رہتی ہے۔
مردودانِ بارگاہِ الٰہی کی شقاوت وحرمان کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے خود کو اپنے وہم باطل کے باعث حضرتِ قدس سے دور سمجھا اور غفلت کی بنا پر حضرتِ حق کی نوازشوں سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے جمیع کمالات ذاتیہ وافعالیہ کے ساتھ ہمارے ذات وصفات وافعال کے مقابلے میں ہم سے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ قرب اس کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے وہ حقیقی ہے۔ اور قربِ حقیقی وہ ہوتا ہے کہ کسی طرح قابلِ دوری نہ ہو۔ نہ ظاہر میں نہ باطن میں نہ وہم میں نہ خیال میں نہ فہم میں۔
(ترجمۂ شعر) دوست کی جدائی اگر تھوڑی سی بھی ہو تو تھوڑی نہیں ہے (در اصل بہت ہے) دیکھو اگر آنکھ میں ذرا سا بال بھی پڑ جاتا ہے تو بہت ہوتا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ بات یوں ہے کہ فرصت کم ہے اور موت گھات لگائے کھڑی ہے۔

شاہ محمد مظفر رہتکی رحمہ اللہ کے نام

برادرم محمد مظفر بجود آگاہ باشد وبداند کہ

برادرم محمد مظفر خود آگاہ ہو کر جانیں کہ اللہ کا

کمال ایشان در متابعت حضرت سید المرسلین است کارے نکنند کہ مردم در ہلاکت افتند۔ باید کہ از دوستانِ خدائے تعالیٰ مردم راہِ سنت گیرند و اسرار پیش عوام نگویند کہ مردم ملحد شوند..... والسلام۔

کمال، حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں مضمر ہے۔ ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے لوگ (دینی حیثیت سے) تباہی میں مبتلا ہو جائیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ اللہ کے دوستوں سے لوگ راہِ سنت حاصل کریں۔ عوام کے سامنے (خواہ مخواہ) "اسرار" نہ بیان کیے جائیں ایسا نہ ہو کہ لوگ (نا سمجھی کی بنا پر) ملحد ہو جائیں..... والسلام

مولانا عصمت اللہ فاروقی قاضی مراد آباد کے نام[ع۵]

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ وصل المکتوب الشریف الی العبد الضعیف مع

بعد حمد وصلوٰۃ ۔ آپ کا مکتوب گرامی اس عبد ضعیف کے پاس مصری کے تحفے کے ساتھ پہونچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکرم کرے جس طرح

ع۵ مولانا قاضی عصمت اللہ فاروقی، قاضی عبد القادر فاروقی لکھنوی کے دو کو حضرت شیخ پیر محمد سلونی ثم لکھنوی کے استاد تھے بڑے صاحبزادے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ اپنے والد ماجد اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی سے تعلیم حاصل کی۔ اخذ (ایرہ حضرت شیخ پیر محمد سلونی سے کیا۔ حضرت عالمگیر کے دربار میں آپ کو تقرب حاصل تھا۔ انکی طرف سے مراد آباد کے قاضی وحاکم مقرر ہوئے۔ وہاں مدتوں رہے۔ اسکے بعد دوسرے شہروں کے قاضی وحاکم ہوئے۔ سخاوت اور ایثار وکرم میں ممتاز تھے۔ عمارہ وشائخ کو بہت کچھ جاگیریں عطا فرمائیں۔ روزانہ دو سو طالبعلموں کو کھانا کھلاتے تھے۔ رمضان شریف میں روزانہ ایک ہزار آدمی آپکے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیریہ کے مرتب کرنے والوں میں آپکا نام بھی شامل ہے۔ ۱۲ رجب المرجب ۱۱۱۳ھ کو ۷۰ سال کی عمر میں ساحل نربدا کے ایک مقام پر دکن سے لوٹتے ہوئے وفات پائی۔ موضع بھداوہ متصل لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ (نزھۃ الخواطر جلد (۶) وتذکرہ علمائے ہند)

حضرت حاجی رفیع الدین فاروقی مراد آبادی کا نسب آپ تک اس طرح متصل ہوتا ہے۔ حاجی رفیع الدین ابن نواب فرید الدین ابن نواب عظمت اللہ حاکم مراد آباد ابن مولانا قاضی عصمت اللہ فاروقی مراد آبادی۔

تحفة النبات اللطیف، اکرمکم الله تعالیٰ کما اکرمتمونا واذ اقکم حلاوة الایمان کما اذ قتمونا.... فعلیکم باکرام الفقراء و اهتمام الضعفاء واعانة المظلوم و اقامة المرسوم فی الخیر۔ الخلق کلهم عیال الله واحبّ عباد الله الی الله من احسن الیٰ عیاله۔ ثم الدعاء فی حاجتکم التوفیق التقویٰ وعبادة الله تعالیٰ بالاخلاص فهی الغایة القصویٰ ۔ قال الله تعالیٰ انّ اکرمکم عند الله اتقٰکم ۔

والسّلام اوّلاً وآخراً

آپ نے ہمارا اکرام کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو حلاوتِ ایمان نصیب فرمائے جس طرح آپ نے ہم کو حلاوت کا ذائقہ چکھایا..... آپ پر لازم ہو کہ فقرار کا اکرام، ضعفار کی خبر گیری، مظلوم کی اعانت و مدد اور خیر کے کاموں کا سلسلہ قائم کریں ۔ اللہ کی مخلوق تمام کی تمام اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے بندوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کے بندوں کے حق میں اچھا سلوک کرے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنی عبادت کی توفیق عنایت فرمائے۔ اس لیے کہ یہی انتہائی مراد ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہو جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے ۔ والسلام اوّلاً و آخراً۔

مولانا قاضی عصمت اللہ مراد آبادیؒ کے نام

بسم الله الرحمٰن الرحیم ۔ نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم ثم السلام علیکم و علیٰ من لدیکم ۔

وصل المکتوب الشریف الی العبد الضعیف افقر الفقراء محمد الرضا مع خمسة انناس جزاکم الله خیر الجزاء ان کان

بعد حمد و صلوٰۃ اور بعد سلام مسنون (واضح ہو کہ) آپ کا مکتوب گرامی پانچ عدد اناس کے ساتھ اس عاجز کے پاس آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا دے اگر یہ اناس حلال طریقے سے حاصل کیے گئے ہوں اور اگر ان کا حصول کسی اور طریقے سے ہوا ہو تو اپنے لیے اور آپ کے لیے

حلالاً واستغفر اللہ لی ولکم ان کان غیر ذلک ثم انّ احسن وعظ یؤثر فی القلوب کلام علام الغیوب۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ انّ اللہ خبیر بما تعملون۔ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون۔ ثم بقیۃ مراسم المحبۃ والوداد۔ علیکم باصرار لا الٰہ الا اللہ علی اللطیفۃ القلبیۃ بالمحبۃ والتعظیم بعد صلوٰۃ الصبح الی ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحین وینبغی ان یکون کل مرۃ ملاحظۃ المعنی وھو انہ لا مقصود غیر اللہ ۔ ثم بعد کل عشرۃ محمد رسول اللہ ۔ ثم بالرکعتین شکراً لنعمائہ تعالیٰ۔

والسلام اولاً وآخراً۔

اللہ تعالیٰ سے معافی و مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد مطالعہ کریں کہ بہترین وعظ جس کا اثر براہ راست قلوب پر ہوتا ہے وہ کلام اللہ ہے۔ (مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دیکھو) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص اس بات پر غور کرے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا چیز آگے کو روانہ کی ہے ۔ اللہ سے ڈرو ۔ اللہ تمہارے تمام افعال و اعمال سے اچھی طرح خبردار ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ (نظر انداز کر دیا) یہ لوگ فاسق ہیں۔" باقی مراسم محبت کے سلسلے میں یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کا تکرار لطیفۂ قلبیہ پر بعد صلوٰۃ صبح سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہونے تک محبت و تعظیم کے ساتھ کیا کریں اور ہر دفعہ معنی کا بھی دھیان رکھیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی مقصود نہیں۔ دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد محمد رسول اللہ کہیں، پھر دو رکعت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریے میں پڑھیں۔

والسلام اولاً وآخراً۔

مولانا عصمت اللہ فاروقی مراد آبادی کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ...... اخی فی اللہ

علی اخ فی اللہ عصمۃ اللہ۔ اُمرتم بالزاد وَنُودِیَ فیکم بالرحیل فہیہات الی الآن اشتغلتم بالقال والقیل ؎

حاصل کن از جہانِ فانی ہنرے
غافل منشیں زخویش چوں بے خبرے

عصمت اللہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ (بعد سلام واضح ہو کہ) تم کو زادِ راہ مہیا کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے اور کوچ کی آواز لگادی گئی ہو۔ پھر بھی افسوس ہے کہ ابھی تک تم قیل وقال میں مشغول ہو۔

(ترجمہ شعر) اس جہانِ فانی میں کوئی کمال حاصل کر لے اور بے فکر آدمی کی طرح غافل ہو کر مت بیٹھ۔"

؎ چوں بنشیند غبار روشن گردد
کاسپ است بزیر رانت یا لاشہ خرے

"جب غبار چھٹ جائے گا تب پتہ چلے گا کہ تیری سواری میں درحقیقت گھوڑا تھا یا گدھا"

نصیحت دل خفتہ را بیدار کند و دلِ مردہ را بیزار۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا

۔ نصیحت دل خفتہ کو تو بیدار کر دیتی ہے مگر دل مردہ کو ناراض وبیزار کرتی ہے۔ دیکھو محاسبۂ اُخروی سے پہلے پہلے ہی اپنا محاسبہ دنیا ہی میں خود کر لو۔

؎ عشاق بعشق دست بردند و شدند
دل را بغم عشق سپردند و شدند

(ترجمہ شعر) عشاق نے عشق پر دسترس حاصل کی اور دُنیا سے چلے گئے۔ انھوں نے اپنے دل کو غم عشق کے حوالے کر دیا اور رخصت ہو گئے"۔

حق تعالیٰ جمعیت صوری ومعنوی ارزانی کناد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔

در اعانتِ ضعیفان ومظلومان بقدرِ وُسع وامکان بذل جہدی نمودہ باشند۔

اللہ تعالیٰ تم کو جمعیت صوری ومعنوی عنایت فرمائے۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ضعیفوں اور مظلوموں کی امداد واعانت میں حتی الامکان اور حتی الوسع کوشش کرتے رہیں۔

مولانا عصمت اللہ فاروقی مرادآبادی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ و

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد حمد وصلوٰۃ۔

وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ ـــ بئس العبد عبدٌ تجبر واعتدیٰ ونسی الجبار الاعلیٰ ـــ بئس العبد عبدٌ سہیٰ ولہیٰ ونسی المقابر والبلیٰ بئس العبد عبدٌ عتیٰ وطغیٰ ونسی المبتدیٰ والمنتہیٰ ـــ قال فخر الدین الرازی ـ

بُرا ہو وہ بندہ جس نے جبر وظلم کا شیوہ اختیار کیا اور جبار اعلیٰ (خدا) کو بھول گیا ـ بُرا ہے وہ بندہ جس نے نسیان اور لہو ولعب کو اپنا شعار بنایا اور مقابر کو اور اپنے جسم کے (قبر میں) بوسیدہ ہونے کو بھول گیا ـ بُرا ہو وہ بندہ جس نے سرکشی اور طغیان کو پسند کیا اور اپنے آغاز اور انجام کو بھول گیا ـــ امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا ہے ـ

۵ نہایۃ اقدام العقول عقالُ
واکثر سعی العالمین ضلالُ

... ...

وارواحنا فی وحشۃ من جسومنا
وحاصل دنیانا اذیً ووبالُ

(ترجمہ اشعار) عقلوں کے قدموں کی انتہا پاؤں کی بندش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور اہل دُنیا کی اکثر کوششیں گمراہی ہیں ـ
ہماری روحیں ہمارے جسموں میں گھبرا رہی ہیں ہمیں جو چیز دُنیا سے حاصل ہوئی ہے وہ تکلیف اور وبال ہے ـ

---

۵ بقیاساتِ عقلِ یونانی
نتواں یافت راہِ ایمانی
عقل خود کیست تا بمنطق ورائے
رہ بَرد تا جنابِ پاکِ خدائے
گر بمنطق کسے ولی بودے
شیخ سینا ابوعلی بودے
چشمِ عقل از حقائقِ ایماں
ہست چوں چشمِ اکمہ از الواں

قیاساتِ عقلِ یونانی سے راہِ ایمانی نہیں مل سکتی، عقل بیچاری کی کیا مجال ہو کہ وہ منطق ورائے کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرے ـ
اگر منطق کے ذریعے کوئی ولی ہوا ہوتا تو شیخ بو علی سینا اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ ولی ہوتے ـ
حقائق ایمان چشم عقل میں اسی طرح نہیں آسکتے جس طرح ایک مادر زاد نابینا کی آنکھ

ماکتبت الیکم فمن جمیل الود والاخلاص

سبیل الھویٰ والعناد۔

میں دنیا کے رنگ نہیں آ سکتے" ۔ میں نے تم کو جو کچھ لکھا ہے اس کا محرک، حسن محبت ہے۔ میں نے خواہش نفسانی اور دشمنی کی بنا پر نہیں لکھا ہے۔

شہاب الدین قلی ملقب بغازی الدین خاں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. برادر سعادت آثار محبت اطوار از کمترین فقراء محمد الرضا بعد دعائے جمعیت صوری و معنوی مطالعہ نمائند کہ مکتوب شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. برادر سعادت آثار شہاب الدین قلی کمترین فقراء سے بعد دعائے جمعیت صوری و معنوی مطالعہ کریں۔ کہ

ع۵۔ امیر کبیر شہاب الدین ابن عابد ابن عالم صدیقی السمرقندی۔ آپ کا لقب غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ خانخاناں سپہ سالار تھا۔ آپ دربار عالمگیری کے مشہور امراء میں سے تھے۔ سمرقند میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما ہوئی اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ سبحان قلی کے یہاں تقرب حاصل کیا وہاں کچھ عرصے رہے۔ بعدہٗ ۱۰۶۹ھ میں ہندوستان آئے اور شاہ عالمگیرؒ کے دربار میں قرب نصیب ہوا۔ عالمگیرؒ نے ان کو عہدہ دیا اور ۱۰۹۴ھ میں غازی الدین خاں بہادر لقب دیا۔ پھر ۱۰۹۵ھ میں فیروز جنگ لقب ملا۔ عالمگیرؒ برابر ان کے مراتب کو بڑھاتے رہے۔ ۱۰۹۹ھ میں اگرچہ ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں مگر اس کے باوجود عظیم معرکے انھیں کی رائے اور مشورے سے سر ہوئے تھے۔ اسی بنا پر عالمگیرؒ نے ۱۱۰۵ھ میں ان کو سپہ سالار کا لقب دیا تھا۔ جب عالمگیرؒ کا انتقال ہو گیا تو عالمگیر کے لڑکے شاہ عالم نے آپ کو گجرات کا حاکم بنایا۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے بڑے امراء میں سے تھے۔ آپ کے مقابلے کا عقل و شجاعت اور کرم و سخاوت میں کوئی دوسرا امیر نہ تھا۔ اپنی تدبیر سے بلاد کثیرہ اور متعدد قلعے فتح کئے۔ عالمگیرؒ آپ سے بہت محبت رکھتے تھے اور ولد رشید کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ ۱۱۲۲ھ میں احمد آباد میں انتقال ہوا وہاں سے دہلی لا کر دفن کیا گیا۔ اجمیری گیٹ پر آپ کا مقبرہ ہے۔ آپ کے پوتے نے وہاں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کیا جو آج دہلی کالج کی شکل میں ہے۔ آپ نظام دکن کے مورث اعلیٰ تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد (۶) و غرائب نگار)

مع یادگار یک لوئی و دو مُہر طلا رسید فاتحہ بسلامتی
خوانده شد۔ جزاکم اللہ خیراً۔ کما تزرع
تحصد وکما تدین تُدان۔

۵ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو
اینچنیں گفتہ است پیر معنوی
کائے برادر ہرچہ کاری بدروی

تواضع فقرا نموده بودند بحکم حدیث من
تواضع للہ رفعہ اللہ الیہ (او کما قال)
امیدوار رفعت دینی و دنیوی باشند کہ منہاج
مدارج سعادت ابدیہ و معراج کرامات سرمدیہ
محبت فقرا است وذلک فضل اللہ یؤتیہ
من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔
نصیحت آنکہ کتاب منہاج العابدین در مطالعہ
داشتہ باشند و در ہر قلیل و کثیر از جادۂ شریعت
بیرون نروند و در ادائے حقوق اللہ خصوصاً
حقوق عباد اللہ سعی بلیغ نمایند و شغلے کہ
از بزرگان طریقت اخذ نموده اند مشتغل باشند۔
فالوقت سیفٌ قاطعٌ۔ وقت از دست
رفتہ رجوع نہ نماید و تیر از کمان جستہ باز نیاید۔
زیادہ چہ نویسد

مکتوب گرامی مع ایک لوئی اور دو اشرفیوں کے
پہونچا۔ دعائے خیر کی گئی۔ جزاکم اللہ خیراً۔
جیسا بوؤگے کاٹوگے۔ اور جیسا عمل کروگے
ویسا صلہ ملے گا۔

(ترجمہ اشعار) مکافات عمل سے غافل مت ہو
حقیقت یہ ہے کہ گیہوں گیہوں سے اور جو جو سے
اُگتا ہے۔
پیر معنوی (حضرت مولانا رومؒ) نے یوں فرمایا
ہے کہ اے بھائی تو جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔

تم نے فقراء کے ساتھ تواضع کا معاملہ کیا۔ اس
حدیث کی رُو سے کہ "جس نے اللہ کے لیے تواضع
کی اللہ نے اس کو بلند کر دیا" تم کو دینی و
دنیوی ترقیات کا امیدوار رہنا چاہیئے۔ اسلئے
کہ مدارج سعادت ابدیہ کا راستہ اور کرامات
سرمدیہ کی سیڑھی محبت فقراء ہے" اور یہ اللہ کا
فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے"۔ نصیحت
یہ ہے کہ کتاب منہاج العابدین اپنے مطالعہ میں
رکھیں اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں جادۂ
شریعت سے باہر قدم نہ رکھیں اور اللہ تعالیٰ
کے حقوق کی ادائیگی خصوصاً اللہ کے بندوں
کے حقوق کی ادائیگی میں پوری پوری کوشش

کریں۔ اور جو ذکر و شغل بزرگان طریقت سے
حاصل کیا ہے اس میں مشغول رہیں۔ وقت سیف
قاطع کی طرح ہے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔
اور کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں لوٹا کرتا۔
زیادہ کیا لکھوں۔

شہاب الدین قلی کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السّلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
برادر سعادت آثار محمد شہاب الدین قلی
بجمعیت صوری ومعنوی کامیاب بودہ جواہر
انفاسِ نفیسہ را بطرازِ ذکرِ الٰہی جل شانہٗ مجلّٰی
ومزین گردانیدہ اوقاتِ عزیزہ را مغتنم پندارند

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن از شرطِ طریق

و در ادائے حقوق اللہ خصوصاً حقوق
عباد اللہ سعیٔ بلیغ بکار دارند کہ نجاتِ
اُخروی منوط ومربوط بادائے این دو حق
است۔ والسّلام۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم۔ السّلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
برادر سعادت آثار محمد شہاب الدین قلی
جمعیت صوری ومعنوی سے کامیاب ہو کر
اپنے جواہر انفاس نفیسہ کو ذکر الٰہی سے مُجلّٰی
ومزین کر کے اوقات عزیزہ کو غنیمت شمار
کریں۔
(ترجمہ شعر) اے عزیز، صوفی پابند وقت رہا
کرتا ہے۔ طریقۂ صوفی یہ نہیں ہے کہ کام کو
کل پر ٹال دے۔
ادائے حقوق اللہ خصوصاً ادائے حقوق عباد اللہ
میں سعیٔ بلیغ کریں کیونکہ نجاتِ اُخروی انہیں دونوں
حقوق کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔ والسّلام

سیّد علی اکبرؒ کے نام

...... ہوش دار پنبہ از گوش برآر ہیہات

...... ہوش میں آؤ۔ روئی کی ڈاٹ کان سے

بہمات کہ مرگ در کمیں است و خواجہ در خواب نوشیں است۔ برخیز کہ وقت رحیل است توشہ برگیر کہ فرصت قلیل است۔ اکنوں اگر آگاہ نباشی میدانم کہ تباہ باشی۔ دریں مہلت یسیر بذکر کثیر باید پرداخت۔ خود را و ہمہ را مردہ باید انگاشت ـــــ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ـــــ

۵ بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

نکال لو۔ افسوس افسوس موت تو گھات لگائے بیٹھی ہے اور جناب والا ہیں کہ خواب نوشیں میں مبتلا ہیں۔ اٹھو کہ کوچ کا وقت آگیا۔ توشہ مہیا کرو اب وقت کم رہ گیا۔ اب ہم اگر آگاہ نہ ہوگے تو میں سمجھتا ہوں کہ تباہ ہو جاؤگے۔ اس مہلت قلیل میں ذکر کثیر کے ساتھ مشغول رہنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو اور سب کو مردہ سمجھو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ انّك ميّت وانّهم ميّتون۔ (ترجمۂ شعر) صبح کے وقت دن کی طرح یہ بات روشن ہو جائے گی کہ تونے اندھیری رات میں کس سے عشق کیا تھا۔

شیخ محمودؒ کے نام

..... اگرچہ دل از ہمہ آزاد است امّا برادر در دعا یاد است بگوش ہوش بنیوش کہ کوس رحلت نواختہ اند و کار آخرت نساختہ اند۔ بر اختلال احوال باید گریست کہ نا قدر بصیر است و در عمل تقصیر است، اگر بقیہ انفاس و آنات بذکر نفی و اثبات معمور گردد سعادت ابدیت و کرامت سرمدیت۔ و اگر نہ خرامت در پیش است و ندامت بیش از بیش۔

...... اگرچہ میرا دل سب سے آزاد ہے مگر تم دعا میں یاد ہو۔ گوش ہوش سے سنو کہ کوچ کا نقارہ بجا دیا گیا اگر تم نے ابھی تک کار آخرت انجام نہیں دیا۔ احوال ناقص ہونے پر رونا چاہیئے۔ کمال اعمال پر نظر نہ رکھنی چاہیے۔ اسلئے کہ یہ دیکھنے والا (خدا) بصیر ہے اور عمل میں تقصیر ہے۔ اگر باقی سانس اور باقی اوقات ذکر نفی و اثبات سے معمور ہو جائیں تو سعادت ابدی اور کرامت سرمدی ہے ورنہ

۵ دل گفت مرا علم لدنی ہوس است
تعلیم کن اگر ترا دسترس است
گفتم کہ الف گفت دگر گفتم ہیچ
درخانہ اگر کس است یک حرف بس است

(ترجمہ اشعار) مجھ سے دل نے کہا کہ مجھے علم لدنی حاصل کرنے کا شوق ہے اگر تجھے اس علم پر قدرت ہے تو مجھے سکھا دے۔ میں نے اس کو الف پڑھایا۔ اس نے کہا کچھ اور، میں نے کہا بس اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی سمجھ دار انسان گھر میں موجود ہے تو اسکو بس ایک ہی حرف کافی ہو۔

عنایت خاںؒ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اخوی عبدالعلیم، بذکر تفقدات کریمانہ و تلطفات رحیمانہ خاطر اینجانب را شاد گردانید ـ آرے قدر درویشاں ہم ایشاں دانند ـ چوں در خزینۂ فقرا بہتر از دعا جوہرے دیگر نیست کہ بداں مکافات کنند ناچار درویشاں غائبانہ بشکرانہ دست بدعا برداشتند و فاتحۂ سلامتیٔ ذاتِ آں خانِ عالی درجات برخواندند کہ الدعاء بظہر الغیب اقرب الی الاجابۃ

ع ..... درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

والسلام علی من اتبع الہدیٰ ـــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ برادرم عبدالعلیم نے تمہارے الطاف کریمانہ اور نوازشہائے رحیمانہ کا تذکرہ کر کے ہمارے دل کو شاد کیا ـ بیشک تم درویشوں کی قدر جانتے ہو ـــ چونکہ فقراء کے خزانے میں دعا سے بہتر کوئی موتی نہیں ہے جس کے ذریعے تمہارے احسانات کا بدلہ دیں ناچار درویشوں نے غائبانہ شکریے کے طور پر ہاتھ اٹھا کر تمہارے لیے دعائے خیر کی۔ حدیث شریف میں ہے کہ پیٹھ پیچھے جو دعا کی جاتی ہے وہ قبولیت سے بہت قریب ہوتی ہے ـــ درویش صفت رہو چاہے سر پر ٹوپی ایلیا وضع کی رکھو ـــ

میر عزت اللہ کے نام

برادر ارجمند میر عزت اللہ، بجمعیت صوری
ومعنوی بہرہ مند باشد ۔ مکتوبات برادر رسید
شکایت قساوت قلبی معلوم انجامید۔ دل
برادر بواسطۂ تعلقِ اُمورِ متعددہ در تفرقہ
ہست تا خاطر متفرقہ از ساحتِ سینہ خیمہ
بیروں نزند ذکر، تاثیر نکند و نورِ ظہورِ حق
سبحانہٗ بر باطنِ طالب پرتو نیندازد ۔

؎ اے در دلِ تو ہزار مشکل زہمہ
مشکل شود آسودہ ترا دل زہمہ
چوں تفرقۂ دلست حاصل زہمہ
دل را بیکے سپار و بگسل زہمہ

علاج آنست کہ بگوشہ بنشینی و اسمِ ذات
پے در پے بمحبت و تعظیم در سویدائے قلب
بگذرانی و تصور نمائی کہ ہمہ ذرات وجود از
سر تا قدم بدیں اسمِ بزرگ ذاکراند بحضورِ
مذکور بحدّے کہ ترا شعور بخودت نماند

؎ ذکر و ذاکر محو گردد بالتمام
جلّ مذکور ماند والسلام

؎ چیزے کہ ز دوست و دلقا باشی ازو
آخر بحدتِ تیر بلا باشی ازو

برادر ارجمند میر عزت اللہ جمعیت صوری و
معنوی سے بہرہ مند رہیں۔ تمہارے مکتوبات
پہونچے۔ قساوت و سختیٔ قلب کی شکایت معلوم
ہوئی۔ تمہارا دل اُمورِ متعددہ سے تعلق کے
باعث تفرقہ میں ہے ۔ جب تک دُساوسِ متفرقہ
صحنِ سینہ سے باہر ہو کر خیمہ زن نہیں ہوتے
ذکر، تاثیر نہیں کرتا اور طالب کے باطن پر نورِ
ظہورِ حق پرتو انداز نہیں ہوتا۔

(ترجمہ اشعار) اے وہ شخص کہ تیرے دل میں بہت
سی اشیاء کے تعلق کی وجہ سے خلفشار ہے۔
یہ امر بہت ہی مشکل ہے کہ تیرا دل سب چیزوں سے
یکسو ہو سکے ۔ جب کہ تمام اشیاء سے تفرقۂ دل
حاصل ہو رہا ہے تو پھر دل کو ایک ہی ذات کے
سپرد کر دے اور سب سے تعلق توڑ لے ۔

علاج یہ ہے کہ ایک گوشے میں بیٹھ کر اسمِ
ذات پے در پے محبت و تعظیم کے ساتھ اندرونِ
قلب میں داخل کرو اور یہ تصور کرو کہ تمام ذراتِ
وجود سر سے پاؤں تک اس اسمِ بزرگ کا ذکر
کر رہے ہیں حتیٰ کہ تم کو خود اپنا شعور و ہوش باقی
نہ رہے ۔

از ہر چہ بمردگی جدا خواہی شد
آں بہ کہ بزندگی جدا باشی از اں
از مرگ میر عنایت اللہ عبرت گیرند و
شکیبائی ورزند۔
زیادہ چہ نویسد۔

(ترجمہ شعر) ذکر اور ذکر کرنے والا محو ہو جائے اور بس
وہی ذات سامنے رہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔"
جس چیز سے لقا کی حجاب رہنمائی ہو آخرکار
تو اسی چیز کی وجہ سے تیر بلا کا نشانہ بن جائے گا!
ہر وہ چیز کہ مرنے پر تو اس سے جدا ہو جائے گا بہتر یہی
ہو کہ زندگی ہی میں تو اس سے جدا ہو جائے۔
میر عنایت اللہ کی موت سے عبرت اور صبر
اختیار کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

شیخ بایزیدؒ کے نام (ایک درویش کی سفارش میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
ہزاراں ہزار ثنا بے نیازے را کہ نیاز
منداں را از عالم و عالمیاں بے نیاز
گردانید۔ الٰہی فقر و تنگ دستی و
وعیال مندئ سید نور محمد چہ نویسم کہ تو نیک
میدانی۔ اگر بندۂ از بندگان خود را بخدمت
معاونت فرمائی تو کریمی و او شکور و اگر
نہ فرمائی تو حکیمی و او معذور
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہزاروں ہزار تعریفیں
اس بے نیاز ذات کے لیے واجب ہیں جس نے
اپنے نیازمندوں کو دنیا اور اہل دنیا سے
بے نیاز کر دیا۔ اے اللہ! میں سید نور محمد
کی تنگ دستی و عیال مندی کے بارے میں
کیا لکھوں تو خود ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر اپنے
بندوں میں سے کسی بندے کو سید نور محمد کی
معاونت کا حکم فرمائے تو تو کریم ہے اور وہ
بندہ شکور ہوگا۔ اور اگر کسی کو اس کی معاونت کا
حکم نہ فرمائے تو تو حکمت والا ہے اور بندہ
معذور ہے۔
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے دو اہم مکتوب

[سنہ [illegible] میں میاں جی محمد عیسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی ایک جماعت حجاز مقدس میں تبلیغی کام کر رہی تھی۔ مندرجۂ ذیل دونوں مکتوب اسی جماعت کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے تھے۔ یہ دونوں مکتوب میاں جی محمد عیسیٰ صاحب کی اسی بیاض سے لیے گئے ہیں جس کا ذکر حضرت مولانا محمد یوسف نمبر میں کیا جا چکا ہے]

(۱)

مکرمین و محترمین بندہ! وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ من القول والفعل والنیۃ والھدیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل سے ایسے وقت میں جبکہ عام انسانیت اپنی ذات میں رذائل اور گندگیوں کی بنا پر سخت زلزلوں اور مصائب اور بلایا میں مبتلا ہے اور ہر طرف پریشانیوں کے عمومی دروازے کھلے ہوئے ہیں، آپ حضرات کو انبیاء کرام کی اس عالی امانت کی طرف متوجہ فرمایا جس ہمیشہ انبیاء کرام کی مساعی و ریاضت و مجاہدے اور ان کے ذات باری تعالیٰ پر یقین و اعتماد اور تضرع وزاری اور توجہ الی اللہ پر گندگیوں کی جڑیں کٹ کر عام انسانوں میں بھلائیوں کی جڑیں پیدا ہو کر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت ونصرت وانعامات کے دروازے کھلے اور وہی محنت کا طریقہ اور محنتِ ہمت کے وہی جذبے ہم امتِ محمدیہ مرحومہ کو مرحمت فرما کر اور ان کی ذاتِ عالی پر اسی یقین و اعتماد کا مطالبہ کر کے اور اسی تضرع وزاری و توجہ الی اللہ پر انہی تمام رحمت ونصرت وانعامات کے دروازوں کے کھول دینے کا وعدہ فرمایا جن کا انبیاء کرام سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ [illegible] عزیز دوستو! جس دین کے سیکھنے کے لیے آپ نے اپنے گھروں کو چھوڑا ہے وہ یہی دین ہے جو خاص انبیاء کرام

کی میراث ہے۔ اور جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بہ ہیئتِ اجتماعیہ اجتماعی اصولوں کے اتباع کے ساتھ چھوڑ کر گئے ۔ انسان بالطبع مخلوق سے متاثر، اس کے بارہ میں کچھ غلط یقین، کچھ غلط بے بنیاد علم اور ان کے مطابق غلط عمل پر پڑا ہوا ہے۔ جس کے اتباع پر اپنی ذات میں سوائے گندگیوں کے پیدا ہو جانے کے اور کچھ حاصل نہیں، اور اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے دوزخ کا منظر ابد کے لیے کھلا ہوا ہے۔ مخلوق کے بارہ میں جو بھی یقین وعلم اپنے کو حاصل ہے اس کو اپنے میں سے نکالنے کے لیے اور اس سفلی وفانی یقین کے بدلے اپنے میں صرف ذاتِ باری تعالیٰ کا یقین وعلم پیدا کرنے کے لیے جد وجہد محنت کا کلمہ ہم کو مرحمت فرمایا گیا تاکہ اس کی محنت کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اوامر کے اتباع کا جذبہ ہم میں پیدا ہو کر ان کی صفات وکمالات کا مظہر بن کر ان کی ذات والے رحمت وانعامات کے عمومی دروازوں کے کھل جانے کا ہم ذریعہ بن جادیں اور اس کا انعام ذات باری تعالیٰ کی رضا ومعیت ہم کو ابد کے لیے حاصل ہو۔ اصل دین حق تعالیٰ کی مخلوق میں ان کی ذات کا یقین پیدا کرنے کے لیے یقین کے ساتھ ایسے جان کھپانے اور ٹھوکریں کھانے کے طریقہ کو سیکھنا ہے جس پر نہ کسی مخلوق کا تاثر اثر انداز ہو سکے نہ بھوک وپیاس نہ بیماری وکمزوری، وگرمی وسردی وعیش وعشرت وخوف ودہراس والی مخلوقات اُسے متزلزل کر سکے۔ مخلوقات سے صادر ہونے والی چیزوں کی موافقت کی طرف مٹنے کی اصل صورت یہ ہے کہ ان کے تاثر کو اپنے میں سے نکال کر حق تعالیٰ شانہٗ کے اُس امر کی تعمیل کی طرف متوجہ ہو جو ان کی ذاتِ عالی سے صادر ہو رہا ہے۔ اُسی امر کی تعمیل میں تمام مخلوقات کے سرنگوں ہو جانے کا حق تعالیٰ شانہٗ نے فیصلہ فرما رکھا ہے۔ امر کے ذریعہ وجود کا وہ رابطہ تحریک میں آجاتا ہے جو بندہ اور مولیٰ کے درمیان قائم فرما کر تمام مخلوقات کے موجودات کو اپنی ذات سے وابستہ فرما رکھا ہے۔ امر کی تعمیل سے اس رب العزت کی معیت حاصل ہو جاتی ہے جس سے ساری مخلوقات کا سلسلہ چل رہا ہے۔ بس اسی کا یقین اور اس کے موافق انہماک وٹھوکریں کھانا، پوری مخلوقات کے لیے رحمت کے دروازوں کو کھلوا دیتا ہے ــــ ایسے وقت میں جبکہ عام مخلوقات پریشانیوں میں پوری طرح مبتلا ہے اور خلاصی کی اس راہ کے سوا کوئی صورت نہیں، اپنے احباب کی ذمہ داری حد سے زیادہ ہے۔ جہاں تک ہو سکے اپنی ذات والے ہر طرح کے جذبات کو کچلتے ہوئے اس جد وجہد وحرکت ونفر کے

تعدیہ اور فروغ کی شکلوں کو پوری طرح بڑھاتے ہوئے، راتوں کی تنہائیوں میں پوری طرح بلبلا کر عام مخلوق کے لیے عموماً اور امت محمدیہ مرحومہ کے لیے خصوصاً پورے یقین و اعتماد کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام فرماویں۔ تمام مخلوق حق تعالیٰ شانہٗ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اس کا پورا یقین کرتے ہوئے ہدایت کی طرف پلٹنے کی پوری طرح دعائیں فرماویں۔ جتنا کھانے پینے کے معاملے میں ایثار و ہمدردی و سادگی کی آپ عادت ڈالیں گے اور مرغوبات و مالوفات کو اس راہ کی مکارہ و ناگواریوں کی محبت کی طرف پلٹنے کی مشق کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک صحابہ و انبیاء و تابعین کی تکلیف اٹھانے کی جگہوں پر ان کی والی روحانیت و نور کے اکتساب کے حصول کے لیے ٹھوکریں کھانے کی مقدار کو بڑھائیں گے اتنا ہی اجابت کی عمومی شکلیں ان شاء اللہ العزیز پیدا ہوں گی۔ ایک دوسرے کے حقوق پوری طرح پہچان کر اپنی ذات سے ماعلیہ کی ادائیگی کی فکر قلوب میں رافت کے بیج بو کر اس امانت کے فروغ و تقویت کا باعث ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہم سب کے لیے اپنی خصوصی رحمت و انعامات اور تقرب کے دروازوں کو کشادہ فرماویں۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ
۲ر جمادی الاول ۱۳۶۹ھ ، دوشنبہ

۸۶

مکرم و محترم بندہ! جناب میاں جی عیسیٰ صاحب احبابہٗ۔ وفقنا اللہ ایاکم لما یحب ویرضیٰ من القول والعمل۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔۔۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے یہاں ہر طرح خیریت ہے۔ دین محمدی کی سرسبزی کے لیے قریب و بعید میں جدید و حرکت و نفر کی شکلیں بدستور فروغ پذیر ہیں۔ آپ حضرات کے بعد کے مبارک سفر کی سرگزشت سے اور اس راہ میں سادہ زندگی گزار کر ٹھوکریں کھانے کے مبارک مناظر سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی جد و جہد نقل و حرکت کی جس اعلیٰ صورت پر ہمیں چھوڑا اور بھوک و پیاس و شدائد کے تحمل کی فضاؤں میں الفت و مودت کے جن عالی اصولوں کا ہم کو عادی بنایا وہ بالذات محبوب ہے۔ اور اس کا حسن لذاتہٖ ہے۔ آپ حضرات نے اس راہ کی جتنی لذت حاصل کی حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بھی آپ کے اور اپنے سب احباب کے

اور عام امتِ محمدیہ کے اس راہ کی ترقیات و لذائذ پر پڑنے کا ذریعہ فرمادیں۔

میرے بزرگ و دوستو! ایسے وقت میں جبکہ مادہ و مخلوق کے تأثر و انہماک کی فضاؤں میں اس راہ کی رغبتیں مردہ ہوکر حق تعالیٰ شانہٗ کے اوامر کی تعمیل کے جذبات مردہ ہوکر بلایا کے عمومی دروازے اہلِ عالم کے لیے کھل چکے اور اوصافِ انسانیہ اور وہ کمالاتِ خداوندیہ جن کا مظہر انسان کو بنایا گیا تھا ضائع و پامال ہوکر، مادی رذائل انسان میں ابھر کر اشیاءِ فانیہ کی فراہمی کے جذبات کے ساتھ ساری ہی گندگیوں کا مظہر بن کر مورد بلایا و مصائب بن چکا۔ اس صحیح نورانی و روحانی حرکت کے تعدیہ و فروغ کی اہمیت حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ اپنی ذاتوں سے پھرنے پر اگرچہ اہلِ عالم پر سے بلایا دور ہوتی ہیں مگر عمومی جد و جہد کی فضاؤں کے قیام پر جن رحمتوں اور مددوں کے دروازے کھلتے ہیں اور جن کی آج امت پوری طرح ہر جگہ محتاج ہے وہ تو جب ہی کھلیں گے جب ہر جگہ سے نہایت فکر و درد کے ساتھ ایمان کی جد و جہد کے لیے اور اس جد و جہد کے اوامر کی تعمیل کے ذریعہ نصرت و نعمتہائے خداوندیہ کے متوجہ ہو جانے کا اپنے میں یقین پیدا کرنے کے لیے نقد نکالنے کی پوری طرح کوششیں کی جائیں۔ کسی مخلوق پر جانیں کھپانے سے اسکے ذریعہ حق تعالیٰ شانہٗ منفعتِ دنیویہ حقیرہ کو وجود مرحمت فرما کر ہمیشہ کی نعمتوں سے محروم فرمادیتے ہیں، اور اگر اس اپنی توجہ کو بلند کرکے اس امر کی طرف متوجہ ہوا جائے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے صادر ہوا ہو تو اس مخلوق والے مفاد کی اگرچہ حقیر سی قربانی ہو مگر حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستگی و معیتِ خداوندیہ نصیب ہوکر ان کی ذات و اوصاف کیلئے بے نہایت خزانوں کے دروازے کھل کر اس عالم علی المخلوقات والے حقیر منافع بھی پیروں میں آکر پڑ جاتے ہیں۔ سارے ہی انبیاء کرام اس راہ کا یقین پیدا کرکے اس راہ کے اعمال کے لیے جانیں کھپانے کو رواج دے کر حق تعالیٰ شانہٗ کے عمومی ابدی رحمت و انعامات کے دروازے کھلوانے کے لیے تشریف لائے اور اسی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم امتِ محمدیہ کو اٹھایا۔ یہی وہ مبارک مایہ ہے جسکی اصل تبلیغ ہے، جزوی اعمال کا پھیلانا مقصود نہیں بلکہ مخلوق پر طاقتوں کے مستقل خرچ ہونے کی بنا پر جس یقین انسانیہ پر مخلوقات والا گرد و غبار پڑ کر ذاتِ باری تعالیٰ سے استفادۂ کمالات و اوصاف و احیاء مسدود ہو چکا اس یقین کے ذاتِ باری تعالیٰ سے وابستہ کرنے کے لیے یقین و ایمان کے لیے جانیں کھپانے کے اوامر کی تعمیل کے لیے گھروں سے نکل کر اس راہ کی

ٹھوکریں کھاتے ہوئے اور دوسروں کو ان اوامر کی تعمیل کے لیے ذات باری تعالیٰ سے استفادہ پر آمادہ کرکے اس راہ کی ٹھوکریں کھانے کے لیے نکالتے ہوئے جانیں کھپانے والوں کے اپنی جانیں کھپانے میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ وہ یقین و اعتماد، دعوات و تضرع و زاری مقصود ہے جس سے وہ قلوب کو پلٹ کر عمومی احوال کو درست فرما کر انسانیت کی اپنے اوصاف و کمالات والی ترقی کے دروازوں کو سارے اہل عالم کے لیے کشادہ فرمادیں۔ میرے بزرگو! نہایت فکر و کوشش کے ساتھ مخلوقات فانیہ، منافع و رذائلہ کے مناظر سے نکال کر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رہبری کرنے والی متحرک فضاؤں میں ان کو لیتے ہوئے دنیا کے غلط جد و محنت کے میدانوں کو صحیح جد و جہد کے میدانوں کے قیام کے لیے دنوں میں تو پوری محنت کرو اور راتوں کو پوری طرح لجاجت و خوشامد کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں دعوات کی مقداروں کو پوری طرح بڑھاؤ۔ جن اسباب ظاہریہ کی وابستگی کو خود ہماری اپنی طبیعتوں نے کام قرار دے رکھا ہے اور ان سے کھینچنے میں ہم ضعیف ہو رہے ہیں یہی اہل عالم پر بلایا کے نزول کے اسباب ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ تمام اہل عالم پریشانیوں میں مبتلا ہوں اور خصوصاً امتِ محمدیہ مرحومہ۔ اور خلاص کی اسکے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی فضل فرمادیں اور ان کا فضل اسباب فضل سے وابستہ ہو اور ان کو حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ پر منکشف بھی فرما دیا ہو تو پھر اپنی پوری قوت و ہمت تو اسی پر صرف ہو کہ جہاں بھی آپ حضرات نکل جائیں اسباب کے بارہ میں ذہنیتیں بدل جائیں۔ اسباب ظاہریہ پر یقین کے بجائے اور اس پر عمل کے بجائے اسباب ایمانیہ پر یقین اور اس کا طریقہ سیکھ کر اس پر عملی انہماک کی فضائیں قائم ہوتی چلی جائیں۔ تمہاری اپنی مساعی تو نقد نکالنے کے لیے بہت ہی فکر و درد کے ساتھ وجود میں آئیں۔ جتنا اپنے میں اس کے لیے فکر و بیقراری و محنت کی مقدار بڑھے گی خود بخود قلوب کو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی طرف مائل فرما کر اقدام کی شکلیں پیدا فرمادیں گے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے سب ہی احباب کے لیے انبیاء کرام کے عالی طرز کے جد و جہد میں سے حصہ نصیب فرماتے ہوئے ان کی والی عالی نصرتوں کے دروازوں کو کشادہ فرمادیں۔ آپ حضرات بھی اس عاجز اور سب احباب کے لیے پوری طرح دعوات کا اہتمام فرمادیں۔

فقط بندہ محمد یوسف غفرلہٗ
۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ چہارشنبہ

شیخ بدر الدین الحسنی

شام کے عہد قریب کی ایک یادگار شخصیت

(از استاذ علی طنطاوی)
ترجمہ:- مولانا محبوب الرحمٰن ازہری

میں نے جب سے آنکھ کھولی، دمشق میں ہر شخص کو، چاہے عالم ہو یا جاہل، یہی کہتے سنا کہ "وہ ملک شام کے شیخ اور ہر معاملے میں مرجع انام ہیں۔" اگر وہ کہدیں تو ان کی بات پر علماء کا اتفاق ہو جاتا ہے اور جو حکم دیدیں کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے۔ ان کی عظمت اور ان کے احترام پر سب متفق ہیں اور ان کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہ صرف احکام الٰہی بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو شریعت الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر شیخ طاہر الجزائری شیخ طریقت تھے تو یہ خزانۂ علم۔

شیخ کی پوری اسّی سالہ زندگی علم ہی علم ہے۔ علم کے سوا کوئی بات انتہائی ضرورت کے بغیر زبان پر نہ آتی تھی۔ اور وہ بھی انتہائی مختصر بلکہ ممکن ہوتا تو اشارہ کی زبان میں ہوتی۔ اور پھر فوراً درس اکتاب کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ کبھی ایک دن بھی درس کا ناغہ نہیں کیا یہاں تک کہ وفات کے دن صرف نزع کے وقت یہ مشغلہ منقطع ہو سکا۔ مرض موت کے سوا ساری عمر بستر یا زمین پر کمر لگانے سے ناآشنا رہے۔ وہ عام لوگوں کی طرح کبھی نہیں سوئے بلکہ رات کو بھی پڑھنے کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو تکیوں پر ٹیک لیتے جو اسی کام کے لئے تھے اور دو یا تین گھنٹے مختلف دفعات میں رات کو اور ایک گھنٹہ اسی طرح دن کو آرام کرتے تھے۔ رات میں کتب بینی کے سوا کوئی اور شغل تھا تو وہ اللہ کی یاد اور اس کا دھیان۔

وہ در اصل عہد سلف کے علماء میں سے تھے جو تنہا بعد میں آنے کے لئے اپنے قافلے سے اس طرح بچھڑ گئے تھے جیسے زہرہ دوسرے ستاروں سے بچھڑ کر آخر شب میں اس لئے چمکتا ہے کہ رات کے بھٹکنے والوں کو صبح کے قریب رہنمائی [illegible] یا اس گلاب کے پھول کی طرح جو چمن میں اس لئے تاخیر سے رونما ہوتا ہے کہ

بادشاہوں کا تحفہ بن سکے۔

شیخ حسنی اپنے علم، وسعت نظر، قوت حافظہ اور ذہانت ذکاوت ہر لحاظ سے ایک عجیب وغریب ہستی تھے۔ ہر فن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے مضامین کی ایک زندہ فہرست تھے۔ جب بھی کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو خود سائل سے فرماتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور کھولو سائل خود کھولتا اور آپ فرماتے "اور آگے" یا "پیچھے" یہاں تک کہ جب قریب پہونچ جاتا تو وہ ایک ورق الٹ کر سامنے رکھدیتے اور معلوم ہوتا کہ سوال کا جواب اپنے قلم سے تحریر فرماکر رکھدیا ہے۔ آپ کی یہ ایک عام عادت تھی کوئی ایک آدھ واقعہ نہیں جس کی نادر سمجھا جائے یا اتفاق کہ کر نظر انداز کیا جاسکے۔

آپ کے دور میں دمشق میں بہت سے علماء تھے اور ائمہ فنون کی بھی بہتات تھی لیکن مرجع آپ ہی تھے لغت ہو صرف، نحو ہو یا بلاغت، مذاہب اربعہ کی فقہ ہو یا دوسرے مذاہب جو غیر مدون ہیں، حدیث کی روایۃ و درایۃ ہو یا معرفۃ و رجال و معرفۃ اسانید کلام ہو یا فلسفہ یا تاریخ غرض تمام علوم میں علما کے لئے مرجع آپ ہی تھے۔ آپ کو دنیا میں صرف دو چیزوں سے محبت تھی کتاب اور چینی کے برتن آپ جس کتاب کے بارے میں سنتے خرید فرمالیتے چاہے دنیا کے کسی علاقہ میں طبع ہوئی ہو اور مخطوطات کو تو ان کے ہموزن سونا دے کر خریدنے کو بھی تیار رہتے تھے کسی کتاب کو پڑھے بغیر، نہ چھوڑتے اگر سرسری نظر ڈالتے تو اس میں بھی تمام مضامین ان کے ذہن میں نقش ہو جاتے تھے۔

جامع اموی میں آپ کا درس عجائبات زمانہ میں تھا جس نے بھی دیکھا یا سنا پھر اس کو کہیں اور یہ انجوبہ دیکھنا نصیب نہ ہوا یہاں علمائے سابقین کی مجالس املا کی یاد تازہ ہوتی تھی جس سے ہماری علمی تاریخ کی عظیم عمارت وجود میں آئی ہے۔ اگر سیوطی نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ وہ آخری شخص ہیں جنھوں نے حدیث و لغت میں املا کرایا تو وہ صرف اس لئے کہ انہوں نے شیخ بدرالدین کا زمانہ نہیں پایا۔

میں ایسے اشخاص سے واقف ہوں جنہوں نے آپ کے درس سے دسیوں جلدیں لکھ ڈالیں جن سے شیخ کے وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی یادداشت پوری صدی میں کہیں ایک شخص کو ہی نصیب ہوتی ہے آپ جب بھی کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کے تمام طرق بیان کرتے اور تمام راویوں کا تعارف کراتے پھر لغت کے اعتبار سے اس کی تشریح کرتے اور نحو و بلاغت کے نکات ظاہر کرتے

جیسے کہ امام فن اس کو بیان کر رہا ہو یعنی ہر کلمہ کے شاہد اور شاہد کی توضیح و تفسیر پھر محدثین کے اقوال مع اسانید اور ہر اسناد کے مصدر، پھر فقہاء نے اس حدیث سے جو مسائل اخذ کئے ہیں اور فقہاء کا اختلاف اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل اور اقوال میں موازنہ اور ترجیح یہ سب ظہر کی نماز کے بعد سے اذان عصر تک جاری رہتا۔ اور اس دوران میں نہ کہیں رکتے اور نہ کہیں زبان میں لڑکھڑاہٹ ہوتی، نہ کسی کلمہ کا اعادہ کرتے اور نہ کسی جملہ کو ناتمام چھوڑتے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی کھلی ہوئی کتاب سامنے ہے اور آپ اسے پڑھ رہے ہیں۔

آپ کا علم تو حیرتناک تھا ہی آپ کی سیرت اور اخلاق اس سے زیادہ حیرت ناک تھے۔ آپ اسی سال زندہ رہے لیکن حقیقت میں آپ صرف ایک دن زندہ رہے جو تیس ہزار مرتبہ بار بار اپنی شکل میں دہرایا جاتا رہا۔ آپ اپنی معمولات میں ثابت قدم اور ایسے مضبوط تھے کہ اس کی مثال نہیں۔ رات کو نیند سے آدھی رات کے بعد بیدار ہوتے جس کو نیند کہنا بھی صحیح نہیں بلکہ ایک ایسے طالب علم کی طرح رات بھر پڑھتے جس کو امتحان کی تیاری میں رات بھر جاگ کر مطالعہ کرنا ہوتا ہے جب نیند کا غلبہ ہوتا تو تکیہ پر سر جھکا لیتے اور آنکھ جھپکا لیتے پھر جب آنکھ کھلتی، چراغ جل رہا ہوتا اور سامنے دسترخوان پر چھوٹی طشتریوں میں فیرینی، شیرینی اور پھل ہوتے ان میں سے کچھ نوش فرماتے پھر تالاب پر وضو فرماتے جو آپکے بڑے مکان میں تھا اور یہ مکان آج تک خالی پڑا ہوا ہے۔ اپنی جوانی میں ہاتھ سے برف توڑتے اور سردی میں اسی سے وضو فرماتے جب بوڑھے ہوگئے تو آتشدان پر لوٹے میں پانی گرم کیا جانے لگا تاکہ ضرورت کے وقت آسانی سے گرم پانی مل سکے۔

پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی رکعتیں ادا کرتے تھے جب صبح ہوتی تو نکلتے تھے اور مریدین اور تلامذہ کی جماعت دروازہ کے سامنے والے دالان میں صف بستہ انتظار میں ہوتے جن کو سردی یا بارش بھی نہیں روک سکتی تھی جب آپ نکلتے تو وہ سب آپ کے ساتھ جامع اموی جاتے اور وہاں جماعت سے نماز ادا فرماتے پھر دارالحدیث کی طرف تشریف لے جاتے جہاں ایک کمرہ آپ کے لئے مخصوص تھا جس میں دریاں بچھی ہوئی تھیں اور اس میں صرف معمولی تکیے جن میں خشک گھاس بھری ہوتی اور اسی گھاس کے معمولی گدے تھے۔ اسی کمرہ میں بڑے بڑے آدمی حاضر ہوتے اور بیٹھے وہاں کے حاضرین میں مشائخ ادیان اور علمائے اعلام، حکام اور امراء اور بڑے بڑے زعماء جن کے قدموں تک

نیچے زمین بھی لرزتی تھی اور ان کے خوف سے دل دہلتے تھے جب اس کمرہ میں داخل ہوتے تو جوتے اتارتے ہوئے دوزانو بیٹھ جاتے اور خشوع سے ان کے گردنیں جھک جاتیں اور خاموش بیٹھے رہتے۔ جمال پاشا کی ایسی عظیم شخصیت اور ان سے پہلے کے حکام دوسرے ملکوں کے نمائندے بھی اسی طرح حاضر ہوتے معلوم ہوتا تھا کہ اس کمرہ کی شان وشوکت بڑے بڑے جبابرہ کو بچہ، عالم علامہ کو طالب علم بنا دیتی تھی، علم، تقوی اور دین کی ہیبت، خود پسندوں کو لوگوں کی نظر میں چھوٹا کر دیتے تھے۔

اسی کمرہ میں آپ نماز، درس اور ذکر میں غروب آفتاب تک مصروف رہتے اور پھر اپنے گھر تشریف لیجاتے تاکہ روزہ افطار کریں کیونکہ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جو آپکی کسی نذر کے مطابق ہمیشہ معمول رہا۔ آپ کو کسی نے سوائے گھر مدرسہ اور جامع اموی کے اور کہیں نہیں دیکھا سوائے اسکے کہ شاذونادر کہیں تفریح کیلئے گیا۔

حضرت شیخ موہوب من اللہ تھے آپکے استاد کتابیں تھیں آپنے کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ آپ نے شیخ ابوالخیر الخطیب سے ابتدائی علوم حاصل کئے پھر خود ہی مطالعہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور عمر بھر میں کوئی گھڑی خالی نہیں گئی جس میں کتابوں کا مطالعہ نہ کرتے ہوں اسی طرح درس دینا بھی کبھی نہ چھوڑا یہاں تک کہ وفات سے دو گھنٹے قبل آپ کے درس دینے کا وقت تھا جب طالبعلموں نے معذور دیکھا تو لوٹنے لگے آپ نے ان کو اشارہ سے بلایا اور فرمایا کہ تم پڑھو میں سن لوں گا۔

آپ کے دینی حال۔ عبادت اور تعلق باللہ کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب حجازی ریلوے لائن بچھائی گئی (اللہ تعالی اس کو دوبارہ جاری فرمادیں) اور پہلی ریل گاڑی چلی تو اس گاڑی میں آپ بھی سوار تھے گاڑی راستہ میں جنگل میں بغیر اسٹیشن کے انجن کی کسی خرابی کی وجہ سے رک گئی تو لوگ اتر کر مغرب کی نماز پڑھنے لگے۔ ابھی لوگ نماز میں تھے کہ گاڑی چل پڑی۔ لوگوں نے نماز توڑ دی اور بھاگ بھاگ کر لٹکنے لگے گاڑی کے نکل جانے کے بعد تلاش کیا گیا تو لوگوں نے آپکو ریل میں نہ پایا۔ گاڑی کو دوبارہ لوٹایا گیا تو آپ وہیں جنگل میں جانماز پر تھے جہاں نہ پانی نہ آبادی تھا نہ کوئی جن اور نہ کوئی انسان اور آپ کو محسوس بھی نہ ہو سکا کہ گاڑی نکل گئی آپنے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی بلکہ آپکی مجلس میں کسی کی غیبت نہیں ہوئی جس شخص نے تجربہ نہیں کیا وہ اسکو بہت آسان بات سمجھے گا لیکن ذرا تجربہ کرکے دیکھئے کہ صرف ایک دن کیلئے غیبت کرنا یا غیبت کا سننا چھوڑنے کی کوشش کیجئے پھر آپ خود ہی کہیں گے کہ شیخ اللہ کی رحمت ہو جو اپنے عمل اور اپنے اخلاق میں سلف صالحین کے بقایا اور اپنے زمانہ میں یکتا شخصیت تھے ان کی مثال دیکھنے کے لئے طویل مدت کی ضرورت ہے نہ صرف شام میں بلکہ عالم اسلامیہ میں بھی صدیوں میں اس قسم کے نمونے نمودار ہوتے ہیں۔

(۷)

ملّا وجیہ الدین

یہ دربارِ عالمگیر میں ایک بڑے منصب پر فائز رہے۔ دوسرے درباریوں کی نظروں میں انکی توقیر اور بڑی قدر تھی۔ انھیں افضل المعالی کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ ان کے والد مفتی شیخ عیسیٰ ابن مفتی شیخ آدم دانشمند ہیں۔ شیخ آدم پہلے ملتان میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ زمانہ کی گردش نے انھیں ملتان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور یہ قصبۂ گوپامئو ضلع ہردوئی میں آبسے۔ اور اسی کو وطن بنا لیا۔ ملّا وجیہ رحمہ اللہ کا سلسلۂ نسب گیارھویں پشت پر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی[1] بن محمد قدس اللہ سرہ سے ملتا ہے۔ حضرت مخدوم بندگی نظام الدین[2] امیٹھی ضلع لکھنؤ کے شہرۂ آفاق بزرگ ان کے حقیقی پرنانا تھے۔ اور یہ قصبہ امیٹھی "بندگی میاں" کے نام ہی سے ممتاز ہوتا ہے۔ نسباً ملّا وجیہ صدیقی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۰۰۵ھ میں گوپامئو میں ہوئی تعلیم و تربیت کے ابتدائی مراحل آپ نے اپنے حقیقی بھائی عبید اللہ کے عاطفت اور مہر کے سایہ میں

---

[1] تاریخ خاندان مفتیان مطبوعہ جون پور۔

[2] شیخ معروف را بادشاہ دہلی تکلیف قضا قصبہ امیٹھی و دیگر مزوارستر کہ دادہ آمدہ در اینجا متوطن شدند الی یومنا ھذا اولاد احجاد شیخ مسطور در امیٹھی سکونت دارند۔ (اخلاق جعفری ملک عبد السلام العلوی مخطوطہ)

لے لیے۔ یہ انھیں بڑے پیار اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنے نانا حضرت بندگی جعفر بن حضرت مخدوم بندگی نظام الدین سے بہت کچھ فیوض حاصل کیے اور بعد فراغت درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا عرصہ دراز تک فرداً فرداً آپ کے اسلاف کو افتار کی خدمات تفویض رہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ گوپامئو کا یہ گھرانہ مفتیوں ہی کے لقب سے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

ملّا کی جودتِ علم کا آوازہ اور شہرہ شہنشاہ زمانہ شاہجہاں کے کانوں تک پہونچا تو ازراہِ قدردانی دربار سے طلبی کا پروانہ جاری ہوا اور شاہی نقد و تبصرہ کے بعد فی الحال شاہی کتب خانہ کے نگراں اور سپروائزر مقرر فرما دیئے گئے۔ قلمدان اور تورنک شاہی کی مہران کی امانت میں دونوں چیزیں دے دی گئیں۔ اس پر مستزاد شہزادہ دارا شکوہ کی تربیت و تعلیم اور اتالیقی کے فرائض کی انجام دہی بھی انھیں کو تفویض رہی۔ رفتارِ زمانہ آگے بڑھی اور لیل و نہار نے گردش کی تو منجانب شاہزادہ دارا شکوہ ۱۰۶۰ھ میں صوبہ الٰہ آباد اور بہار کی صدارت کا منصب عالی بھی انھیں کے سپرد کر دیا گیا۔

ایک وہ زمانہ بھی آیا کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر تختِ ہندوستان پر جلوہ افگن ہوئے تو ان کے کچھ مصالح کا اقتضا یہی ہوا کہ ان مناصب سے مستعفی ہو کے رہیں۔ چنانچہ استعفا دیا اپنے وطن گوپامئو واپس آگئے۔ اور اپنا وہی دلچسپ درس و تدریس کا شغل اختیار کر لیا لیکن تابہ کے ان کی ہنرمندی اور علمی کمالات کا اقتضا یہی تھا کہ اہلِ نظر کی نظریں ان پر پڑیں چنانچہ نظریں پڑیں اور جلوس ۱۰۹۰ھ میں عالمگیر نے ازراہِ قدر افزائی اپنے دربار سے ان کو منسلک کر ہی لیا[1] اور ان کے شایانِ شان ایک منصب عالی ان کو عطا ہوا۔ علم معانی اور علمِ بیان کے ماہرین میں ان کا شمار کیا جاتا تھا، اور اپنے زمانہ میں ان دونوں علوم میں اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ ذہن روشن اور وقاد اور ضمیر صاف و شفاف پایا تھا۔ علم فقہ میں پوری دستگاہ تھی اور جزئیاتِ فقہیہ پر پوری نظر حدیثی معلومات میں بھی وسعتِ نگاہ تھی۔ ذہانت اور ذکاوت بھی بلا کی پائی تھی۔ چنانچہ صاحبِ تکملہ ان کے متعلق یوں رقم طراز ہیں :-

"علامہ شیخ وجیہ الدین گوپامئوی عالم تحریرات و بہ تقریر دلپذیر و امارت ذہن و

---

[1] نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۸۲

صفائی ضمیر انتساب دارد و یک چند در زمرۂ ملازمان و مقربان دار شکوہ منتظم بودہ۔

چوں اورنگ سلطنت جہاں بانی بجلوس حضرت خاقانی فر آسمانی یافت او در وطن
خود منزوی بودہ اوقات خود را بسر می برد و در سن نہم[1] جلوس والا بہنمونی بخت بیدار
بدرگاہ کیوان جاہ رسیدہ بمنصب سرفراز گردید و ترتیب و تالیف ربع از فتاوی عالمگیری
شاہی مامور شدہ و کس دیگر از فضلاء بمدد و اعانت او مقرر شدند۔

ربع فتاوی عالمگیری کی تبیض اور تسوید جیسی کچھ وسعت معلومات اور دقت نظر کی متقضی تھی اور وہ بالکلیہ ان کے سپرد ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کی اور بھی اہم تصانیف کا اس عہد کے مؤرخین تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن سوائے بعض کے اور تقریباً ناپید ہی ہیں۔ جو تصانیف ان سے منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ نفائس وجیہہ

۲۔ حاشیہ بر حاشیہ خیالی مطول

۳۔ رسالہ انساب

۴۔ شرح حصن حصین

۵۔ رسالہ تحقیق چہاردہ علوم

۶۔ الکلام الکافی والعروض والقوافی

آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی شیخ عیسیٰ سے مریدی[2] کا شرف رکھتے تھے۔ لیکن مصنف خاندان مفتیان گوپامئو کا بیان یہ ہے کہ انھیں شیخ معروف جون پوری سے خلافت حاصل ہوئی لیکن جمع بین القولین یوں ممکن ہے کہ مرید تو اپنے والد ماجد کے ہوئے ہوں اور پھر مریدی اور خلافت شیخ معروف سے حاصل کی ہو اور انھوں نے ہی خلیفہ مجاز فی الصحبۃ والبیعۃ بنا دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد کا شمار اور احصاء نہ ہوسکا لیکن آپ کے ارشد تلامذہ اور معنوی کلہ کے

---

[1] اس کی مفصل بحث صفحات آئندہ میں آئے گی۔
[2] آثار علماء گوپامئو۔

حقیقت کے اعتبار سے۔

۱۔ ملا عصمت اللہ بن ملا عبد القادر بدایونی

۲۔ ملک بہاء الدین بلگرامی۔

۳۔ ملا شیخ محمد محسن صدر و محتسب خیر آباد

۴۔ مولوی شاہ محمد آفاق خلیفہ و جانشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی کے اسماء گرامی تذکروں میں لیے جاتے ہیں[1]

۵ رجادی الثانیہ ۱۰۸۳ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔ یہ حادثہ دہلی میں ہوا، وقت انتقال آپ کی عمر ۸۰ سال تھی۔ میت کو کچھ دن دہلی میں محفوظ رکھنے کے بعد ایک تابوت کی شکل میں گوپامئو لایا گیا اور اس مسجد میں جس کا انتساب آپ سے اب تک ہے سپرد خاک کر دیا گیا۔

"حاجی محمد انور الدین"

تاریخ وسن ولادت تو محفوظ نہیں، لیکن ان کا مولد و منشا قصبہ گوپامئو ضلع ہردوئی ہی ہے۔ ابتدائی تربیت خاندانی بزرگوں سے ملی اور مبادیات کتب علماء خاندان سے پڑھیں، پھر دہلی کا سفر اختیار کیا جو اس زمانہ میں مُستقرِ علماء کبار تھا اور انھیں کے حلقات درس میں بیٹھ کر علوم و فنون متداولہ کی تکمیل کی۔ باہنر باکمال بنے بادشاہ وقت کی نظر انتخاب نے انھیں تاڑ لیا اور شاہجہاں کے دربار سے منسلک ہو کے رہے۔ شہنشاہ کی طرف سے تسبیح خانہ کی مہتممی اور نظامت سے نوازے گئے۔ علاوہ ازیں جاگیر بھی آذوقہ کے لیے عطا کی گئی۔ حاجی صاحب ان مفوضہ خدمات کو ۱۰۶۸ھ تک بلا خرخشہ اور بلا قدح بدستور انجام دیتے رہے۔ لیکن جب اورنگ زیب عالمگیر اور ان کے بھائیوں میں چپقلش شروع ہوئی اور خانہ جنگیوں کا آغاز ہوا تو کچھ انقباض خاطر اور اگلی فضا مفقود ہونے کے باعث درباری خدمات سے مستعفی ہو گئے اور وطن آکر وہاں ہی اقامت گزیں ہو گئے۔ لیکن ان کے علم و ہنر کی فانوس کی جگمگاہٹ اور شمع معرفت کی کرنیں دلی پہونچ کے رہیں۔ ادھر عالمگیر تخت نشین ہوا، جھگڑے

---

[1] تذکرہ علماء ہند ص۱۴۶

فساد بہت حد تک نابود و ناپید ہوئے اور پھر اورنگ نشیں اورنگ زیب نے ان کے پاس طلبی کا پروانہ بھیج کے طلب کر لیا۔ نوازشات بیکراں سے سرافراز اور وقتی داد و دہش سے نواز کے مستقل جاگیران کے حصہ میں لکھ دی اور ان کی شخصیت اور علم و معرفت کے مناسب ایک عالی قدر منصب عطا کر دیا[۱]۔

دوران ملازمت شاہی کسی شاہی کام کی انجام دہی کے لیے حرمین شریفین کی زیارات سے مشرف ہونا تھا کہ حج ایسا لگا کہ تین سال تک وہاں کا قیام نہ چھوٹا۔ سلطان ابراہیم (ترکی) اور سلطان مصطفیٰ ثانی (ترکی) نے جو اس عہد کے وہاں فرمانروا تھے مدینۂ منورہ میں روضۂ اطہر کی "خدمت فراشہ" پر سرفراز فرمایا[۲] اور بطور سند فرامین جاری کر دیے جو ترکی زبان میں ہیں اور اب تک ان کے ورثا کے قبضہ میں چلے آتے ہیں۔ آپ کی وفات اورنگ آباد دکن میں ۵ رمضان المبارک[۳] سنہ ۱۱۱۱ھ کو ہوئی۔ اورنگ آباد میں برائے چندے میت کو محفوظ کر کے بشکل تابوت ان کے وطن گوپامئو پہونچایا گیا اور انکے جد امجد حضرت مخدوم عبدالحیٔ فاروقی قنوجی (خلیفہ حضرت بندگی نظام الدین امیٹھوی) کے مزار کے پائین لا کے دفن کیا گیا[۴]۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو ان کی وفات سے ایک غیر معمولی دھچکا لگا اور بہت ہی غمگین رہے ان کی خاص الخاص خدمات سے محرومی آپ کے لیے ایک بڑے صدمہ کا موجب تھی جس کو انھوں نے ان کے بیٹے محمد جان جہاں خاں کے نام ایک مکتوب میں ظاہر بھی کیا ہے۔ مکتوب یہ ہے:۔

شرافت و نجابت مرتبت اعتماد و رفعت منزلت زبدۂ خانہ زادان یک رنگ فدوی خاص الخاص بافرہنگ لائق العنایات والاحسان محمد جان جہان مورد مراحم وعنایات واللہ بودہ بداند کہ دریں آوان ملامت اقتران وقوع ارتحال فدوی خاص باختصاص شیخ اقدس حاجی محمد انوار الدین خان بہادر ملال خاطر شد کہ مرد خداترس و شخص دیندار بود و خدمات بادشاہی را بدیانت و درستی سرانجام داد و مارا از خود راضی داشت خدایش بیامرزد ہمچو اشخاص دریں زمانہ کمتر اند۔ بیت

آنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیارست و نیست　　　　نیست در معنی بجز انساں کہ بسیارست و نیست

---

۱ تزک والاجاہی ۲ حوالہ سابقہ ۳ تصریح الانساب مخطوطہ ۴ خلاصۃ الانساب قلمی۔

بایدکہ آں زبدۂ خانہ زادان راضی برضائے الٰہی باشد و توجہات ما بدولت و اقبال را زحال خود روز افزوں داند و خود را بحضور اشرف و اعلیٰ رساند[1]

"محمد جان جہاں خان"

یہ حضرت شیخ اقدس حاجی محمد انور فاروقی سابق الذکر کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ان کا الحاق بھی دربار عالمگیری سے ہوگیا تھا۔ یہ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بیحد پژمردہ اور متفکر و پریشاں خاطر رہتے کہ ایک رات خواب دیکھا اور وہ یہ تھا

کہ خود بزیارت پدر بزرگوار رفتہ دید کہ بر تکیہ برقرار نشستہ و مجرد دو چار شدن فرمودہ کہ پہلوئے قبرم بغلط خوانی قرآن از مردم مرا تنگ نمودہ نمی توانی کہ دفع ایں کراہت بگردانی عرض کرد کہ ایں کار موجب فخر و عزت سجادہ دانی ست آئندہ کار بنا احتیاط آں خواہم بود۔ باز فرمود کہ اقامت بے حاصلت دریں جائے و گوارائے رنج و عنا از جہت و پا بدامن کشیدن در عین تحصیل فوائد سیر و سفر آئین مصلحت نیست و کشائش باب روزیت در گرد عزمیت لشکر شاہی است و کفیلک در کامت سفر براہی۔

اور اسی خواب میں باپ کی یہ باتیں سن کے محمد جانؒ نے جواب جو دیا وہ یہ تھا:

کہ اندیشہ عدم آشنائی اہل لشکر خار دامان ست و برآمد کار در ہجوم اغیار غیر امکان۔[2]

پھر سے باپ نے جواب دیا

کہ بتوکل خدا بلا وسواس بہ لشکر ظل سبحانی روی و مستعد پژوہش معتمد شوی و مخلص خان امیر واسطہ کام دہ و برآمد مرعایت را مددگار خواہد شد۔

یہ خواب دیکھنا تھا کہ نہ وہ طبیعت میں انقباض رہا اور نہ پریشاں خاطری، تفکرات کا وہ عالم جس سے شبانہ روز دوچار رہتے سب دور ہوگیا سکون قلبی میسر آیا اور اطمینان دامن ہاتھ لگا۔ خواب میں باپ کی نصیحتوں کو گوش ہوش سے سن کے رخت سفر مہیا کرنا شروع کر دیا اور کوچ کی تیاریوں میں لگ گئے۔

---

[1] تزک والاجاہی برہان الدین۔ [2] حوالہ سابق۔

سفر اختیار کیا اور بعد چندے بادشاہ تک رسائی حاصل کی قسمت کی یاوری تھی اور وقت کی مساعدت کہ اپنے والد مرحوم شیخ اقدس کی خدمات اور مناصب وجاگیر سے نواز دیے گئے اور وہاں پہونچ کے اپنی شجاعت اپنی ذہانت اور ذکاوت کے موقعہ موقعہ سے وہ جوہر دکھلائے کہ شاہ وقت تو شاہ وقت درباری بھی داد دیئے بغیر نہ رہے اور پھر دربار عالمگیر سے الحاق کیا ہوا کہ عہد محمد شاہ تک کبھی منقطع ہونے کی نوبت نہ آئی۔ پھر جب گردش افلاک سے دربار کی حالت میں تغیرات رونما ہونے لگے اور تدریجی تنزل کے آثار ہویدا ہونا شروع ہوئے تو دل میں بیزاری پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اتنی بڑھی کہ ترک علائق کر کے نظام الملک کی ہمراہی اور رفاقت میں حیدرآباد چلے گئے وہاں صوبہ کرناٹک پایان گھاٹ (مدراس) کی نظامت ان کو تفویض کر دی گئی۔ اور جب فرانسیسیوں سے صوبہ والوں کی جنگ ہوئی تو فرانسیسی گورنر ڈوپلے کے مقابلہ میں شہید کر دیے گئے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔

بقیہ معارف الحدیث صفحہ ۱۴

کھانے کے لیے ہمارا جی چاہا تو ہم نے اس میں کھا لیا (اور روزہ توڑ دیا) آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

ترجمہ

از وحیدالدین خاں

لبرل اسلام

(آخری قسط)

[مسٹر آصف فیضی کی کتاب "اے ماڈرن اپروچ ٹو اسلام" کے چوتھے باب کا ترجمہ۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دینی افکار کے مطالعہ کے طور پر]

ضمنی قاعدے | قرآن یا شریعت میں جب ایک حکم دیا جائے تو یہ طے کرنا ضروری ہے کہ وہ ایک قانونی حکم ہے یا اخلاقی ہدایت۔ اگر وہ ایک قانونی حکم ہے تو ریاست اُسے بزور نافذ کرے گی۔ اور اگر وہ اخلاقی ہدایت ہے تو اسٹیٹ طاقت کے ذریعہ اس کا نفاذ نہیں کر سکتی۔ گزشتہ اصولوں کی روشنی میں ایک بار یہ بات طے ہو چکی ہے کہ قرآن میں واضح طور پر قانونی نوعیت کے احکام ہیں اس لیے اب یہ سوال اہم ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ میں ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس تشریح پر محتاط نظر ثانی کی ضرورت ہے قرآن انسانی عمل کے بارے میں کبھی ایک بنیادی ضابطہ مقرر کرتا ہے، کبھی وہ کوئی ضمنی حکم دیتا ہے۔ جو کسی خاص وقت یا حالت سے متعلق ہے، اس کی کوئی دائمی قدر و قیمت نہیں ہے یا وہ کبھی شاعرانہ زبان تمثیل یا قصہ کہانی کے انداز میں بولتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

ھو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات ھن ام الكتاب واُخر متشابھات۔ آل عمران ۔،

ایسی حالت میں ہم اس نتیجے تک پہونچنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک تعبیر کرنے کا مسئلہ ہے اور یہ کہ قانون کو بدلا جا سکتا ہے گر مذہب زیادہ پائدار چیز ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ تحقیق کرنے کے لیے کہ یہ حکم قرآن کا ایک واضح حکم ہے، جیسے شراب اور سود کی حرمت،

ہمیں ایک خاص طریقے کی پیروی کرنی ہوگی، وہ طریقہ یہ ہے — ۱۰۲

۱۔ اسلام سے پہلے کون سا قانون یا رواج پایا جاتا تھا ——— پیغمبر کی اصلاحات کا اندازہ کرنے کے لیے سب سے پہلے تمام موجود شہادتوں کا جانچنا ضروری ہے۔ صرف مسلم مصنفین پر اعتماد کرنا کافی نہیں ہوگا۔ اسی کے ساتھ ہمیں اسلام سے پہلے کے ادب، کتبے، دستاویزات، سامی بولیوں، عبرانی، سریانی اور حبشی زبان، یونانی، لاطینی اور دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ شہادتوں پر غور کرنا ہوگا۔ یہ تحقیق بیسویں صدی کے علمی ذرائع ہی تک محدود رہنی چاہیے۔

۲۔ پیغمبر نے کس طرح اس کی اصلاح کی کوشش کی؟ ——— اس سلسلے میں ٹھیک ٹھیک ان حالات کا مطالعہ کرنا ہوگا جن حالات میں اسلامی احکام وجود میں آئے، مثلاً وقت کا قانون، کھانے پینے کے آداب، نماز، وضو اور غسل کے مسائل، روزہ رکھنا اور زکوٰۃ دینا۔ سامی معلومات سے پوری طرح آگاہ ہوکر تاریخی اصول کے مطابق قرآنی آیتوں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور پھر ازسرِ نو آیات کی صحیح تفسیر متعین کرنی ہوگی۔ قدیم علماء اور ائمہ کی تفسیر کو بلابحث آخری سند کے طور پر نہیں قبول کیا جا سکتا۔ ۱۰۳

۳۔ ان اصلاحات کے نتائج کیا ہوں گے؟ ——— یہاں عورتوں کے مسئلہ کو بطور مثال لیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں نکاح کا قانون بعض ضروری تحفظات کے ساتھ عورت کے حق میں ہے اور اسی طرح وراثت کا قانون بھی۔ پھر کیوں ایسا ہے کہ تقریباً تمام اسلامی ملکوں میں عورتیں منقولہ جائداد کے حق سے رواجاً محروم کردی گئی ہیں۔ یہ صورت حال ہندوستان، انڈونیشیا، مصر، ایران اور شمالی افریقہ میں ہر جگہ ہے۔ اور جو چیز سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ یہ کہ عورت نہ صرف اپنے قرآنی حقوق سے محروم ہے بلکہ وہ مرد سے کمتر سمجھی جاتی ہے اور مخصوص سیاسی حقوق کے لیے غیر موزوں قرار دی گئی ہے۔ مسلم ملکوں کے مشاہدے سے یہ تکلیف دہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عورت، مرد کے ہاتھ میں کھلونا ہے نہ کہ زندگی کی ساتھی اور ہمدم و شریک عمل۔ اس کو یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عمل اسلام کے خلاف ہے یا اسلامی روح کے منافی ہے۔ ضروری ہے کہ حقیقت کا مقابلہ کیا جائے، مسئلہ کی گہرائی تک جایا جائے، نامناسب تعبیرات کو ترک کردیا جائے۔ اور مسلم عوام کی ازسرِ نو تربیت کی جائے۔ قرآن کی آیت:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض۔

نساء ۔ ۳۴

کو نئی تفسیر میں خالص مقامی حیثیت دینی چاہیے اور ایک ایسا حکم قرار دینا چاہیے جو صرف زمانۂ قدیم میں قابلِ نفاذ تھا۔ اس کے وسیع انطباق پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ اس کی تفسیر یہ کریں کہ یہ حکم ان حالات کے لیے ہے جو کہ بعثت کے وقت عرب کے قدیم سماج میں تھے اور اب جدید زندگی (MODERN LIFE) میں وہ قابلِ انطباق نہیں ہیں۔

۴۔ بعد کی صدیوں میں احکام کی تعبیر اور ان کا نفاذ مختلف قانونی مکاتبِ فکر میں کس طرح ہوا؟ —— دو احکام جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، وہ باہم بہت زیادہ مربوط ہیں۔ جدید مآخذ، خاص طور پر آزاد اور تنقیدی جائزوں کی چھان بین اس مقصد سے کرنی چاہیے کہ معلوم ہو کہ فوری نتائج کیا تھے۔ نیز احکام کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لینا چاہیے۔ کیا وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے، یا ان میں تبدیلی کر دی گئی یا انھیں ختم کر دیا گیا۔ کیا وہ سیاسی اور ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کیے گئے۔ یہ چند سوالات ہیں جو اس سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ پرسنل لا کی موجودہ حالت کیا ہے؟ جدید تصورِ انصاف نے جو اعلیٰ معیار مقرر کیے ہیں، ان کے لحاظ سے ان میں کیا نقص ہے، کس حد تک ان قوانین کو برقرار رکھا جا سکتا ہو۔ انھیں بدلا جا سکتا ہو یا منسوخ کیا جا سکتا ہے، تاکہ ان کو سماجی عدل کے جدید تصورات کے مطابق بنایا جا سکے اور مسلم گروہ کی سماجی خوش حالی کو ترقی دی جا سکے؟ —— تعبیر کا یہ طریقہ ہندوستان کے پرسنل لا سے بحث کرتا ہے۔ اسی قسم کا طریقہ دینیاتی اور اخلاقی قوانین پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

اگر اس تنقیدی طریقہ کے مطابق شریعت کے پورے ڈھانچہ کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مذہب کے قدیم اور جامد سانچے کی جگہ ایک نیا پروٹسٹنٹ اسلام (PROTESTANT ISLAM) جنم لے گا جو بیسویں صدی کی زندگی کے حالات سے مطابقت رکھتا ہوگا۔ وہ ماضی کے سوکھے ہوئے درخت کو کاٹ ڈالے گا اور مستقبل کو پرامید شکل میں دیکھ رہا ہوگا۔ اس نئے

مذہب کا نام رکھنے کے لیے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر اس کوئی نام دیا جائے تو اس کو لبرل (آزاد) اسلام (LIBERAL ISLAM) کہنا صحیح ہوگا۔ ۱۰۴

نتائج

جدید دُنیا نے انسان کو جو سب سے بڑا تحفہ دیا ہے وہ آزادی (FREEDOM) ہے۔ سوچنے کی آزادی، بولنے کی آزادی، عمل کرنے کی آزادی۔ یہ آزادی قانون کے ذریعہ محدود کردی گئی ہے۔ قانون کہتا ہے کہ ہر انسان کی آزادی دوسرے انسان کی آزادی کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اس لیے ہم دوسرے لوگوں کو برا نہیں کہہ سکتے، یہ ہتک عزت ہے، ہم ریاست کو برا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ بغاوت ہے۔ تنقید کو ہتک عزت اور بغاوت نہیں بننا چاہیئے جائز تنقید کے حدود اور بے بنیاد الزام جو ہتک عزت اور بغاوت تک جا پہونچے وہ عدالتوں کے ذریعہ نہایت صحت کے ساتھ متعین کردیا گیا ہے۔ مگر اس سے الگ جدید دور خیال، گفتار اور عمل کی آزادی پر زور دیتا ہے۔ ۱۰۵

اب جہاں تک مذہبی اصول کا تعلق ہے اسلام کیا کرے گا۔ وہ اجتہاد کا دروازہ بند کرتا ہے وہ یہ اصول مقرر کرتا ہے کہ قانون داں چند زمروں میں تقسیم ہونے چاہئیں اور فکر کی کوئی آزادی نہیں ہے۔ حالیہ ہندوستانی مصنفین میں سے اقبال اور عبدالرحیم نے اس اصول کے خلاف بغاوت کی اور کسی نے ابھی تک علماء کے غضب کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں کی ہے۔ تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے کہ پاکستان میں فسادات ہوئے اور ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھایا گیا پاکستان کے چیف جسٹس نے متعدد علماء سے اسلام اور اس کے بنیادی اصولوں کے بارے میں سوالات کیے۔ چیف جسٹس کے تجزیہ کے مطابق بعض علماء دوسرے علماء کی رائے میں [illegible] تھے۔ یہ ہے وہ درجہ جہاں ہمارا فکری جمود پہونچ چکا ہے۔ اسلام اپنی قدیم تعبیر میں وہ لچک (RESILIENCE) کو کھو چکا ہے جو جدید فکر اور جدید زندگی کے ساتھ ہم آہنگی کے لیے درکار ہے۔ ہمایوں کبیر اپنے ایک حالیہ مقالہ میں لکھتے ہیں:

"دورِ جدید کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی ایک ایسے عقیدے کا تقاضا کرتی ہے [illegible]

نوعیت میں عقلی اور اپنی وسعت میں عالم گیر ہو۔

(RATIONAL IN NATURE AND UNIVERSAL IN CONTENT)

وہ لوگ جو خدا پرست ہیں وہ خدا کے تصور میں کائناتی مفہوم کا ایک فطری عکس پاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو خدا پر عقیدہ نہیں رکھتے وہ انسانی عظمت (HUMAN DIGNITY) کے تصور میں مقصدیت کو پالیتے ہیں۔ سچائی، حسن اور خوبی، اقدار (VALUES) کی وہ بنیادیں ہیں جو ایک انفرادی ذات سے زیادہ وسیع اور پائیدار ہیں۔ ان قدروں سے ہم آہنگی انسان کو بلند ہمتی اور قربانی پر ابھارتی ہے، خارجی دنیا کے بارے میں ہمارا علم مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اس کو ہماری اپنی ذات کے بارے میں بڑھتے ہوئے علم سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ سقراط کا مقولہ کہ علم نیکی ہے، آج سے پہلے کبھی اتنا سچا نہیں تھا۔"

[illegible] لکھتے ہیں:۔

"سائنسی ترقی نے انسان کے ہاتھ میں اس کی خواہش اور اس کی ضرورت کے مسائل حل کرنے کی کنجی دے دی ہے۔ یہ اب ہمارے اختیار میں ہے کہ بھوک اور بیماری پر فتح حاصل کر سکیں۔ اسی طرح یہ بھی یکساں طور پر ہمارے اختیار میں ہے کہ انسانی سماج کو تباہ کر دیں بلکہ درحقیقت طبعی دنیا کو۔ علم بذاتِ خود ایک غیر جانبدار چیز ہے۔ ہمارا علم تخریب کے لیے استعمال ہوگا یا تعمیری مقاصد کے لیے اس کا انحصار اس عقیدہ پر ہے جو ہمیں متحرک کرتا ہے۔ اب ہمارے عقیدے کو الہام یا کسی پراسرار ذریعہ پر مبنی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کو شخصی حدود سے پار کر جانا چاہیئے؛

OUR FAITH CAN NO LONGFR BE BASED ON REVELAT-
-ION OR MYSTERY, BUT IT MUST TRANSCEND THE
LIMITATIONS OF THE SELF (P-106)

خارجی دنیا کی نوعیت اور انسانی شخصیت کے بارے میں ایک عقلی معرفت، مختلف نقطۂ نظر کے درمیان رواداری، دوسرے انسانوں کے ساتھ شفقت اور اتحاد، یہ ایک عقیدہ

کے لازمی اجزا ہیں جو آج کل پیچیدہ اور دُکھ بھری دُنیا میں ہماری امیدوں کا واحد سہارا ہے۔"

اسلام میں فکری آزادی کے متحجر ہونے کی ایک نمایاں شہادت مذکورۂ بالا یہودی مصنف ربی اگناز میبام کی کتاب (THE JEWISH MISSION) میں ملتی ہے۔ وہ ایک ترقی پسند یہودی ہے اور اپنی پوزیشن کی مدافعت میں کہتا ہے کہ یہودی تورات کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مگر تورات جہاں تک اس کے دیوانی اور فوجداری قوانین کا تعلق ہے، اس نے جدید یہودیوں کی زندگی میں اپنا عمل ختم کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اسلام کا عقیدہ ہے نہ کہ یہودیت کا کہ وحی الٰہی قانون ہے۔ موجودہ زمانے کے علمائے یہود جب یہ کہتے ہیں کہ تورات کا ایک حکم بھی منسوخ نہیں ہو سکتا تو وہ یہودی معلم سے زیادہ علمائے اسلام کے مشابہ ہوتے ہیں۔ وہ آگے کہتا ہے کہ اسلام نے بربری قوموں کو تہذیب سکھائی۔ مگر بڑی مہنگی قیمت پر ___ یہ کہ کسی کو آزادی نہیں۔ اسلام ایک کلیت پسندی کا مذہب ہے۔ اور سچی یہودیت آزادی کے بغیر نشو ونما نہیں پا سکتی۔ ۱۰۰

یہاں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ سچا اسلام بھی ہر معاملہ، ہر اصول اور ہر عقیدہ میں فکری آزادی کے بغیر نشو ونما نہیں پا سکتا۔ جیسے لوتھر نے عیسائیت میں عقیدے کی بندشوں کو توڑ دیا اور شخصی تعبیر کے حق کا دعویٰ کیا۔ اور ترقی پسند یہودی اپنی قوم کے لیے اصلاح یافتہ یہودیت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح لبرل اسلام کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اور قدامت پرست لوگوں کو انکی جگہ دینی چاہیئے۔ ہم قدامت پرست حضرات کا احترام کرتے ہیں۔ پھر یہ کیسے صحیح ہوگا کہ مذہب کی آزاد تعبیر (LIBERAL INTERPRETATION) کو کفر کے ہم معنی سمجھا جائے۔ پورے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ علما خواہ کچھ کہیں مگر ہر وہ شخص جو سنجیدگی سے اپنے کو مسلمان کہتا ہے، وہ مسلمان ہے۔ کوئی شخص اس کے عقیدے پر معترض ہونے کا حق نہیں رکھتا اور نہ اس کو اسلامی برادری سے خارج کر سکتا ہے۔ موجودہ آزادی کے زمانے میں فتویٰ تکفیر کا لہرانا

۵۔ Faith For a complex world"

The American Scholar 1957, 419

ہتھیار استعمال کرنا ایک عجیب وغریب قسم کی خلاف زمانہ حرکت (ANACHRONISM) ہے یہ نصیحت اور اصلاح کی کوشش کے بغیر آدمی کو دور کر دیتا ہے۔ عقیدہ ایک ذہن وضمیر کا معاملہ ہے اور یہ ایک ایسا نشانہ ہے جو عقیدہ میں ذہنی آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہ کہ کسی بات کو پورے تجزیئے کے بعد غلط قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ فلاں شخص کافر ہے۔ ۱۰۷

جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

"ہمارے یہاں بڑے بڑے مذاہب ہیں اور انھوں نے انسانیت پر عظیم اثرات ڈالے ہیں۔ تاہم اگر ادب کے ساتھ اور کسی کو برا کہے بغیر مجھے اظہار خیال کی اجازت ہو تو میں کہوں گا کہ ان مذاہب نے انسان کے ذہن کو جمود، خیال پرستی اور تعصب میں مبتلا کر دیا ہے۔ انھوں نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے وہ اچھی ہو سکتی ہے مگر جب یہ دعویٰ کیا جائے کہ آخری بات کہی جا چکی ہے (THE LAST WORD HAS BEEN SAID) تو سوسائٹی جمود میں مبتلا ہو جاتی ہے"۔ لہ

دوسروں کے ساتھ میرا بھی احساس ہے کہ اسلام اب متحرک نہیں رہا ہے۔ وہ موجودہ زمانے میں لوگوں کی صحیح رہنمائی نہیں کر رہا ہے۔ اور اس کے اصولوں کی ایک نئی تشریح اب فوری ضرورت کی چیز بن گئی ہے۔ یہ چیلنج ہے جو مسلمانوں کو صحیح روح کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ مذہبی اعمال بے روح رسمیں بن کر رہ گئے ہیں۔ اچھے خاصے مسلمانوں (DECENT MUSLIMS) کی بہت بڑی تعداد نماز روزہ کے روایتی طریقہ میں اپنی تسلی کا سامان نہیں پاتی۔ وقت کے مطابق مذہب کے اوپر اچھی کتابیں نہیں لکھی جا رہی ہیں۔ عورتوں کے ساتھ معاشی اور اخلاقی اعتبار سے برا سلوک ہو رہا ہے اور رجعت پسند علماء کے فتوؤں کی وجہ سے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ان کو سیاسی حقوق نہیں دیے جا رہے ہیں۔ اور مسلمان حتیٰ کہ جن ملکوں میں وہ اکثریت میں ہیں، معاشی اعتبار سے مفلس ہیں، تعلیمی معاملے

لہ What is culture — Orient Review V-2, No-5, May 1957, P9

پیچھے ہیں۔ روحانی لحاظ سے دیوالیہ پن میں مبتلا ہیں اور اپنے لیے "تحفظات" کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کے بہت سے قوانین جو دورِ قدیم میں مفید تھے اب وقت کے پیچھے چلے گئے ہیں اور کسی جدید ریاست میں اسلام کی مذہبی حکومت قائم کرنے کی فضول کوشش یا زندگی کو پرانے اسلام کے مطابق بنانے کی جدوجہد ناکامی پر منتج ہوگی۔

اور آخری بات یہ ہے کہ گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ اب اسلام کی از سرِ نو تشریح کرنی ہوگی۔ ورنہ اس کا روایتی ڈھانچہ اس کو اس طرح لے ڈوبے گا کہ پھر اس سنبھالنا محال ہوگا۔ ۱۰۸

اسلام ایک عرب کی تعلیمات کے ذریعہ دنیا میں پھیلا جو مکہ میں رہتا تھا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا جس کو اپنی ضروریات زندگی کے لیے کام کرنا پڑتا تھا، اس کا نام محمد تھا۔ اس ایک بڑی عمر کی خاتون خدیجہؓ سے نکاح کیا جس نے انھیں وفادار اور دیانتدار پایا تھا۔ وہ ا[یک] شریف، مہربان اور سچا آدمی تھا اور الامین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ مشاہدۂ نفس میں مشغول رہتا تھا۔ وہ ایک غار میں چلا جاتا اور کئی کئی دن عبادت کرتا رہتا۔ جب وہ چالیس سا[ل] کی عمر کو پہونچا تو اس کو ایک پکار سنائی دی۔ خدا نے اس سے کلام کیا اور اس نے ہم کو بتا[یا] قرآن اس کے عقیدہ خدا کی ایک شہادت ہے۔ محمد ہماری طرح ایک آدمی تھے مگر انھوں نے کلام پیش کیا وہ خدا کا کلام تھا۔ ۱۰۹

پیغمبر نے ہم سے اسی طرح کلام کیا جیسے ایک انسان دوسرے انسانوں سے کلام کرتا نہ کہ ایک خدا کی طرح جو اپنے عبادت گزاروں سے خطاب کر رہا ہو۔ انھوں نے ہمیں فروتنی، سچائی محنت، جرأت، فیاضی، وفاداری، زیردستوں کی حمایت سکھائی۔ انھوں نے کہا "اے لوگو میری باتوں کو غور سے سنو اور اس کو سمجھو۔ یقیناً ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پیغمبر نے کہا "اے خدا کیا میں نے تیرا پیغام پہونچا دیا؟" اور لوگوں نے جواب دیا "ہاں"۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بلند پیغام دیا، ہم کو چاہیے کہ اس پیغام کو ہم سچ کے لحاظ سے سمجھیں، اس کو ماضی کے اعتبار سے نہ دیکھیں اور نہ اس اعتبار سے کہ وہ مستقبل میں کیا میں خدا پر اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کائنات خدا نے بنائی ہے۔ اور یہ کہ

کائنات کے اندر نظم و ضبط ہے۔ خدا پر عقیدہ اور نظم کائنات پر عقیدہ، یہ دو میرے عقیدہ کے بنیادی اجزاء ہیں۔ میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک پیغمبر (MESSENGER) تھے۔ اور یہ کہ وہ دنیا کے دوسرے عظیم معلمین (TEACHERS) کی طرح تھے۔ نہ ان سے بڑے اور نہ ان سے چھوٹے۔

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔ بقرہ۔ ۱۳۶

اپنشد، بدھا، موسیٰ اور عیسیٰ کی تعلیمات مجھے گہرے طور پر متاثر کرتی ہیں۔ میں تمام مذہبوں اور عام عقائد کا احترام کرتا ہوں۔ میں اسلام کے بڑے بڑے علماء کی عزت کرتا ہوں مگر ان کا اندھا مقلد نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ میرا اپنا ہے ــــ ایک ایسا عقیدہ جو زندگی کے بارے میں میرے اپنے نقطۂ نظر، میرا اپنا فلسفہ، میرا اپنا تجربہ، میرے اپنے وجدان کے تحت بنا ہے۔ میں ہر مسلمان بلکہ درحقیقت ہر انسان کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ اپنا عقیدہ بنائے۔ لکم دینکم ولی دین۔

TO YOU, YOUR RELIGION; TO ME MINE. (P. 110)

میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ ۱۱۰

میرا عقیدہ ہے کہ قرآن خدا کا ایک پیغام ہے۔ یہ خدا کی آواز ہے جس کو محمد نے سنا۔ محمد نے اس کو محمد کے الفاظ میں (IN THE WORDS OF MUHAMMAD) اور محمد کی تقریروں میں عربی زبان میں ہمیں دیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہر دور میں ان الفاظ کی نئی تشریح کی جائے گی اور معنیٰ از سر نو سمجھا جائے گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس پیغام کو اپنے آپ کے لیے سمجھے۔ میں اسلام کے عظیم علماء و مفسرین کی قدر کرتا ہوں۔ مگر میں ادب کے ساتھ ان سے معافی چاہتا ہوں اگر میں ان کے عقائد کو پوری طرح قبول نہ کر سکوں۔ کیونکہ عقیدہ درحقیقت ایک شخص کی ذاتی ضمیر کا معاملہ ہے۔ میں اپنا ضمیر دوسروں کے قبضہ میں نہیں دے سکتا ہر دور کے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اپنے دور کے لحاظ سے اسلام کی تشریح کریں۔ شاہ ولی اللہ سے محمد اقبال تک نے اس کا اقرار کیا ہے۔

میرا عقیدہ ہے کہ مذہب کو قانون سے الگ کر دینا چاہیے۔ میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ مذہب اور قانون کے میدان بالکل الگ الگ ہیں۔ میں زندگی کے لیے سچائی، حسن اور خوبی، اخوت، انسانیت، وفاداری، عالی ہمتی اور فروتنی پر عقیدہ رکھتا ہوں، میں اسلام کے طریق عبادت کو مانتا ہوں مگر ایک بے روح عبادتی رسم کی طرح اس کو عاید کرنے کا منکر ہوں جس کی کوئی معنویت جدید زندگی میں باقی نہیں رہ گئی ہے۔ عبادت نوجوانوں کو ایک رسم کی طرح نہیں سکھانا چاہیئے۔ بلکہ اس کو ایک علیم وخبیر خدا کے سامنے ظاہر ہونے والا جذبہ ہونا چاہیے۔

چونکہ میں مسلمان ہوں، میں اسلام کی تین زبانوں کے حسن اور ان کے قیمتی خزانوں سے گہرے طور پر متاثر ہوا ہوں۔ اول عربی۔ اس کے بعد فارسی اور ترکی۔ اسی طرح اُن دوسری زبانوں سے بھی جو خدا کی حمد اور پیغمبر کی محبت کے ترانے گاتی ہیں۔ اُردو بہت تیزی سے اسلام کی چوتھی زبان بن رہی ہے۔ اگرچہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوئی اور اس کا ادب ہندو اور مسلم کی مشترک کوشش کا نتیجہ ہے۔ وہ اسلامی موضوعات، جیسے مذہب، تاریخ اور قانون سے بھی کافی مالا مال ہے۔ میں ہندوستانی اسلام (INDIAN ISLAM) کی روح کو سمجھنے کے لیے اردو کو ترقی دینے کی پرزور وکالت کرتا ہوں۔

میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی تعمیر، آرٹ، موسیقی، شاعری، دست کاری سے متاثر ہوا ہوں۔ میں اس رشتہ سے آگاہ ہوں جو ان چیزوں کو میری رُوح اور میرے شعور کے ساتھ حاصل ہے، میں مسلمانوں کے اخلاق اور تواضع کی بہت قدر کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام، انسان کے ہر قسم کے حالات کے لیے ایک مذہب ہے۔ شہزادہ کے لیے بھی اور بھکاری کے لیے بھی، جاہل کے لیے بھی اور عالم کے لیے بھی، وہ ایک جنتری کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسے البیرونی اور ابن خلدون کے لیے!!!

پیغمبر کا گزر ایک بار کچھ لوگوں پر ہوا۔ آپ نے انھیں سلام کیا اور پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم مومن ہیں۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ کیا تمھارے پاس اپنے ایمان کا کوئی ثبوت ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، پیش کرو۔ انھوں نے جواب دیا "ہم خوشحالی کے وقت خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور سختی کے وقت صبر کرتے ہیں، اور ہم تقدیر پر بھروسہ

رکھتے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "بلاشبہ" تم لوگ مومن ہو۔" اور میرا دعویٰ ہے کہ میں بھی اسی راہ کا ایک حقیر مسافر ہوں۔

اسلام، سچائی، حسن اور خوبی پر زور دیتا ہے۔ اسلام نے ادب، سائنس اور فلسفہ کی جو خدمت کی ہے اتنی بہت کم تہذیبوں نے کی ہے۔ اس نے ایک عظیم تہذیب پیدا کی۔ اسلام کے علماء نے یونانی اور سنسکرت سے کتابوں کا ترجمہ کیا، اور اسلامی سائنس ہی دراصل جدید سائنس کی بانی ہے۔ جمالیات کے دائرے میں اس نے آرٹ، موسیقی اور تعمیرات کو ترقی دی۔ اخلاقیات کے باب میں انسانی اخوت کا اعلان کیا اور بڑی حد تک اس پر عمل کر کے دکھایا۔ اس طرح اس نے جدید جمہوری تصور کے لیے راستہ صاف کیا۔ اس نے بین الاقوامی قانون کی بنیاد رکھی۔ اس کا طریقۂ زندگی جو کہ شریعت میں بتایا گیا ہے وہ قانون مذہب اور اخلاقیات کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔ شریعت کی مثال ہمارے لیے ویسی ہی ہے جیسے توراۃ یہودیوں کے لیے اور دھرم ہندوؤں کے لیے۔

تقریباً سات صدیوں تک تہذیب کی خدمت کرنے کے بعد اسلام تاریکی میں چلا گیا۔ اس کی روح مذہبی دیوانگی کی نذر ہو گئی۔ اس کی دینیات پر تعصب چھا گیا۔ اس کی طاقت کلیت پسندی نے ختم کر دی۔ پچھلی دو صدیوں سے اسلام کو ان بندھنوں سے آزاد کرنے کی کوشش جاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اسلام ایک ایسی ظالمانہ حکومت کے قید خانہ میں ہے جہاں ہمیں کاریں کی اجازت نہیں۔ آئیے ہم خوشی، شفقت، اخوت، رواداری اور عقلیت کی اس روشن اسپرٹ کو قید سے نکالیں۔ جدید انسان اس کو اپنے درمیان پا کر خوش ہوگا۔"

مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۴۳ء میں کہا تھا اور ہم ہر زمانے کے لیے ان کے آتشیں الفاظ کو موزوں سمجھتے ہوئے یہاں نقل کرتے ہیں:۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں۔ میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب، میری دولت کا سرمایہ ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔

اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے اسلام کی رُوح مجھے اس سے نہیں روکتی۔ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے۔ اور یہ سرزمین اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی۔ ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی۔ اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی۔ ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہونچا دیا۔"

خطبۂ صدارت انڈین نیشنل کانگرس (رام گڑھ۔ مارچ ۱۹۴۰) ۳۶-۳۷

ALFURQAN (Regd N. L. 353) LUCKNOW.

باک محل

شارع الغزہ مکۃ المکرمہ

Cover Printed at A.O. Press Aminabad Park, Lucknow.

سنہ آغاز ۱۹۳۳ء

الفرقان لکھنؤ

مرتبہ

عتیق الرحمن سنبھلی

مسئول

محمد منظور نعمانی

فی پرچہ ساٹھ پیسے

قرآن آپ سے ــــ کیا کہتا ہے؟

تالیف ــ مولانا محمد منظور نعمانی

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے،
لیکن ہماری دنیا اس سے ناآشنا ہے یہانتک کہ اسکو "کلام الٰہی" ماننے والی
امت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

(یہ کتاب)

اسی صورت حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جسمیں ۴۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے
- خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت [illegible]

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۶/-
پاکستان سے ۷/-
ششماہی
ہندوستان سے ۳/۵۰
پاکستان سے ۴/-

(فی کاپی ۶۰ پیسے)

سالانہ چندہ
دیگر ممالک سے ...... ۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک سے ...... ۱½ پونڈ

پوسٹل آرڈر بغیر کراس کیے رجسٹری سے آنا چاہیے

جلد ۳۳ | بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق مارچ سنہ ۱۹۶۶ء | شمارہ (۱۱)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ مارچ تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔ ڈاکخانہ کی رسید ہم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیجئے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

عتیق الرحمٰن سنبھلی

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے درمیان نامہ و پیام کی راہ کھل گئی۔ تاشقند سمجھوتے سے اگر وہ مسائل خدانخواستہ حل نہ بھی ہو سکیں جن سے جنگ کے بادل اٹھ کر تیئس (۲۳) دن مسلسل دونوں ملکوں کی سرحدوں پر خون برسا گئے، تب بھی فوری طور پر اتنا ہی فائدہ کیا کم ہے کہ جو نئے مسائل اس جنگ نے پیدا کر دیے تھے وہ اتنی تیزی سے ہٹتے جا رہے ہیں جن کا تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ انھیں میں سے ایک مسئلہ یہ ڈاک اور تار کی بندش تھی جس نے دونوں طرف کے کروڑوں انسانوں کو ایک مسلسل اضطراب اور بے چینی کا شکار بنا دیا تھا۔ لوگ اس جنگ کے تشویشناک پس منظر میں عزیزوں اور دوستوں کی خیر و عافیت جاننے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ اور ان کے علاوہ ہزاروں وہ تھے جو ادھر اور ادھر پھنسے ہوئے مختلف مصائب سے گزر رہے تھے انھیں بھی اس سمجھوتے کی بدولت اپنے اپنے مامن و مسکن کی راہ مل گئی۔ کیا یہ فائدہ کچھ قابلِ قدر نہیں ہے۔

پاکستانی دوستوں کے متعلق سُن رہے ہیں کہ وہ جنگ بندی اور اس سمجھوتے سے خوش نہیں ہیں لیکن وہ اگر ہم ہندوستانی مسلمانوں کا ردِعمل جاننا چاہیں تو شاید بلا کسی استثنا کے حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان دونوں باتوں پر انتہائی مسرت ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہتر مفاہمت اور خوشگوار تعلقات مسلمانانِ ہند کی دلی آرزو ہے۔ یقیناً سب سے پہلے اس لیے کہ بظاہر اسباب و امکانات ان کی زندگی کی خوشگواری اسی پر موقوف ہے۔ مگر اس میں کسی خود غرضی کے ایسے جذبے کا شائبہ تک نہیں ہے جو دوسرے متعلق لوگوں کی فلاح و بہبود سے بے نیاز ہو، ہندوستان کے مسلمان خلوص کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان و پاکستان کی مجموعی فلاح بھی اسی میں ہے اور تعلقات کی خرابی ان دونوں میں سے کسی کو بھی پریشانی کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم بالکل نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ اہلِ پاکستان کس بنیاد پر جنگ بندی اور تاشقند

سمجھوتے کو ناپسند کر رہے ہیں۔ پاکستان کا کہنا یہ ہو کہ "اس نے جنگ نہیں چھیڑی تھی۔ ہندوستان نے "مجاہدین کشمیر" کے خلاف کارروائی میں کشمیر کی جنگ بندی لائن کو پار کیا جبکہ یہ حملہ صرف اس کا جواب تھا، جس کے بعد ہندوستان نے خود پاکستان پر حملہ کر دیا اور یہاں بھی صرف اپنے دفاع میں پاکستان نے جنگ لڑی"۔ سوال یہ ہو کہ اس صورت حال میں پاکستان کے لیے کیا جواز اور کیا معقولیت تھی کہ وہ جنگ کو جاری رکھنے پر اصرار کرے اور اقوام متحدہ کی جنگ بندی کی اپیل کو اس یقین دہانی کے باوجود نہ مانے کہ اسکے تمام علاقے اسے واپس مل جائیں گے، جبکہ ہندوستان نے بھی اس شرط کو تسلیم کر لیا ہو؟۔

اچھا جواز اور معقولیت کی بات بھی چھوڑ دیئے۔ یا کوئی جواز نکال لیجئے۔ مگر نتائج و واقعات کے لحاظ سے مسئلہ پر غور کیجئے۔

جنگ کے جو حقائق ہمارے سامنے ہیں ان میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہو کہ طرفین کا پلہ برابر رہا۔ اگر ہم اس سے بھی آگے جا کر یہ مان لیتے ہیں کہ پاکستان کا پلہ بھاری ہونے لگا تھا یا اسکے امکانات کم از کم پیدا ہو گئے تھے۔ مگر کیا اس حد تک کہ کوئی فیصلہ کن نتیجہ پاکستان نکال سکے؟ ایسی بات تو سوچنے سمجھنے والے لوگ نہیں کہہ سکتے۔ ہندوستان، آبادی، وسائل، رقبہ اور فوج کے لحاظ سے پاکستان سے چار پانچ گنا زیادہ ہو۔ جرمنی اپنی ساری برتری، بہادری اور جوش جنگ کے باوجود روس کی ایسی ہی وسعتوں میں گم ہو کر رہ گیا۔ کیا یہ سامنے کی نظیر بھی معاملہ فہمی کے لیے کافی نہیں ہے؟۔

شاید یہ سوچا جا رہا ہو کہ ہم کو صرف کشمیر لے لینا تھا۔ باقی ہندوستان سے کوئی مطلب نہ تھا۔ اور اسکے لیے ہماری طاقت اور جغرافیائی حالات ساعد تھے۔ مگر یہ تو جب سوچا جا سکتا تھا کہ جب ہندوستان کو بھی آپ اس پر راضی کر سکتے کہ کشمیر اگر ہم لے لیں تو معاملے کو ختم سمجھا جائے اور جنگ کی بساط لپیٹ دی جائے۔ لیکن ہندوستان نے تو پہلے ہی لمحے میں آپ کو زبان سے نہیں عمل سے بتا دیا تھا کہ کشمیر کی جنگ ہندوستان اور پاکستان کی مکمل جنگ ہو گی، صرف کشمیر کے علاقہ میں اس کا فیصلہ نہیں ہو جائے گا۔ پھر یہ معاملہ کشمیر میں آپ کی کامیابی سے ختم کیسے ہوتا؟۔

جس پہلو سے بھی غور کیجیے جنگ کو بظاہر اسباب و حالات ایک دن غیر فیصل شدہ حالت میں ہی ختم ہونا تھا اور اسکے بعد کسی سمجھوتے کے بجائے ہمیں کے تن تناؤ باقی رکھنے کا مطلب یہ ہو تا کہ اسی طرح کی لاحاصل جنگ کا ایک دور پھر چلے، جو کسی بھی ملک کے ذمہ دار اور ہوشمند لوگوں کے سوچنے کی بات نہ تھی۔

پھر تاشقند جیسے سمجھوتے کے سوا جنگ وغیرہ کی پکار کیا ہو سکتی تھی؟

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس جنگ نے دونوں ملکوں کے لیے اس طرح کے خیالات کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی باقی نہیں رکھی ہے کہ ان کے درمیان کا کوئی ایسا مسئلہ جس میں دونوں سخت ہوں یکطرفہ طور پر یعنی جنگ سے حل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب ایک صورت تو یہ ہے کہ مسائل اور ان کی تلخیوں کو یونہی چھوڑ دیا جائے اور جس طرح فوجوں کی پوزیشنوں کے اعتبار سے ۵ اگست ۱۹۶۵ء سے پہلے کی صورت بحال کر دی گئی ہے، تعلقات کے اعتبار سے بھی اسی تاریخ سے قبل والے حالات کی بحالی پر بس کر دی جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تعلقات میں وہ خوشگوار اور مصالحت جویانہ انداز اختیار کیا جائے اور تلخیوں کو بھلا دینے کے لیے وہ گرمجوشی دکھائی جائے جس کی آنچ سے اختلافات کی سختی میں نرمی پیدا ہو، اپنی اپنی اَن کے بجائے ایک دوسرے کے جائز مفادات اور برحق مطالبات کے احترام کا جذبہ بڑھنے کا ذریعہ اور حریفانہ مقدم ضد کی کم اندیشی اور کج نظری پر وہ دور اندیشانہ انداز نظر غالب آجائے جو پڑوسیوں کے حسن تعلق کی قیمت کو سمجھے اور اسکے لیے حق و انصاف کے ہر مطالبہ کو ماننے کیلئے تیار ہو ـــ تاشقند اعلانیے میں ہمیں اختلافات کے حل کی یہی حکمت عملی نظر آتی ہے۔ اور یقین کرنا چاہیے کہ طرفین اگر اس پر مضبوطی سے کاربند رہے تو یہ اپنے بہترین نتائج تک پہنچے گی۔ لیکن اسکے لیے شرط ہے کہ دونوں طرف کے عوام اپنی حکومتوں کو پورا پورا تعاون دیں۔ نہ یہ کہ ان کی راہ میں روڑا اٹکائیں۔

ہم اپنے پاکستانی دوستوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں حالیہ جنگ نے پاکستان سے تعلقات کی درستی کا بہت طاقتور احساس پیدا کیا ہے۔ اور پاکستان سے حسن تعلق کی خواہش رکھنے والا حلقہ جو ممتاز اہل فکر پر مشتمل ہونے کے باوجود ابتک بہت بے اثر اقلیت تھا، اب اسکی آواز اور یہاں کی حکومت کی آواز میں رسمی اور کسی حد تک ضروری تکلفات کے علاوہ کوئی فرق نہیں رہ گیا، پاکستان سے نفرت کے علمبردار نہایت طاقتور اور کثیر التعداد ہونے کے باوجود اس معاملے میں ملک کے غالب احساسات کے آگے صاف طور پر جھکے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ بڑا سانحہ ہوگا اگر اہل پاکستان نے ان بہترین لمحات کی قدر نہ کی۔ اور اپنی حکومت کو اس نئی حکمت عملی کے آزمانے کا موقع نہ دیا۔

اس گفتگو کے کچھ پہلو اور بھی ہیں۔ خدا نے چاہا تو وہ آئندہ ماہ کی صحبت میں!

مَعَارِفُ الحَدِیث

کِتَابُ الاَذکَارِ وَالدَّعَوَات

اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں "کتاب الطہارۃ" کے بالکل شروع میں "حجۃ اللہ البالغہ" کے حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے۔ کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت کی جس شاہ راہ کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں، لیکن اپنی اس بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں۔ طہارت، اخبات، سماحت، عدالت۔

یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان چاروں میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت انہی چار شعبوں میں منقسم ہے۔

کتاب الطہارۃ کے شروع میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اس سلسلۂ کلام کا صرف وہ حصہ تلخیص کے ساتھ نقل کیا گیا تھا جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی تھی۔ اخبات کی حقیقت کے بارہ میں جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اس کو مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ

"تکبیر اور خوف و محبت کی کیفیات اور رضا جوئی و عنایت طلبی کے جذبہ کے ساتھ اللہ ذوالجلال والجبروت کے حضور میں ظاہر و باطن سے اپنی بندگی و نیاز مندی اور محتاجی و رحمت طلبی کا اظہار ہے" ـــــ اسی کا دوسرا معروف عام عنوان عبادت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے سعادت کے ان چاروں شعبوں پر حجۃ اللہ البالغہ مقصد دوم میں ابواب الاحسان کے ذیل میں بھی کلام فرمایا ہے۔ وہاں فرماتے ہیں کہ ان میں سے پہلی چیز یعنی طہارت کی تحصیل کے لیے وضو اور غسل وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری بنیاد یعنی اخبات کی تحصیل کا خاص وسیلہ نماز اور اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ (۱)

بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ذکر اللہ ہی اخبات کا مخصوص وسیلہ ہے اور نماز اور تلاوت اور اسی طرح دعا بھی اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔

بہر حال نماز اور ذکر اللہ اور تلاوت کلام مجید ان سب کی غرض و غایت اس مبارک صفت کی تحصیل و تکمیل ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخبات کے عنوان سے ادا کیا ہے اس لیے یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں ـــــ

نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے ارشادات بحمد اللہ کی توفیق سے اس سلسلہ کی تیسری جلد میں پیش کیے جا چکے ـــــ تلاوت اور اذکار و دعوات سے متعلق حدیثیں اب پیش کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے اس گنہگار بندے کو اور پڑھنے والے حضرات کو ان احادیث پاک پر عمل کرنے اور پورا نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے۔

---

(۱) ابواب الاحسان ۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۶۹

واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے۔ یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ ہیں اور مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات عالی کے ساتھ قائم ہے۔

یہ اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول امین کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہونچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کے پاک کلام کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا، کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لیے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو اس وقت شجرۂ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے اور گویا وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید کی عظمت و فضیلت کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل چند حدیثیں پڑھیے!

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ ــــــ رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا، پھر

ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے، میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کی ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلۂ معارف الحدیث میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات فرمائیں اور وہ بات قرآن مجید میں نہ ہو تو اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں ــــ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی اسی طرح کی ہے ــــ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ایسا شغف ہو کہ وہ دن رات اسی میں لگا لپٹا رہتا ہو، یعنی اس کی تلاوت میں، اس کے یاد کرنے میں، اس کے تدبر اور تفکر میں یا اس کے سیکھنے سکھانے میں اخلاص کے ساتھ مشغول رہتا ہو، اور قرآن پاک میں اس ہمہ وقتی مشغولیت کی وجہ سے اس کے علاوہ اللہ کے ذکر، اس کی حمد و تسبیح اور اس سے دعائیں کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملتا ہو، تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا اور ذکر و دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ اس کو نہ پا سکے گا ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے بندوں کو میں اس سے زیادہ اور اس سے بہتر دوں گا جو ذکر کرنے والے اور دعائیں مانگنے والے اپنے بندوں کو دیتا ہوں۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلہ میں ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت قائمہ ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ

هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللهُ وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِينُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهُ هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتَّى قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ " مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے ایک دن فرمایا، ”آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں۔ (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں قرآن مجید میں اُن سب کی بھی آگاہی دے دی گئی ہے۔ اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے) (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں وہ قولِ فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔ اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصے میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی۔ یعنی وہ ہدایت حق سے محروم رہے گا۔ قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے اور محکم نصیحت نامہ ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی

جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہوگئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اس کو محرف کردیا اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوسکے گی، اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرمادیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر کامل عبور حاصل کرلیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا، بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے۔) اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد ان کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے۔

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ۔	ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے رہنمائی کرتا ہے سچائی کی۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس نے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔

(جامع ترمذی و سنن دارمی)

(تشریح) یہ حدیث قرآن کریم کی عظمت و فضیلت کے بیان میں بلاشبہ نہایت جامع

نے فرمایا صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں (اور ان پر رشک آنا برحق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی بس وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے ۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) دن اور رات میں قرآن میں مشغول ہونے اور لگے رہنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اس کے سیکھنے سکھانے میں لگا رہتا ہے، دوسرے یہ کہ نماز میں اور بیرون نماز اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے، تیسرے یہ کہ فکر و اہتمام کے ساتھ اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرتا رہتا ہے۔ حدیث کے الفاظ "فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ" اس طرح کی سب شکلوں پر حاوی ہیں ــــ قرآن پاک کی عظیم نعمت کا شکر یہی ہے کہ بندہ اس کو اپنا شغل اور اپنی زندگی کا دستور بنا لے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ ۔ رواہ مسلم

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔　　(صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفتِ قائمہ اور بندوں کے لیے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا رہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنائے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے

گرادی جائے گی ـــــ اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے ـــ

اس حدیث میں "اَقْوَاماً" کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج و زوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور اُمتوں سے ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ "الٓمٓ" حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ ـــ ـــــــــ رواه الترمذی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کرم کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے (مزید وضاحت کے لیے آپ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (اس طرح "الٓمٓ" پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا)۔

(جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا، واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (الانعام۔ ع ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجۂ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروف تہجّی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی ـــ اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے، بلکہ ب ایک حرف ہے،

(باقی صفحہ (۳۲) پر)

حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ

حالات ، ملفوظات ، مکتوبات

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ کی بابرکت شخصیت سے اور ان کی ذات گرامی سے کون اہل علم اور اہل دل واقف نہیں؟ جنھوں نے تقریباً ساٹھ سال دہلی میں رہ کر تشنگان علم دین اور طالبان معرفت کو اسرار شریعت اور رموز طریقت کے اسباق پڑھائے ہیں۔ حقائق و معارف کے دُرہائے نایاب تقسیم کیے ہیں، اپنے ذاتی صلاح و تقویٰ کی بلندی کے ساتھ اصلاح و ارشاد، تزکیۂ قلب اور تلقین حکمت میں اپنے اوقات بسر کیے ہیں۔ جنھوں نے اتباع شریعت اور متابعت سنت کا پورا پورا التزام کرتے ہوئے خالص درویشانہ اور متوکلانہ انداز میں اپنی پوری عمر گزاری ہے۔ جنھوں نے خانقاہ اور مدرسہ کے معتدلانہ امتزاج سے علمی و روحانی محفلوں کو ایک ندائے تازہ اور حیات خوش آئند بخشی ہے۔ جن کے نفس گرم کی تاثیر سے بہت سے اعلیٰ کردار انسان نمودار ہوئے جنھوں نے اسلام اور انسانیت کو فائدہ پہونچایا۔ جن کے فیوض و برکات کی ایک عظیم الشان یادگار ان کے صاحبزادے حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں۔ جنھوں نے اسلامی علوم و فنون، اور ایمانی و احسانی حقائق کی اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا، جنھوں نے اپنی تصانیف اور اپنے تلامذہ و رفقاء کے ذریعے فلاح دارین اور کیف مدام کے سامان مہیا کر دیے، جن کے تعلیمی و روحانی کارنامے آج بھی عالم گیر اور ہمہ گیر ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے حکمت مآب نظریات کی آفاقیت تا قیام قیامت روشن و

برقرار رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذہن و فکر کا اندازہ اس وقت تک پوری طرح نہیں ہو سکتا جب تک ان کے ماحول، خاندان خصوصاً ان کے والد ماجد کی سیرت ساز شخصیت سے اچھی طرح واقفیت نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تقریباً ۹ صفحات کا ایک رسالہ اپنے والد ماجد کے حالات میں لکھا ہے جس کا نام بوارق الولایۃ ہے اور جو انفاس العارفین میں مندرج ہے۔ اس رسالہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے والد ماجد کے حالات و ملفوظات اس انداز سے لکھے ہیں کہ اگر حضرت شاہ عبد الرحیمؒ اپنی خود نوشت سوانح عمری لکھتے تو شاید اس سے زیادہ جامع اور پُرکیف نہ ہوتی — میں چاہتا ہوں کہ اس رسالے کا خلاصہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے اس کے ساتھ ساتھ انفاس رحیمیہ اور ارشاد رحیمیہ سے بھی کچھ اقتباسات لے کر حضرت شاہ عبد الرحیم فاروقی دہلویؒ کے حالات و کلماتِ طیبات کا ایک مجموعہ اور مرقع پیش کرنے کی سعادت حاصل کر دوں — اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام ناظرین کو بزرگوں کے حالات و اقوال سے مستفیض فرمائے (آمین) کیا عجب ہے ان اکابر دین کی برکت سے عشقِ الٰہی، شوقِ اتباعِ سنت اور ذوقِ طلبِ آخرت کا کوئی ذرہ ہمارے قلوب میں بھی پیدا ہو جائے —

حضرت شاہ عبد الرحیمؒ کے والد ماجد

آپ کے والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدین فاروقی شہیدؒ ہیں — جو کمالِ تقویٰ و شجاعت سے موصوف اور سپاہیانہ انداز میں رہنے والے درویش صفت انسان تھے — مالی اور اقتصادی حیثیت سے ایک متوسط قسم کے باوضع شخص تھے — درباری اُمراء کی رفاقت اور لشکرِ شاہی کی ملازمت میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا مگر جذبۂ دینداری اُن کے ہر عمل و کردار سے ظاہر ہوتا تھا — ہر رات قرآن مجید کے دو سیپارے تلاوت کرنا ان کا ایسا معمول تھا کہ سفر و حضر میں اور کسی حال میں ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ جب وقت بعمر ضعیف ہو گئی تو جلی قلم سے لکھا ہوا قرآن حاصل کر لیا جو سفر میں بھی ساتھ رہتا تھا۔ سفر میں اپنے گھوڑے کو کھیتوں سے ہٹا کر چلاتے تھے اس خوف سے کہ کہیں گھوڑا کسی کی کھیتی میں منہ نہ ڈال دے اور اسے پامال نہ کر دے — حضرت شاہ عبد الرحیمؒ بیان فرمایا کرتے تھے کہ

میرے والد ماجد اپنے خادموں، ملازموں اور گھاس بیچنے والوں تک سے ایسا زمی اور انصاف کا معاملہ کرتے تھے کہ متقیانِ زمانہ میں وہ کم پایا جاتا ہے ـــ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ راہِ سلوک میں بھی گامزن ہو گئے تھے اور اُن کے حالات میں بہت بلندی آگئی تھی ـــ شیخ وجیہ الدین شہیدؒ کی شجاعت وجرأت کے بہت سے عجیب وغریب واقعات انفاس العارفین میں لکھے ہوئے ہیں ـــ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد ماجد کی زبانی اپنے دادا کی شہادت کا واقعہ بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شہادت سے کچھ دنوں پہلے حضرت شہیدؒ ایک رات تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نماز میں سجدہ اتنا طویل کیا کہ شاہ عبدالرحیمؒ کو یہ گمان ہوا کہ شاید ان کی رُوح پرواز کر گئی ہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو استفسار کرنے پر فرمایا کہ مجھ پر ایک بیہوشی طاری ہوئی جس میں شہیدوں کے حالات پر مجھے مطلع کیا گیا ان کے درجات ومثوبات سے مجھے اس قدر مرعوب ہوئے کہ میں نے حضرت حق سے الحاح وزاری کے ساتھ اپنی شہادت کی درخواست کی تا آنکہ اس دُعا کی اجابت وقبولیت میرے اوپر منکشف ہو گئی اور بجانب دکن اشارہ ہوا کہ جائے شہادت وہاں ہے، باوجودیکہ فوجی ملازمت ترک کر چکے تھے مگر اس واقعے کے بعد انھوں نے از سرِ نو اسباب سفر فراہم کیا۔ گھوڑا خریدا اور دکن کی طرف متوجہ ہو گئے ـــ گمان یہ تھا کہ اُس وقت کے ایک مشہور غیر مسلم باغی سردار سے مقابلہ ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا ـــ جب بُرہان پور پہونچے تو ان پر منکشف ہوا کہ موضع شہادت کو پیچھے چھوڑ آئے ہو، بُرہان پور سے رجوع کیا، اثنا راہ میں تاجروں کے ایک مختصر سے قافلے سے ملاقات ہوئی جو صفت صلاح وتقویٰ سے متصف تھے، ان کے قافلے میں شریک ہو گئے اور قصبہ ہنڈیا سے دہلی .... واپس جانے کا ارادہ تھا کہ ایک بڑھا غیر مسلم سامنے آیا جو اُفتاں وخیزاں چل رہا تھا آپ کو اس کے حال پر رحم آیا، دریافت فرمایا کہاں کا قصد ہے اس نے کہا میں دہلی جا رہا ہوں، فرمایا اچھا روزانہ کچھ دام اپنے خرچ کے لیے ہمارے آدمیوں سے لے لیا کرنا ـــ درحقیقت وہ بوڑھا ڈاکوؤں کا جاسوس تھا جب سرائے نوزیا میں پہونچے تو اُس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی۔ ڈاکوؤں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں داخل ہوا۔ حضرت شیخ وجیہ الدین اس وقت تلاوتِ کلام مجید میں مشغول تھے۔ ڈاکوؤں میں سے دو ایک نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ وجیہ الدین کون ہے

جب معلوم ہو گیا کہ یہی ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تم سے کچھ نہیں کہنا ہم جانتے ہیں کہ تمھارے پاس کچھ مال نہیں ہے اور تم نے ہمارے ایک آدمی کے ساتھ سلوک بھی کیا ہے ۔ لیکن یہ تاجر فلاں فلاں قیمتی سامان اپنے ہمراہ رکھتے ہیں ہم ان کو لوٹیں گے ۔ حضرت شہیدؒ نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ جیتے جی اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ساتھیوں کو لٹتا اور غارت ہوتا دیکھیں خود پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہوئے اور شجاعت کے جوہر دکھائے ۔ مگر اتنی کثیر جماعت کے مقابلے میں کیا کر سکتے تھے بالآخر شہید ہوئے اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے ۔ حضرت شاہ عبد الرحیم کا بیان ہے کہ ان کے والد ماجد شہادت کے بعد اسی دن شام کو دہلی میں ان کے سامنے متمثل ہوئے تھے ۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرا ارادہ تھا کہ ان کے جسد کو دہلی میں منتقل کر دوں لیکن انھوں نے متمثل ہو کر منع فرما دیا ۔

حضرت شاہ عبد الرحیم کی ننھیال

شیخ رفیع الدین محمد ابن شیخ قطب العالم ابن حضرت شیخ عبد العزیز شکربار دہلویؒ آپ کے نانا تھے ۔ شیخ رفیع الدین محمد کے والد ماجد شیخ قطب العالم کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے آغاز سلوک میں مدتوں ان کی خانقاہ میں قیام کر کے ان سے تعلیم حاصل کی ہے ۔ اسی زمانے میں حضرت شیخ قطب العالمؒ پر ایک رات یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ نصیب خواجہ بخارا میں ہے ۔ اسی وقت آپ نے حضرت خواجہ سے فرما دیا تھا کہ تم کو مشائخ بخارا طلب کر رہے ہیں چنانچہ وہ بخارا روانہ ہو گئے اور وہاں حضرت خواجہ امکنگیؒ سے سب کچھ حاصل کیا ۔ جب حضرت خواجہؒ واپس آ گئے تو خود شیخ قطب العالمؒ نے حضرت خواجہ سے روحانی فیض حاصل کیا ۔ شیخ قطب العالمؒ کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے صاحبزادے شیخ رفیع الدین محمدؒ تھے ۔ انھوں نے طریقۂ چشتیہ و قادریہ اپنے والد ماجد سے اخذ کیا تھا اور شیخ نجم الحقؒ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے تھے ۔ بعدہ اپنے والد بزرگوار کی ترغیب و تاکید سے حضرت باقی باللہؒ کی صحبت میں بالالتزام پہنچنے لگے ۔ حضرت خواجہ کو شیخ رفیع الدین محمد کی جانب بہت التفات تھا شیخ رفیع الدین محمد جب حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے [illegible]

شیخ رفیع الدین محمد کا عقد نکاح

شیخ رفیع الدین محمدؒ کا دوسرا نکاح جب شیخ محمد عارف ابن شیخ عبد الغفور اعظم پوریؒ (خلیفۂ قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ) کی صاحبزادی سے ہونا قرار پایا تو مجلس نکاح میں شرکت کے لئے شیخ رفیع الدین محمدؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرتِ خواجہؒ سے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ضعف کا عذر فرمایا اس پر شیخؒ نے عرض کیا کہ اگر حضرت والا تشریف نہیں لے جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گا ـــــ مجبوراً حضرت خواجہؒ اعظم پور بارشہ (ضلع بجنور) نزد پھرایوں تشریف لے گئے ـ انفاس العارفین میں لکھا ہے کہ اس طرف کے صوفیائے کرام نے جب حضرت خواجہؒ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو جوق جوق استقبال کے لئے آئے ـ تقریباً سو سو کوس سے اہل اللہ، حضرت خواجہؒ کی ملاقات کے اشتیاق میں کھنچ کھنچ کر اعظم پور بارشہ پہونچ گئے تھے ــــ اس طرح ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک عجیب روحانی مجلس منعقد ہوئی ـــــ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس واقعے کو نقل کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد کی والدہ ماجدہ (جو کہ شیخ رفیع الدین محمدؒ کی صاحبزادی تھیں) انھیں اعظم پور کے شیخ محمد عارفؒ کی نواسی تھیں ـــــ

حضرت شاہ عبد الرحیم کے ابتدائی حالات اور تعلیم

حضرت شاہ عبد الرحیم تقریباً ۱۰۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جب ہوش سنبھالا تو تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ بچپن ہی سے آثار رشد و صلاحیت آپ کے اطوار سے نمایاں تھے خود بیان فرمایا کرتے تھے کہ میرے ماموں شیخ عبد الحیؒ ایک اونچے درجے کے درویش مزاج نیک الذہن اور متقی بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے لڑکوں کی تربیت میں بہت کوشش کی مگر وہ متاثر نہیں ہوتے تھے اس بات سے ـــــ ان کو بہت غم تھا۔ میرے بچپن کے زمانے میں ایک دن ماموں صاحب نے مجھے دیکھا کہ میں دستار زانو پر رکھے ہوئے دھیان کے ساتھ قاعدے کے مطابق مسنون طریقہ پر وضو کر رہا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کیا اور یوں فرمایا کہ میں اپنی اولاد کے اندر تربیت کا اثر نہ ہونے کی وجہ سے فکرمند تھا کہ کہیں ہمارے اسلاف کی نسبت منقطع نہ ہو جائے ـــــ اب معلوم ہوا کہ ہمارا سلسلہ ان میں اسلاف کی نسبت و خصوصیت کامل موجود ہے ـــــ اگر اولاد پسری میں نہیں تو کیا غم ہے اولاد دختری کا بیٹا تو ہے

انفاس العارفین میں ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ میں نے عربی کے ابتدائی رسائل سے لے کر شرح عقائد اور حاشیۂ خیالی تک اپنے بھائی شیخ ابو الرضا محمدؒ سے پڑھے ہیں اور چند دیگر کتب میر زاہد ہرویؒ سے پڑھی ہیں۔

حضرت خواجہ خُردؒ سے تلمذ

حضرت خواجہ خُردؒ سے بھی تھوڑی سی تعلیم حاصل کی ہے اس کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ جب میں اپنے بھائی سے شرح عقائد اور حاشیۂ خیالی پڑھ رہا تھا تو میں نے ایک مقام پر ایک اعتراض کیا بھائی نے اس کا جواب دیا اس کے بعد پھر سوال و جواب ہوتا رہا اور ایک مناظرے کی سی شکل پیدا ہو گئی جس سے طرفین میں کچھ رنجش سی پیدا ہو گئی میں نے اس کتاب کا پڑھنا موقوف کر دیا۔ الغرض ہم دونوں بھائی حضرت خواجہ خُردؒ کی خدمت میں گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ خیالی کہاں تک ہو گئی میں نے کہا کہ کچھ روز سے میں نے اس کا پڑھنا تو موقوف کر دیا ہے، فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ احکام نماز و روزہ سے تو آگاہی ہو گئی ہے اب اس سے زیادہ تعلیم میسر نہیں ہے اس بات پر اور زیادہ اہتمام بے وجہ فضیلت کی آخر کار اصل وجہ معلوم ہو گئی فرمایا اچھا ہمارے پاس پڑھو اور اس بات کو بڑی تاکید سے فرمایا۔ میں صبح کو کتاب آپ کے پاس لے گیا آپ نے درس دیا جب میں نے وہ اعتراض آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور قوت اعتراض کا اظہار اور اعتراف کیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی درس دیا چوتھے دن فرمایا کہ تمہارے نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ نے مجھ کو بھی تین دن ہی تک پڑھایا ہے میں بھی تم کو تین دن سے زیادہ درس نہیں دوں گا پھر حضرت خواجہ خُردؒ نے اپنے تین دن کے اسباق کا دلچسپ واقعہ سنایا (جو انفاس العارفین میں درج ہے) اور ساتھ ہی ساتھ حضرت خواجہ خُردؒ نے شیخ رفیع الدین محمدؒ کی یہ کرامت بھی بیان فرمائی کہ تین دن درس دینے کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اگر تمہیں فن تصوف کی تحقیق مقصود ہے تو مجھ سے کہو میں تمہارے مکان پر آ کر پڑھا دیا کروں گا مجھے یہ گوارا نہیں کہ تم یہاں آنے کی زحمت اٹھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میرا یہاں آنا حضرت کو گوارا نہیں کرتا اور حضرت کی تکلیف مجھے منظور نہیں ہے تو اب یہی معلوم ہوا کہ آپ سے تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس پر خوش ہو کر فرمایا کہ ایک صورت اور بھی ہے اس کے بعد میرا [illegible]

میں تشریف لائے اور ایک جگہ متعین کی اور فرمایا تصوف کی کوئی سی بھی مشکل کتاب ہو تم کو یہاں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اگر کتاب حل نہ ہو تو میرا ذمہ ہے۔۔۔ اس کے بعد کسی کتاب میں کوئی مشکل پیش آتی تھی میں اُس جگہ بیٹھ کر مطالعہ کرتا تھا مشکل حل ہو جاتی تھی۔ اگر ایک بالشت بھی اُس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھتا تھا تو وہ دوسرے مواضع کی حیثیت رکھتی تھی۔ جب حضرت خواجہ خُردؒ نے یہاں تک بیان فرمایا تو حضرت شاہ عبد الرحیمؒ نے عرض کیا کہ وہ تین سبق تو اس کرامت کے ساتھ مقید تھے اگر آپ بھی کوئی تصرف فرمادیں تو بہت اچھا ہو۔ فرمایا کہ میں تمھارے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اب اگر آئندہ تمھیں کسی کتاب کے مطالعے میں مشکل پیش آجائے تو تم میرے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں نابکار نے میری راہ لوٹ لی۔ حضرت شاہ عبد الرحیمؒ فرمایا کرتے تھے کہ بحمد اللہ اُس کے بعد مجھے مطالعہ میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اگرچہ میں نے تکمیل میرزاہد کے پاس کی مگر وہاں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حاصل کی ہوئی چیز کو حاصل کر رہا ہوں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ایک کتاب کا اوّل حصہ ابھی پڑھ رہا ہوں اور اس کے آخری حصے کو پڑھا دیتا تھا۔

مرزا محمد زاہد سے تلمذ آپ نے مرزا زاہد ہرویؒ سے معقولات اور علم کلام کی کتابیں پڑھیں جس زمانے میں حضرت شاہ اورنگ زیب عالمگیر آگرے میں تھے مرزا محمد زاہد ہروی محتسب لشکر کی حیثیت سے وہیں رہتے تھے آپ بھی اپنے والد ماجد شیخ وجیہ الدین شہیدؒ کے ہمراہ آگرہ چلے گئے تھے۔

اس زمانۂ تعلیم کے بہت سے واقعات انفاس العارفین میں مختلف مقامات پر لکھے ہوئے ہیں۔ انفاس العارفین میں حضرت شاہ عبد الرحیمؒ کی زبانی ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شرح مواقف اور تمام کتب کلامیہ واصولیہ میں نے مرزا زاہد ہروی سے پڑھی ہیں وہ میری جانب بہت توجہ فرماتے تھے۔ اگر کسی دن میں نے یہ کہہ کر کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے سبق ناغہ کرنا چاہا تو فرماتے تھے میاں سبق ناغہ نہیں ہونا چاہئے ایک دو سطر ہی پڑھ لو۔۔۔

مرزا محمد زاہد کا تقویٰ ایک دلچسپ واقعہ حضرت شاہ عبد الرحیمؒ نے فرمایا کہ مرزا محمد زاہد نے ماہ رمضان میں ایک دن میری دعوت کی۔۔۔ میں ان کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک کباب فروش آیا اور کبابوں سے بھرا ہوا

ایک خوان ان کے سامنے لاکر رکھدیا اور کہا کہ میں یہ کباب بطور نذرانہ لایا ہوں مرزا زاہد نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے شخص نہ میں تیرا پیر ہوں اور نہ استاد ہوں پھر نذرانہ کس بات کا ہے؟ تیری کوئی نہ کوئی غرض ہے، اپنی غرض بیان کر اس نے کہا میں کوئی غرض نہیں رکھتا مرزا زاہد ہروی نے بہت تاکید سے کباب لانے کی وجہ دریافت کی بالآخر معلوم ہوا کہ اس کی دوکان راستہ پر ہے مرزا ہروی کے سپاہیوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اُس کی دوکان یہاں سے ہٹا دیں ـــــ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ اچھی بات ہے ہم کل کو ایک شخص بھیجیں گے تاکہ وہ انصاف کرے۔ پھر فرمایا کہ اب جاؤ (اور کباب بھی لے جاؤ) کباب فروش نے کہا کہ یہ کباب تو میں نے آپ کے لئے بنائے ہیں اب تو میں ان کو بیچ بھی نہیں سکتا ہوں اس لئے کہ اسوقت اسقدر کباب کوئی بھی نہیں خریدے گا آپ نے اپنے لڑکوں کے معلم کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا کہ ان کبابوں کی قیمت کا اندازہ کرو اور ہمارے گھر سے دام ادا کر دو۔ معلم نے آٹھ آنے قیمت تجویز کی۔

شاہ عبد الرحیمؒ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے استاد سے آہستہ سے کہا کہ جناب عالی آپ کی غرض تو یہ ہے کہ رشوت سے اجتناب ہو مگر آپ کا مقصد کسی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے اس لئے کہ ان کبابوں کی قیمت تو مجوزہ قیمت سے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے یہ شخص صرف آٹھ آنے لینے پر اس لئے راضی ہو گیا اس کی ایک غرض وابستہ ہے۔ مرزا زاہد کو تنبہ ہوا اور کباب فروش کو اپنے پاس بلا کر دریافت فرمایا کہ سچ سچ بتا گوشت، مصالحہ اور ایندھن کس قیمت کے تھے اور تیری اجرت کتنی ہوئی ـــــ جب حساب ہوا تو کبابوں کی قیمت ساڑھے تین روپے بیٹھی۔ یہی رقم اس کو دی گئی اس کے بعد مرزا زاہد نے معلم کو بلا کر ڈانٹا اور فرمایا کہ تم یہ چاہتے تھے کہ میں روزے کو حرام طریقے سے حاصل کئے ہوئے کھانے سے افطار کروں؟ ـــــ یہ کون سی عقلمندی اور کہاں کی ہمدردی تھی؟ بعدہٗ وہ کباب تناول فرمائے ـــــ

مرزا زاہد کا مختصر حال حضرت شاہ ولی اللہ کے قلم سے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انفاس العارفین میں مرزا زاہد کا مختصر حال اس طرح قلمبند فرمایا ہے۔

مرزا محمد زاہدؒ ہروی قاضی اسلم کے فرزند تھے۔

ؒ مرزا محمد زاہد صاحب حواشی مشہور ہیں۔ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی اپنے والد قاضی اسلم اور دیگر فضلائے وقت سے تحصیل علم کی۔ شاہجہاں کے زمانے میں تحریر وقائع کابل کی خدمت پر مامور ہوئے

[باقی اگلے صفحہ پر]

قاضی اسلم جہانگیر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے جہانگیر نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا تھا ۔

مرزا محمد زاہد ملا محمد فاضل بدخشانی کے شاگرد تھے۔ ابتدائے جوانی میں کابل پہونچ کر ملا صادق حلوائی سے بھی تلمذ کیا تھا۔ بعد ازاں طوران جاکر مرزا محمد جان شیرازی کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اور فنون حکمت کو بڑی وسعت سے حاصل کیا جو مرزا محمد جان کے ارشد تلامذہ میں سے اور مشہور زمانہ اساتذہ میں سے تھے۔ پھر لاہور وارد ہوئے اور تفسیر و اصول کو ملا جمال لاہوری سے پڑھا جو کہ عربیت میں یگانۂ روزگار تھے۔ آخر میں وہ حاوی علوم عقلیہ و نقلیہ ہوگئے۔ آپ نے تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ جودت ذہن اور استقامت فہم میں اپنے زمانے کے اندر بے نظیر تھے۔ آپ کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں مشہور اور طالبان علم کے درمیان رائج ہیں۔

حاشیۂ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب، حاشیۂ تصور و تصدیق، ان کے علاوہ بھی اور تصانیف ہیں۔

غالباً حاشیۂ شرح مواقف کا مسودہ میرے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم کے پڑھنے کے زمانے میں تھا اور اس کا مبیضہ کابل میں کیا گیا ہے۔ مرزا زاہد نے جب منصب احتساب سے استعفاء دیا تو کابل چلے گئے اور وہیں گوشۂ عزلت اختیار کر لیا۔ مرزا محمد زاہد صوفیاء کے مشرب صافی سے بھی بہرۂ تام رکھتے تھے اور اکابر طریقت میں کسی ایک بزرگ کے صحبت یافتہ بھی تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور عہد عالمگیری میں احتساب لشکر سلطانی بعہدۂ صدارت کابل سے ممتاز ہوئے اور کابل ہی میں ۱۱۰۱ھ میں وفات فرمائی۔

(ماخوذ از مہر جہانتاب قلمی مؤلفہ حکیم سید فخر الدین حسنی رائے بریلوی)

عہ۔ حضرت خواجہ کوہی مجو سرخیل مشائخ خراسان تھے آپ کے مورث اعلیٰ تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے علم حاصل کیا بعد تکمیل آگرہ آئے اور قضائے کابل سے ممتاز ہوئے، پھر ان کو قضائے لشکر سلطانی پر مامور کیا گیا۔ جہانگیر کے بعد شاہجہاں نے ان کو اسی عہدے پر فائز رکھا۔ ۱۰۴۱ھ میں مستعفی ہو کر لاہور چلے گئے وہیں رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (ماخوذ از مہر جہانتاب)

تجدید مذہب کی صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے؟

وشو ہندو دھرم سمیلن پر ایک لمحۂ فکریہ

(از ——— صوفی نذیر احمد کاشمیری)

ابھی ابھی "وشو ہندو دھرم سمیلن" کا پہلا اجلاس ختم ہوا ہے۔ اس میں صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسے فلسفی اور مفکر سے لے کر کم از کم تین مٹھوں کے شنکر اچاریوں نے شرکت کی اور اپنی اپنی صلاحیتوں تک سب نے حصہ لیا ہے۔ تجدید مذہب کی یہ کوشش ہندو مہا سبھا کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔ کاش ہندو مہا سبھا سیاست سے کافی فاصلے پر رہ کر اس کوشش کو اپنا زمین و آسمان بنا لے۔ جو لوگ سیاست سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں وہ جن سنگھ وغیرہ جماعتوں میں شریک ہو جائیں۔

مذہب انسانی کی حقیقت کیا ہے انسانی مذہب انسان کی اس مخصوص اخلاقی و روحانی فطرت کا اجتماعی اظہار ہے جو اسے باقی انواع مخلوقات سے امتیاز دے کر ایک معین نوع بنا دیتی ہے۔ مگر یہ فطرت ہر فرد انسانی میں پیدائشی طور پر موجود رہتی ہے گر بالکل ایک بیج کی طرح ہوتی ہے، کمزور حالت میں ہوتی ہے، نہایت ابتدائی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انسان میں حیوانی جبلت بھی ہوتی ہے جو بڑی قوت کی حالت میں ہوتی ہے۔ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی اخلاقی و روحانی مخصوص فطرت کی تربیت کر کے اسے اتنا قوی کر دے کہ انسان اپنے کاروبار کو حیوانی جبلت کے بجائے اس اخلاقی و روحانی شعور و رجحانات کے ماتحت چلا سکے۔ مذہب کے ساتھ جادو، مدعی جادو اور [illegible] سب چیزیں حیوانی جبلت کے زیر

مطالبات پر پابندیاں ہیں اور اخلاقی و روحانی شعور و احساس کو قوی و ہمہ گیر کرنے کے ذرائع ہیں۔ پھر یہ سارا سلسلہ رضا کارانہ ہے جبری نہیں ہے۔ جبر سے اخلاقی و روحانی فطرت کی تربیت و تکمیل کا امکان نہیں ہے۔ پھر اس مخصوص اخلاقی و روحانی فطرت کا انسان کے علاوہ باقی انواع مخلوقات میں کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ آپ ذہین سے ذہین کسی حیوان کے سو پچاس بچوں کو جمع کرلیں اور پورے دس برس تک انھیں اخلاقیات و روحانیات پر لکچر دیتے رہیے۔ پابندیاں بھی عائد کرتے جائیں۔ وہ دس برس گزر جانے پر بھی ان اخلاقیات و روحانیات اور زندگی کے حال و مستقبل پر ان کے اثرات کو سمجھنے سے یکسر قاصر ہوں گے۔ لیکن آپ یہی عمل سو پچاس انسانی بچوں پر کریں تو آپ تھوڑے ہی عرصہ میں انھیں فرشتوں کے مشابہ پائیں گے۔ یہی چیز شرافت نوع انسانی کی بنیاد ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لیے کہ وہ اخلاقی و روحانی فطرت لے کر پیدا ہوا ہے جبکہ یہ فطرت باقی انواع مخلوقات میں ندارد ہے۔ موجودہ دور کی دہریت اباحیت اور لا دینیت اس فطرت انسانی کو ختم کر کے انسانی بستی کو پھر سے حیوانیت میں شامل کر دینے کی کوشش میں عالمگیر طور پر مصروف ہے اور دہریت کی انتہا پسند صورت کا نام کمیونزم ہے۔ وہ پوری قوت سے نوع انسانی کے مذہبی ادارے کو ختم کر دینے کے درپے ہے۔ اس کے تین مرکزوں (پیکنگ، ماسکو، بلگریڈ) کو ہندوستان کے لیے خاص کر اور آزاد مشرق کے لیے بالعموم مکہ و مدینہ اور کاشی و متھرا بنانے کی گزشتہ پندرہ بیس برسوں سے کوشش ہو رہی ہے۔ دہریت کی اعتدال پسند صورت وہ ہے جسے سیکولر جمہوریت کہا جاتا ہے وہ مذہب پر کھلا حملہ کر کے خطرہ مول نہیں لیتی، البتہ عملی کاروبار کے ہر شعبے سے مذہب کو بے دخل کرنے کے درپے رہتی ہے۔

ایک توضیح طلب سوال

اگر انسانی کاروبار کا محرک MOTIVE اخلاقی و روحانی شعور و احساس نہ رہے تو ظاہر ہے کہ پھر یہ محرک حیوانی جبلت ANIMAL INSTINCT ہی ہوگی اور جب یہ جبلت ہی محرک بنی تو پھر عمل کی سطح پر صلح کے بجائے فساد، امن کے بجائے جنگ، تعاون کی بجائے تقابل، محبت کے بجائے نفرت، صبر و ضبط کے بجائے بے صبری و جلد بازی، سچ کے بجائے جھوٹ، اخلاص کے بجائے خود غرضی، عدل کے بجائے ظلم کا کاروبار انسانی پر چھا جانا ایک یقینی امر ہوگا۔ یہ ہے فساد انسانی کی دائمی بنیاد اور مذہب نے اس فساد کے خلاف جنگ

جاری رکھی ہے۔ اگر اس مسلسل کوشش کے باوجود نوعِ انسانی میں فساد جاری رہا ہے تو اس کا سبب مذہب نہیں جیسا کہ مذہب دشمن طبقوں نے ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ اس کا سبب لامذہبیت ہی ہے۔ چاہے ظاہر میں اس نے مذہب ہی کی شکل کیوں نہ اختیار کرلی ہو۔ اگر تعصب و خودغرضی نے کسی کو اندھا نہ کر دیا ہو تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

مظاہرِ مذہب میں اختلاف کیوں رہا ہے

(الف) مذہب کی حقیقت کے متعلق اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے پیش نظر اسے سارے عالمِ انسانی کے لیے ایک ہونا چاہیئے کہ جتنے آدمی یا جتنے کنبے اور قومیں اور ملک ہوں اُن کا اپنا جدا جدا مذہب ہو، درحقیقت یہی ایک مشکل ہے جسے موجودہ دور کی مذہبی دنیا کو حل کرنا ہے جس کے بعد صدیوں کے لیے عالمگیر امن انسانی کا دور دورہ ہوگا۔ بدھ ازم، عیسائیت اور اب ہندو ازم نے بھی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک غیر شعوری انداز پر عالمگیر امن بحال کرنے کے لیے اپنا اپنا حصہ ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ خدا کرے ان سب تحریکوں کا رُخ اصل خطرے کو دور کرنے کی طرف رہے۔ لامذہبیت کے مقابل ان کا رُخ بالکل صاف صاف دوست و دشمن کا سا رہے۔ اور آپس میں ان کا انداز باہمی خیراندیشی و صدق و اخلاص اور افہام و تفہیم کا رہے۔ اتحادِ انسانی مذہب کا ابدی نصب العین رہا ہے۔ یہ اپنی اصل میں اخلاقی و روحانی نوعیت کا اتحاد ہے۔ اور ثانوی حیثیت سے اسے مادّی اتحاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اخلاقی بنیادوں کا انکار کرکے اتحاد کے دعوے کرتے ہیں وہ محض خود فریب ہیں یا اپنے اغراض کے لیے دنیا کو فریب دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ اخلاقی و روحانی بنیادوں کا انکار کرنے کے بعد جبلّتِ حیوانی کی فرماں روائی ہو جاتی ہے اور اس کا آئین جنگ و فساد ہے نہ کہ امن و اخوت۔ جسے اس میں شک ہو وہ اسے مارکسی امت کی تاریخ پر غور کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے افہام و تفہیم و اصلاح و تعاون وغیرہ سارے انسانی ذرائع کا صاف صاف انکار کرتے ہوئے طبقاتی جنگ کو حصولِ مقصد کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے اور اس طرح ساری زندگی کو بھی لاآت جبلّی کا پابند کرنے کی عالمگیر کوشش شروع کر رکھی ہے۔

(ب) اس بات کو پوری طرح اپنی ذہنی گرفت میں کرلیا جائے کہ مذہب انسان کی روحانی و اخلاقی سرشت کو حیوانی جبلّت پر غالب کرنے کا سیدھا ہے اور اس کی یہ فطرت قطعاً عالمگیر ہے۔ اس کو کل از ملوں سے کوئی بنیادی اور اصولی تعلق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس کی غرض و غایت انسان ا

ساری داخلی زندگی کے ساتھ ہی اس کے خارجی ماحول کو بھی اسی اخلاقی و روحانی رنگ میں رنگ دیا رہا ہے۔ لہٰذا اسے ہر ہر مقام کے لوکل حالات و لوکل عادات و اطوار کو بھی اپنے اعتقاد میں لینا ہوتا تھا۔ اسی اختلاف ماحول کے باعث اس میں اختلاف پیدا ہوا اور پھر اس کے ساتھ اور اسباب بھی شامل ہوتے گئے۔ سب سے بڑا سبب انسان میں مذہبی حس کا دھیما پڑ جانا ہے۔ اسی سے تجدید مذہب کی ضرورت لاحق ہوتی رہی ہے اور پھر مندرجہ صدر اسباب کے باعث اس میں اختلافات کے سبب یہ تجدیدی کوششیں خود مستقل مذہب بن جاتی رہی ہیں۔ ان اختلافات کا سب سے زیادہ پیچیدہ نمونہ ہندوازم ہے۔ جس کی نہ تو کوئی تعریف ممکن ہے نہ اسے اخلاقی و روحانی فرائض و واجبات کے سلسلے میں متعین کیا جا سکتا ہے۔

(ج) آج کے عالمگیر حالات کو دیکھتے ہوئے مذہب کی سب سے زیادہ متعین صورت اسلام کا ایک عالمگیر رب العالمین کا اعتقاد اور ایک عالمگیر بھائی چارے کا عملی نظام ہے۔ آج مسلمانوں میں نسل و رنگ و وطن نے جس قسم کے اختلافات پیدا کر رکھے ہیں وہ سب راقم کے سامنے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی محمد رسول اللہ نے عالمگیر رب العالمین اور عالمگیر بھائی چارے کی جو دعوت دی تھی اس کا ایک ایک حرف ابھی اس طرح دنیا کے سامنے ہے کہ مسلمانوں کے سارے اختلافات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کوئی قوم و ملت اس کو قبول کر سکتی ہے اور اسے اپنی تجدید و اصلاح مذہبی کا ذریعہ بھی بنا سکتی ہے۔ اور سارے عالم انسانی کے اتحاد کی دعوت کا ذریعہ بھی بنا سکتی ہے۔ ہندوازم یا بالفاظ صحیح برہمن ازم کے سب سے زیادہ معین خد و خال اس کا لاکھوں دیوی دیوتاؤں کا اعتقاد اور ذاتوں اور فرقوں کا عملی نظام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر سارے عالم انسانی کا اتحاد تو ایک طرف رہا خود ہزاروں کوششوں کے باوجود ہندوستانی معاشرے کا اتحاد بھی ممکن نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کے ایک عالمگیر انسانی بھائی چارے کے نظام سے ایک ہندو کو چھوتے ہی ایک تضاد محسوس ہونے لگتا ہے لیکن یہ حالت تو خود عرب کے بت پرستوں کو بھی محسوس ہوئی تھی اور انھوں نے پیغمبر اسلام پر یہ اعتراض کر دیا تھا۔ "اجعل الآلھة الٰھاً واحداً ان ھٰذا لشیئٌ عجاب"۔

اس نے (محمدؐ) تو سب دیوی دیوتاؤں کو ایک ہی معبود بنا دیا یہ عجیب بات ہے۔ (القرآن)

حقیقت یہ ہے کہ بالکل ہندوستان ہی کی طرح پورے عرب میں بھی ہر ہر قبیلے کا اپنا اپنا دیوی دیوتا تھا اور پھر ان سب میں جنگ و فساد کا سلسلہ جاری تھا لہٰذا جب پیغمبر اسلام نے ایک عالمگیر

رب العالمین اور ایک عالمگیر انسانی بھائی چارے کا پیام دیا تو ایک طرف تو آپ کو اپنے پروہت خاندان کو اس میں زوال نظر آیا اور دوسری طرف تمام عرب قبائل نے بھی اس میں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کا زوال محسوس کیا اور سب نے مل کر اوپر کا اعتراض کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ وہ پیغمبر اسلام کے مقابل کوئی مثبت پروگرام نہ لا سکتے تھے۔ لہٰذا صرف اس منفی نوعیت کے اعتراض پر اپنی مخالفت کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ عرب کے علاوہ دو ہزار برس سے پیچھے کی تاریخ انسانی پر نظر ڈالی جائے تو اس میں یہی کنبہ داریت اور یہی اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ جوں جوں انسان کا تنظیمی دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا گیا توں توں توحید خدا اور اخوت انسانی کا تصور واضح سے واضح تر ہوتا گیا۔ محمد رسول اللہ پر یہ دونوں اصول اپنی عالمگیر شکل میں نقطۂ کمال پر پہونچے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہونچنے پر آپ نے مہاجروں میں اور انصار میں ایک ایک فرد کا بھائی چارہ قائم کیا۔ پھر مزید اطمینان حاصل کرنے کے بعد دُنیا کے تمام اُن لیڈروں اور رئیسوں کو جن تک اپنے پیغام کو پہونچانا آپ کے لیے ممکن تھا آپ نے جو خطوط لکھے ان میں اکثر اوقات قرآن مجید کی آیت ذیل لکھی ہوتی تھی۔

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللّٰہ۔

(اے آسمانی الہام کو ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات پر اتحاد کریں جو ہم میں اور تم میں برابر ہو سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک اللہ کے سوائے کسی چیز کو نہ پوجیں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنا معبود بنائیں)

اس پیغام میں ہر قسم کے شرک کے ساتھ ہی سب قسم کی شرکانہ پروہت گیری کا خاتمہ تھا۔ اس وقت تو شاید یہ بات نرالی تھی مگر آج جبکہ وطنوں اور قوموں کی سابقہ حدود مسمار ہو کر بنی آدم ایک ہونے کے لیے مجبور ہو رہا ہے تو اس پیغام کو پورے صدق دل سے قبول کرتے ہوئے ایک طرف اپنی ذات پات کے خاتمے کا ذریعہ بنانا اور دوسری طرف ہندوستان کے لاکھوں تیاگی سادھوؤں کو اس کی حقیقت سمجھا کر سارے عالم انسانی کے اتحاد کے لیے ساری دُنیا میں پھیلانا تقاضائے وقت

معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جو ایک طرف عالمگیر دہریت کا علاج کر سکتا ہے تو دوسری طرف نسل و وطن کے سارے اختلافات کا خاتمہ کرتا ہوا وحدت انسانی کے ہزاروں برس کے زریں خواب کی عملی تعبیر پیش کر سکتا ہے جو کہ اول درجہ کے اخلاقی و روحانی انقلاب کے لیے ضروری ہوتی ہیں تمدن و ثقافت کی پیچیدگیوں میں الجھ جانے کے بعد قومیں کسی بڑی اخلاقی و روحانی مہم کو سر کرنے کی صلاحیتوں سے عام طور پر محروم ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ ناچ رنگ شراب کباب کے اخلاق کش مشاغل سے آگے شاذ و نادر ہی قدم بڑھا سکتی ہیں۔ لیکن اگر کسی ملک یا قوم میں بدوی صلاحیتیں موجود ہوں اور انھیں کسی زندہ اخلاقی و روحانی نصب العین سے باندھ دیا جائے تو پھر ہر کرامت ممکن ہو جاتی ہے۔ مذہب انسان کی اخلاقی و روحانی فطرت کو ہمہ گیر کرنے کا میڈیم ہے جب ملکی و مادی ماحول کی مجبوریاں تھیں تو اسے نسل و وطن و قوم کے دائرے میں محدود رکھنے کے کچھ معنی ہو سکتے تھے۔ اگرچہ یہ اخلاقی و روحانی سرشت اس وقت بھی اپنی حقیقت میں عالمگیر تھی۔ مگر حالات کی مجبوری سے ان کا اجرا APLICATION کنبے یا مخصوص نسل و وطن کا پابند ہو سکتا تھا۔ یہ مذہب کی ایک سکڑی ہوئی ابتدائی شکل تھی۔ لیکن آج خالص مادی حالات خود اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ مذہب ایسا میڈیم اختیار کرے جو ساری دنیا سے لوکل ازموں کا بھی خاتمہ کر سکے اور عالمگیر انسانی بھائی چارے کا عملی ڈھانچہ بنے۔ خداوند کریم ہندوستان کے لاکھوں تیاگی سادھوؤں کو اس پیام رحمت کو پورے اخلاص سے قبول کرنے اور پوری خیر اندیشی انسانی سے عالمگیر کرنے کی مہم میں مصروف کر دے (آمین) گزشتہ ستر اسی برس سے ہندو قوم کے ضمیر میں یہ خیال ایک مجمل اور مبہم سی شکل میں مسلسل کارفرما رہا ہے کہ اسے دنیا میں کوئی مشن انجام دینا ہے، مگر ابھی تک یہ متعین نہ ہو سکا کہ یہ مشن کیا ہے۔ موجودہ سارے حالات کا تجزیہ سامنے رکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ مشن صرف یہی ایک عالم گیر رب العالمین اور عالم گیر انسانی بھائی چارے کا پیغام ہے جسے آج عالم گیر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ عرب کی بت پرست اور کنبہ پرست بستی نے جب اسے قبولا اور جب تک صدق دل سے اسے چلایا اس کے نتائج ساری دنیا پر نمایاں ہیں۔ اب اگر اس حق کو ایک دوسری کنبہ پرست و بت پرست قوم قبول کرتی ہے تو انشاء اللہ باقی ماندہ کام بھی پورا ہو گا اور عالمگیر وحدت انسانی کے خواب کی عمدہ تعبیر ہو جائے گی۔

ہندوازم میں ہزاروں برسوں سے یہ روایت مسلسل زندہ رہی ہے کہ مذہب کی ہر شکل انسان کی نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے بشرطیکہ انسان اسے اخلاص کے ساتھ قبول کرے اور ایمانداری سے اس پر عمل کرے۔ میرے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانچ چھ ہزار برس پہلے جو مذہبی تاریخ کہنے کی تعلیم سے شروع ہوتی تھی اس میں آئندہ کی ترقی کے ہر صحیح قدم اور ہر وسیع افق نگاہ رکھنے والی مذہبی کوشش کے لیے راستہ کھلا رہے اس لیے کہ مذہب اپنے مادی ماحول کی مجبوریوں کے اعتبار سے مختلف عبوری شکلیں اختیار کرتا ہوا وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا یہاں تک کہ وہ ساری انسانیت کو ایک ہی اخلاقی نظم و نسق کا پابند کرلے۔ لہٰذا ہر سچا مذہبی مصلح جہاں ماضی کی ساری صداقتوں کو اپنے پیام میں محفوظ رکھنے پر مامور ہوتا رہا وہاں وہ مستقبل کی مزید وسیع تر کوششوں کے لیے نشاندہی کرجاتا تھا۔ کم از کم ایسے امکانات کے لیے پوری گنجائش چھوڑ جاتا تھا۔ لہٰذا اس روایت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اسے ماضی کے ناقابل عمل اوہام۔ کروڑوں ذاتوں اور کروڑوں خداؤں سے نجات کا ذریعہ بنایا جائے۔ اور مذہب کی سب سے زیادہ جامع اور خیالات انسانی سے مطابقت رکھنے والی صورت کو اپنایا جائے۔ لہٰذا راقم "وشو ہندو دھرم سمیلن" کے سب ارکان سے گزارش کرے گا کہ وہ میری اس گزارشات پر غور فرمائیں۔ ضرورت ہو تو اس کی مزید تشریح کا مجھے موقع دیں۔ گزشتہ ۲۲ برسوں سے اسی ایک یقین کو سینے میں دابے ہوئے کشمیر سے مدراس تک اور آسام سے کوئٹہ تک گھومتے میں گزارے ہیں اور آج اس کا آخری موقع محسوس ہوتا ہے۔ پنڈت نہرو کی سرکردگی میں جس ہندوستان کو جنم دینے کی کوشش کی گئی تھی وہ اگر جنم لیتا تو بام مارگی اور دہریہ ہندوستان ہوتا۔ اور اب وشو ہندو دھرم سمیلن" کے ذریعہ جس ہندوستان کو بیدار کرنے کی کوشش ہو رہی ہے وہ مذہبی ہندوستان ہے۔ یہ ہزاروں برس کا ہندوستان ہے جو مذہبی رہا کبھی بیمار کبھی تندرست۔ کبھی ایک رنگ میں اور کبھی دوسرے رنگ میں، مگر مذہبی رہا۔ وہ لامذہب نہیں رہا۔ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ صدر جمہوریہ ہند نے سیکولرازم کو اپنے پاؤں کی بیڑی بننے نہیں دیا۔ خدا اس کوشش کو ہندوستان کی پوری روح کو بیدار کرنے کا ذریعہ بنائے اور اسی بیداری کو صحیح راستے پر ڈالنے کا بھی سامان وہ خود ہی کرے۔ ہندوستان اور اس کے ساتھ ہی سارے وہ ایشائی ممالک کو جو گزشتہ پندرہ بیس برسوں سے آزاد ہوئے ہیں اور ابھی تک دہریت کے نئے امپریل ازم کے قبضے میں نہیں آئے وہ آج ایک

عالمگیر ربّ العالمین کے اعتقاد اور ایک عالمگیر انسانی بھائی چارے کی اس دعوت کے ماتحت ایک آزاد دینی و مذہبی بلاک کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ جونہی اس تنظیم جدید کا آغاز ہوا ویسے ہی نیا امپریلزم اس آفتاب کے سامنے اسی طرح خود بخود دیکھتے دیکھتے ناپید ہو جائے گا جس طرح مادی کھر مادی آفتاب کی گرمی و روشنی کے سامنے ناپید ہو جاتا ہے۔

ہندوازم اور کمیونزم کا کھلا تضاد

(۱) ہندوازم سارے نظامِ کائنات کا اصل الاصول اور مستقل بنیاد روح کو بتاتا ہے اور مادے کو صرف ایک نمودِ بے بود قرار دیتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ یا تو مادے کو بالکل قابلِ توجہ قرار نہیں دیتا اور اگر معاشرتی مجبوریوں سے توجہ دیتا بھی ہے تو اسے بالکل دوسرے درجہ پر رکھ کر۔ وہ مایا کا جال ہے۔

(۲) اس کے مقابل کمیونزم سارے نظامِ کائنات کی بنیاد اور اصل الاصول صرف مادّے کو قرار دیتا ہے۔ اور روح کا یا تو منکر ہے یا اسے مادّے کی ایک دوسرے درجہ کی خاصیت قرار دیتا ہے، اگر اسے قابلِ توجہ قرار نہیں دیتا۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہندو مفکر اور مذہبی لوگ اس بات پر کوئی بھی توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ خالص اس فکری بنیاد پر انھیں کمیونزم اور مادیت کا سب سے بڑا دشمن ہونا چاہئے تھا۔ یہ عجیب ترین مصیبت ہے کہ ہندو قوم کے سیاسی مدبرین نے پہلے تو چین کو آزاد مشرق میں گھسیٹنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اب وہ یہی کچھ روس کے لیے کر رہے ہیں۔ یہ ایک تاریخی سانحہ ہے۔

(۳) مذکورہ دونوں نقطہائے نگاہ کے مقابل اسلام ایک طرف ساری کائنات کے لیے ایک ربّ العالمین کا اعلان کرتا ہوا اور نوعِ انسانی کو اپنے حسنِ عمل کے ذریعہ اس ربّ العالمین کا مقرب قرار دے کر روحانی ارتقائے انسانی کی ساری شاہراہ کو کھلا رکھتا ہے تو دوسری طرف سارے نوعِ انسانی کو ایک بھائی چارہ قرار دے کر تاریخ انسانی کے سارے اخلاقی تصور کو ہر پہلو سے محفوظ کر لیتا ہے۔ ادھر نوعِ انسانی صرف اس اخلاقی و روحانی شعور و احساس و کردار کا نام ہے۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی میں جو خاصیتیں ہیں ان میں سے بعض میں انسان حیوانات سے مشابہ ہے بعض میں نباتات سے اور بعض میں جمادات سے، یہ خصوصیات شرافتِ انسانی کی بنیاد نہیں ہیں۔ انسانی شرافت کی بنیاد صرف اخلاقی و روحانی شعور و احساس و کردار ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کا یہ مطلق دعویٰ نہیں کہ وہ کوئی نئی چیز ہے۔ بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ پورے مذہبِ انسانی کی صرف یہی اصل ہے جس کی

تلقین کرنے کے لیے ہر ملک ہر قوم اور ہر شہر و قریہ میں خدا کے بندے کام کرتے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ اگر عالم گیر توحید خدا کے اعتقاد کے ساتھ مذاہب میں بت پرستی کی لونی کر دی گئی ہے تو یہ انسان کی اپنی جہالت و کمزوری تھی ایسے ہی اگر عالم گیر اخوت انسانی کے خالص اخلاقی تصور کو نسل و وطن کی مختلف جکڑ بندیوں میں سے کسی نے جکڑ لیا ہے تو یہ قوموں اور ملتوں کی اپنی خودغرضی تعصب کنبہ پروری و تنگ نظری کا نتیجہ تھا مذہب و دین کو اس سے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا اس سلسلے میں قرآن مجید کے ذیل کے اعلانات قابلِ غور ہیں۔

"کان الناس امۃ واحدۃ"۔ نوعِ انسانی صرف ایک امت تھی۔ (القرآن)

"ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون"۔ یہ تمہاری امت (نوعِ انسانی مراد ہے) ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں "میری بندگی کرو" (میرے آئین کو مانو) (القرآن)

"یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"۔۔۔ اے نوعِ انسانی ہم نے تم کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا اور مختلف قبائل میں بانٹ دیا۔ مگر یہ صرف تعارف کے لیے۔ رہا انسان کا اشرف ہونا تو اس کا دارومدار خوفِ خدا پر ہے (آئینِ خدا کی پابندی پر) (القرآن)

"ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون"۔ اور مشرکوں میں سے وہ نہ بنو جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا۔ فرقے فرقے ہو گئے ہر گروہ اپنے جمع کئے ہوئے پر خوش ہے (القرآن)

امید ہے کہ یہ چند حوالے کفایت کر جائیں گے۔

سب سے پہلی اور آخری بات بھی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ایک برادری ہے ان کا وہی اپنا ایک ہی آئین فلاح و نجات ہے اور وہ ایک عالمگیر رب العالمین کا اعتقاد اور ایک عالمگیر انسانی بھائی چارے کا نظام ہے۔ اس کو عالم گیر کرنے پر انسانی امن و سلامتی کا دارومدار بھی ہے اور اسی پر نوعِ انسانی کے ارتقاء و فلاح کی بھی بنیاد ہے۔ آؤ پورے صدق و اخلاص سے اسے قبول کر لیں اور پوری خیراندیشیِ انسانی سے اسے عالم گیر بھی کریں۔ تعصب و تنگ نظری انسان کو ہلاکت کی راہ پر لیے جا رہے ہیں۔ ان کا علاج ایک عالم گیر خدا اور ایک عالم گیر انسانی بھائی چارے کے نظام کا قیام ہے۔ اس کی تشریح پر کوئی ڈیڑھ سو صفحے کی [illegible] خدا ان کی اشاعت عالم گیر کا سامان کرائے۔

بقیہ معارف الحدیث

س ایک حرف ہے، م ایک حرف ہے۔ اور میں نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے۔ بلکہ الف لام میم الگ الگ حروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلام پاک کی تلاوت کرنے والوں کے لیے بڑی ہی خوشخبری ہے۔

بقیہ دربار عالمگیری

۵۔ نواب نجیب اللہ خاں بہادر۔
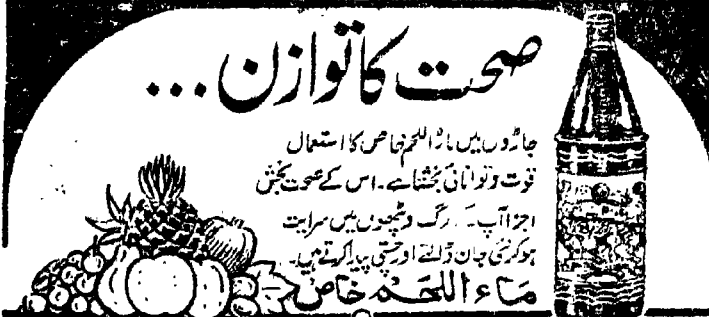
جیسا کہ پہلے گزرا محمد جان خان بہادر کو شہادت فرانسیسی گورنر جنرل دوپلے کے مقابلہ میں حاصل ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے محمد علی خاں ان کے جانشین ہوئے۔ مولانا احمد اللہ شاہ انھیں کے شہرۂ آفاق پوتے تھے جن کا مدراس سے آکے انگریزوں نے یو۔ پی میں مقابلہ کیا اور سخت مقابلہ اور بالآخر پوایان (لکھیم پور) کے راجہ سے انگریزوں نے سازش کرکے ان کو شہید کیا۔ رحمہ اللہ۔

مؤتمر اسلامی

مقالہ چہارم

اجتماعی اجتہاد اور ایک فقہی مجلس کا قیام

آج کے دور میں اسلامی زندگی کی حتمی ضرورت

الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء۔ پروفیسر دمشق یونیورسٹی

آج دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو، چاہے وہ ایک آزاد و خود مختار قوم کی حیثیت میں ہوں یا محکوم اقلیت کی حالت میں، اپنی اجتماعی اور اقتصادی زندگی، بلکہ عبادتی معاملات میں بھی زمانے کی جدید ایجادات، تجارت و صنعت اور اقتصادیات میں نئے نئے طریقوں اور وسیلوں کے رواج اور اجتماعی عادتوں اور پیمانوں میں انقلابی تغیرات کی بنا پر کتنے ہی نئے احوال و مسائل کا سامنا ہے۔ جن مسلمانوں کو اپنی شریعت کا حکم جاننے کی فکر ہے وہ ان امور میں حکم شریعت دریافت کرنے کے لیے ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جنھیں عالم دین کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن کہیں انھیں یہ جواب ملتا ہے کہ جس معاملہ میں نص شریعت موجود نہیں اس میں کیا جواب دیا جائے؟ اور کہیں لوگ گہرے غور و فکر کے بجائے سطحی نظر سے کام لے کر الگ الگ جوابات دے دیتے ہیں جن میں ایک تحریم کی طرف جاتا ہے تو دوسرا تحلیل کی طرف۔ اور سائل بیچارے اپنی پھر اسی پریشانی میں مبتلا رہ جاتے ہیں کہ کیا فیصلہ کریں اور زندگی کے ان عملی سوالات سے کس طرح عہدہ برآ ہوں؟۔

شریعت اور اجتہاد شریعت کیا ہے؟ وہ افراد اور جماعت کے لیے ایک قانون کی شکل میں اجتماعی طلب ہے جس کا کام حقوق میں عدل قائم کرنا، ظلم کو روکنا، بدقسمتوں کو دور کرنا، زندگی کو [illegible] جن میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ [illegible] کے ساتھ اخلاقی یا

اجتماعی لحاظ سے فساد انگیز باتوں پر یکسر بندش لگاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کے احکام میں شریعت کا ایک خاص اور مرکزی نقطۂ نظر ہے۔ عبادات میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ معاملات میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ حکومت اور سیاست میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ مفاسد کی روک تھام میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ اور اسی طرح ضرورت و مصلحت کے باب میں ایک مرکزی نقطۂ نظر ہے اور ان سب میں قدر مشترک کے طور پر شریعت کا جو مقصد کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی کے لیے اعتدال کی ایسی راہ وسط بنائی جائے جس میں نہ تو سختی، پیچیدگی اور غلو فی الدین کی ہمت افزائی ہو اور نہ ان اعمال کے لیے ڈھیل اور چشم پوشی جن کی ممانعت شرعی دلائل سے ثابت ہوتی ہے۔

شریعت کی اس حقیقت کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے احکام کے اعتبار سے ابدی اور ہمہ گیر طور پر تمام قدیم و جدید احوال و واقعات پر حاوی ہو۔ اور کسی بھی سوال کا جواب دینے سے عاجز نہ ہو ___ اور یہی واقعہ بھی ہے! یہ کام فقہ کی مدد سے انجام پاتا ہے، جو اس اجتماعی طب (شریعت) کی جنرل ڈسپنسری ہے۔ اور جس میں ہر وقت ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ لیکن اس دواخانے سے کوئی بھی دوا نکالنے کے لیے لازماً تلاش و تجسس کی بھی ضرورت ہوگی اور کسی وقت فن آمیزش و مرکب سازی .... سے کام لینا بھی ناگزیر ہوگا۔ یہ کردار اجتہاد کا ہے۔ اور اس طور پر اجتہاد فقہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

اجتہاد ہر ایک کا کام نہیں اس میں ایک طرف شریعت کے وسیع علم کی ضرورت ہے اور دوسری طرف اس گہری فقہی بصیرت کی جو شارع کی نص اور فقیہ کی قیاسی رائے کی قیمت و حرمت میں فرق کر سکے۔ اور اسی کے ساتھ زیر نظر معاملات کو ان کے حقیقی رُخ سے دیکھ سکے۔ تاکہ اجازت یا ممانعت کا جو حکم بھی دیا جائے وہ شریعت کے اصول اور دلائل پر مبنی ہو نہ کہ سطحیت پرستی اور سہل انگاری کے اس اصول پر جو آج بہت عام ہو گیا ہے کہ نئے امور میں ہمیشہ سلبی موقف ہی اختیار کرنا زیادہ قرین تقویٰ اور شایان دینداری ہے۔

یہ منفی انداز فکر دراصل علم کا نہیں عجز اور قصور علم کا موقف ہے اور یہ دین کے لیے اسی قدر نقصان دہ ہے جس قدر کہ شریعت کے جادۂ حق سے منحرف گروہوں کی وہ جرأت و جسارت جو وہ منافقانہ اغراض یا شریعت کا کام ہی تمام کر دینے کی نیت سے شریعت کے

اصولوں کو نظر انداز کرنے اور من مانے دلائل گھڑ کر پیش کرنے میں دکھلاتے ہیں شریعت کا نام لے کر
بلا کسی صحیح دلیل کے سلبی موقف اختیار کر لینا یقیناً ان بیجا اور منافقانہ ایجابی فیصلوں سے مختلف نہیں
ہے جن میں خوف خدا اور نیک نیتی سے بے نیاز ہو کر علم کا بدترین استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک میں
اگر حرام کو حلال کرنا ہے تو دوسرے میں حلال کو حرام کرنا، اور شریعت کا جمال اور حکیمانہ کردار
ان دونوں ہی صورتوں میں مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔
اجتہاد میں ان دونوں غلط رجحانوں کے امکان کے پیش نظر ہی یہ لازم قرار دیا گیا ہے
کہ مجتہد کی زندگی میں جہاں ورع و تقویٰ اور دینی صلاح کے واضح آثار ہونے چاہییں وہاں
اسے اصول شریعت کے راسخ علم اور حکمت و بصیرت سے بھی بہرہ ور ہونا چاہیے۔

چند نئے مسائل جن میں شرعی حکم کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہے

ایسے مسائل کی ایک بڑی تعداد ہو چکی ہے جو خاص کر اس زمانے نے پیدا کئے ہیں اور ان
کے بارے میں حکم شرعی کا فیصلہ کرنے کے لیے اجتہادی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر
ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ بیمہ (انشورنس)

آج بیمہ کی معاملت پوری دنیا میں رائج ہے۔ اسلامی ملک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔
عام زندگی میں بالخصوص اقتصادی سرگرمیوں سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہو چکا ہے۔ ایک
نہیں اس کی متعدد صورتیں یکساں طور پر شائع ذائع ہیں۔ ایک صورت مال کے بیمے کی ہے جو
مختلف خطرات کے پیش نظر کرایا جاتا ہے۔ دوسری صورت علیٰ ہذا ذمہ داریوں کے بیمے کی ہے
تیسری صورت نئے وسائل سفر ہوائی جہاز وغیرہ کے مسافروں کی زندگی کا بیمہ خود ان وسائل
کی مالک کمپنیوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ چوتھی صورت زندگی کا وہ بیمہ ہے جو لوگ از خود اپنی
موت کے بعد پسماندگان کی بہبودی کے خیال سے کرتے ہیں بس ایک ایسا عظیم اقتصادی
اور قانونی معاملاتی نظام جو اس حد تک مسلمانوں اور غیر مسلموں کی زندگی میں جاری و
ساری ہے کوئی جواز نہیں کہ اس کا دو ٹوک شرعی حکم مخفی رہے اور مختلف لوگ بغیر اس

اہمیت وغایت اور انواع واطوار کے گہرے مطالعے اور بغیر کافی وشافی شرعی دلائل کے اسکے بارے میں مختلف فقہی رایوں کا اظہار کرتے رہیں اور وہ عوام الناس جو اپنے آپ کو دین کا پابند رکھنا چاہتے ہیں، ایک شدید کش مکش میں مبتلا رہیں کہ ضرورت کا احساس ایک طرف کھینچتا ہے اور گناہ کا خوف دوسری طرف۔

اور اسی طرح اس کا بھی جواز نہیں کہ کسی کے اس جدید نظام کے بارے میں کوئی انفرادی اجتہاد شریعت کا موقف معین کرے۔ اگرچہ وہ شخص واحد کتنا ہی اہل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس زمانے میں انفرادی اجتہاد کو جائز رکھنے میں کچھ قباحتیں ہیں جنھیں ہم آگے بیان کریں گے۔ ایس اس معاملے میں شریعت کا حکم اجتماعی اجتہاد کے ذریعے سامنے آنا چاہئے جس میں عالم اسلامی کے منتخب اہل علم اور عصری بصیرت سے بہرہ ور اہل تفقہ حصہ لیں۔

۲۔ تجارتی کمپنیوں کا مسئلہ

یہ وہ بڑی بڑی کمپنیاں ہیں جن میں حصہ داروں کے نام مذکور نہیں ہوتے اور دوسرے شرکاء سے کسی براہ راست معاملت کے بغیر آدمی اس میں حصہ دار ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کاروبار میں حصہ شریک ہوتا ہے نہ کہ حصہ دار۔ چنانچہ وہ آزاد ہوتا ہے کہ جس وقت چاہے اپنا حصہ فروخت کردے۔ اور پھر جو شخص اس حصے کو خریدتا ہے وہ اسکی ملکیت اور اس کے تمام منافع کے استحقاق میں بائع کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

یہ بڑے پیمانے کے پیداواری کاموں کے لیے چھوٹے چھوٹے سرمایوں کو منفعت بخش بنانے اور ان سے غیر معمولی سرمایہ مہیا کرنے کے لئے شراکت کا ایک نظام ہے کیونکہ اس پیمانے کا سرمایہ مہیا کرنا فرد واحد کی بساط سے باہر ہے جبکہ بڑے بڑے پیداواری منصوبوں کے لئے یہ ناگزیر ہے پس شریعت اسلامی اور اسکی فقہ کا حکم ان کمپنیوں کے بارے میں اور اس کے حصوں کی مندرجہ بالا صورت کے ساتھ خرید و فروخت کے بارے میں کیا ہے؛ جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کمپنیاں بینکوں سے معاملت کے بغیر بھی نہیں رہ سکتیں۔!

۳۔ بینک کی ملازمت

بعض علماء بینک کی کلیریکل ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ بینک

کی آمدنی سود پر مشتمل ہوتی ہے اور بعض کا فتویٰ ہے کہ اس دور میں یہ ملازمت اختیار کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ آج کل خود حکومت کی ملازمت کا معاملہ بھی یہی ہے کہ سرکاری خزانہ جس سے تنخواہ ملتی ہے اس میں شراب کے ٹیکس جیسی حرام مدوں سے آمدنی ہوتی ہے۔ پس یہ عموم بلویٰ کا مسئلہ ہے کہ آدمی بچ نہیں سکتا۔ ورنہ ملازمت کے ذریعہ زندگی گزارنے کا راستہ نیک اور دیانت دار نوجوانوں پر تو بند ہی ہو جائے گا۔ اور صرف وہ لوگ اس ذریعہ معاش پر قابض ہو جائیں گے جنھیں حلال و حرام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ پس ضرورت ہے کہ بینکوں کی کلیریکل ملازمت یا اس جیسی دوسری خدمات کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم ہو سکے کہ یہ وقت کا سوال ہے۔

۴۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ بیت اللہ جانے والوں کیلئے احرام کا مسئلہ

جیسا کہ سب جانتے ہیں حرم مکی کے چاروں طرف کچھ مقامات (میقات) مقرر ہیں جن سے ساکنین حرم کے علاوہ کسی شخص کو حج یا عمرہ کا احرام باندھے بغیر گزر کر اس حرم میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اس زمانے میں ایسے وسائل نقل وحمل ایجاد ہو گئے ہیں جو زمین سطح سمندر پر چلنے کے بجائے پرندوں کی طرح ہوا کے دوش پر چلتے ہیں یعنی ہوائی جہاز، اور آج ہزاروں حجاج انہیں کے ذریعہ بیت اللہ کا قصد کرتے ہیں۔ یہ جہاز بہت سے انتہائی سرد ملکوں سے حجاج کو لے کر چلتے ہیں اور جدہ میں آکر اترتے ہیں جو کہ اندرون میقات ہے۔ پس ان لوگوں پر کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا؟ کیا وہ حالت پرواز ہی میں میقات کے مقابل آجانے پر احرام باندھیں، جیسا کہ بحری مسافر کرتے ہیں؟۔ لیکن یہ بحری مسافروں کے برعکس ہوائی مسافروں کے لیے تو بہت دشوار ہے۔ ہوائی جہاز کے اندر غسل، نماز اور تبدیل لباس کے مراحل کیسے آسان ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ اپنے وطن ہی سے احرام باندھ کر ہوائی جہاز میں سوار ہوں تو یہ ان لوگوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہو جائے گا جو کسی سرد ملک سے سفر کر رہے ہوں! تیسری شکل یہ ہے کہ یہ جدہ پہونچ کر یعنی منطقۂ حرم کے اس پہلے مقام پر جہاں جہاز اترے) احرام باندھیں۔ اور یہی سہولت

کی شکل ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور ان کی رائے کا مبنیٰ یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھنے کے نصوص کا تعلق خشکی سے آنے والوں سے ہے۔ رہے ان جدید وسائل سفر کے ذریعہ ہوا کے دوش پر آنے والے تو ان کے میقات کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے۔ پس وہ سرزمین حرم کے اندر جہاں پہلا قدم رکھیں گے وہیں سے احرام ان پر لازم ہوگا۔ اور یہ فقہ کے اس قاعدہ کی بنا پر کہ تنگی دور کی جائے۔ اس کے برعکس کچھ علما کا فتویٰ یہ ہے کہ حالتِ پرواز ہی میں میقات کے محاذی خطے سے احرام باندھنا ضروری ہے چاہے جو بھی پریشانی ہو۔ یہ مسئلہ بھی اجتماعی اجتہاد سے ایک قطعی فیصلے کا طالب ہے۔

۵۔ حج کی قربانی

حج ہی کے سلسلے میں ایک حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ حجاج کی روز افزوں کثرت کی بنا پر جتنے بڑے پیمانے پر قربانیاں ہوتی ہیں ان کو فقراء و مساکین کے استفادہ کے لیے محفوظ کئے جانے کا کوئی انتظام فی الحال نہیں ہے، جو کہ ان کا مصرفِ مقصود ہے چنانچہ یہ ضائع بھی جاتی ہیں۔ اور حجاج کے خیموں کے درمیان نیز عام راستوں پر اس سے مضرِ صحت گندگی بھی پھیلتی ہے پس کیا اس وقت تک جب تک کہ ایک سائنٹفک مذبح کے لوازم، ذبیحہ کی نقل و حمل کے کافی وسائل، کولڈ اسٹوریج اور گوشت کو خشک کرنے کے کارخانوں کا انتظام نہ ہو جائے، عارضی طور پر یہ جائز ہوگا کہ حجاج بجائے قربانی کرنے کے حرم ہی کے اندر قربانی کی قیمت نکال کر فقراء کو تقسیم کر دیں؟ اس لئے کہ شریعت اضاعت اور گندگی کو پسند نہیں کرتی اور اس میں عارضی طور کے استثنائی حالات کے لئے استثنائی احکام کا قاعدہ موجود ہے!

اصطلاحِ فقہاء میں اجتہاد کی حقیقت

فقہی تعریف کے اعتبار سے اجتہاد کا مطلب ہے، شریعت کے تفصیلی دلائل سے شرعی احکام کا استنباط۔ اور اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ ہر پیش آ سکنے والی بات کا حکم شریعت میں موجود ہے، اور ایک مجتہد کو اس حکم تک پہنچانے کے لیے "دلائل (رہنما ذرائع) کا ایک مکمل

نظام بھی شریعت نے قائم کر دیا ہے۔

شریعت کے اس نظام دلائل کے چار ارکان ہیں :-

۱۔ نصوص قرآن ۔ اور ۔ ۲ نصوص حدیث ۔ (ان تمام وجوہ دلالت کے ساتھ جو ان دونوں میں قرار دیئے گئے ہیں) ۳۔ کسی دور کے علماء امت کا اجماع ۔۴ ۔قیاس

ان چار بنیادی ارکان کے ساتھ اثبات احکام کے تین ضمنی اصول بھی ہیں جنھیں کتاب وسنت ہی نے معتبر قرار دیا ہے۔

(الف) استحسان ۔ یہ کسی مسئلہ میں حکم شرعی کے اثبات کا وہ طریقہ ہے جس میں متعین اصولِ قیاس کو ترک کر کے کسی قابل لحاظ سبب کی بنا پر کوئی استثنائی حکم دیا جاتا ہے ۔

(ب) استصلاح ۔ یا قاعدہ "مصالح مرسلہ" ۔ یعنی ان انتظامی اور اصلاحی ضرورتوں کے مطابق کوئی قانون وضع کرنا جن میں نصوص خاموش ہوں اور اصول قیاس کی بھی کوئی مخالفت نہ لازم آتی ہو۔

(ج) عرف ۔ کسی سوسائٹی کا وہ عرفِ عام جو شریعت کے نصوص اور قواعد واصول سے متصادم نہو (ایسے عرف کو بھی متعلق مسئلے میں شرعی حکم کی بنیاد بنایا جاتا ہے)

الغرض اجتہاد کے اس مفہوم اور ادلۂ شرعیہ کے اس توضیح کی روشنی میں اب ہم اس جگہ پر آجاتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی میں اجتہاد کے کردار پر بحث کر سکیں۔

اجتہاد کا کردار

اجتہاد کے کردار کی اس بحث میں مفید ہوگا کہ پہلے ہم اسلامی شریعت اور اس کی فقہ میں اجتہاد کے مقام کو سمجھ لیں ۔ اور اس ذیل میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اجتہاد اسلامی شریعت کے لئے بمنزلہ روح اور اس کی فقہ کے لئے سرچشمۂ حیات ہے۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی ہے کہ شریعت اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے اور اس کی فقہ ایک ایسی زندہ فقہ ہو جو انسانی زندگی کے مسائل و معاملات کی پوری کفالت کر رہی ہو ۔ درانحالیکہ اجتہاد بر سر کار نہو یہی وجہ ہے کہ اجتہاد

کا شعبہ شریعت کے ساتھ ہی ساتھ وجود میں آیا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر اجتہاد سے کام لیا اور آپ کی نگرانی اور رہنمائی میں آپ کے اصحاب نے بھی یہ فریضہ ادا کیا۔ حضرت معاذ بن جبل صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے کہ جب حضور نے ان کو اہل یمن کے لیے معلم اور قاضی بنا کر روانہ کیا اور پوچھا کہ — تم ان لوگوں کے درمیان میں فیصلے کس طرح کرو گے؟

— حضرت معاذ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے!

— فرمایا، اگر اس میں فیصلہ نہ ملے؟

— کہا، تب اس کے رسول کی سنت سے!

— ارشاد ہوا، کہ اگر اس میں بھی کچھ نہ ملا تب؟

— اس کا جواب معاذ نے دیا، کہ تب میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور اس معاملے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا (یعنی پوری کوشش سے کام لے کر اس فیصلے تک پہونچنے کی جد و جہد کروں گا جو روح شریعت سے قریب تر ہو)

— حضور نے اس جواب کی تحسین فرمائی اور کہا "تعریف ہے اس اللہ کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اپنی مرضی کی راہ سجھائی"!

اچھا اب آئیے ہمارے اس دعوے کی طرف کہ اجتہاد روح شریعت اور جان فقہ ہے! ہمارے اس دعوے کے روشن دلائل اسلام کے وہ مقاصد و خصائص ہیں جن کو اجتہاد سے ایک ربط خاص ہے۔ آئیے اسلام کے ان مقاصد و خصائص پر ایک نگاہ ڈالیں۔

اسلام کا مقصد اور اس کے خصوصی اوصاف

(الف) کتاب و سنت کے نصوص شاہد ہیں کہ اسلام کا مقصد اور مطمح نظر حیات انسانی کی وہ ہمہ گیر اصلاح ہے جس سے نہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ باہر ہے اور نہ حال و مستقبل کا کوئی گوشہ۔ یہ اسلام کے بارے میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور اس سے جس قدر بھی کوئی انحراف کرے گا اسی قدر اسلام سے باہر ہو جائے گا۔

(ب) اسلام کے اس مقصد سے اس کے تین خصوصی اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

۱- آخریت :- یعنی اسلام اللہ کی آخری شریعت ہے اور اس کا رسول خاتم الرسل ہے۔ پس اسلام کے بعد کوئی شریعت نہیں جو اسے منسوخ کرے اور نہ اسکے رسول کے بعد آنے والا کوئی رسول۔

۲- دائمیت :- یعنی اسلامی دعوت کسی خاص وقت تک کے لیے محدود نہیں ہے کہ اس وقت کے بعد موقوف ہو جائے اور اس کے بعد نوع انسانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ اسلامی شریعت سے بے نیاز ہو کر خود اپنے طور پر زندگی کی تنظیم کرے۔

۳- جامعیت :- یعنی اسلامی شریعت کے وہ اصول و احکام جن سے اسلام کا قانونی نظام ترتیب پاتا ہے ان تمام حالات و واقعات کو محیط ہیں جو وجود میں آچکے ہوں یا آسکتے ہوں۔ اور اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ ہر زمان و مکان کے لیے قانون سازی کی ضرورت کو پورا کریں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں علماء شریعت نے جگہ جگہ مختلف مناسبتوں سے یہ بات دہرائی ہے کہ حال یا مستقبل میں پیش آنے والا کوئی معاملہ یا واقعہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ شریعت میں اس کا حکم نصوص سے یا قیاس و اجتہاد سے نہ ملتا ہو۔ اور وہ احکام کی پانچ قسموں یعنی ایجاب، استحسان، اباحت، کراہت اور تحریم میں سے کسی ایک کے اندر داخل نہ ہوتا ہو۔

نتیجہ :-

اگر اسلام کے مقصد اور اس کے خصائص کے بارے میں یہ سب صحیح ہے تو پھر ہمارے اس دعوے کو کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کہ اجتہاد شریعت اسلامی کی روح اور اسکی فقہ کے لیے سرچشمۂ حیات ہے۔ اس لیے کہ اسلامی شریعت کو "آخری" دائمی اور جامع مان کر یہ بات ناقابل تصور ہے کہ اس میں اجتہاد کا عمل ہر دم رواں نہ ہو۔

علامہ شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں رقم طراز ہیں:-

الحوادث والوقائع فی العبادات	عبادات و معاملات میں نت نئے
والتصرفات لا تقبل الحصر والعد	حوادث و واقعات کی کوئی حد بندی
ونعلم قطعاً انه لم یرد فی	ممکن نہیں۔ یعنی یہ ایک غیر متناہی سلسلہ ہے
کل حادثة نص ولا یتصور	اور یہ بات وثوق کے ساتھ معلوم

ذالك ايضاً والنصوص اذا كانت متناهية والوقائع غير متناهية وما لا يتناهى لا يضبطه ما يتناهى علم قطعاً ان الاجتهاد والقياس واجب الاعتبار حتى يكون بصدد كل حادثة اجتهاد.

ہو کر ہر پیش آئندہ صورت حال کے حکم میں نہ نص موجود ہے اور نہ ہو سکتی تھی۔ یعنی نصوص متناہی ہیں اور واقعات کا سلسلہ غیر متناہی۔ پس واجب ہے کہ شریعت میں اجتہاد اور قیاس کی بھی جگہ ہو جس سے ہر نئے پیدا مسئلے کا حل نکل سکے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اجتہاد کا ٹھہراؤ خصائص شریعت کے منافی ہے۔ اس ٹھہراؤ کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کی حرکت رک جائے اور مسلمانوں کو جن نت نئے مسائل و حوادث کا سامنا ہو ان کے بارے میں فقہ سے شرعی رہنمائی ملنا بند ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات شریعت کے ان اوصاف سے کوئی جوڑ نہیں کھاتی کہ وہ دائمی ہے اور تمام حالات میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اب آئیے شریعت میں اجتہاد کے عملی کردار پر نظر ڈالیں۔ (باقی آئندہ)

دربارِ عالمگیری

(از ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی کاکوروی لکھنؤ یونیورسٹی)

(۸)

یہی محمد جان جہاں فاروقی تھے جنھیں دربار عالمگیری میں آنے اور بادشاہ کی نگاہ کرم پڑنے کے ساتھ ان کے والد بزرگوار محمد انور فاروقی کا منصب عطا ہوا خدمات تفویض ہوئیں۔ جاگیر سے انھیں سرفراز فرمایا گیا اور معوضہ دیگر امور کا انھیں انچارج بنا دیا گیا۔ محرر پیشی یا میر منشی نے فرمان کے مسودہ کو مبیضہ بنا کے اور اسے ایک ترتیب اور تنسیق کے ساتھ لکھ کے پیش گاہ ہمایوں میں رکھا کہ دستخط شاہی سے مزین ہو جائے۔ بادشاہ کی جب نام پر نگاہ پڑی تو محمد جان میں سے ج کا نقطہ قلم تراش سے مٹا کے اس کی جگہ خ کا اوپر نقطہ لگا دیا تاکہ ان کی ہستی اور ان کا وجود دوسرے اسی نام کے ایک شخص کے ساتھ ملتبس اور مشکوک نہ ہو جائے اور انھیں فی الجملہ ایک وجہ امتیاز حاصل رہے۔

بخشی فرد امش برائے زینت دستخط خاص بہ نظر اشرف گذرانید۔ بادشاہ بدست مبارک خود از قلم تراش نقطۂ "جیم" از آں حک نمود و نقطۂ "خا" بنیاد فرمود کہ چوں در ملازمین ما امیرے بہ اسم "محمد جان جہاں خان" با جیم ست نام فرزند حاجی "محمد انور الدین خان بہادر" "خان جہاں خان" باخا ر باید بود۔[۱]

گویا الفاظ دیگر پہلی ہی باریابی میں "خان" کا خطاب انھیں دے دیا گیا۔ کہ پہاڑی علاقے

۱؎ تزک والا جاہی۔

کے افراد اسی دوران بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہوئے بادشاہ نے کسی امیر کی اہلیت کا جائزہ لے کر ان بدسگالوں کی تنبیہ اور تہدید کے لیے سربراہ مقرر کر کے روانہ کیا لیکن مقدرات کی دگرگونی کہ ان کے مقابلہ میں شاہی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور ان کے حملے میں ثبات اور استحکام مفقود ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ واقعہ نگار نے جو کلی اور جزئی معاملات کو گوش ہمایونی میں روزانہ پہونچاتا رہتا تھا اس نے اس صورت حال کی اطلاع دی وزیر مملکت جملۃ الملک اسد اللہ خاں تھے یہ واقعہ نگار کی اس رپورٹ کو لے کے دربار شاہی میں حاضر ہوئے تاکہ مزید کمک بھیجنے کا فرمان حاصل کرسکیں۔ اسد اللہ خاں وزیر پریشان خاطر اور پراگندہ دماغ سے ہو گئے تھے انھیں شاہی پروگرام اور وقتی شاغل شاہی کا مطلق خیال نہ رہا انھیں اس الجھن اور پریشانی میں یہ دھیان نہ رہا کہ عالمگیر اس وقت عبادت الٰہی میں لگے اور ریاضت میں پڑے ہوں گے سخت متفکر تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ادھر بادشاہ کی ایسی اہم مشغولیت ادھر اغماض اور فوری اقدام کی حاجت نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن مجبور ہو گئے کہ بلا اصالۃ حاضری کی جگہ کسی کا واسطہ اور توسط اختیار کریں اور نیابتاً اپنا ما فی الضمیر بادشاہ تک پہونچائیں۔ حالانکہ یہ بات ان کی آن اور شان کے خلاف ہی تھی لیکن چارو ناچار انھیں خان جہان خان کو پیغام رسانی کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہوئے۔ اس لیے کہ اس وقت "تسبیح خانہ" کی داروغگی حاصل ہونے کے بعد یہی شاہی خلوت خاص میں در آسکتے تھے۔

> ناچار از نواب سراج الدولہ بہادر کہ دراں اوقات فقط محمد خان جہان خطاب داروغگی "تسبیح خانہ" و چیکاری دیوان خانہ داشت و بمقام معینہ خویش نشستہ خواہش توسط عرض مدعا نمود[1]

محمد خان جہان گو کہ مرعوب خاطر تھے تاہم موقعہ کی اہمیت سمجھ کے بڑھے اور عرض مدعا گزشتہ یہ عصر و مغرب کا درمیانی وقت تھا۔ اور بادشاہ کا معمول تھا کہ اس وقت ذکر خدا اور رسول کے سوا کوئی اور بات زبان سے نہ نکالیں۔ محمد خان جہان کی عرضداشت سن کے ساکت و صامت رہے، ادھر یہ عرض مدعا کرتے رہے اور ادھر بادشاہ

---

[1] حوالہ سابق الذکر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم واللہ اکبر

کے ورد و ظیفہ میں لگے تھے۔ جواباً ان کے کان میں یہ آوازیں آئیں ان سے کچھ خفی اشارات کا انتزاع کر کے اور صاف جواب سے مایوسی حاصل کر کے الٹے قدموں واپس ہوئے اور وزیر سے کہا

رحمٰن خان و رحیم خان دو رسالہ دار خاص چوکی کا با رسالہ اکبری متعین حضور با عانت لشکر رواں گردید۔

وزیر اسد اللہ خان نے محمد خان جہاں کی یہ گفتگو سنتے ہی رحمٰن خان اور رحیم خان نامی دونوں رسالداروں کو طلب کیا اور شاہی محافظ دستہ یعنی رسالۂ اکبری کے ہمراہ معہ افواج ماتحت فوراً محاذ پر روانہ کر دیا۔

عالمگیر کا معمول تھا کہ عشا کی نماز کے بعد دربار منعقد کرتے اور نوبت بہ نوبت انواع و اقسام مشاغل ملکی پر متوجہ ہوتے۔ اسد اللہ خان کو اب موقعہ ہاتھ آیا کہ بجائے نیابتہً عرض کرنے کے اصالتہً یہی ماجرا گوش ہمایوں تک پہونچا دیں چنانچہ انھوں نے ان دونوں رسالداروں کی روانگی اور رسالہ اکبری کی قیادت کا حال بے کم و کاست عرض کیا۔ بادشاہ نے اظہار تعجب کر کے فرمایا

"رساندۂ حکم کیست و سند تحقیقش چیست"

وزیر نے تفصیل سے روداد بیان کی اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔ عالمگیر کی نگہ التفات محمد خان جہاں پر پڑی اور استصواب کیا۔ محمد خان جہاں نے کہا

"چوں قرأت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم واللہ اکبر بعالم سکوت تسبیح خانہ خلاف معمول برابر عرض حال لشکر سامعہ نوازی فرمود بقیاس آنکہ فعل بادشاہی خالی از کار نہ باشد و کلام خسروی ہیچ گاہ سامع را بہرۂ مقصود نمود۔ درک فدوی کہ مستعد کامیابی بود از الفاظ متبرکہ مصدر اقتباس اشارات نام رسالہ داران و رسالہ مشخص نمود۔"

بادشاہ کو خان جہاں خان کی یہ درایت رسائی طبع اور بیداد ذہنی سن کے غیر معمولی مسرت اور خوشی و شادمانی ہوئی اور نہایت عمدہ اور اچھے الفاظ میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکے اور زبان

لہ مصدر سابق

شاہی سے تحسین و آفرین کے وہ جملے نکلے جو شاید ہی پہلے نکلے ہوں اور از فراط خوشی میں مزید دو ہزاری منصب اور دو ہزار سوار سے نواز دیا۔ اور اس پر مستزاد "بہادر" کا خطاب بھی عطا کیا۔

"بادشاہ ازیں معنی بہ نہایت مسرور او را مشمول احراز تحسین و آفرین ساخت و بعطائے خطاب والا نام ارش و باز دیاد خطاب "بہادر" و منصب دو ہزار و دو ہزار سوارش نواخت چنانچہ مخاطب "محمد خان جہان انوار الدین خان بہادر گردید"۔

محمد خان جہان کی اس رسائی طبع نے ان کا برابر ساتھ دیا اور یوماً فیوماً بادشاہ کے دل اور دماغ میں ان کے تقرب اور خصوصیت کے مدارج بڑھتے ہی چلے گئے۔

"دروز بروز پایۂ در جاتش بتصاعد گرائید و در زمان شاہ عالم بہادر شاہ خلف اکبر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ انہ آرائش امورات عمدہ مقبول بارگاہ خلافت و مفتخر با فزایش منصب و خطاب "شہامت جنگ" گردید و در اوقات محمد شاہ بادشاہ بدرجۂ اعلائے امارت و از دیاد مناصب و سازداری خطاب "سراج الدولہ" بعہدۂ نیابت وزیر رسید" [۵]

محمد شاہی عہد آیا تو فرمان شاہی کے مطابق نواب آصف جاہ نظام الملک بہادر کے ہمراہی اور رفاقت میں دکن تشریف لے گئے وہاں بھی مہام امور کے ذمہ دار قرار دیئے گئے بادشاہ کی نظر استحسان نے انھیں صوبہ حیدر آباد کی نظامت بالکلیہ تفویض کردی اور اس کا فرمان یوں جاری کیا گیا۔

"امارت و ایالت مرتبت رفعت و ابہت منزلت، شیر بیشۂ روز جنگ منہدم ساز بنیان شقاوت آہنگ دریائے شجاعت و مردانگی گوہر معدن معدلت فرزانگی فدوی خاص باختصاص بے ریو و رنگ سراج الدولہ محمد خان جہان انوار الدین "خان بہادر شہامت جنگ" بعنایات بادشاہانہ و نوازشات خسروانہ معزز و مباہی بودہ بداند کہ دریں ایام میمنت آغاز مسرت فرجام عرضداشت آں فدوی خاص باختصاص متضمن تاخت دیدہ شد

---

[۵] مصدر سابق الذکر

بہادرانہ و کوشش مردانہ بر گروہ شقاوت پژوہ و تحصیل زر باد شاہی از خیرہ سران نشأ بیراہی از نظر استادگان پایۂ سریر خلافت بگذشت و باعث فراوان تحسین و موجب بیکران آفرین گشت"

(بیت) این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند
بر دست و بازوے تو ہزار آفریں کنند

دریں اوان سعادت توامان و زمان بہجت اقتران اندراہ خانہ زاد پروری و قدردی نوازی آں لائق العنایات والاحسان را بہ صوبہ داری فرخندہ بنیاد حیدر آباد سرفراز و سربلند فرمودیم۔

باید کہ شکر سپاسی این مواہب عظمیٰ بہ تقدیم رسانیدہ در تنسیق و تنظیم امور صوبہ مذکورہ سرگرم نوکری باد شاہی باشد و عنایات و نوازشات مابدولت و اقبال بر حال خود روز افزوں داند"

اس کے بعد محمد جان جہان کو صوبہ ارکاٹ کی نظامت بھی سپرد کی گئی چنانچہ معاصر زمانہ محمد اسمٰعیل خاں المجدی نے اپنی ایک منظوم تصنیف "انورنامہ" میں اس اعزاز کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

چون نواب ما انور الدین امیر
بحکم شہنشاہ روشن ضمیر
گرفتہ نظامت ز آصف نژاد
ہماں ملک کرناٹک زیر باد

ستتر سال کی عمر تھی کہ ۱۱۶۳ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔

ان کی اولاد ترتیب وار یہ پانچ اشخاص آتے ہیں۔

۱۔ نواب عبدالاسلام "افراسیاب خاں بہادر"۔
۲۔ نواب محمد محفوظ خاں "شہامت جنگ" بہادر۔
۳۔ نواب امیر الہند والاجاہ محمد علی خاں "دلاور جنگ" و ظفر جنگ بہادر۔
۴۔ نواب نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں "نصرت جنگ" بہادر

(باقی صفحہ (۳۲) پر ملاحظہ ہو)

پاکستانی خریداروں سے

۱۔ ستمبر ۶۵ء میں آپ حضرات کو "حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" روانہ کیا گیا تھا مگر جنگ چھڑ جانے کے باعث وہ عرصے کے بعد دفتر کو واپس آگیا۔ آپ سب کے لیے نمبر کی کاپیاں محفوظ ہیں۔ مگر یہ اس خیال سے نہیں بھیجی جا رہی ہیں کہ اس عرصے میں پتہ نہیں آپ میں سے کتنوں کا پتہ بدل گیا ہو۔ پتے میں کسی تبدیلی کی اطلاع کا انتظار ۳۱ مارچ تک کر کے یکم اپریل کو یہ کاپیاں روانہ کر دی جائیں گی۔ جو حضرات نمبر کے لیے رجسٹری فیس ۰۲/۴۳ پیسے لاہور کو بھیج کر اطلاع دیدیں گے اُن کی کاپی بلا انتظار روانہ کر دی جائے گی۔ ایک مقام کے خریدار اگر ایک ساتھ اپنی کاپیاں منگائیں تو ایک رجسٹری فیس ہی کافی ہے۔

۲۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ڈاک کب تک بند رہے گی۔ اس لیے نمبر کے بعد آپ کے حصے کا رسالہ نہیں چھپوایا جاتا تھا۔ اس لیے ان درمیانی پرچوں کی فرمائش صرف وہ حضرات کریں جو فائل رکھتے ہیں۔ باقی خریداروں کی مدت خریداری میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

۳۔ جن حضرات کو اس پرچے میں صفحۂ اوّل پر سُرخ نشان سے ختم مدت کی اطلاع دی جا رہی ہے وہ وی، پی کا انتظار نہ فرمائیں بلکہ فوراً زرِ سالانہ مع رجسٹری فیس برائے نمبر (مبلغ 7/50) لاہور کو بھیج کر ایک کارڈ کے ذریعے ہمیں اطلاع دے دیں۔

۴۔ لاہور کو چندہ وغیرہ بھیجتے وقت اور ہمیں اطلاع دیتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ انتہائی ضروری ہے۔ یہ نمبر آپ کے پتے کے ساتھ لکھا یا چھپا ہوتا ہے۔ (منیجر)

الفرقان کی ملکیت اور دیگر تفصیلات

فارم نمبر ۴

(دیکھئے رول نمبر ۸)

۱۔ مقام اشاعت۔ کچہری روڈ لکھنؤ ——— ۲۔ وقفہ اشاعت ——— ماہانہ

۳۔ پرنٹر کا نام
۴۔ پبلشر کا نام
۵۔ ایڈیٹر کا نام
۶۔ مالک کا نام

} محمد منظور نعمانی

شہریت — ہندوستانی ——— پتہ۔ کچہری روڈ لکھنؤ

میں (محمد منظور نعمانی) اعلان کرتا ہوں کہ مذکورۂ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل صحیح ہیں۔

دستخط محمد منظور نعمانی

۲۸ فروری ۱۹۶۶ء

کتب خانۂ الفرقان کی مختصر فہرست

یکم جنوری ۱۹۶۶ء مطابق رمضان ۱۳۸۵ھ

ہماری اپنی مطبوعات

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

اس میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے موثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے

قیمت .. .. .. -/۳۷

اسلام کیا ہے؟

تالیف مولانا نعمانی

دوسری دفعہ نظر ثانی اور مفید اضافہ و ترمیم کے بعد پہلا نیا ایڈیشن (انگریزی اور ہندی ایڈیشن بھی تیار ہو چکا ہے) اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے۔ اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور عمل ان شاء اللہ کافی ہے۔ زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شیریں اور پر تاثیر، کتابت و طباعت اعلیٰ اور معیاری ..... مجلد ۲/۵۰

ہندی ایڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد -/۳ ، انگریزی ایڈیشن -/۵

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

ہر تعلیمیافتہ مسلمان کو بہا اخلاص شدہ ہو کر نماز کے مقام اور اسکی روح و حقیقت سے واقف ہونے کیلئے اور اپنا نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے کلمۂ طیبہ کی حقیقت کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے

قیمت .... -/۱

معارف الحدیث یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ، مع ترجمہ و تشریح

جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری حالت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔

احادیث نبوی کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے یعنی اصلاح و ہدایت اور تزکیہ و تربیت، مؤلف نے پوری کوشش کی ہے کہ یہی غایت مقصود اس کتاب کی بھی رہے اور ارشادات نبوی کے جو اثرات صحابۂ کرام پر پڑتے تھے ان کا کوئی عکس اس کتاب کے ناظرین پر بھی پڑے۔ اس کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق سوالات کے علمی و تحقیقی جوابات عام فہم انداز میں۔ ابھی تک تین جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔

جلد اول ——— ایمان و آخرت کے بیان کی حدیثیں
قیمت مجلد -/۴ غیر مجلد -/۳

جلد دوم ——— تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں
قیمت مجلد -/۴ غیر مجلد ۳/۵۰

جلد سوم ——— طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں
قیمت مجلد -/۴ ، غیر مجلد -/۳

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

از مولانا نعمانی

قیمت .... -/۰

اسلام و کفر کے حدود اور قادیانیت

از مولانا نعمانی

قیمت .... -/۵۰

برکات رمضان

از مولانا محمد منظور نعمانی

اسلام کے اہم رکن صوم رمضان اور ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال۔ وظائف، تراویح، اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور انکی روحانی تاثیرات کا نہایت موثر شوق انگیز بیان اور حکیم امت شاہ ولی اللہ کے طرز پر اس سلسلہ کی احادیث کی ایسی تشریح جس سے عقل بھی متاثر ہو اور دماغ بھی مطمئن

قیمت ۔۔۔ ۷۵/-

انیس نسواں

از محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب

مسلمان خواتین خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے علاج اور انسداد کے لیے ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہے شروع میں مولانا النعمانی کی طرف سے پیش لفظ ہے۔

قیمت ۔۔۔۔ ۷۵/-

حضرت مولانا محمد الیاس رح اور انکی دینی دعوت

تالیف: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شروع میں علامہ سید سلیمان ندوی کا فاضلانہ مقدمہ قیمت مجلد ۔ ۲/-

غیر مجلد ۔ ۲/۵۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رح

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ۔ ۱/۵۰

امام ولی اللہ دہلوی رح ۔ از مولانا عبید اللہ سندھی رح قیمت ۱/-

دین و شریعت

از: مولانا محمد منظور نعمانی

یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہو جس میں توحید، آخرت اور رسالت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت جہاد، سیاست و حکومت، اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہو کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ارباب نظر نے اس کو اسلام پر ایک تشفی بخش اور جامع و مانع کتاب قرار دیا ہے۔ کتابت و طباعت معیاری ۔۔۔۔ قیمت مجلد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳/-

دین و شریعت کا انگریزی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے مجلد ۔ ۴/۵۰

آپ حج کیسے کریں؟

(مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی)

(مفید اضافات کے ساتھ جدید اڈیشن)

حج و زیارت کے موضوع پر اب تک اردو میں بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز اور منفرد ہو کہ حج کے احکام اور اس کا پورا طریقہ بھی یہ بہت آسان اور دلنشین طریقے پر بتاتی ہو اور ذوق و شوق اور عشق کا وہ جذبہ بھی پیدا کرتی ہو جو حج کی روح اور جان ہے۔ قیمت مجلد ۔ ۲/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

از مولانا محمد منظور نعمانی

قرآن پاک نے نوع انسانی کو جن چیزوں کی طرف خاص دعوت و پکار ہے یہ کتاب قرآن پاک کی اس دعوت و پکار کی ترجمان ہے۔ سو ۲ ابواب میں متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ مجلد ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴/-

مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح

حضرت مجدد الف ثانی رح کے بعد آپ کی مسند اصلاح و ہدایت کو آپکے خلیفہ اور صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رح نے سنبھالا اور آپکے کام کو تکمیل تک پہونچایا۔ آپ ہی کی تربیت نے اورنگ زیب عالمگیر رح کو تخت حکومت پر جاہلی سبیل اللہ اور ذاتی زندگی اور معاشرت میں فقیر بنایا آپ کے مکتوبات کا جو ذخیرہ فارسی میں تھا اس کو تلخیص کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ قیمت مجلد ۴/-

تذکرہ مجدد الف ثانی رح

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے اس عظیم تجدیدی کارنامہ کی تعیین و تفصیل جس کی وجہ سے امت نے آپ کو بجائے ایک صدی کے پورے ایک ہزارے کا مجدد مانا۔ اس کے علاوہ آپ کی سوانح حیات اور دین کی راہ میں قربانیاں اور اسلام میں مقام تجدید کی حقیقت۔

(یہ الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر کا کتابی اڈیشن ہے)

قیمت ۔۔۔۔ مجلد ۔۔۔۔ ۴/-

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا مکمل خلاصہ سمجھئے کم تعلیم یافتہ حضرات کے لیے حج کا بہترین معلم اور رہنما ہے بہترین آفسٹ کی بہترین طباعت، جدید اڈیشن ۔ قیمت ۶۰/-

شاہ اسمٰعیل شہید رح اور معاندین کے الزامات

مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے ان الزامات کا تحقیقی جواب۔

قیمت ۔۔۔۔ ۷۵/-

فیصلہ کن مناظرہ

[illegible] علماء دیوبند [illegible] خان صاحب بریلوی کے [illegible] الزامات کا تحقیقی جواب مولانا [illegible] کے قلم سے ۔۔۔۔ [illegible]

ہندوستان کا پہلا سفرنامہ حجاز ۔ از حاجی رفیع الدین صاحب مراد آبادی رح ۔ ترجمہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی ۔ [illegible]

دوسرے اداروں کی قابل مطالعہ کتابیں

قرآن پاک سے متعلق

قاموس القرآن
از مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ تمام الفاظ قرآنی کے معانی اور ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح اور اہم الفاظ پر مدلل و مفصل نوٹ۔ ۸۰۰ صفحات
قیمت مجلد -/۹

قصص القرآن
از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم ۔۔۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے جو عبرت آموز واقعات بیان ہوئے ہیں، علمی، تاریخی، اور جغرافیائی مباحث کے ساتھ ان کی پوری تحقیق، مکمل چار جلدوں میں۔
جلد اول -/۸ ، جلد دوم -/۴
جلد سوم ۵/۵۰ ، جلد چہارم -/۸
مجلد کے لیے فی جلد -/۱ کا اضافہ

قرآنی شخصیتیں
از مولانا عبدالماجد دریابادی
قرآن مجید میں جن شخصیتوں کے نام آئے ہیں ان کا مختصر تحقیقی تعارف
قیمت ۲/۲۵

حیوانات قرآنی
از مولانا دریابادی۔ قرآن پاک میں مذکورہ حیوانات کا تذکرہ اور ضروری معلومات۔ -/۲

جغرافیہ قرآنی
قرآن مجید میں مذکورہ مقامات و [illegible] جغرافیائی تحقیقات ۱/۲۵

فصص مسائل
[illegible] دریابادی قیمت -/۱

بشریت انبیاء
قرآن مجید سے بشریت انبیاءؑ کا قابل دید اثبات۔ از مولانا دریابادی۔ قیمت ۲/۲۵

فہم قرآن
از مولانا سعید احمد اکبرآبادی
مدلل طور سے بتایا گیا ہے کہ بغیر حدیث کے قرآن پاک کو نہیں سمجھا جا سکتا۔
قیمت ۲/۲۵

وحی الٰہی
از مولانا اکبرآبادی قیمت -/۲

قرآن اور تعمیر سیرت
از ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی، ایچ، ڈی۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات ضرور مطالعہ کریں۔
مجلد -/۶ غیر مجلد -/۵

قرآن اور تصوف
از ڈاکٹر ولی الدین قیمت -/۳

لغات القرآن
اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ و لغات کی مفصل تشریح۔ جلد اول -/۵ دوم -/۵
سوم ۵/۵۰ چہارم -/۵
مجلد کے لیے فی جلد ایک روپیہ اضافہ
الفوز الکبیر۔ اصول تفسیر پر شاہ ولی اللہؒ کے بے نظیر مقالہ کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۱

حدیث پاک سے متعلق

بخاری شریف کامل (اردو)
تین جلدوں میں۔ مجلد -/۲۵

زبدۃ البخاری
اسانید اور مکررات حذف کر کے بخاری شریف کی احادیث کا ترجمہ۔ -/۱۲

ترمذی شریف (اردو)
دو جلدوں میں۔ مجلد -/۱۶

مشکوٰۃ شریف (اردو)
دو جلدوں میں۔ مجلد -/۱۶

مختصر شعب الایمان
از امام بیہقی۔ ترجمہ اردو قیمت -/۱

جنت کی کنجی
مولانا احمد سعید دہلوی ۲/۲۵

دوزخ کا کھٹکا
مولانا احمد سعید صاحب ۲/۲۵

بستان المحدثین
کتب حدیث کا تعارف اور ائمہ حدیث کا تذکرہ۔ از شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔ قابل دید کتاب ہے۔ مجلد -/۵

شرح شمائل ترمذی
از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مدظلہ، علمی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ بڑی پرتاثیر کتاب ہے قیمت -/۶

ترجمان السنہ
از حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ اردو میں حدیث کی نہایت مستند [illegible]

شرح ہے۔ جلد اول -/۱۰
جلد دوم -/۹ جلد سوم ۸/۵۰
مجلد کے لیے فی جلد -/۲ کا اضافہ

الادب المفرد (ترجمہ اردو)
امام بخاریؒ کا مرتب کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کا قابل دید مجموعہ

کتاب الآثار (مترجم اردو)
قیمت .... -/۸

موضوعات کبیر
موضوع حدیثوں کے بیان میں ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ .... -/۳

فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ
حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا مختصر رسالہ تفصیلی شرح کے ساتھ
قیمت -/۱۵

لغات الحدیث (اردو)
مشہور خادم حدیث مولانا وحید الزماں خاں صاحبؒ کی مرتب کردہ لغات حدیث جو اپنے موضوع پر اساتذہ اور طلبہ کے لیے لاجواب ہے [illegible] ضخیم جلدوں میں۔
قیمت مکمل -/۴۲

تحفۂ شمائل نبوی
قیمت [illegible]

تاریخ و سیرت

رحمۃ للعالمین [کامل ۳ جلد]

از قاضی سلیمان منصور پوری رح
سیرت پر بے نظیر مقبول اور محبت آفریں کتاب ہے۔ تعارف سے بے نیاز ہو۔ قیمت کامل ۲۰/-

اسلام (آغاز و ارتقا)

(از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رح)
قیمت ۶/-

اصح السیر

مولانا عبدالرؤف دانا پوری مرحوم کی تالیف کردہ نہایت محققانہ اور مستند سیرت نبویؐ۔ قیمت ۱۰/-

خطبات مدارس

حیات نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر علامہ سید سلیمان ندوی رح کے خطبات جو مرحوم کے علم و تحقیق کا نچوڑ ہیں
قیمت ۳/-

رحمت عالم

از مولانا سید سلیمان ندوی رح
یہ کتاب خاص طور سے مدارس اور اسکولوں کے طلبہ کے لیے لکھی گئی تھی
قیمت - ۱/۷۵

سیرت محمدیہ

از سر سید احمد خان مرحوم
صوبہ یوپی کے ایک انگریز گورنر سر ولیم میور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب لائف آف محمد لکھی تھی جو زہر افشانیوں اور افترا پردازیوں سے لبریز تھی۔ سر سید مرحوم نے لندن میں بیٹھ کر اسکے جواب میں "سیرت محمدیہ" علمی تاریخی اور معرکۃ الآرا کتاب ہو قیمت مجلد ۱۲/-

سیرۃ الرسول

مصری فاضل ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کے قلم سے۔ ترجمہ مولانا محمد وارث کامل۔ قیمت - ۱۲/-

صدیق اکبر

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
مولانا شبلی مرحوم کے "الفاروق" کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبر کا جو خلا محسوس ہوتا تھا اسکو اس کتاب نے کافی حد تک پر کر دیا ہو۔ ندوۃ المصنفین کی شائع کردہ ہے۔ قیمت -/۸

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط

بڑی فاضلانہ قابل مطالعہ کتاب ہے ۳/۵۰
حضرت عمر کے سرکاری خطوط مجلد ۳/۵۰

تاریخ ملت

شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی
عہد رسالت سے سلاطین ہند تک گیارہ حصوں میں
قیمت مکمل سٹ غیر مجلد ۳۱/۵۰ مجلد ۴۰/-

ترجمہ تاریخ الخلفاء (سیوطی)

خلافت راشدہ سے مصر کے فاطمی خلفا تک کی تاریخ
قیمت - ۱۲/-

خلافت بنو امیہ

امام ابن الاثیر جزری کی تاریخ کامل سے اردو ترجمہ از سید ہاشم ندوی۔ خلافت بنو امیہ کے بارے میں سوچنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہو۔ دور بنی امیہ کا سارا سیاہ و سفید آپ کو اس میں ملے گا۔ حصہ اول سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۹۹ھ تک قیمت ۹/۷۵
حصہ دوم سنہ ۹۹ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک۔ قیمت ۱۰/۷۵

تاریخ فاطمین مصر

از ڈاکٹر زاہد علی (آکسفورڈ) مصنف نے یہ کتاب خود فاطمی مصنفین کی قلمی کتابوں سے اخذ کر کے لکھی ہو۔ حصہ اول ۸/۷۵، حصہ دوم - ۸/۷۵

تاریخ فیروز شاہی

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستانی بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی مکمل سوانح حیات اور اس کے پرشکوہ عہد حکومت (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) کا قابل اعتماد تذکرہ جو اسی دور کے ایک مصنف نے قلمبند کیا ہے
(اردو ترجمہ) قیمت ۸/۲۵

خلفائے راشدین اور اہلبیت کے باہمی تعلقات

از مولانا احتشام الحسن کاندھلوی
قیمت ۱/۷۵

دعوت اسلام

مصنفہ سر تھامس آرنلڈ
ترجمہ از مولوی عنایت اللہ دہلوی
پڑھنے کے قابل کتاب ہو۔ ۹/-

تاریخ فلاسفۃ الاسلام

تصنیف محمد لطفی جمعہ
ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی
کندی، فارابی، بو علی سینا، امام غزالی، ابن رشد، ابن خلدون جیسے فلاسفہ اسلام کے حالات اور ان کے خاص افکار و نظریات اور دنیا پر ان کے اثرات۔ قیمت ۸/۷۵

علمائے اسلام

از مولانا عبد السلام ندوی۔
کامل - ۱۲/-

ہزار سال پہلے

از مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح
چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سیاحوں نے جو کچھ اپنے سفرناموں اور تالیفات میں لکھا مولانا گیلانی مرحوم کے ذہن رسا نے ان سے اخذ کر کے یہ مرقع مرتب کیا تھا۔
قیمت ۴/۲۵

نظام الملک طوسی

قیمت - ۱۲/-

حیات انور

سوانح حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رح [illegible]

مغلیہ دورِ حکومت
چار حصوں میں
یعنی خافی خان نظام الملک کی
"منتخب اللباب" کا اردو ترجمہ
از محمود احمد فاروقی
حصہ اول۔ بابر سے جہانگیر تک ۵۰/۵
حصہ دوم۔ دور شاہجہانی ۵/۲۵
حصہ سوم۔ دور عالمگیری -/۱۱
حصہ چہارم۔ شاہ عالم سے محمد شاہ تک -/۱۵

اقبال نامہ جہانگیری
جہانگیر کے دورِ حکومت کی مکمل تصویر
تصنیف معتمد خان بخشی ترجمہ محمد زکریا
مائل۔ قیمت مجلد ۶/۰۵

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب
مصنفہ ڈاکٹر برنیر (فرانسیسی)
ترجمہ خلیفہ محمد حسین قیمت -/۱۲

مآثر عالمگیری
ترجمہ مولوی فدا علی طالب ۹/۷۵

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
از پروفیسر خلیق احمد نظامی
قیمت مجلد -/۹ غیر مجلد -/۸

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک
سید صباح الدین عبد الرحمٰن
رفیق دار المصنفین -/۶

بزم مملوکیہ
سید صباح الدین عبد الرحمٰن -/۱۵

ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر
از سید صباح الدین عبد الرحمٰن -/۴

گجرات کی تمدنی تاریخ
(مسلمانوں کے عہد میں)
مولانا ابو ظفر ندوی -/۶

مختصر تاریخ ہند
مولانا ابو ظفر ندوی قیمت۔

سفینۃ الاولیاء
از۔ دارا شکوہ۔ ترجمہ اردو ۶/۷۵

مقدمہ ابن خلدون
فلسفۂ تاریخ پر عدیم النظیر کتاب اردو
ترجمہ متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے
مزین، قیمت -/۱۵

تاریخ غرناطہ
لسان الدین محمد الخطیب الغرناطی کی
کتاب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ
کا سلیس اردو ترجمہ۔ از حکیم احمد اللہ
ندوی قیمت -/۱۱

خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر
اندلس میں اسلامی حکومت کی صبح
درخشاں خلافت بعد عرصہ کی ان تیرگی سے
طلوع ہوئی تو عبد الرحمٰن الناصر اس کا
صبح نصف النہار تھا۔ -/۱۵

سفر نامہ ابن بطوطہ مکمل
ترجمہ رئیس احمد جعفری قیمت -/۱۸

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی
(از مولانا گیلانی)
قیمت مجلد -/۱۲

سیرت ائمہ اربعہ
قیمت
سیرۃ النعمان
(از علامہ شبلی نعمانی)
قیمت مجلد -/۴ غیر مجلد -/۳

امام اعظم ابو حنیفہ
از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری
قیمت ۱/۰۵

آئینہ حقیقت نما
از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
انگریزوں نے سیاسی اغراض کے تحت
مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کی جو
داستانیں تاریخ کا جزو بنا دی تھیں
جنہوں نے ہندوؤں کو آج تک
مسلمانوں کا دشمن بنا رکھا ہے مولف
نے اس کتاب میں ان سب کا پردہ
چاک کیا ہے -/۱۲

تاریخ دعوت و عزیمت
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی
مشہور کتاب جو مجددین و مصلحین
امت کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔
جلد اول۔ پہلی صدی ہجری سے
ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں
صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن
تیمیہ اور ان کے تلامذہ کی خدمات
و حالات، جلد سوم حضرت
نظام الدین اولیاء و خواجہ محبوب الٰہی
رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات
اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی
تفصیل ہے، قیمت جلد اول زیر طبع
جلد دوم ۹/۵۰ جلد سوم -/۵

حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی
از پروفیسر خلیق نظامی مجلد -/۶

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنی
قیمت ۱/۵۰

تذکرۃ الرشید (کامل ۲ جلد) از
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی قیمت -/۸

سوانح قاسمی (کامل ۳ جلد)
از مولانا گیلانی قیمت -/۱۵

تذکرۂ شیخ الہند
از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری ۲/۵۰

حیات امام ابن القیم
بالکل نئی اور بلند پایہ کتاب قاہرہ
یونیورسٹی کے استاذ عبد العظیم
شرف الدین کے قلم سے، مترجمہ
سید رشید احمد ارشد۔ قیمت -/۱۲

سوانح حضرت رائے پوری
امام ارشاد و معرفت حضرت مولانا
شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ
کی سوانح حیات مولانا ابو الحسن علی
ندوی کے قلم سے قیمت مجلد -/۵

تذکرہ حضرت شاہ فضل رحمٰن
از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
قیمت ۲/۵۰

سیرت مولانا محمد علی مونگیری
مولانا مونگیری کی سیرت مولانا
سید ابو الحسن علی ندوی کی رہنمائی میں
مولانا سید محمد حسنی اڈیٹر تعمیر حیات
نے لکھی ہے۔ قیمت۔ مجلد -/۶

مسلمانوں کا عروج و زوال
از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
قیمت مجلد -/۸

پیغمبر عالم۔ مولانا عبد الصمد رحمانی ۲/۷۵
اسوۂ حسنہ۔ مولانا ظفیر الدین مفتاحی ۳/-
حیات الصحابہ۔ مولانا محمد یوسف (ترجمہ) حصہ اول تا ہفتم ۲۲/-
اشاعت اسلام۔ مولانا حبیب الرحمن دیوبندی ۶/-
سوانح ابوذر غفاری۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۲/-
الفاروق۔ علامہ شبلی نعمانی ۸/-
المامون۔ " " ۳/۷۵
الغزالی۔ " " ۵/۲۵
آثار امام شافعی۔ شیخ ابو زہرہ مصری ۱۲/-
العلم والعلماء۔ مترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی ۵/۵۰
آپ بیتی۔ ظفر حسن ایبک ۵/-
انفاس قدسیہ۔ مفتی عزیز الرحمن بجنوری ۳/-
المدنی۔ مولانا راحت گل ۲/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ۸/۵۰
تاریخ اسلام پر ایک نظر۔ مولوی عبد الرحمن خاں۔ ۶/۵۰
انقلاب روس۔ م۔م۔ جوہر ۴/-
بزم تیموریہ۔ صباح الدین عبد الرحمن ۸/-
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء مفتی انتظام الدین شہابی ۱/۲۵
اسلام کی بہادر بیٹیاں مسعودہ بیگم صاحبہ ۱/۵۰
تجلیات عثمانی۔ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی ۱۰/۵۰
تزک تیموری۔ سید ابوالہاشم ندوی ۴/-
تذکرہ علمائے ہند۔ از مولانا رحمن علی صاحب۔ ترجمہ محمد ایوب قادری ۱۸/-
تذکرۂ امام غزالی۔ مولوی ملیح الحق ۳/-

تذکرۂ شیخ مدنی۔ مولانا رشید احمد عثمانی ۳/-
تواریخ حبیب اللہ۔ مفتی عنایت احمد ۲/-
حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی سید علی احمد عباسی
حالات مشائخ کاندھلہ مولانا احتشام الحسن ۲/۵۰
حیات امداد۔ پروفیسر انوار الحسن ۴/-
حیات وحید الزماں۔ مولانا عبد الحلیم چشتی ۴/-
حضرت مجدد الف ثانی۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔ ۰/۷۵
سیرت فریدیہ۔ سر سید احمد خاں ۳/-
شاہ محمد غوث گوالیاری۔ پروفیسر محمد مسعود احمد ۶/۵۰
شہید کربلا [illegible]۔ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی ۱/-
صحابہ کی انقلابی جماعت۔ مولانا عبد الصمد رحمانی ۲/۲۵
فاطمہ [illegible]۔ " " ۲/۲۵
علماء حق اور ان کی داستانیں مفتی انتظام اللہ شہابی ۱/۲۵
غدر کے چند علماء " " ۱/۵۰
غلامان اسلام۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ۸/-
مخدوم جہانیاں جہاں گشت محمد ایوب قادری ۴/-
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام صباح الدین عبد الرحمن ۸/-
ہماری بادشاہی۔ مولانا عبد السلام ندوی ۳/-
[illegible] (ترجمہ یونس احمر) ۱۲/-
عسکری دنیا۔ ([illegible]) ترجمہ۔ ۱۴/-

علمائے ہند کا شاندار ماضی
مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند کی شہرۂ آفاق کتاب کا آخری ایڈیشن قیمت ۵۰/-

علمائے صادقپور
از مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ
قیمت ۲/۰

اسلامی حکومت کے نقش و نگار
مولانا ظفیر الدین مفتاحی
قیمت ۱/۷۵

تذکرۂ شاہ ولی اللہ
حضرت شاہ صاحب کا سیاسی ماحول اور ان کی علمی و تجدیدی خدمات مولانا سید مناظر احسن کے قلم سے
قیمت ۔ ۴/۲۵

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
مصنفہ سید خورشید مصطفیٰ بی اے، ایس سی۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اہل وطن کا جذبۂ ایثار و قربانی اور اس کی واقعاتی تصویر پیش کرنے میں یہ کتاب بے نظیر ہے۔ قیمت ۶/-

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ
قیمت مجلد ۵/۵۰ غیر مجلد ۴/۵۰

نقش حیات
حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی خود نوشت سوانح عمری جو حضرت شیخ الہند کی مجاہدانہ سرگزشت کا بھی آئینہ ہے۔
جلد اول ۵/- جلد دوم ۲/۵۰

مختلف موضوعات پر قابل مطالعہ کتابیں

اسلام اور مغربیت کی کشمکش
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
قیمت ۵/-

اسلام اور عربی تمدن
شاہ معین الدین احمد ندوی
قیمت

جمع و تدوین قرآن
سید صدیق حسن آئی سی ایس مرحوم
قیمت

بدعت کیا ہے
رد بدعت میں کئی عمدہ مقالوں کا مجموعہ۔ قیمت ۳/-

اسلام کا نظام حکومت
قیمت غیر مجلد ۶/-، مجلد ۷/-

مسلمانوں کا نظم مملکت
قیمت غیر مجلد ۵/۵۰ مجلد ۶/۵۰

اسلام کا اقتصادی نظام
از مولانا حفظ الرحمن مرحوم مجلد ۶/-

اسلام کا زرعی نظام
قیمت غیر مجلد [illegible] مجلد [illegible]

اسلام کا نظام [illegible]

کتاب حدیث۔ مولانا منت اللہ رحمانی۔ ۱/۵۰
فلسفہ کیا ہے۔ میر ولی الدین۔ ۱/-
کروسیڈ اور جہاد۔ میجر جنرل محمد اکبر خان۔ ۶/۵۰
مسلمانوں کی فرقہ بندی کا افسانہ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ۱/۵۰
مسلم تہذیب۔ ڈاکٹر امیر حسن
اسلام میں عورت کا مقام۔ مولانا عبدالصمد رحمانی ۱/۵۰
مقالات سرسید۔ علمی اور تحقیقی مضامین [illegible]
" " مذہبی اور اسلامی مضامین ۴/۵۰
" " فلسفیانہ مضامین ۲/-
مقالات شبلی۔ ۸ جلدوں میں ۲۱/۵۰
مکتوبات سلیمانی۔ مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ ۵/-
مواعظ حسنہ۔ ڈپٹی نذیر احمد قیمت۔ ۲/۲۵
وفات النبیؐ۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ۱/۳۷
ختم نبوتؐ۔ مولانا محمد اسحق سندیلوی۔ ۲/۲۵
نصرۃ الحدیث۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی۔ ۱/۵۰
علم الحدیث۔ مولانا عبداللہ العمادی قیمت
وحدۃ الوجود والشہود
وجد و سماع۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ۱/۳۷

بچوں کیلئے سیرت و تاریخ کی درسی کتابیں

از مولانا فرید الوحیدی
رسول عربی ... قیمت ... ۱/۱۲
خلافت راشدہ اول ... ۱/-
خلافت راشدہ دوم ... ۱/-

متفرقات

مشارق الانوار (مع ترجمہ) ۱۲/-
الجمال والکمال (تفسیر سورۂ یوسف) قاضی سلیمان منصورپوری۔ ۲/-
سبل السلام فی شرح بلوغ المرام (ترجمہ) محمد سلیمان کیلانی ۱۲/-
الحزب الاعظم مترجم ۲/-
مناجات مقبول۔ مع شرح و ترجمہ مولانا دریابادی ۲/۲۵
زاد سفر۔ ترجمہ ریاض الصالحین امۃ اللہ تسنیم ۶/۵۰
ارکان اسلام۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ۱/۵۰
آئینہ نماز۔ مفتی سعید احمد -/۵۰
اصلاح العوام۔ مولانا اشرف علی تھانوی -/۴۰
ارشاد السالکین۔ مولانا عبدالباری جونپوری ۱/۵۰
کلمات اکابر۔ مولانا محمد اسحق بنارسی
پیغام نشاط۔ غازی الدین احمد قیمت ۵/-
تجہیز و تکفین کے احکام مولانا سعید احمد دہلوی -/۵۰
جنت کی ضمانت " " ۱/-
چار بنیادی باتیں مع چہل حدیث محمد زبیر قاسمی -/۶۵
چند باتیں۔ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری -/۴۰
چالیس سبق (تبلیغی) مولانا سعید الدین دہلوی مرحوم -/۲۵
چالیس حدیثیں۔ مولانا مطیع الحق (دیوبندی) -/۶۲
[illegible] (مع تسہیل البیان) مولانا تھانویؒ -/۲۵

حج کا مسنون طریقہ۔ مفتی سعید احمد صاحب ۱/۲۵
حجۃ الوداع۔ مولانا احتشام الحسن صاحب [illegible]
رفیق حج۔ " " ۱/۵۰
حسن معاشرت۔ والدہ مولانا ابوالحسن علی ندوی -/۷۵
نشریات ماجدی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی ۲/۵۰
خدائی وعدے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۲/۵۰
نماز کی باتیں۔ مولانا عبدالصمد رحمانی ۱/۳۷
خدا کی باتیں۔ مولانا احمد سعید دہلوی ۲/۷۵
رسول کی باتیں۔ " " ۲/-
خدا کا آخری پیغام۔ سید سلیمان ندوی -/۳۷
ردبدعات۔ شیخ عبدالحق دہلوی قیمت ۲/۵۰
رسالہ تہلیلیہ (مترجم) مجدد الف ثانیؒ -/۷۵
رد بدعت۔ " ۱/۲۵
علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں قیمت ۱/۵۰
فسانۂ مبتلا۔ ڈپٹی نذیر احمد قیمت ۴/۵۰
لغۃ الحدیث۔ مولانا سید اصغر حسین صاحب ۱/-
قصص الانبیاء (بچوں کے لیے) امۃ اللہ تسنیم ۲/۲۰
کیا ہم مسلمان ہیں۔ شمس نوید ۲/۲۵
کتاب زندگی۔ ترجمہ عبدالقدوس ہاشمی ۶/-
کرامات صحابہ۔ مولانا تھانوی قیمت [illegible]

وصایا۔ مفتی عزیز الرحمن قیمت ۲/۲۵
گلشن بیخار۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ۱/-
مشکل کشا۔ مولانا احمد سعید دہلوی۔ ۲/۲۵
معجز نما دہ سورہ۔ ۳/-

انگریزی زبان میں علمی و دینی کتابیں

دی روڈ ٹو مکہ۔ از محمد اسد صاحب ۲۱/-
دی ورچوز آف صلوٰۃ (فضائل نماز) از مولانا محمد زکریا صاحب ۳/-
دی اسٹوریز آف صحابہ (حکایات صحابہ) از مولانا محمد زکریا صاحب ۵/-
کامریڈ (انتخابات کامریڈ محمد علی جوہر کا انتخاب) ۳۰/-
اسلام ایٹ دی کراس روڈ از محمد اسد صاحب ۴/۵۰
اسلامک فیتھ اینڈ پریکٹس (دین و شریعت) از مولانا محمد منظور نعمانی ۴/۵۰
واٹ اسلام از (اسلام کیا ہے؟) از مولانا محمد منظور نعمانی ۵/-

اردو دنیا کا کامیاب نصاب

اچھا قاعدہ ...... -/۱۹
اچھی باتیں کانی (دو حصے) [illegible]
اللہ کے رسول ...... -/۴۴
حضرت ابوبکر ...... -/۴۴
حضرت عمر ...... -/۴۴
حضرت عثمان ...... -/۴۴
حضرت علی ...... -/۴۴
اچھے بچے ...... [illegible]
حضرت [illegible] ...... -/۵۰
حضرت [illegible] ...... -/۲۵
حضرت [illegible] ...... -/۶۲
[illegible] ...... -/۴۴

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

ALFURQAN (Regd N. L. 353) LUCKNOW.

Cover Printed at A.O. Press Aminabad Park, Lucknow.

حُسنِ ترتیب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک سے
۱½ پونڈ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی کاپی ...... ۶۰ پیسے

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۶/-
پاکستان سے ۸/-
ششماہی
ہندوستان سے ۳/۵۰
پاکستان سے ۴/-

جلد ۳۳ | بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ مطابق اپریل ۱۹۶۶ء | شمارہ ۱۲

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ اپریل تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک یادداشت کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دیدیں، ڈاکخانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ ان کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آ جانی چاہیے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

[illegible] پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء (استاذ دمشق یونیورسٹی) ہمارے اس دور میں عالم اسلام کے ممتاز اور نامور عالم دین ہیں، فقہ اور قانونِ اسلامی ان کا خاص موضوع ہے۔ گزشتہ سال رابطۂ عالم اسلامی کی دعوت پر جو مؤتمر مکۂ معظمہ میں حج کے موقعہ پر ہوئی تھی اس میں موصوف نے بھی ایک اہم مقالہ "دورِ حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت" پر پیش کیا تھا۔۔ اس مقالہ کے ترجمہ کی پہلی قسط پچھلے مہینے کے الفرقان میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں، اور دوسری قسط جس پر مقالہ ختم ہو گیا ہے اس شمارہ میں شائع کی جا رہی ہے۔ اس مقالہ کا جو اصل مقصد اور مدعیٰ ہے ہمارے خیال میں کسی صاحبِ علم و نظر کے لیے اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں ہو۔ لیکن شیخ موصوف نے اپنے اس مقالہ میں جہاں چند ایسے مسائل کا مثال کے طور پر ذکر کیا ہے جن میں ان کے نزدیک بحالاتِ موجودہ اجتہاد کی خاص ضرورت ہے وہاں انھوں نے حج کی قربانی کو بھی انھی مسائل میں شامل کیا ہو۔ انھوں نے لکھا ہے کہ :-

> "حج کے سلسلے میں ایک حل طلب مسئلہ یہ ہو کہ حجاج کی روز افزوں کثرت کی بنا پر جتنے بڑے پیمانے پر قربانیاں ہوتی ہیں ان کو فقراء و مساکین کے استفادہ کے لیے محفوظ کیے جانے کا کوئی انتظام فی الحال نہیں ہے جو کہ ان کا مصرف مقصود ہے، چنانچہ یہ ضائع بھی جاتی ہیں اور حجاج کے خیموں کے درمیان نیز عام راستوں پر اس سے مضرِ صحت گندگی بھی پھیلتی ہے۔ بس کیا اس وقت تک جب تک کہ ایک سائنٹفک مذبح کے لوازم، ذبیحہ کی نقل و حمل کے کافی وسائل، کولڈ اسٹوریج اور گوشت کو خشک کرنے کے کارخانوں کا انتظام نہ ہو جائے عارضی طور پر یہ جائز ہوگا کہ حجاج بجائے قربانی کرنے کے حرم ہی کے اندر قربانی کی قیمت نکال کر فقراء کو تقسیم کر دیں، اس لیے کہ شریعت اضاعت اور گندگی کو پسند نہیں کرتی اور اس میں عارضی طور کے استثنائی حالات کے لیے استثنائی احکام کا قاعدہ موجود ہے۔"

اگرچہ شیخ زرقاء نے یہ مسئلہ سوال ہی کے طور پر اور ایک عارضی ضرورت سے مشروط کر کے پیش کیا ہے لیکن اس سے اتنا ضرور مفہوم ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔

حیرت ہو کہ ان جیسے وسیع العلم اور بالغ النظر عالم دین نے اس کی گنجائش کیسے سمجھی۔ قربانی تو اسی طرح حج کے خاص اعمال اور مناسک و شعائر میں سے ہے جس طرح طوافِ بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروہ اور رمی جمار وغیرہ۔ اور اس میں غالباً کسی صاحبِ علم کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے مناسک و شعائر اپنی خاص شکل اور

قالب کے ساتھ مطلوب اور مامور بہ ہوتے ہیں۔ اس لیے قربانی کے حکم کی تعمیل کسی حالت میں بھی فقراء و مساکین
پر صدقہ کرنے سے نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں حجاج کی کثرت اور ان کی غالب اکثریت کی بے شعوری اور دینی و اخلاقی ناتربیتی کی وجہ سے
صرف قربانی ہی میں بگاڑ نہیں آیا ہے بلکہ طواف اور سعی اور رمی جمرات میں بھی اسی طرح کے مکاروہ اور منکرات
سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن اپنے پیدا کیے ہوئے ان مفاسد اور شنائع کی وجہ سے یہ تو نہیں سوچا جا سکتا ہے کہ
جب تک ان خرابیوں کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک طواف کے بجائے بس نماز پڑھ لی جائے اور دعا کر لی
جائے۔ اور سعی اور رمی جمار کے بجائے بس اللہ کا ذکر کر لیا جائے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے —— انما جعل
رمی الجمار والسعی بین الصفا والمروۃ لاقامۃ ذکر اللہ۔ (ترمذی و دارمی)

اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ شریعت اسلامی میں قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کی اجازت بلکہ
ترغیب دی گئی ہے (فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ —— سورۂ حج) لیکن یہ اس کی حقیقت بلکہ اس کی
اصل غرض و غایت بھی نہیں ہے۔ اگر اصل غرض و غایت فقراء و مساکین کی اعانت و امداد ہی ہوتی تو
بجائے قربانی کے نقد یا ایسی جنس دینے کا حکم دیا جاتا جس سے وہ بیچارے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر سکتے۔
جیسا کہ عید الفطر میں صدقہ فطر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قربانی دراصل نماز روزہ کی طرح ایک مستقل عبادت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو جانور ہمارے
لیے پیدا کیے ہیں جن سے ہم طرح طرح کے کام لیتے اور منافع حاصل کرتے ہیں اور اسی لئے وہ ہمیں عزیز ہیں ہم ان کی
جان اللہ کے نام پر قربان کریں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی نذر پیش کریں۔

قربانی کا صدقہ و خیرات سے الگ ایک مستقل عبادت ہونا سورۂ بقرہ کی اس آیت سے بالکل ظاہر ہے جس میں
یہ حکم بیان ہوا ہے کہ جب حاجی بیماری وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے وقت سے پہلے سر منڈا لے تو اس کو فدیہ دینا پڑے گا
یہ فدیہ یا روزے ہوں گے، یا صدقہ، یا قربانی (فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) اس جگہ
نُسُك (قربانی) کو صدقہ سے الگ جس طرح بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ قربانی صدقہ سے الگ
عبادت کی ایک مستقل قسم ہے۔

عبادت کی یہ خاص شکل (قربانی) اگلی شریعتوں میں بھی تھی اور قرآن مجید سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ
بعض انبیاء علیہم السلام نے اپنی قربانی اس طرح بھی پیش کی کہ قربانی کا جانور اللہ کے نام پر ذبح کر کے
قربانگاہ پر رکھ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی آگ نازل ہوئی اور اس نے اس کو سوخت کر دیا اور
اس طرح اس قربانی کی مقبولیت ظاہر ہو گئی۔ (آل عمران آیت ۱۸۳)[1] —— اگر قربانی کا اصل مقصد فقراء و
مساکین کی اعانت مانا جائے تو پھر ان انبیاء علیہم السلام کی قربانی بے معنی ہو جاتی ہے۔
شریعت محمدیہ میں حج کی قربانی اور اسی طرح عید الاضحیٰ کی قربانی دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہیں اور اس کا مقصد حضرت خلیل کے اس کردار کی کسی درجہ میں نقل کر کے

(۱) انبیاء علیہم السلام کی سوختنی قربانی کے متعدد واقعات بائبل قدیم میں بھی موجود ہیں۔ ۱۲

اُن کے ساتھ تشبہ اور اپنے کو اُن کے زمرہ میں ظاہر کرنا اور "اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ" والے اُن کے حقیقی مسلک سے اپنی وابستگی ظاہر کرنا ہے"[1] ــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ انعام فرمایا تھا کہ اُن کے لخت جگر اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی۔ (وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ) اب قیامت تک ہر ابراہیمی اور ہر محمدی کی قربانی خاص کر منیٰ میں ہر حاجی کی قربانی اُسی "ذبح عظیم" کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ صدقہ سے یہ مقاصد کہاں پورے ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں حج کے سلسلہ میں قربانی کا بیان زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سورۃ حج میں کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو حج کے لیے بلاوا دو اور پکارو۔ وہ پیدل اور سواریوں پر حج کو آئیں گے تاکہ یہاں کے منافع اور برکات حاصل کریں اور قربانی کے معلوم دنوں میں اللہ کے نام پر اُن جانوروں کی قربانی کریں جو ہم نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔ (لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ (الآیۃ)

پھر اسی سلسلۂ بیان میں چند آیتوں کے بعد فرمایا گیا ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ۔	اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کریں اُن جانوروں کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔

پھر ایک ہی آیت کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ج	اور قربانی والے اونٹوں کو ہم نے قرار دیا ہے تمھارے لیے شعائر اللہ یعنی عبادتِ الٰہی کی نشانی اور یادگار، تمھارے لیے ان جانوروں میں بڑی بھلائی ہے پس تم ان کو ذبح کرتے وقت قطار میں کھڑا کرکے اللہ کا نام لیا کرو (اور اس کے نام پر ان کا خون بہایا کرو)
(سورۃ الحج۔ ع ۴ و ۵)	

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مطلوب اور مامور بہ اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور اراقۃ دم ہے، فقراء و مساکین کو قربانی کے جانور کی قیمت دے دینے سے اس حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں "والسر فی الھدی التشبہ بفعل سیدنا ابراھیم علیہ السلام فیما قصہ من ذبح ولدہ وفداء اللہ تعالیٰ ذلک الولد طاعۃ لربہ وتوجھا الیہ والتذکر لنعمۃ اللہ بہ وبابیہم اسماعیل علیہ السلام" ــ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم

اس لیے عارضی طور پر بھی اس تجویز کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں منیٰ میں قربانیاں جس طرح ضائع کی جاتی ہیں اور حاجیوں کی غلط کاری کے نتیجہ میں جس طرح وہاں گندگی پھیلتی ہے وہ بجائے خود بڑا قابلِ فکر مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایک کام تو کرنے کا یہ ہے کہ موسمِ حج میں بہت پہلے سے اس بارہ میں حاجیوں کو ہدایات دینے کا خاص اہتمام کیا جائے اور یہ ذمہ داری ہر ملک سے آنے والے صاحبِ علم اور صاحبِ شعور حجاج خود لیں اور رضاکارانہ طور پر لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دیں۔ اور سعودی حکومت معلمین پر اس بارہ میں خاص ذمہ داری ڈالے۔

دوسرا کام حکومت ہی کے کرنے کا یہ ہے کہ قربانی کے گوشت و پوست کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے جن انتظامات اور جس طرح کے کارخانوں کی ضرورت ہے وہ ان کا بندوبست کرے! اللہ تعالیٰ نے سعودی حکومت کو اتنے وسائل دیئے ہیں کہ ان انتظامات کا کرنا اس کے لیے دشوار نہیں ہے۔

خریداران پاکستان کی خدمت میں

رجب [illegible] کا الفرقان دفتر میں بالکل نہیں تھا اس لیے کسی صاحب کو نہیں بھیجا جا سکا۔ اور اب خاص نمبر کے علاوہ دیگر مہینوں کے پرچے ختم ہو چکے، لہذا صرف نمبر ہی بھیجا جا رہا ہے۔

(منیجر)

مَعَارِفُ الْحَدِيث

(مُسَلسَل)

ماہر قرآن کا مقام:-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ اَجْرَانِ

رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں مہارت حاصل کرلی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو ـــ حفظ یا ناظرہ ـــ بہتر طریقہ پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو) وہ معزز اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت اور مشقت کا۔)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں سَفَرَہ کا جو لفظ ہے اُس سے اکثر شارحین نے حامل وحی فرشتے مراد لیے ہیں اور بعض حضرات نے اس سے انبیاء و رُسل علیہم السلام مراد لیے ہیں۔ اور لفظی معنیٰ میں ان دونوں ہی کی گنجائش ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے قرآن کو کلام اللہ

یقین کرتے ہوئے اس سے شغف رکھیں اور کثرت تلاوت اور اہتمام کی وجہ سے قرآن پاک سے ان کو خاص مناسبت اور مہارت حاصل ہو جائے ان کو انبیاء و رسل کی یا حاملِ وحی فرشتوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی ــــ اور جن ایمان والے بندوں کا حال یہ ہو کہ صلاحیت اور مناسبت کی کمی کی وجہ سے وہ قرآن کو رواں نہ پڑھ سکتے ہوں بلکہ تکلف کے ساتھ اور اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں اور اس کے باوجود اجر و ثواب کی امید پر تلاوت کرتے ہوں ان کو تلاوت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس زحمت و مشقت کا بھی ثواب ملے گا۔ اس لیے ان کو اپنی اس حالت کی وجہ سے شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے۔

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا انعام :-

عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا ــــــــــ رواہ احمد و ابو داؤد

حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی اس روشنی سے بھی زیادہ حسین ہوگی جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے ــــ (اس کے بعد حضور نے فرمایا) پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اس آدمی کے بارہ میں جس نے خود یہ عمل کیا ہو۔ (مسند احمد سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے والدین کو جب ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی حسین تر ہوگی تو سمجھ لو کہ خود اس قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا عطا فرمایا جائے گا۔

قیامت میں قرآن پاک کی شفاعت و وکالت:-

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِہٖ اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَیْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَایَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا، اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَکَةٌ وَتَرْکَهَا حَسْرَةٌ وَلَا یَسْتَطِیْعُهَا الْبَطَلَةُ ——— رواہ مسلم

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا ___ (خاص کر) "زہراوین" یعنی اس کی دو اہم نورانی سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لیے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ ابر کے ٹکڑے ہیں یا سائبان ہیں یا صف باندھے پرندوں کے پرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی ___ (آپ نے فرمایا) پڑھا کرو سورۂ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن اپنے "اصحاب" کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ "اصحاب قرآن" وہ سب لوگ ہیں جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور لگاؤ رکھیں، جس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں، مثلاً کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر و تفکر

اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں یا اس کی تعلیم و ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جد و جہد کریں ان سب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہوگا۔ ہاں اخلاص یعنی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآن پاک کی قرأت و تلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت و قرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہوگا، یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کیے رہیں گی اور ان کی طرف سے وکالت اور جوابدہی کریں گی۔ اور آخر میں سورۂ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے۔ اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس آخری جملہ میں "بطلۃ" کا جو لفظ ہے جس کا ترجمہ "اہل بطالت" سے کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد "ساحرین" ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا۔ سورۂ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان اس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے[1]۔ بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہل بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۂ بقرہ کی برکات حاصل نہ کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ

(۱) ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرء فیہ سورۃ البقرۃ ——— رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ

صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا ———— رواہ مسلم

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن قرآن کو اور ان قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عامل تھے سورۂ بقرہ اور آل عمران (جو قرآن کی سب سے پہلی سورتیں ہیں) وہ پیش پیش ہوں گی (محسوس ہوگا) گویا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے۔ یا صف باندھے پرندوں کے دو پرے ہیں اور وہ مدافعت اور وکالت کریں گی اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی۔ (صحیح مسلم)

تشریح) اس حدیث کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو حضرت ابوامامہ کی مندرجۂ بالا حدیث کا ہے۔ ذرا تصور کیا جائے قیامت اور میدان حشر کی ہولناکیوں کا۔ کیسے خوش نصیب ہوں گے اللہ کے وہ بندے جو قرآن پاک سے خاص تعلق اور شغف اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کی برکت سے حشر کے اس پرہول میدان میں اس شان سے آئیں گے کہ اللہ کا کلام پاک ان کا شفیع و وکیل بن کر ان کے ساتھ ہوگا اور اس کی سب سے پہلی اور اہم نورانی سورتیں بقرہ اور آل عمران اپنے انوار کے ساتھ ان کے سروں پر سایہ فگن ہوں گی ——— ان احادیث پر مطلع ہوجانے کے بعد بھی جو بندے اس سعادت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کریں بلاشبہ وہ بڑے محروم ہیں وماظلمهم الله ولٰكن كانوا انفسهم يظلمون۔

خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات:-

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلی اور حضرت نواس بن سمعان کی مندرجۂ بالا حدیثوں میں پورے قرآن کی فضیلت کے ساتھ خاص طور سے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ [illegible]

اس سلسلہ کی بھی چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ :-

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ يُنْزَلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ

رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب سے فرمایا کہ کیا تمھاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھا دوں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توراۃ میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں، اور نہ قرآن ہی میں — اُبی نے عرض کیا کہ ہاں حضور مجھے وہ سورت بتا دیں! آپ نے فرمایا تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو! اُبیؓ نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں اور اس طرح پڑھتا ہوں) آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے توراۃ، انجیل، زبور میں سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی۔ یہی وہ "سبع من المثانی والقرآن العظیم" ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) قرآن مجید سورۂ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے انعام و احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

والقرآن العظیم" (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآن عظیم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ "سبعٌ من المثانی والقرآن العظیم" سورۂ فاتحہ ہی ہے اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں بھی نازل نہیں کی گئی اور قرآن میں بھی اس کے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے۔ اسی لیے اس کو "ام القرآن" بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لیے اس کو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جس بندہ کو سورۂ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اسکو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے۔ چاہیے کہ وہ اس کی قدر و عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

سورۂ یٰسٓ :-

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰسٓ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لیے سورۂ یٰسٓ پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ لہٰذا یہ مبارک سورۃ مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یٰسٓ شریف پڑھنے کے لیے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورۃ پڑھی جائے، اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اسی لیے یہی معمول ہے،

لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرجانے والے کی قبر پر یہ سورت پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ۔

رواہ الدارمی مرسلاً

عطا ابن ابی رباح تابعی سے روایت ہے اُنھوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی علی الصباح سورہ یٰسٓ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا

(سنن دارمی)

سورہ واقعہ:-

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَاْمُرُ بَنَاتَهٗ يَقْرَأْنَ بِهَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے اُسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی ۔ (نیچے کے راوی بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعود کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھتی تھیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

سورۃ الملک:-

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِنَّ سُورَةً فِي الْقُرْآنِ ثَلٰثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ـــــ رواہ احمد والترمذی

ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی ایک سورت نے جو صرف تیس آیتوں کی ہے اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں سفارش کی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورہ ہے تبارک الذی بیدہ الملک۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

الٓمٓ تنزیل:۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمٓ تَنْزِيلُ وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

ـــــ رواہ احمد والترمذی والدارمی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ "الٓمٓ تَنْزِيلُ" اور "تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ" نہ پڑھ لیتے۔ (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور کا معمول تھا)۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

حضرت شاہ عبد الرحیم فاروقی دہلویؒ

از ـــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

راہ سلوک پر گامزنی خود بیان فرمایا کرتے تھے اور ارشاد رحیمیہ میں بھی تحریر کیا ہے کہ میں نو، دس سال کا تھا کہ خواجہ ہاشم نام کے ایک بزرگ بخارا سے دہلی آئے اور ہمارے محلے میں آکر ٹھہرے۔ انھوں نے مجھ کو تختی یا کاغذ پر اللہ اللہ لکھنے کی تلقین کی کچھ عرصے بعد فرمایا اب خیال سے دل کے ارد گرد اسم ذات کو لکھا کرو ــ اس کی اتنی مشق کم سنی ہی میں ہو گئی تھی کہ میں جب شرح عقائد حاشیہ خیالی پڑھتا تھا اس وقت میں نے حاشیۂ عبد الحکیم کو نقل کرنے کا ارادہ کیا، تو کم و بیش ایک جزو پر اسم ذات ہی لکھتا چلا گیا اور مجھے یہ خیال ہی نہ رہا کہ حاشیۂ عبد الحکیم لکھنے کے لئے بیٹھا ہوں ـــ فرماتے تھے کہ خواجہ ہاشمؒ نے دو ایک باتوں سے میرا امتحان لیا اور بالآخر یہ فرمایا کہ تمہاری استعداد اونچی ہے تم بہت عالی ہمت ہو ـــ میں چاہتا ہوں کہ تم فی الحال اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کر لو۔ چنانچہ انھوں نے شغلِ کتابت اسم ذات کی تلقین کی جس کا ذکر ہو چکا ـــ

فرمایا کرتے تھے کہ میں بارہ، تیرہ سال کا تھا کہ حضرت زکریا علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا انھوں نے ذکر اسم ذات، تلقین فرمایا۔ اس سے ایسی کیفیت قلب پر طاری ہوئی کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ـــ فرماتے تھے اس کے بعد میں نے حضرت شیخ عبد العزیز شکر بار دہلویؒ کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں اے فرزند! اس وقت تک کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا جب تک حضرت خواجہ تم کو قبول نہ فرمالیں ـــ اس کے بعد تم کو اختیار ہے ـــ

حضرت خواجہ خردؒ سے خواب کا ذکر

فرمایا کرتے تھے کہ اس خواب کے بعد میں حضرت خواجہ خردؒ کی خدمت میں گیا اور تعبیر دریافت کی اور یہ بھی عرض کیا کہ اس شہر دہلی کے اکابر میں اس وقت آپ کے علاوہ کوئی بھی لقب خواجہ سے ملقّب نہیں ہے۔ اس پر حضرت خواجہ خرد نے فرمایا کہ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو خواجۂ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ منامی نصیب ہوگی۔ میں اس قابل کہاں ہوں کہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ نے مجھے خواجہ سے تعبیر فرمائیں ــــ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت

فرماتے تھے کہ مجھے اس تعبیر کا انتظار تھا ــ کثرت سے درود شریف پڑھتا تھا ایک رات درود پڑھتے پڑھتے بیہوش ہوگیا اور ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اسی حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیعت فرمایا اور نفی و اثبات کی تلقین فرمائی ــــ

حضرت خواجہ خرد سے بیعت کی درخواست اور اُن کا مشورہ

اس واقعے کے چند روز بعد میں نے حضرت خواجہ خرد سے عرض کیا کہ آپنے جو بات ارشاد فرمائی تھی وہ تو حاصل ہوگئی اب اس کے بعد میرے بارے میں کیا مشورہ ہے ــ فرمایا کہ ظاہر میں بھی کسی سے بیعت ہوجانا چاہئیے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اس پر حضرت خواجہ خرد نے فرمایا کہ میں تم کو بہت عزیز اور دوست رکھتا ہوں میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری بیعت مجھ سے ہو ــ میں نے کہا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ دوستی، بیعت قبول نہ کرنے کا سبب کیسے ہوگئی؟ اس بات پر آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھ سے کبھی کبھی بعض ایسے امور کا ارتکاب ہوجاتا ہے جو حکم شرع کے مطابق نہیں ہوتے اور اتباع سنت میں بھی قدرے تساہل کرجاتا ہوں ایسا نہ ہو کہ تم پر اس کا اثر پڑے اور تمہارا قدم مجھ سے بیعت ہوجانے کے رشتے سے جادۂ شرع سے کچھ لغزش کرجائے۔ ہاں میری صحبت میں رہ سکتے ہو فائدہ پہونچانے میں کوئی کمی نہ کروں گا ــ پھر میں نے عرض کیا اچھا آپ جس بزرگ سے فرمائیں میں اس سے متوسل ہوجاؤں فرمایا کہ اگر حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے کسی بزرگ سے بیعت ہوجاؤ تو بہت ہی مناسب ہے اس لئے کہ یہ حضرات، اتباعِ شریعت، ترکِ دنیا اور تہذیبِ نفس میں امتیازِ تام رکھتے ہیں ــ میں نے عرض کیا کہ ہمارے پڑوس میں (محلہ کوشک نرود دہلی میں) سید عبداللہؒ خلیفۂ حضرت شیخ

آدم بنوریؒ مقیم ہیں، فرمایا بس وہی غنیمت ہیں اُن ہی سے رابطہ پیدا کرلو۔

حضرت حافظ سید عبداللہ اکبر آبادیؒ سے تعلق

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا کہ میں نے اس مشورے پر عمل کیا اور حضرت حافظ سید عبداللہ اکبر آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا باوجودیکہ وہ اپنے آپ کو بہت چھپاتے تھے اور ذوقِ گمنامی اُن پر غالب تھا مگر پہلی مرتبہ جانے پر بیعت فرمالیا اور اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرمایا۔ (بالآخر طریقہ نقشبندیہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور شرفِ اجازت سے سرفراز کیا)

حالات حضرت حافظ سید عبداللہ بزبان شاہ عبدالرحیم

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اپنے پیر و مرشد کا ذکر کثرت سے فرمایا کرتے تھے جو انفاس العارفین میں تفصیل سے موجود ہے۔ یہاں چند باتیں لکھتا ہوں فرماتے تھے کہ حضرت سید عبداللہؒ، دراصل قریہ کھیڑی کے رہنے والے تھے جو علاقۂ بارہہ میں ہے۔ بچپن ہی میں آپ کے والدین کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ خدا طلبی کا جذبہ کم سنی ہی میں آپ کے اندر تھا۔ اولیاء اللہ کی تلاش میں سفر کرتے اور گشت لگاتے رہتے تھے۔ اسی تلاش و جستجو میں پنجاب کے علاقے میں پہونچ گئے۔ وہاں ایک بزرگ سے ملے جو اعلیٰ درجے کے قاری تھے ایک مسجد میں جو جنگل میں واقع تھی متوکلانہ رہتے تھے۔ آپ اُن کی خدمت میں رہے اور راہِ سلوک کو طلب کیا ان بزرگ نے فرمایا۔

"میاں تلقین وارشاد تو تم کو ایک دوسرا ہی شخص کرے گا جس کے پاس ان شاء اللہ تعالیٰ تم مستقبل قریب میں پہونچو گے۔ میرے پاس تو تم قرآن مجید حفظ کرلو" چنانچہ آپ نے اس جنگل کی مسجد میں ایک مدت تک مقیم رہ کر قرآن حفظ کرلیا اور ساتھ ہی ساتھ استاد سے نیکی اور تقویٰ کے طور طریقے بھی سیکھ لئے۔ حضرت سید عبداللہؒ فرمایا کرتے تھے میں جب حفظ قرآن سے فارغ ہوگیا تو ان بزرگ نے مجھے رخصت کردیا اور فرمایا جاؤ جہاں کہیں صاحب ولایت مل جائے اس کی خدمت میں انتہائی کوشش سے کام کو پورا کرنا۔ اس کے بعد آپ سامانہ میں شیخ ادریس سامانی کی خدمت میں پہونچے۔ شیخ ادریس سامانیؒ ایک متوکل بزرگ تھے اپنے پاس لوگوں کی آمد و رفت پسند نہیں کرتے تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں منسلک تھے حافظ سید عبداللہؒ نے جب دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی تو شیخ نے اندر ہی سے یہ فرمایا کہ کہیں اور جاؤ میرے پاس وہ

شخص رہ سکتا ہے جو بالکل مردہ ہو اس کو طعام و لباس کی فکر نہ ہو آمیزش خلق سے کنارہ کش ہو اور ضروری کاموں کے علاوہ میرے دروازے سے نہ ہلے ۔۔۔ آپ نے یہ سب شرطیں قبول کرلیں اور وہاں رہ کر سلوک طے کیا ۔۔۔ پھر تو شیخ ادریس سامانی نے آپ کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول فرمائی اسی اثنا میں شیخ کے صاحبزادے نے حافظ صاحب سے قرآن مجید یاد کرنا شروع کردیا اس کی وجہ سے توجہ اور دو بالا ہوگئی آپ نے بھی شیخ کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔۔ شیخ کے لئے استنجے کے ڈھیلے مہیا کرتے تھے نیز شیخ اور اہل بیت شیخ کے کپڑے جمعرات کے دن نہر پر جاکر دھوتے تھے ۔۔۔

بعد وفات شیخ ادریس سامانی آپ حضرت شیخ آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں پہونچے، ان کو بھی ایک عالی مقام، پابند شریعت، عظیم المرتبہ اور قوی التاثیر بزرگ پایا ۔ ان کے طریقے کو پسند کرکے اُن ہی کے ہوگئے، مدتوں ان کی صحبت اٹھائی، بہت کچھ فیض پایا، بالآخر ان کے خلیفۂ مجاز ہوئے ۔۔۔

حضرت سید عبد اللہؒ حافظ کلام اللہ تو تھے ہی زبردست قاری اور تجوید کے ماہر بھی تھے ۔ قرآن مجید اس انداز میں پڑھتے تھے کہ سامعین بیخود ہو جاتے تھے ۔۔۔ ایک بار رستاریان دارالشکوہ میں سے نو قاری حضرت سید عبد اللہؒ کی قرأت کا امتحان لینے آئے اور آپ کی قرأت سُن کر حیران و ششدر رہ گئے ۔۔۔

حضرت شاہ عبد الرحیمؒ کا بیان ہے کہ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے بارہا یہ الفاظ سُنے ہیں "کفش بر سر کشف"۔ مُراد یہ تھی کہ کشف و کرامت کا کوئی اعتبار نہیں اصل چیز استقامت ہے ۔۔۔ حضرت حافظؒ پر اخفاء و خمول کا غلبہ تھا ۔ معمولی حیثیت میں رہتے تھے ۔ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے ممتاز نہیں رکھتے تھے ۔۔۔ بسا اوقات ضعیفوں کا کام کاج خود جاکر انجام دیتے تھے ۔

حضرت سید عبد اللہؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے جب عزم حج کیا تو میں نے بھی ہمراہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ۔۔۔ پیر و مرشد نے فرمایا کہ تمہارا ہندستان رہنا ضروری ہے اور ایک حکمت کی بنا پر ضروری ہے جو آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگی ۔۔۔

فرمایا کہ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری (شاہ عبدالرحیمؒ کی) تربیت تھی جو میرے ذریعے انجام پانا تھی ــــــ

حضرت سید عبداللہؒ نے ایک بار شاہ عبدالرحیمؒ سے فرمایا کہ تم جب بچے تھے اور بچوں میں کھیلا کرتے تھے اسی وقت سے میری طبیعت کا رجحان تمہاری طرف تھا ــــ میں دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ تو اس بچے کو اپنے اولیاء میں سے کردے اور اس بچے کے کمالات میرے ذریعے سے ظاہر فرما ــــ الحمدللہ اس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوگیا ــــ

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سید عبداللہؒ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے۔ ایک روز میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ پیر و مرشد آخر مجھ سے خدمت کیوں نہیں لیتے ــــ پھر میں یہ بات عرض کرنے کے لئے آپ کے زاویے میں گیا۔ گرمی کا وقت تھا آپ کرتا جسم سے اتارے ہوئے تھے جب مجھے دیکھا تو فرمایا بہت اچھے آئے ــــ میری پیٹھ سے میل دور کردو میں خوش ہو کر پوری محنت سے اس خدمت کو انجام دینے لگا۔ درمیان میں فرمایا میاں تم پورے ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو دو انگلیوں سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا بس ہو خدمت، شرط طریق ہے وہ وجود میں آگئی اب آئندہ دل میں اس بات کا کبھی خیال نہ لانا ــــ میں نے اپنے تمام ظاہری و باطنی حقوق صحبت تم کو معاف کر دے" ــــــ

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا کہ جس زمانے میں عالمگیر اورنگ زیب آگرے میں تھے اور میں بھی بغرض تعلیم آگرے میں تھا اس وقت حضرت سید عبداللہؒ بھی سید عبدالرحمٰن کی رفاقت میں وہیں چلے گئے تھے۔ آگرے ہی میں حضرت حافظ سید عبداللہؒ کو مرض الموت لاحق ہوا ــــ وصیت فرمائی کہ مجھے مقبرۂ غریباں میں دفن کرنا تاکہ کوئی میری قبر کو نہ پہچان سکے ایسا ہی کیا گیا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں پیر و مرشد کی وفات کے روز مرض شدید میں مبتلا تھا مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ہمراہ جنازہ جا سکوں۔ جب صحت و قوت بحال ہوگئی تو ایک دوست کو ہمراہ لیکر مرقد مبارک کی زیارت کے لئے گیا اس دوست نے ہرچند غور کیا مگر اُن کی قبر کو نہ پہچانا ــــ اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کر دیا کہ شاید یہ قبر ہے۔ میں نے وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھا ــــ پس پشت سے آواز آئی قبر غیر یہ ہے ــــ مگر خبردار جو سورۃ شروع کی ہے اس کو ختم کرکے اور اس کا ثواب اسی قبر والے

کو پہونچا کر پھر ادھر کو متوجہ ہونا جلدی نہ کرنا۔ میں نے سورۃ کو ختم کرنے کے بعد اس دوست سے کہا بھائی غور کرو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میری پشت کی جانب تو نہیں ہے اس نے سوچ کر کہا واقعی میں نے غلطی کی ان کی قبر تمہاری پشت کی جانب ہی ہے۔ میں وہاں جا کر بیٹھ گیا اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ چونکہ حزن وملال کی کیفیت میرے اوپر طاری تھی اس لئے قرآن کی قرأت میں قواعد کو ملحوظ نہ رکھ سکا۔ اندرون قبر سے ایک آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ تم نے غلطی کی ہے۔ قرأت کے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

حضرت خواجہ خردؒ سے اخذ فیض

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا کہ میں جب حافظ سید عبداللہؒ سے بیعت ہو گیا تو آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ خردؒ کے فیض صحبت سے بھی مستفیض ہوتا رہتا تھا۔

تین کرامت آمیز اسباق کا ذکر تو پہلے گذر ہی چکا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات انفاس العارفین میں حضرت خواجہ خرد سے متعلق حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی زبانی درج ہیں جس طرح اسراریہ میں سید کمال سنبھلیؒ نے پیرو مرشد حضرت خواجہ خردؒ کے چشم دید حالات تحریر کئے ہیں اسی طرح حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے اُن کے تذکرے کے ذیل میں اپنے آنکھوں دیکھے واقعات بیان فرمائے ہیں۔

حضرت خواجہ خرد سے متعلق چند واقعات

فرمایا کہ خواجہ خردؒ برابر اپنے انگوٹھے سے انگلیوں پر کچھ لکھتے رہتے تھے پڑھاتے وقت بھی اور بات کرتے وقت بھی۔ ایک دن میں نے ان سے دریافت کر لیا کہ آپ یہ کیا کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ ایک عمل ہے جس کو کیا کرتا ہوں۔ ابتدائے حال میں اللہ اللہ لکھنے کی مشق کی تھی اب بھی کبھی کبھی عادت قدیمہ کے مطابق وہ مشق جاری ہو جاتی ہے۔

فرمایا کہ ایک دن خواجہ خردؒ اپنے اصحاب واحباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے خود پلنگ پر تھے اور تمام آدمی بوریے پر۔ اس موقع پر میں خدمت اقدس میں پہونچ گیا میری بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی۔ خود پلنگ کی پائینتی کی جانب بیٹھ گئے اور مجھے اصرار کر کے سرہانے

۱؎ تذکرہ مشاہیر اکبرآباد کے مولف نے اس واقعہ کو انفاس العارفین سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب وفات کے قریب مزار کا یہ حال تھا تو اب کیا پتہ چل سکتا ہے۔ ۱۲

بٹھایا۔ ہرچند میں نے عذر کیا مگر نہیں مانے اس بات سے تمام حاضرین متحیر ہو گئے ـــــ آخرکار خواجہ خردؒ کے صاحبزادے خواجہ رحمت اللہؒ سے نہ رہا گیا انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اس مجلس میں ان سے زیادہ معمّر اور قابلِ تعظیم لوگ بھی موجود ہیں، پھر ان کی تخصیص میں کیا مصلحت ہے؟ ـــــ فرمایا کہ میں نے یہ معاملہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم میرے اس طرزِ عمل کو دیکھ لو اور جس طرح میں نے اُن کی تعظیم کی ہے تم بھی کیا کرو ـــــــ جب میں ان کے نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ کے گھر پہونچتا تھا تو وہ بھی میرے ساتھ ایسی ہی تعظیم کا معاملہ کرتے تھے حالانکہ وہ میرے استاد تھے اور میں نے اُن سے فیوض حاصل کیے تھے ـــــ اور جب شیخ رفیع الدین محمدؒ حضرت والد ماجد خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو حضرت والد ماجدؒ ان کے ساتھ یہی طریقۂ تعظیم برتتے تھے اگرچہ شیخ رفیع الدین محمدؒ آپ کے مرید و خلیفہ تھے مگر چونکہ ابتدائے سلوک میں ان کے والد شیخ قطب العالمؒ کی خدمت میں رہ کر کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد حاصل کیے تھے اس لئے استاد زادہ ہونے کی حیثیت سے اپنے خلیفہ کی تعظیم کرتے تھے اب ہم کو بھی ان سے (شاہ عبدالرحیمؒ سے) اسی طرح کا سلوک کرنا چاہیے۔

ایک دن کا واقعہ بیان فرمایا کہ ہم دونوں بھائی خواجہ خردؒ کی خدمت میں حاضر تھے اُن پر بھوک کا غلبہ تھا اس بنا پر وہ درس بھی نہیں دے سکتے تھے ۔ اپنے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ کھانا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ایک بچے کے لئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے ۔ فرمایا اسی میں سے تھوڑا لے آؤ ایک چھوٹی سی صحنک میں بہت تھوڑا سا کھانا لایا گیا آپ نے ہاتھ دھوئے اور سب حاضرین سے عموماً اور ہم دونوں بھائیوں سے خاص طور پر مکرر فرمایا آؤ تناول کرو یہ کھانا ہم سب کو کفایت کرے گا۔ سب متعجب تھے ۔ ہم دونوں نے تعمیلِ حکم کی اور آگے بڑھ گئے ۔ اس کھانے کو ہم تینوں نے کھایا اور معتدل طریقے پر ہم دونوں بھی سیر ہو گئے پھر بھی صحنک میں قدرے کھانا باقی رہ گیا وہ بچے کے لئے واپس کر دیا ـــــ

فرمایا ایک شخص جس کا نام بھبن یار خاں تھا ٹھاٹ کا لباس پہن کر خواجہ خردؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ـــ اس وقت اتفاق سے آپ کے گھر میں کوئی فرش نہیں تھا لوگ زمین پر بیٹھے تھے ۔ بھبن یار خاں بھی زمین پر بیٹھ گیا ۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے

خواجہ خردؒ کے کان میں کہا کہ حضرت! یہ بہمن یار خاں ہے۔ اس کی تعظیم و توقیر فرمائی جائے۔ آپ نے بآوازِ بلند جواب میں فرمایا۔ "اگر یار ہے تو محتاج تعظیم نہیں اور اغیار ہے تو لائق تعظیم نہیں"۔۔۔ یہ الفاظ بہمن یار نے سُنے تو بہت خوش ہوا۔۔۔

فرمایا۔۔۔ کہ خواجہ خردؒ اور خواجہ کلاں دونوں بچے ہی تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقیؒ وفات پا گئے جب یہ دونوں بھائی بالغ ہوئے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سرہند چلے گئے اور مدتوں وہاں رہے۔۔۔ خواجہ کلاںؒ کے متعلق تو معلوم نہیں مگر خواجہ خردؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے اخذِ طریقہ کیا اور اجازت بھی حاصل کی پھر دہلی واپس آ گئے۔۔۔ خواجہ خردؒ نے خواجہ حُسام الدین احمدؒ اور شیخ الہ داؤدؒ سے بھی (جو کہ حضرت خواجہؒ کے خلیفہ تھے) استفاضہ کیا۔ فرمایا۔۔۔ حضرت خواجہ خردؒ نے اپنے آخری زمانے میں مجھ سے فرمایا کہ مجھ کو روضۂ خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ میں اس جگہ دفن کرنا جہاں جوتیاں اُتاری جاتی ہیں۔۔۔ اس بنا پر کہ میں حضرت خواجہؒ کا لڑکا ہوں مجھے احاطۂ مقبرہ میں دفن نہ کرنا کیونکہ میں اس جگہ کے لائق نہیں ہوں میں نے جواب دیا حضرت! یہ کام تو دوسرے لوگ انجام دیں گے میرا اختیار کیا چل سکے گا؟ فرمایا لوگوں سے یہ بات کہہ دینا۔ بعد وفاتِ خواجہ خردؒ میں نے وارثوں سے اس وصیت کا ذکر کیا کسی نے نہیں سنی۔

نسبتِ صوفیہ

(از افادات عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ دامت برکاتہم)

[حضرت مولانا ممدوح کا دستور ہے کہ اصلاح اُمت سے متعلق شریعت و طریقت کے اہم مسائل کو موضوع بنا کر اپنی خاص اصلاحی مجالس میں اُن پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہیں، اس مجلسی خطاب میں موقع بہ موقع حضرت مولانا کتابیں کھول کھول کر ان کی عبارتیں بھی حاضرین کو سناتے جاتے ہیں ــــ بعض اہل علم مسترشدین اس کو مقالہ کی شکل میں مرتب کرتے ہیں، پھر حضرت کی نظر سے گزرنے کے بعد اس کی اشاعت ہوتی ہے ــــ مندرجہ ذیل مقالہ "نسبت صوفیہ" کی نوعیت بھی یہی ہے ــــ ہم اس کی خاص افادیت اور اہمیت کی بنا پر ماہنامہ "معرفت حق الہ آباد" سے اس کو نقل کر رہے ہیں ــــ]

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب القول الجمیل میں لکھا ہے کہ :-

ثم لصاحب المداومة علی السکینة احوال رفیعة تنوبه مرة ومرة فلیغتنمها السالك ولیعلم انها علامات قبول الطاعات وتاثیرها فی صمیم النفس وسویداء القلب۔

(شفاء العلیل ص۹۵)

جاننا چاہیئے کہ سکینہ پر مداومت کرنے والے کے لیے حالات رفیعہ ہوتے ہیں جو نوبت بہ نوبت اس کو ملتے ہیں۔ لہذا سالک کو چاہیئے کہ اپنے ان حالات رفیعہ کو غنیمت جانے اور یہ سمجھے کہ یہ حالات اس کی طاعات کے عنداللہ مقبول ہونے اور ان کے باطن نفس میں اثر کرنے کی علامات ہیں۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ سکینہ کسے کہتے ہیں؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نہ سکینہ کو جانتے ہیں اور نہ صاحبِ سکینہ کو پہچانتے ہیں اور نہ احوالِ رفیعہ ہی سے واقف ہیں اور یہ اس لیے کہ آج اس طریق کو لوگوں نے بدنی سمجھ رکھا ہے یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو پا جاؤ تو بس اس کے بدن پر گرو اسی سے کامیاب ہو جاؤ گے۔ باقی اس میں کسی چیز کے جاننے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں اس بات کو اکثر کہا کرتا ہوں اسلیے کہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں نے طریق کے علم و عمل کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور لطف یہ کہ پیری و مریدی بھی باقی ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کیونکہ مرید تو اسے کہتے ہیں جو اپنی رائے اور ارادہ کو فنا کر کے کسی کامل و مکمل شیخ سے اس لیے تعلق قائم کرے کہ وہ اس کو اس کی رعونت نفس (انانیت) سے نکال کر اللہ تعالیٰ کا عارف بنا دے اور شیخ کے متعلق ابن عربیؒ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ:۔

ان الزمان مشحون بالدعاوی	زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے
الکاذبۃ العریضۃ فلا مرید	بھرا ہوا ہے نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک
صادق ثابت القدم فی سلوکہ	میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ
ولا شیخ محقق ینصحہ فیخرج	ہی محقق نظر پڑتا ہے جو کہ مرید کی خیر خواہی
من رعونۃ نفسہ واعجابہ	کرے اور اس کو نفس کی رعونت اور خود رائی
برایہ ویعرب لہ عن طریق الحق	سے نکالے اور طریق حق اس کے سامنے
فالمرید یدعی الشیخوخۃ والریاسۃ	ظاہر کرے (چنانچہ جب کوئی شیخ کامل نہیں
وھذا کلہ تخبیط وتلبیس۔	رہ جاتا تو پھر) مرید ہی شیخوخت اور بڑائی
(آداب الشیخ والمرید ص۳)	کا مدعی ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب خبط و
	تلبیس ہے۔

لہٰذا شیخ محقق جب اس زمانہ میں نایاب تھا تو اب ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جو کہ پہلے زمانے سے یقیناً اچھا نہیں ہے شیخ کامل کے وجود کا کیا حال ہوگا۔ پھر جب شیخ ہی کا وجود نہیں ہوگا تو مرید کہاں سے آ جائیں گے۔ اسی کو کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں پیر بہت ہیں اور مرید کا پتہ نہیں۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ مرید بہت ہیں اور پیر کا پتہ نہیں۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

اصل یہ ہے کہ طریق سے جہالت اور دین سے عدم مناسبت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس کی بھی خبر نہیں کہ طریق میں مقصود کیا ہے اور کون کون سی چیزیں غیر مقصود ہیں۔ اس نہ جاننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے مقصود کو تو چھوڑ ہی دیا اور غیر مقصود کو مقصود بنا لیا۔ اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ اور پیر جو کہ وسیلہ اور ذریعہ تھا اس کو مقصود سمجھ لیا گیا۔ اور اس کے بدنی قرب کو کافی سمجھا گیا اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت اور شیخ جس نور اور دولت کا حامل ہوتا ہے اس کی جانب اصلا توجہ نہیں رہی۔

طریق کا مقصد اور اس کا منتہا کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے اس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی کتاب میں نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ اسی سے آپ کو سکینت کی تعریف بھی معلوم ہو جائے گی جس کا ذکر میں نے ابتدا میں کیا ہے۔ اس لیے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت نقل کرتا ہوں اس کے بعد اس کی مزید توضیح کروں گا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

مرجع الطرق کلھا الی تحصیل هیأۃ نفسانیۃ تسمی عندھم بالنسبۃ لانھا انتسابٌ و ارتباطٌ باللہ عز وجل و بالسکینۃ و بالنور و حقیقتھا کیفیۃٌ حالۃٌ فی نفس الناطقۃ من باب التشبہ بالملائکۃ او التطلع الی الجبروت۔

(القول الجمیل)

تمام مشائخ کے طریقوں کا مرجع یعنی مقصد و منتہیٰ اور حاصل ایک ہیئت نفسانی کی تحصیل ہے جسکو صوفیہ نسبت کہتے ہیں۔ (یہاں نفسانی سے مراد شہوانی نہیں ہو جو کہ روحانی کے مقابلہ میں ہوتا ہو بلکہ نفس سے مراد یہاں نفس ناطقہ انسانی ہے۔ پس ہیئت نفسانی کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے نفس میں حاصل شدہ ایک کیفیت اور حالت) اسلئے کہ اسکے ذریعہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت اور ارتباط حاصل ہوتا ہے اسی نسبت کا ایک نام سکینہ ہے اور اسی کو نور بھی کہا جاتا ہے اور نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ

ایک کیفیت کا نام ہے جو نفس ناطقہ میں حلول
کر جاتی ہے جس کے سبب سے نفس کے اندر ایک ملکی
شان پیدا ہو جاتی ہے اور عالم بالا سے باتیں
اخذ کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جب طاعات۔ طہارات اور اذکار وغیرہ پر مداومت کرتا ہے تو اسکی وجہ سے اسکے نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے اسکو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کا ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی ملکہ کا نام نسبت، سکینہ اور نور ہے اور حصولِ نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو ادھر توجہ تام ہو گئی ہے اور اسکو حق تعالیٰ سے تعلق ہو گیا۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو بندہ سے نسبت ہوتی ہی ہے۔ جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

یعنی حق تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ایک ایسا اتصال (یعنی نسبت) حاصل ہے جسکی نہ تو کیفیت کا بیان ہو سکتا ہے اور نہ کسی چیز پر اسکو قیاس کیا جا سکتا ہے لیکن اس نسبت کے حصول کے طریقے الگ الگ ہیں اور نسبت بطور قدر مشترک کے سبھی طرق میں پائی جاتی ہے اور وہ ایک ہی ہے جیسا کہ شفاء العلیل میں ہے کہ:-

"حضور مع اللہ رنگ برنگ ہے جس کسی کو جس قدر تعلق اور محبت اور کسر نفس کی توفیق ہوگی اسی قدر اس میں ملکہ قویہ حاصل ہوگا اور نسبتیں بے شمار ہیں چنانچہ اشغال قادریہ، چشتیہ، اور نقشبندیہ وغیرہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل ہے اور اس پر دوام و مواظبت اور اس کے اندر استغراق ہے تاکہ نفس میں اس مواظبت اور توجہ دائمی سے ملکۂ راسخہ پیدا ہو جائے" (تاکہ اس کے بعد پھر غفلت اور ذھول کی گنجائش باقی نہ رہے اور ملکہ کی وجہ سے احکام شرعیہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور ملکات سیئہ کا اثر نہیں ہونے پاتا۔)

آگے شاہ صاحبؒ بطور دفع دخل کے یہ فرماتے ہیں کہ سلاسل اربعہ میں اشغال صوفیہ سے مقصود نسبت کی تحصیل ضرور ہے لیکن حصول نسبت ان میں منحصر نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

ولاتظنن ان النسبة
لا تحصل الا بهذه الاشغال
بل هذه طرق لتحصيلها
من غير حصر فيها وغالب
الرائ عندى ان الصحابة
والتابعين كانوا يحصلون
السكينة بطرق اخرى
فمنها المواظبة على الصلوات
والتسبيحات فى الخلوة مع
المحافظة على شريطة
الخشوع والحضور ومنها
المواظبة على الطهارة
وذكرها ذم اللذات وما
اعده الله للمطيعين له
من الثواب وللعاصين له
من العذاب فيحصل انفكاك
عن اللذات الحسية
وانقلاع عنها ومنها
المواظبة على تلاوة الكتاب
وتدبر فيه واستماع كلام
المواعظ وما فى الحديث
من الرقاق۔
(القول الجميل)

یہ گمان نہ کرنا کہ نسبت مذکورہ کی تحصیل کا
ذریعہ محض یہی اشغال صوفیہ ہیں ایسا نہیں ہو
بلکہ یہ اشغال بھی تحصیل نسبت کا ایک طریقہ ہو
جس طرح سے اس کے اور بھی طریقے ہیں چنانچہ
ظن غالب اس فقیر کا یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین
اس نسبت اور سکینہ کو دوسرے طریقوں سے
حاصل کیا کرتے تھے مثلاً ایک طریق ان کا یہ تھا
کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور خلوت
میں تسبیحات کا اہتمام و التزام فرماتے تھے
اور ان تمام امور میں خشوع و خضوع اور
حضور قلب کا خاص خیال رکھتے تھے نیز
ایک طریقہ تحصیل نسبت کا یہ بھی تھا کہ (ظاہری
و باطنی) طہارات پر مداومت رکھتے تھے۔
اسی طرح لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی
موت کا ہمیشہ استحضار رکھتے تھے۔ نیز اللہ
تعالیٰ نے مطیعین کے لیے جو اجر و ثواب اور
انعام و اکرام تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں
کے لیے جو عذاب و سزا مہیا کر رکھے ہیں،
ان سب کو برابر پیش نظر رکھتے تھے جس کی
وجہ سے لذات حسیہ سے وہ بالکلیہ چھوٹ
جاتے تھے اور ان سب چیزوں نے ان کے
قلب سے عیش دنیا کا قلع قمع کر دیا تھا
اسی طرح سے ایک طریقہ حصول نسبت کا پابندی

کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت اور اسکے
معنی میں غور کرنا اور واعظ و ناصح کی بات
پر کان دھرنا اور صمیم قلب سے اس کا سننا
تھا۔ اسی طرح سے حدیث شریف کے وہ مضامین
جن سے قلوب میں نرمی پیدا ہو ان کا سننا بھی تھا۔

دیکھئے شاہ صاحبؒ نے طرق تحصیل نسبت کی یہاں کیسی وضاحت فرمادی یعنی یہ کہ حضرات صحابہ کرام نسبت کی تحصیل ان ہی تمام چیزوں سے فرماتے تھے۔ ورنہ عام طور پر یہ غلط فہمی ہو رہی تھی کہ حصول نسبت کا ذریعہ صرف مشائخ کے اذکار و مراقبات ہی ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ایک طریق ہے۔ اس میں انحصار نہیں ہے۔

اس سے قبل شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ:-

والغرض من الاشغال تحصيل	اشغال صوفیہ سے غرض اسی نسبت کی تحصیل
نسبتہ والمواظبة عليها	اور اس پر دوام اور مواظبت اور اس میں
والاستغراق فيها حتى تكتسب	مستغرق رہنا ہو تا آنکہ نفس اس مواظبت
النفس منها ملكةً راسخةً۔	اور مداومت سے ملکہ راسخہ کسب کرلے۔

اور اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں (جہاں ان امور کا ذکر کیا ہے جن کے ذریعہ حضرات صحابہ وتابعین تحصیل نسبت فرماتے تھے) کہ:-

وبالجملة فكانوا يواظبون	حاصل کلام یہ کہ حضرات صحابہ تابعین
على هذه الاشياء مدةً	اشیاء مذکورہ (یعنی اعمال شرعیہ) پر ایک کثیر
كثيرةً فتحصل ملكةٌ راسخةٌ	مدت تک مواظبت و دوام فرماتے تھے جس
وهيئةٌ نفسانيةٌ فيحافظون	کی وجہ سے ان کے اندر تقرب الی اللہ کا
عليها بقية العمر وهذا	ایک ملکہ راسخہ اور ہیئت نفسانیہ حاصل
المعنى هو المتوارث عن	ہو جاتی تھی۔ اسی پر یہ حضرات بقیہ عمر
رسول الله صلى الله عليه وسلم	محافظت فرماتے تھے جس کا اثر یہ تھا کہ

من طریق مشائخنا لاشک فی ذلك وان اختلف الالوان واختلفت طرق تحصیلها۔

(القول الجمیل)

کیفاً وہ نسبت اور بڑھتی جاتی تھی، یہی وہ نسبت ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے واسطے سے متواتر چلی آرہی ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں اگرچہ الوان اسکے مختلف و تحصیل کے طریقے رنگ برنگ ہیں۔

اس میں تصریح ہے کہ سلف ملکۂ راسخہ حاصل کرتے تھے اور بقیہ عمر اس پر مداومت کرتے تھے، فقط نماز۔ روزہ پر بدون اس ملکہ کی تحصیل کے قناعت کیے ہوئے نہ تھے جیسا کہ اب ہو، بلکہ جب تک یہ ملکہ ان کو حاصل نہ ہوجاتا اسکی طلب میں گرما گرمی رہتی تھی اور جب یہ حاصل ہوجاتا تھا تو یہ نہیں کہ ان کو سکون ہوجائے اور وہ غافل اور سست پڑجائیں۔ ایسا نہیں تھا، بلکہ اپنے امور باطنی میں اور زیادہ مستعد اور چاق وچوبند ہوجاتے تھے ؎

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور

اُس کو چھٹی نہ ملے جس کو سبق یاد رہے

حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تحصیل ملکہ راسخہ متوارث اور منقول چلا آرہا ہے۔ جس طرح کہ نماز، روزہ بلکہ کل دین منقول چلا آرہا ہے اور فرما رہے ہیں کہ لاشک فی ذلك پس یہ قطعی اور اجماعی مسئلہ ہوا ہر قرن کا۔

اسی سلسلہ میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل چلی آرہی ہے اسی طرح سے اخلاق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلے آرہے ہیں۔ یعنی آپ کے اخلاق سے صحابہ متخلق ہوئے اور پھر ان سے تابعین اور پھر ان سے تبع تابعین اسی طرح مسلسل۔

لہٰذا جس طرح نسبت کی تحصیل ضروری ہے اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے اخلاق کے ساتھ اتصاف بھی ضروری ہے۔ اور میں تو اس چیز کو بہت دنوں سے سمجھ چکا ہوں بلکہ کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں دین اور دنیا دونوں

کی فلاح حاصل کرنے کے لیے بجز تمسّک بسنّۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی صورت نہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر چل کر اور اسے اختیار کر کے آج ہمیں دنیا کی بھی فلاح مل سکتی ہے۔ ورنہ تو اہلِ دنیا پر فلاح کا دروازہ بند اور عافیت تنگ ہو گئی ہے اور ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج لوگ جو فسادِ منزل بلکہ فسادِ مدینہ کے فتنوں سے مفتون ہیں۔ اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر عوام پریشان ہیں خواص بھی اسی طرح سے پریشان ہیں اور اسبابِ راحت کے موجود ہوتے ہوئے بھی سکون معدوم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ایک خدائی عذاب ہے جو مخلوق پر ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں مسلط کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس عذاب اور ان فتن سے خلاصی کی صورت اور تدبیر اور حضرات کے نزدیک جو ہو اس کو وہ جانیں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا فساد اور نظامِ عالم کی جملہ خرابیوں کی اصل یہ ہے کہ فلاحِ عالم کے خدائی اصول اور اصلاحِ عالم کا نبوی طریق کا رشتہ ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے اور وہ رشتہ بھی تھا کہ علاوہ دین کے دنیوی امور میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے ساتھ تمسک کیا جاتا۔ (چنانچہ اسکے مخاطب وہی حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی تعلیمات میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں) یہ نقلاً تو ثابت تھا ہی کیونکہ یہ بھی اُن امور میں سے ہے جو متوارث چلے آ رہے ہیں علاوہ ازیں عقلاً بھی۔ ہم آج اپنے حالات میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ جو چیز اس درجہ ضروری تھی وہ متروک ہی نہیں بلکہ اس کا انکار ہو رہا ہو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز روزہ باقی ہے اور یہ چیز باقی نہیں خون کے آنسو اس پر بہائے جائیں تو کم ہے۔ کیا صرف نماز روزہ ظاہری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آ رہا ہے؟ خشک ہی۔ اس میں یہ برکات نہیں تھے۔ یہ کیا مغالطہ ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ علماء نے اسکی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھا اس لیے اس کا علم اور عمل ختم ہو گیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ حضرات صحابہ حسب مراتب سب کے سب اس نسبت کے حامل تھے اور ان کا باہمی تفاضل اور ان کے درجات کا تفاوت اسی نسبت کے تفاوت سے تھا جسے جس قدر زیادہ اور قوی نسبت حاصل ہوتی تھی اسی قدر وہ افضل اور بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ نماز روزہ ان کا عمل ظاہر تھا اور یہ نسبت اس کا باطن تھا اور یہ حضرات اس ظاہر و باطن دونوں ہی کے

جامع تھے۔ اب صرف ظاہر دین تو کچھ ہے بھی مگر باطن اور روح ختم ہو چکی ہے۔

اور یہ جو فرمایا۔ کہ اس نسبت کے الوان اور طرق مختلف ہوتے ہیں تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ سلف میں اس نسبت کی تحصیل کا طریق احکام شرعیہ کی پابندی تھی اور خلف میں اشغال وغیرہ اسکے لیے مقرر ہوئے مگر احکام شرعیہ ہر حال میں مقدم رہے۔

یعنی حضرات صحابہ تو اس نسبت کو مواظبت علی الصلوٰۃ و تسبیحات و مواظبت علی الطہارۃ مراقبۂ موت اور ثواب مطیعین اور عذاب عاصیین کے استحضار وغیرہ سے حاصل کرتے تھے اور بعد کے مشائخ نے لوگوں کی استعداد کو ضعیف پایا۔ اور یہ دیکھا کہ محض ان امور کے کرنے سے اب یہ نسبت نہیں حاصل ہو رہی ہے تو انھوں نے اشغال و مراقبات کا اضافہ کر دیا۔ اور ان کے ذریعہ نسبت پیدا کرنی چاہی۔ یہ تو طرق کا اختلاف ہوا۔ اور الوان کا اختلاف یہ تھا کہ مثلاً کسی نسبت میں محبت و شوق کا غلبہ ہوا اور کسی میں خوف کا، کسی میں فنا کا غلبہ رہا اور کسی میں بقا کا تو بظاہر نسبت کے یہ سب الوان مختلف معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان سب نے ہر ہر سالک کے اندر وہی حالت پیدا کر دی جس کا نام نسبت تھا۔ چنانچہ جس میں محبت اور شوق کا غلبہ ہوا اس نے بھی معصیت ترک کی اور اپنے تمام امور میں حق تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھی اور جس کے اندر خوف کا غلبہ ہوا اسنے بھی معاصی سے نفرت اور طاعت سے رغبت کی۔ یہی حال اور دوسرے الوان کا بھی ہوا۔ پس اس اختلاف کے باوجود مرجع سب کا واحد ہی رہا۔ یعنی ارتباط باللہ تعالیٰ جسکی تحصیل سب پر لازم تھی اور ہر شخص پر ضروری تھی۔ ان اشغال کے ذریعے نسبت کی تحصیل اور اس پر مواظبت اور اس میں استغراق اس درجہ کہ نفس ملکۂ راسخہ کا کسب کر لے اسلئے ضروری ٹھہری کہ جب نفس کو ملکۂ راسخہ حاصل ہو جائے گا تو پھر غفلت اور ذھول کی گنجائش باقی نہ رہ جائے گی اور اسی میں اسکی خیریت بھی ہے کیونکہ اگر ان اشغال کے ذریعہ ملکۂ حسنۂ طیبہ کا کسب نہ کیا گیا جس سے کہ طاعت میں سہولت اور معصیت سے نفرت ہو جائے تو اشغال دنیویہ میں انہماک کے سبب سے نفس ملکۂ خبیثۂ سیئہ کسب کر لے گا جس سے نجات ملنی دشوار ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ یہ ظاہری طاعات (یعنی نماز روزہ) بھی اسکو اس سے نہ نکال سکیں گی۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ سب طاعات بھی کرتا رہے گا اور دوسری جانب اسکے نفس میں یہ ملکۂ خبیثہ بھی موجود رہے گا جس سے خلاصی آخرت ہی میں ہو سکے گی۔

مذکورۂ بالا تفصیل سے نسبت کی توضیح اور اسکی ضرورت آپ کو معلوم ہوگئی، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسی نسبت کا دوسرا نام سکینہ بھی ہو۔ یہ مشائخ کی اصطلاح ہے باقی علماء ظاہر بھی جو معنی نسبت سکینہ کے بیان کرتے ہیں وہ اسی کے قریب قریب ہو چنانچہ صاحب روح المعانی فانزل اللہ سکینتہ کے تحت لکھتے ہیں کہ وھی الطمانینۃ التی یسکن عندھا القلوب یعنی سکینہ اس اطمینان کا نام ہے جسے پاکر قلوب تسکین حاصل کریں اور پھر کچھ دور کے بعد باب الاشارۃ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین الآیۃ۔ وکانت سکینتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کما قال بعض العارفین من مشاھدۃ الذات وسکینۃ المومنین من معاینۃ الصفات۔

حق تعالیٰ کے ارشاد ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین میں سکینہ جو آیا ہو اسکے متعلق بعض عارفین یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکینہ آپ کا مشاہدۂ ذات تھا اور مومنین کا سکینہ صفات کا معائنہ تھا یعنی آپ اس حالت میں حق تعالیٰ کی ذات کے مشاہدے سے متلذذ تھے اور مومنین اللہ تعالیٰ کی صفات کا مراقبہ کرکے مطمئن تھے۔

آگے فرماتے ہیں کہ:

ولھم فی تعریف السکینۃ عبارات کثیرۃ متقاربۃ المعنیٰ فقیل ھی استحکام القلب عند جریان حکم الرب بنعت الطمانینۃ بخمود آثار البشریۃ بالکلیۃ والرضا بالبادی من الغیب من غیر معارضۃ واختیار

مشائخ کے لیے سکینہ کی تعریف کے بیان میں مختلف تعبیرات ہیں۔ عنوان مختلف ہیں۔ لیکن معنیٰ اور مضمون قریب قریب سب کا ایک ہی ہو چنانچہ ایک قول یہ ہو کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہو جس میں اطمینان کی آمیزش ہو حق تعالیٰ کے حکم سننے کے وقت اور اسکی وجہ سے انسان کے بشری تقاضے بالکلیہ سوخت ہو جائیں اور پردۂ غیب سے جو چیز بھی

ظاہر ہو بغیر کسی معارضہ کے اور بدون اپنا
اختیار چلائے ہوئے انسان اس پر راضی ہو۔

وقیل ھی القرار علی بساط
الشھود ولبشواھد الصحو و
التأدب باقامة صفاء العبودیة
من غیر لحوق مشقة ولا
تحرك عرق بمعارضة حکم
وقیل ھی المقام مع اللہ تعالیٰ
بفناء الحظوظ۔

روح المعانی ص۹۴ ج۱۰

اور ایک قول یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے
ہیں کہ انسان اپنے پورے ہوش و حواس کے
ساتھ حق تعالیٰ کے شاہد ہے کی بساط پر
فائز ہو اور خالص عبودیت کی اقامت کے
ادب سے متأدب ہو اس طرح پر کہ اس کو ان
کی ادائیگی میں نہ تو کچھ تعب ہو اور نہ کسی حکم
سے معارضہ کی رگ پھڑکے۔ اور ایک قول
یہ ہے کہ سکینہ اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے
حظوظ کو فنا کر کے بقا باللہ حاصل کرلے۔

اور جس طرح سے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرات صحابہ وتابعین کے سلوک کا طریقہ اور تحصیل نسبت کے طرق اور ان کی تفصیل بیان فرمائی ہے اسی طرح سے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے بھی نسبت احسان کے معنی بیان کیے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلا کیف حاضر موجود جان کر حیا و شرم کے ساتھ بندۂ مطیع رہنا۔ مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے۔ باقی زوائد۔

اسی سلسلہ میں آگے صحابہ وتابعین کا سلوک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"سنو! کہ سلوک صحابہؓ وتابعینؒ و تبع تابعین میں تحصیل احسان اور اپنا بندۂ ناچیز بے اختیار رہنا اور من کل الوجوہ محتاج ذات غنی کا اور حضور اس کرگار بے نیاز محض حیا دکا ہونا تھا۔ بندگی در بندگی، عجز در عجز، توکل در توکل، ہمت اطاعت، وجان و مال بازی فی رضاء المولیٰ اس کا ثمرہ تھا نہ استغراق تھا نہ فنا تھی ــــ متاخرین نے دوسرا راستہ نکالا کہ جس سے ربط حادث بالخالق کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلیٰ سے اخیر تک سب اپنے خالق سے مربوط اور اس کے وجود کے

موجود ہیں۔ بوحدت وجود یا بوحدت شہود علیٰ خلاف بینہم۔

پس اس ربط کے شہود کا نام جذب رکھا گیا اور انتہا راہِ جذب اس نسبت کے انکشاف پر ہے۔ پس جذب کے معنی رجوع السالک الی حقیقۃ الحقائق واصل الاشیاء۔ اور اس میں افناء اپنا اور اپنے علم انانیت کا کردینا مقرر ہوئے۔

اس راہ جذب کو جو حضرات مشائخ نے طے کیا اس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ گویا وہ کمالات اب کالعنقا ہوگئے۔ جس طرح سالک مجاہدہ کرکے کوئی مقام طے کرے ہنوز اُنکے آثار کے سوا ان کمالات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ان کا حوصلہ و ملکہ ملاء اعلیٰ سے ناشی تھا اب ملاء اعلیٰ سے بھی پوری مناسبت نہیں۔ مع ہذا راہِ جذب ہے نہ درگاہ (یعنی جذب طریق ہے مقصد نہیں اس لیے) بعد طے راہ جذب کے وہی طریقہ صحابہ کو عبدیت کا مقام ہے اختیار کرنا وعبادت و عاجزی کا معاملہ کرنا واجب ہوتا ہے۔"

(مکتوبات رشیدیہ صفحہ ۲)

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے صحابہ کے سلوک کی جو تفصیل بیان فرمائی بہت خوب ہے اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہو۔ بلاشبہ حضرات صحابہ کا یہی حال تھا لیکن حضرت نے یہ جو فرمایا کہ وہاں نہ استغراق تھا نہ فنا تھی تو اسکی کچھ توضیح کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ صحیح ہے کہ جس نوع کا استغراق اور فنا متاخرین کو حاصل ہوا حضرات صحابہ کا فنا اس قسم کا نہ تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ حضرات فنا سے عاری تھے۔ ایسا نہیں تھا۔ ان حضرات نے بھی اپنے آپ کو کامل طور پر فنا کردیا تھا۔ لیکن ان کے فنا میں شکر یہ تھا کہ بالکل ہی مغلوب الحال اور مستغرق ہوجاتے بلکہ ان کا فنا صحو کے ساتھ ساتھ تھا۔ پورے فانی اور پوری طرح باہوش۔ اور بعد کے لوگوں میں یہ جامعیت نہ تھی بلکہ ان کے فنا میں سکر کا انداز تھا۔ آپکے سامنے صحابہ کے فنا کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

وہ یہ کہ حضرت زید بن حارثہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی تھے ان کا نکاح حضرت زینبؓ کے ساتھ ہوا تھا لیکن مزاج کی موافقت نہ ہوئی اور حضرت زیدؓ نے حضور سے شکایت کی اور کہا کہ میں ان کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ حضور نے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس نے میری خاطر سے اور اللہ اور رسول کے حکم سے تم کو اپنی طبیعت کے خلاف قبول کیا ہے اسلئے اب چھوڑ دینے کو وہ اور

اس کے عزیز اپنی دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لیے خدا سے ڈرو اور جہانتک ہو سکے نباہ کی کوشش کرو۔ لیکن موافقت نہ ہونی تھی نہ ہوئی اور آئے دن جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ جاہلانہ رسم یعنی اپنے لے پالک کی بیوی کے ساتھ نکاح نہ کر سکنا اس کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور سے رد کر دے تاکہ مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش باقی نہ رہے اس لیے جب زید نے ان کو طلاق دیدی اور عدت گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان ہی پر کر دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَّكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ یعنی پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔

(بیان القرآن ص۹۷ ج۹)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو آیت سنائی اور پھر اس کے بعد ان کا شمار ازواج مطہرات میں ہونے لگا۔

یہ واقعہ صحابہ کے سامنے پیش آیا اور اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ عجیب واقعہ تھا مگر وہ حضرات اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح فنا کر چکے تھے کہ اسکے متعلق زبان سے کچھ کہنا تو درکنار کسی کو خطرہ اور وسوسہ کے درجہ میں بھی کوئی خیال نہیں گزرا اسکی کوئی نظیر غیر صحابی میں تو مل ہی نہیں سکتی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا فنا ہوگی کہ اپنی رائے کو اللہ اور رسول کی رائے اور ارادہ کے بالکل تابع کر دیا تھا اور فنا سے مراد حضرات مشائخ کی بھی ارادہ ہی کا فنا ہونا ہے یا رذائل کا فنا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ان دونوں ہی کا بے مثال ثبوت موجود ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جذب (یعنی نسبت) کے معنیٰ یہ بیان فرمائے کہ رجوع السالك الى حقيقة الحقائق واصل الاشياء اور اسکے بعد یہ فرمایا کہ اس میں افنا اپنا اور اپنے علم و انانیت کا کر دینا مقرر ہوئے۔ نہایت عمدہ بات فرمائی۔ بلاشبہ نسبت میں فنا علم اور

فنا و ارادہ تو ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلقات سے بھی دل سرد ہو جاتا ہے اور سالک کا مطلوب صرف ذات باری اور رضائے باری تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ خلف الرشید حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں خوب خوب بیان فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ طریق کو سالک کی نگاہوں میں محبوب کر دینے اور اس کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور حق تعالیٰ کی طلب میں سالک کو کھڑا کر دینے کا ان بزرگ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ فنا کے مضمون کو تو اس دلکش عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ بس انسان کمر ہمت باندھ کر میدان میں کود ہی پڑے۔ چنانچہ مکتوب بست و دوم مکتوبات جلد سوم میں صوفیائے کرام کے طریق کی مدح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اللہ تعالیٰ بہ جمعیت و عافیت دارد و بر جادۂ شرع محمدی علیہ السلام و سنت احمدی مستقیم و مستدیم گرداند و از تعلقات دنیا و گرفتاری ماسوا محرر ساختہ در سرادقات معرفت و سراپردۂ قرب خویش انس و الفت دہد۔ ایں معنیٰ در عالم اسباب وابستہ بسلوک طریقۂ صوفیہ عالیہ است ایں بزرگواران در محبت حق جل و علا از خود و از غیر خود گسستہ اند و در عشق او از آفاق و انفس گزشتہ ماسوا را در راہ او در باختہ دیا و ساختہ اند اگر حاصل دارند او را دارند اگر واصل اند با و واصل اند باطن شان را ہیچ انقطاع از دون او تعالیٰ روئے دادہ است کہ اگر سالہا یاد ماسوا نمایند بیاد شان نیاید و از انانیت نفس بنوعے گزشتہ اند کہ خود کلمۂ انا را بر خود شرک می دانند۔	اللہ تعالیٰ تم کو جمعیت خاطر کے ساتھ عافیت سے رکھے اور شریعت محمدی و سنت احمدی علیہ السلام پر مستقیم و مستدیم رکھے اور دنیوی تعلقات سے دور اور ماسوی اللہ کے علائق سے نفور رکھے اور اپنے قرب و معرفت کے سراپردہ کے ساتھ انس و محبت بخشے (یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قرب خاص جس کا نام نسبت ہے) یہ چیز اس عالم اسباب میں حضرات صوفیہ علیہ کے طریق پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ ان بزرگوں نے حضرت حق جل و علا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہو گئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیرباد کہہ کر خود کو ان کے ساتھ واصل کر لیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو بس انہی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے واصل ہیں تو انہی سے واصل ہیں چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوی اللہ

رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه
ورجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع
عن ذكر الله۔ خداوندا مرا ازیں قوم گرداں
یا از نظارگیان ایں قوم گرداں کہ قوم دیگر را
طاقت ندارم
ہر کس کہ ہوس ایں را دارد و تخم ایں
اندیشہ در دل می کارد باید کہ ہمہ چیز را گذاشتہ
صحبت ایں اکابر اختیار نماید و جان نثار
لوازم طلبگاری کند و از ہر جا بوئے ازیں
دولت بمشام جان برسد از پئے آں شود
خوش گفتہ بود ۔

بعد ازیں مصلحت کار رواں می بینم
کہ روم بر در میخانہ و خوش بنشینم

(مکتوبات صد۲۱ ج ۳)

ہے ایسا انقطاع کلی ہو جاتا ہے کہ اب اگر سو کو
سالہا سال یاد کریں تب بھی یاد نہ آئے۔ اسی طرح
نفس کی انانیت اور رعونت سے ایسا نکل جاتے
ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ انا کا استعمال بھی ان کو
شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ
تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا اور
یہ وہ لوگ ہیں جنھیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے
ذکر سے مشغول نہیں کرتی۔ خداوندا تو مجھے بھی اسی
قوم میں سے کر دے یا کم از کم ان کی زیارت کرنے
والوں ہی میں سے بنا دے کیونکہ ان دو کے علاوہ
تیسری قوم میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب جو شخص کہ
طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کا
بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اسکو لازم ہے کہ
تمام چیزوں کو ترک کر کے مشائخ طریق کی صحبت
اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار
کرے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اسکے
مشام جان میں پہونچے اس کی تحصیل کے در پے ہو جائے
کسی نے خوب کہا ہے۔ اب اس کے بعد مصلحت کار اس
میں سمجھتا ہوں کہ میخانہ کے دروازہ پر جا پڑوں
اور خوشی خوشی وہیں ایام گزاردوں۔ وقیل فی ہذا المعنیٰ

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

ایک دوسرے مقام پر قبض و بسط پر جو کہ سالک کے احوال میں سے ہیں اور طریق کے ارکان میں سے

ہیں کلام کرتے ہوئے نسبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کبھی اس کا ضعف سالک کے قبض کا سبب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

گاہ بود کہ ایں تنگی بجہت ضعف نسبت باطن باشد وچوں نسبت قوت پیدا نہ کردہ است گاہے ظہور می کند و گاہے مستور می شود۔ درحالت بعد صوری و غیبت از مرشد بیش از ملکہ نہ شدن نسبت ایں ضعف روئے می دہد و علاج آں صحبت راہبر است و توجہ او تا نسبت قوت پذیرد و ملکہ شود و بسر حد فنا رسد۔

(مکتوبات معصومیہ صـ۱۶۴)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبض کا منشا نسبت باطنی کا ضعف بن جاتا ہے۔ کیونکہ نسبت جب قوی نہیں ہوتی تو کبھی اس کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی وہ مستور ہوجاتی ہو۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ اپنے شیخ سے صوری اور ظاہری بعد بھی ہو۔ چنانچہ جب تک نسبت کا رسوخ نہ ہوجائے یعنی وہ ملکہ نہ بن جائے اس سے پہلے شیخ سے جدائی اس قسم کے ضعف کا سبب بن جاتی ہے۔ یعنی جب شیخ کی خدمت میں رہے گا تو نسبت میں قوت محسوس ہوگی اور جدا ہونے میں اس میں ضعف ہوجائے گا، اس کا علاج رہبر کامل کی صحبت اور اس کی توجہ ہے تاکہ نسبت قوی ہوکر ملکۂ راسخہ ہوجائے اور سالک فنا کی حد تک پہونچ جائے۔

اس کے بعد توجہ شیخ اور صحبت کامل کو مدارکار یعنی حصول نسبت اور ذریعہ تقویت نسبت قرار دے کر اس پر نہایت ہی زوردار کلام کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ نسبت کسی صاحب نسبت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

توجہ مرشد در صورت ثانیہ کہ بواسطہ زلت ظلمتے طاری شدہ باشد نیز نافع است توجہ پیر کامل کوہ کوہ ظلمات وکدورات را از ہر راہ کہ پیدا شدہ باشد از مرید صادق برمیدارد و تطہیر باطن او می فرماید و در قبض نیز ایں توجہ سودمند است بزودی در بسط

مرشد کامل کی توجہ دوسری صورت میں بھی یعنی جبکہ کسی معصیت اور لغزش کے سبب نسبت میں تاریکی آجائے نافع ہوتی ہے اس لیے کہ شیخ کامل کی توجہ ایسی چیز ہے کہ اگر ظلمات وکدورات کے پہاڑ کے پہاڑ ہر طرف سے نمودار ہوجائیں تو ان کو بھی مرید صادق سے دفع کرکے اس کے باطن کی تطہیر کرسکتی ہو۔

می آرد و راہ ترقی را بر وے می کشاید۔

اسی طرح سے شیخ کی یہ توجہ سالک کے لیے حالت قبض میں بھی مفید ہے چنانچہ بہت جلد اس میں بسط پیدا کر کے ترقی کا راستہ اس پر کھول سکتی ہے۔

و بالجملہ مدار کار بر صحبت و توجہ است کہ با محبت و سپردگی جمع شود از یکجانب محبت و سپردگی و از جانب دیگر توجہ۔

حاصل کلام یہ کہ مدار کار وہ صحبت اور وہ توجہ ہے جو کہ محبت یعنی عقیدت اور سپردگی کے ساتھ جمع ہو جائے یعنی سالک کی جانب سے محبت اور حوالگی ہو اور شیخ کی جانب سے توجہ۔

محبت تنہا بے توجہ راہبر می تواند کہ نافع شود ترقی بخشد اما توجہ محض بے محبت قلیل النفع است۔

چنانچہ تنہا محبت بدون توجہ شیخ کے بھی رہبر بن سکتی ہے یعنی نافع ہو سکتی ہے اور ترقی دے سکتی ہے مگر محض توجہ شیخ بدون محبت طالب کے کچھ زیادہ نفع بخش نہیں۔

محبت است کہ معانی خفیہ پیر را جذب می نماید و کمالات مخصوصہ او را بخود می کشد و فنا فی الشیخ بلکہ فنا فی اللہ پیدا می آرد و چوں از طرفین صفات مذکورہ پدید آید امید است کہ راہ ترقی کشادہ شود و بزودی بمنزل مقصود برسد و در راہ نماند۔

(ص۱۶۵)

یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ تنہا شیخ کی توجہ باطنی کو جذب کر لیتی ہے اور اسکے مخصوص کمالات کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے اور فنا فی الشیخ بلکہ فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرا دیتی ہے۔ اور اگر صفات مذکورہ یعنی محبت و توجہ جانبین سے ظاہر ہوتی ہیں تو اب حصول نسبت کے بعد امید قوی ہو جاتی ہو کہ ترقی کا راستہ کھل جائے اور جلد ہی منزل مقصود تک رسائی ہو جائے اور سالک راستہ ہی میں نہ رہ جائے۔

پھر آگے کچھ دور کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

پس باعث توقف سالک و سد راہ او در این طریق ہیچ نیست جز از سستی طالب طالب صادق کہ در صحبت کامل افتد و شرائط

پس اس طریق میں سالک کے توقف کا سبب اور اسکے حق میں مانع اور سد راہ کوئی اور چیز نہیں ہو بجز سالک کی سستی کے چنانچہ جو طالب صادق کسی

طلب کہ اکابر بسیار دادہ اند بجا آورد امید
است کہ البتہ واصل گردد۔
(مکتوبات معصومیہ ص۱۶۶)

کامل کی صحبت میں پہونچ جائے اور وہ تمام شرائط
بجالائے جنہیں اکابر طریق نے مقرر کیا ہے تو امید ہے
کہ ضرور بالضرور واصل ہو جائے۔

اس میں اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ شیخ کامل کو پاکر بھی اگر سالک کامیاب نہیں ہو رہا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ خود اس کے اندر کوئی علت اور مانع موجود ہے۔ اور علی العموم وہ مانع طالب کی کاہلی اور سستی اور اس کا شرائط طلب کا نہ بجالانا ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر سلوک کا مقصود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست
مقصود ازاں ادائے وظائف بندگی است
بے منازعت نفس۔
و نیز مقصود نیستی و گمنامی است و زوال رعونت
و انانیت امارہ کہ معرفت بداں مربوط است
ہر کہ بایں کس رجوع می کند و انابت می آرد
او را از حق باز داشتہ بخود مشغول می سازد
و ہر کہ رجوع نمی آرد او را بحق می دارد
ممنون او باید شد ؎

یارب ہمہ خلق را بمن بد خو کن
واز جملہ جہانیاں مرا یک سو کن
روئے دل من صرف کن از ہر جہتے
در عشق خودم یکجہت و یک رو کن

(مکتوبات معصومیہ ص۹۸)

سیر و سلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے
بلکہ وظائف بندگی کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس
کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔
اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی
تحصیل اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا ہے
اس لیے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور
جب ایسا ہے تو جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع
ہو اور اس سے تعلق کا اظہار کرے تو اس نے گویا اسکو
حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کر لیا اور
جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اسکو
حق تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا موقع دیتا ہے لہٰذا اس کا
شکر گزار ہونا چاہیے۔

اے اللہ تو ساری مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے۔
ایسا کہ وہ میری جانب رُخ ہی نہ کریں اور اسطرح سے
مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرما دے۔

اور میرے دل کو ہر طرف سے پھیر دے۔

اور اپنے عشق میں مجھے یکسو اور ہمہ تن متوجہ فرمادے۔

دیکھئے یہاں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ یہ جو فرما رہے ہیں کہ سیر و سلوک سے مقصود وظائف بندگی کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔ یہ سکینہ ہی کی تعبیر ہے جس کا دوسرا نام نسبت ہو جیسا کہ میں نے روح المعانی سے سکینہ کی تعریف یہی بیان کی تھی کہ سکینہ اس قوت قلبیہ کا نام ہے جس میں طمانیت کی آمیزش ہو ایسی کہ احکام الٰہیہ سننے کے بعد انسان سے نفسانی تقاضے ختم ہو جائیں اور جو چیز بھی ظاہر ہو بدون معارضۂ نفس کے انسان اس پر راضی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیر و سلوک سے مقصود اور اس کا منتہیٰ تحصیل نسبت ہی ہے اور جب کسی میں یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ شخص خود کو فنا ہی کر دیتا ہے اور اسی میں انسان کی خیریت ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا کمال ہو جیسا کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ :-

امید کہ آں برادر عزیز نیز بعافیت باشند و جمعیت صوری و معنوی متحقق بوند و از لفظ بمعنی آیند و از ظل باصل گرایند از ظل باصل شاہراہ است و مانع از وصول باصل توجہ ظل است بخود و اعراض او از اصل و چوں بسیر و سلوک بلکہ بمحض عنایت ازلی توجہ بخود رو بزوال آورد و بجائے اعراض اقبال باصل پیدا آید سر رشتۂ سعادت بدست افتد و متمسک بعروۂ وثقیٰ گردد ؎

چوں بدانستی کہ ظل کیستی

فارغی گر مردی و گر زیستی

بعد از وصول ظل باصل و لحوق آں سالک را استہلاک و اضمحلال است و فنا

امید کرتا ہوں کہ برادر عزیز بھی بخیریت ہوں گے اور ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ متصف نیز الفاظ سے معنی میں اور ظل سے اصل کی طرف آ گئے ہوں گے کیونکہ ظل سے اصل کی جانب شاہراہ لگی ہے۔ باقی اصل تک پہونچنے میں جو چیز ہے وہ ظل کا خود اپنی جانب توجہ کرنا اور اصل سے اعراض کرنا ہے اور اگر سیر و سلوک کے ذریعہ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی عنایت ازلی کے سبب سے سالک کی توجہ ظل سے ہٹ کر اصل کی جانب ہو جائے اور بجائے اعراض کے اصل کی جانب اقبال ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ سعادت کا رشتہ ہاتھ لگ گیا اور سالک نے مضبوط کڑے کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔

جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ کس کے ظل ہو اور

نیستی و ایں معنی کمال است در حق او کمال او در سلب کمال است و خیریت او در انتفائے خیریت معرفت وابستہ بایں فنا است و قرب منوط بایں انتفا را اذا تجلی اللہ بشیٔ خضع لہ۔

و بعد ازاں مستعد آں می شود کہ اورا از نزد خود حیات دہندہ و باخلاق خود متخلق سازند من قبلہ فاناً دیتہ و بہ تکمیل ناقصاں بازش گردانند کریمہ اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس۔ نشان حال او است آں زمان نعمت در حق او تمام شود و معنی خلافت بظہور آید ؎

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

(مکتوبات معصومیہ صد ۲۳)

تمھاری اصل کون ہو؟ تو بس اب تم فارغ ہوگئے مرجاؤ چاہے زندہ رہو مقصود حاصل ہو۔ ظل جب اصل سے مل جاتا ہو اور اسکے ساتھ پیوست ہوجاتا ہو تو سالک اپنے اندر اضمحلال اضمحلاک اور فنا اور نیستی کی کیفیت محسوس کرتا ہو اور یہ چیز اسکے حق میں کمال ہو اسلئے کہ سالک کا کمال ہی سلب کمال میں ہو اور اسکی خیریت ہی عدم خیریت میں ہو معرفت جس چیز کا نام ہو وہ اسی فنا سے وابستہ ہے۔ اور قرب اسی انتفاء سے ملا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی جب کسی چیز پر ہوتی ہو تو وہ اسکے سامنے پست اور خاضع ہوجاتا ہو

اس فنا اور نیستی کے بعد نفس کے اندر اس بات کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ اسکو اپنے پاس سے زندگی بخشیں اور اپنے اخلاق کے ساتھ اس کو متخلق بنا دیں خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ عرب کو میں قتل کرتا ہوں میں ہی اسکا خون بہا ہوں اور پھر اسکے بعد اس شخص کو ناقصوں کی تکمیل کیلئے مقرر فرما دیتے ہیں دیکھو ارشاد فرماتے ہیں کہ "ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا ہم نے اسکو زندہ بنا دیا اور ہم نے اسکو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اسکو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہو" چنانچہ اس آیت میں اسی شخص کے حال کی خبر ہو۔ اب اسوقت جاکر اسکے حق میں نعمت تمام ہوتی ہو اور خلافت کے معنی کا ظہور ہوتا ہو۔ یہ دولت اور سلطنت کا کام ہے اور ایک منصب عظیم ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ کب اور کسے عنایت فرماتے ہیں۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت باطنی کس قدر زبردست منصب ہو اور اسکے کتنے شرائط ہیں اب منصب تو لینا چاہتے ہیں لیکن شرائط و آداب نہیں اختیار کرنا چاہتے۔ صحیح طور پر مرید بھی نہیں ہوتے اور پیر بن جانا چاہتے ہیں۔ ع

"بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا"

(باقی)

اجتماعی اجتہاد اور ایک فقہی مجلس کا قیام

اس دور میں اسلامی زندگی کی حتمی ضرورت

(از شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء پروفیسر دمشق یونیورسٹی)

(دوسری اور آخری قسط)

شریعت میں اجتہاد کے کردار کو ہم دو زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک ماضی، دوسرا مستقبل۔ ان دونوں زمانوں میں اجتہاد کا کردار ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

اجتہاد کا کردار ماضی میں

ماضی میں اجتہاد نے اپنا وظیفہ مکمل طور پر ادا کرتے ہوئے شریعت کی بہترین خدمت کی۔ اس نے فقہ کا ایک عظیم محل بنا کر کھڑا کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا تھا اجتہاد کے عمل نے اسے بھر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے احکام کے باب میں چند سو قرآنی آیتوں اور تقریباً اتنی ہی حدیثوں کا ذخیرہ چھوڑا تھا۔ لیکن نصوص کے اس ذخیرے میں اپنی قلتِ تعداد کے ساتھ ساتھ ایک لچک اور عموم، اصولی جامعیت اور علت نمائی کی ایک ایسی نوعیت پائی جاتی تھی۔ اور قانون سازی کے لیے بنیادی اصول ان میں اس طرح سمو دیے گئے تھے کہ ان سے فقہ اور اجتہاد کو آگے بڑھنے کا ایک مضبوط اساس مل گئی۔ مثلاً قرآن پاک میں ارشاد ہوا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا

بِالْعُقُوْدِ" (اے ایمان والو قول و قرار کو پورا کرو) ـــــ یہ اجتہاد و فقہ کے کتنے ہی احکام کی اساس ہے ـــــ اور اسی طرح حضورؐ کا ارشاد "لا ضرر ولا ضرار" اس میں ضرار کے معنی ہیں نقصان کے بدلے میں نقصان پہونچانا۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو کسی دوسرے کا مال تلف کر دے بدلے میں اس کا مال تلف نہیں کیا جائے گا بلکہ نقصان کا معاوضہ دلایا جائے گا۔ یہی وہ مسلمہ قانونی اصول ہے جسے ماہرین قانون وضعی (Subje ctum [illegible]) نقصان رساں فعل کی ذمہ داری سے تعبیر کرتے ہیں۔

صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں یعنی قرون ثلثہ میں جزیرۂ عرب اور دیگر اسلامی مفتوحات میں کے اہل اجتہاد کا کوئی شمار نہیں تھا، ہر مجتہد کے اپنے اصول اور اپنا طریقہ تھا جس سے وہ نصوص کا مطلب سمجھنے، ان سے احکام اخذ کرنے اور نئے واقعات کو ان پر تطبیق کرنے کا کام لیتا تھا۔ کسی اصول میں اتفاق سے یہ سب متفق ہو جاتے اور کسی میں اختلاف رہتا۔ لیکن یہ سب طریقے صحیح اور معتبر تھے۔ اس طرح ان تین قرنوں میں جتنے مجتہد ہوئے اتنے ہی اجتہادی مذاہب وجود میں آئے اور ہر مذہب نے تمام ابواب پر مشتمل ایک مکمل شرعی قانون پیش کیا۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ارباب مذہب کی موت کے ساتھ ختم ہو گئے اور اُن کے صرف متفرق اقوال اختلاف فقہا کی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن میں امام مذہب کو ایسے شاگرد میسر آگئے جنھوں نے امام کے ایک ایک قول کی حفاظت کی، اس کی تدوین و توسیع کے فرائض انجام دیئے اور لوگوں نے ان کو قبول کیا۔ اس سے ان مذاہب کے حصے میں کامل بقا آئی اور نسلاً بعد نسلٍ ان کی خدمت و اشاعت ہوتی رہی ـــــ یہ مذاہب اربعہ ہیں۔

مذاہب اربعہ کے استحکام سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ ایک طرف یہ مذہب نہایت کامل و جامع تھے اور بڑی کثرت سے ان کی فقہ پر مشتمل کتابیں تیار ہو گئی تھیں۔ دوسری طرف زمانے کے اثر سے لوگوں میں شریعت و لغت کے اُن علوم میں مہارت حاصل کرنے کا ذوق گھٹ چکا تھا جن سے اجتہادی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر لوگوں نے ان مذاہب کی تقلید کا راستہ اختیار کر لیا اور دنیائے اسلام کے ہر گوشے میں انہی میں سے کسی ایک مذہب کا بول بالا تھا۔ ان مذاہب کے اکابر علما نے محسوس کیا کہ فقہ کا یہ کامل ذخیرہ لوگوں کی ضرورت کے لیے کافی ہے اور دوسری

طرف اجتہادِ مطلق کے شرائط ہیچ کمیاب ہیں جس سے یہ بات قدرتی ہے کہ جمہور امت میں ان شرائط کا ادراک بھی کمزور پڑے، اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ نااہل لوگ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مدعی اجتہاد بن بیٹھیں، چنانچہ ان علماء نے چوتھی صدی ہجری کے بعد سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے کا فتویٰ دے دیا۔ یہ فتویٰ اجتہادِ مطلق ہی کے بارے میں تھا۔ محدود اور مقید اجتہاد کی گنجائش باقی رکھی گئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اہلِ مذاہب ان مذاہب ہی کے دائرے میں تفریع و توسیع اور تخریج کے ذریعے نئے نئے مسائل سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مدتوں نئے مسائل کا حل یا انہی مذاہب میں مذکور مسائل پر قیاس کر کے نکالا گیا یا استحسان کے ذریعے اور یا پھر "مصالح مرسلہ" کے اصول کا سہارا لے کر۔ پانچویں صدی میں فقہ حنفی کے اندر بیع الوفاء کے احکام اسی طریقے سے متعین ہوئے جس میں سود کا اشکال تھا۔ اسی طرح متاخرین مذاہب نے استحسان کے اصول پر ایک فتویٰ یہ دیا کہ جس شخص کا سارا مال قرض میں ڈوبا ہوا ہو اس کا کوئی مالی تصرف حتیٰ کہ وقف بھی نافذ نہیں۔ ہاں مگر اس شکل میں کہ قرضخواہ اجازت دے دے۔ اس حکم کی بنیاد یہ قرار دی گئی کہ قرضداروں کو وقف، ہبہ یا ایسے ہی دوسرے تصرفات کے ذریعے اس کا موقع نہ ملنا چاہیے کہ قرضخواہوں سے اپنا مال بچا لیں، علیٰ ہٰذا اور بہت سے مسائل۔

لیکن زمانے کے قانون نے اس مقید اجتہاد کے ساتھ بھی وہی کیا جو مطلق اجتہاد کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کی اہلیتیں بھی بتدریج گھٹتی چلی گئیں اور آخر کار وہ وقت آ گیا کہ فقہ تازہ بتازہ رہنمائی کے لحاظ سے مطلق بانجھ پن کا شکار ہو کر پرانے احکام و مسائل کے حفظ و تکرار کا نام ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ آج جن کو علماء اور فقہاء کہا جاتا ہے ان میں ایسے اشخاص تک پائے جاتے ہیں جو فقہ کی تعلیم میں دلائلِ احکام اور آراء مذاہب پر گفتگو کو بھی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک غیر ضروری کام ہے۔

ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ اجتہاد شریعت کی رُوح اور فقہ کی جان ہے، فقہ کی تاریخ کا یہ دور جس میں اجتہاد متروک ہوا اس کی صداقت کا نہایت ٹھوس اور واقعاتی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس ترکِ اجتہاد ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ خلافت عثمانی کے آخری دور سے ہمارے حکام نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ شریعت اور اس کا نظامِ فقہ اس دور کے تیز رفتار تقاضوں کا ساتھ دینے

اور وقت کی ضرورتوں کے مطابق قانون سازی کی صلاحیت کا ثبوت دینے سے عاجز ہے. لازماً وہ اجنبی قوانین کی طرف جھکے اور پھر اسلامی فقہ اپنے کتب خانوں میں دفن ہوتی چلی گئی. علمی لحاظ سے بھی اور عملی لحاظ سے بھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انجام کے آثار ابن قیم کے دور میں رونما ہونے شروع ہو گئے تھے. چنانچہ ان کی تصنیف "الطرق الحکمیۃ" نیز "اعلام الموقعین" میں بھی اس موضوع پر نہایت نفیس کلام پایا جاتا ہے۔ انھوں نے بڑے درد کے ساتھ اہل مذاہب کے اس جمود اور شریعت میں اُن کے اس جمود کی پیدا کردہ تنگیوں کا ماتم کیا ہے جس نے امراء اور سلاطین کو اجنبی قوانین اختیار کرنے پر مجبور کیا. حالانکہ شریعت میں فی نفسہٖ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت تھی جن سے مجبور ہو کر اور جن کے باب میں وقت کی اسلامی فقہ سے مایوس ہو کر ان حکام نے یہ اقدام کیا تھا ——— الغرض باب اجتہاد کا بند کر دیا جانا ایک عظیم مصیبت تھی جو شریعت اسلامی اور اس کے قابل فخر نظام فقہ پر نازل ہوئی. جب تک اسلام کے ان خصائص سے انکار نہ کیا جائے جن کا اوپر ذکر آیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کو اجتہاد کا دروازہ بند کر دینے کا حق نہیں، خود مذاہب اربعہ کے بعض نامور متأخرین اپنی کتابوں میں صراحت کرتے ہیں کہ جب کبھی کوئی عالم شرائط اجتہاد کا جامع ہو جائے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی مذہب کی تقلید کرے۔ البتہ عملی طور پر وہ اس امکان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے. بالفاظ دیگر ان کے ہاں بھی باب اجتہاد کا کھلنا ممنوع نہیں بلکہ اس کی کنجی مفقود ہے. ساتویں صدی ہجری کے اکابر فقہاء شافعیہ میں علامہ عز الدین بن عبد السلام کا ارشاد ہے کہ

> "انسداد باب اجتہاد میں فقہاء کے مختلف قول ہیں...... مگر یہ سب فاسد ہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی نئی بات پیش آ جائے جس میں نص موجود نہیں ہے. یا سلف کا اس کے حکم میں اختلاف ہو تو لازم ہے کہ اس میں کتاب وسنت سے اجتہاد کیا جائے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو وہ ہذیان ہے۔"

تاہم اس کی بھی ضرورت ہے کہ جن لوگوں نے اجتہاد کو موقوف کرنے کا فیصلہ کیا اُن کے موقف کا پس منظر ہمیں معلوم ہو اور اُن کی رائے سے اختلاف کے باوجود کسی قسم کی

ناانصافی ان کے ساتھ نہ ہو۔

ماضی میں اجتہاد کی ساخت اور اس کا مزاج

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اجتہاد کا مزاج شورائی تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا دستور یہ تھا کہ حقوق یا امور سیاست میں کوئی نئی غور طلب بات پیش آتی تو یہ حضرات تمام اہل الرائے اصحاب کو جمع کر کے ان کا مشورہ حاصل کرتے تھے، جیسا کہ قرآن کی ہدایت ہے کہ (وشاورھم فی الامر ۔ یا ۔ امرھم شوریٰ بینھم) اور جیسا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ جب مسلمانوں کو کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کے بارے میں نہ کتاب اللہ میں کوئی نص ہو نہ سنتِ رسول میں تو

اجمعوله العالمین ولا تقضوا — اس کے لیے اہل علم کو جمع کرنا چاہیے،
فیه برای واحد — فردِ واحد کی رائے سے فیصلہ نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن بعد کے دور میں جب اصحاب کرام اور تابعین مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے اور کسی مشورہ کے لیے سب کا اجتماع ممکن نہ رہا تو پھر اجتہاد کی ساخت انفرادی بن گئی۔ مگر اس وقت کے لوگوں اور عہدِ نبوت میں زمانے کے اعتبار سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوا تھا۔ اس عہدِ میمون کا گہرا اثر طبیعتوں میں تھا، احادیثِ نبوی کی شخص بہ شخص روایت کا ایک عام غلغلہ تھا، حدیثی صحیفے الگ تیار ہو کر علماء میں پھیل رہے تھے۔ اور مطالعہ قرآن و حدیث، علم لغت اور ذوقِ تفقہ میں مسابقت کی وہ گرم بازاری تھی کہ بڑی تعداد میں لوگوں کی زندگیاں علم ہی کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھیں۔ قدرتی طور پر ایک صالح و ثقہ عالم اور اس کے غیر کے درمیان امتیاز بھی اس دور میں آسانی سے ممکن تھا۔ لیکن جب عہدِ رسالت سے فاصلہ بڑھ گیا، علمی اہلیت اور صلاح و تقویٰ کے اوصاف نادر ہو گئے اور عالم و متعالم کے درمیان تمیز مٹنے لگی تو متبعین مذاہب اربعہ کو سنجیدگی سے خطرہ لاحق ہوا کہ لوگ کہیں شریعت میں فساد برپا کرنے، بدعات کو رواج دینے اور فکر و اعتقاد کو مسموم کرنے کے لیے اجتہاد کی دکانیں سجا کر نہ بیٹھ جائیں، اسی کے ساتھ خود نے یہ سمجھا کہ اجتہاد کو ضروریات کے لیے اجتہاد مقید سے آگے جانے کی

کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے فتویٰ دے دیا کہ اب اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند ہے۔

"ماضی میں اجتہاد" کے تجزیہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاسیسِ فقہ کے اس ابتدائی دور میں ان مؤسسین کے انفرادی اجتہاد نے اُمت کو بڑی خیر و برکت سے مالا مال کیا۔ ان کے نیک عزائم اور مسلسل محنت سے شریعت کی زمین لہلہا اُٹھی، انھوں نے نصوصِ شریعت سے قانونی نظریات اور اُصولی قواعد مرتب کر کے ہماری فقہ کو ایک ترقی پذیر سرمایہ عطا کیا۔ ان قواعد و نظریات اور فرعی احکام سے جو لازوال فقہی سرچشمہ وجود میں آیا ہے یقیناً اس کی نظیر اقوامِ عالم میں نہیں ملتی۔ یہ سب پہلی تین صدیوں کے انفرادی اجتہاد کی دین ہے ـــــ اور پھر یہ بھی ایک خیر و حکمت ہی تھی کہ اس کے بعد فقہی انارکی اور دوسرے بعض مفاسد کا خطرہ محسوس کیا گیا تو بابِ اجتہاد بند کر دیا۔ ہاں اس میں جو صحیح نہیں ہوا وہ یہ تھا کہ بندش کلّی طور پر کر دی گئی۔ جو خطرات درپیش تھے ان کے انسداد کے لیے اجتہاد کو حرام کر دینے کی ضرورت نہ تھی، اسے نئے سرے سے منظم کرنے اور انفرادی کے بجائے اجتماعی وظیفہ بنا دینے کی ضرورت تھی۔ اور یہی وہ شکل ہے جو اب مستقبل میں اختیار کی جانی چاہیے۔

اجتہاد کا کردار مستقبل میں

ماضی میں انفرادی اجتہاد ایک ضرورت تھی لیکن آج وہ ایک بڑی مضرت ہے، وہ قباحتیں جن کا چوتھی صدی ہجری میں صرف اندیشہ تھا اور جس کی وجہ سے فقہائے مذاہب نے بابِ اجتہاد بند قرار دے دیا تھا آج وہ امرِ واقعہ بن گئی ہیں۔ ایک بڑی تعداد میں واقعۃً دین فروش پیدا ہو گئے ہیں، جن میں بہت سے علم اور قوتِ بیان کے اعتبار سے خدا ترس علماء سے فائق ہی ہیں، خود ازہر* کے فضلاء میں آج ایسے افراد موجود ہیں جن کی کتابوں اور فتووں کے ڈھیر ثابت کر رہے ہیں کہ انھوں نے اپنا علم دشمنانِ اسلام کے تصرف میں دے دیا ہے۔ اور اجتہاد و آزادیٔ فکر کے پردے میں اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کا وہ کام انجام دے رہے ہیں جو ان دشمنوں کے اپنے بس کا نہیں تھا۔ دونوں ہاتھوں سے دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور خدا کی ناراضگی کا ادنیٰ خیال بھی شاید

* جامع ازہر۔ عالمِ اسلام کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی دینی درسگاہ۔

انھیں نہیں گزرتا۔ پس اگر ہم اجتہاد کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ شریعت کی رُوح اور اس کی فقہ کی جان ہے اور جو عصری مشکلات کو حل کرنے کے لیے ناگزیر ہے تو ان حالات کے تحت لازم ہے کہ اجتہاد کے ایک نئے اسلوب کی بنیاد ڈالیں۔ یعنی انفرادی اجتہاد کے بجائے "اجتماعی" یا جماعتی اجتہاد، جو کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ کے دور میں اجتہاد کا اسلوب تھا۔

اور اس کا راستہ یہ ہے کہ آج کل کی علمی یا لسانی مجلسوں (اکیڈمی) کی طرح ایک مجلس فقہ اسلامی کی تشکیل کی جائے جس میں ہر اسلامی ملک سے اس کے مشہور فقہاء کو لیا جائے جو علم دین اور عصری بصیرت کے جامع ہوں اور صلاح و تقویٰ کے اوصاف سے بھی متصف ہوں، نیز عصری علوم کے وہ ماہرین بھی اس میں شامل کیے جائیں جو مثلاً اقتصادیات، اجتماعیات، قانون اور ڈاکٹری وغیرہ میں اختصاص رکھتے ہوں اور ساتھ ہی دینی اعتبار سے پختہ مسلمان ہوں، تاکہ فنی مسائل میں یہ لوگ فقہاء کے لیے معلومات کا ایک قابل اعتماد ذریعہ بنیں، یہ تمام ارکانِ مجلس کلّی طور پر اسی کام کے لیے فارغ ہوں۔ ایک بڑی لائبریری ان کے تصرف میں ہو اور معاشی کفالت کے لیے کافی مشاہرے انھیں ملیں۔ ان کا سارا وقت اپنے مقصد کے لیے مطالعے میں گزرے اور عصری مسائل و مشکلات میں سے جو موضوع بھی دعوتِ غور و فکر دے یہ اس میں شرعی حکم دریافت کریں۔ اس مجلس کو اپنی علمی بحثوں کے لیے ایک مستقل رسالہ بھی نکالنا چاہیئے۔ اور فقہ اسلامی کی ایک انسائیکلوپیڈیا حروف ابجد کی ترتیب سے اس نہج پر مرتب کرنی چاہیے جس نہج پر دوسرے قوانین کی انسائیکلوپیڈیا زتیا ہو رہی ہیں۔ (اس کی کچھ تفصیل ہم آگے کریں گے) مزید برآں اُن اُمہات کتب فقہ کی ایک فہرست (کیٹلاگ) تیار کی جانی چاہیئے جن کا مطالعہ عصر حاضر میں اجتہاد کے لیے ضروری ہے۔

فقہی اکیڈمی اور ادارہ اس کے دائرۂ کار کا یہ تجزیہ ایک بڑے بجٹ کو چاہتا ہے جس کا قابلِ اعتماد حصول ذیل کے صرف دو طریقوں سے ممکن ہے۔

۱ـــــ تمام مسلم ممالک کے عوام سے چندہ (لیکن موجودہ باہمی افتراق، مسلم عوام میں شعور کی کمی اور ان کے تعلیم یافتہ طبقوں میں اسلام سے کم دلچسپی کی وجہ سے یہ عملاً ناممکن ہے)

۲ــــ کوئی دولتمند اسلامی حکومت براہ راست اپنے طور پر اس تجویز کو اپنا لے اور اپنے سالانہ مالی بجٹ کا ایک حصہ اس کے لیے مخصوص کرے یا کسی عالمی اسلامی تنظیم کی معرفت جیسے کہ یہ رابطۂ اسلامی کی تنظیم ہے، جس کی دعوت پر ہم اس مبارک اسلامی دیار میں جمع ہیں۔

افسوس ہے کہ ایسی ایک فقہی اکیڈمی کے قیام کی تجویز مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس ہائے ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۱ء (منعقدہ کراچی) میں منظور ہوئی تھی۔ لیکن وسائل کے عدم حصول سے یہ تجویز کاغذ ہی پر رہ گئی۔ کیونکہ اگر سب نہیں تو بیشتر اسلامی حکومتیں اور تمام مقاصد میں تو بڑی فیاضی سے خرچ کر سکتی ہیں لیکن نہیں خرچ کر سکتیں تو اسلام کے لیے نہیں خرچ کر سکتیں۔

فقہی انسائیکلوپیڈیا

فقہی انسائیکلوپیڈیا کی جو تجویز ہم نے اوپر رکھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آجکل جس ڈھنگ سے ڈکشنریوں کے طرز پر جدید وضعی قوانین کے انسائیکلوپیڈیا تیار ہوئے ہیں، اسی ڈھنگ سے اسلامی فقہ کی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دی جائے جس میں فقہی موضوعات کو کوئی بھی تلاش کرنے والا اس موضوع کے پہلے حرف کے ماتحت اسی طرح نکال سکے جس طرح لغوی کلمات کو ان کے پہلے حرف سے ڈکشنری میں بلا دقت نکالا جا سکتا ہے۔ ان موضوعات پر مختلف مذاہب فقہ کا جو موجودہ موقف ہو اُسے ان کے تحت بیان کر دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر مذہب کا عالم دوسرے مذاہب کے موقف سے بھی بآسانی واقف ہو سکے گا۔

اس عظیم علمی کام پر دراصل مستقبل میں فقہ اسلامی کی زندگی کا بہت کچھ انحصار ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے دمشق یونیورسٹی کے لا کالج (كلية الشريعة) کو اس عظیم خدمت کا بیڑا اٹھانے کی توفیق عطا کی ہے چنانچہ وہاں نو سال سے علماء کی ایک کمیٹی (لجنة موسوعة الفقه الاسلامي) قائم ہے جس نے اس انسائیکلوپیڈیا کا پورا نقشہ مرتب کر لیا ہے۔ مگر اگلے مراحل کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس معاملے میں توفیق دے گا جن پر اصلاً ذمہ داری عائد ہوتی ہے، بالخصوص اس اسلامی تنظیم "رابطۂ عالم اسلامی" سے امید کی جانی چاہیے کہ وہ اس کام کی طرف توجہ دے گی۔ اور ان وسائل کا انتظام کرے گی جن سے یہ تکمیل کو پہونچ سکے۔

دربارِ عالمگیری

(از ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی کاکوروی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی)

(۹)

ابراہیم بن ذوالفقار

اپنے عہد کے ایک ممتاز امیر کبیر تھے۔ عالمگیر کے سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد
نے تدریجاً اپنی ممتاز صلاحیت و اہلیت کی بدولت وزارت کے درجہ پر فائز ہوئے اور شاہ عالم
کے عہد تک اسی منصب پر برقرار رہے، شاہ عالم نے انھیں وکیل مطلق کا درجہ دیا لیکن
رخ سیر کے زمانے کی وزارتی کشمکش نے انھیں عزلت گزینی پر مجبور کر دیا، تاحیات دلی میں
ن کا قیام رہا، مراسلت، مکاتبت اور شاہی فرامین کی تنظیم اور ترتیب میں انھیں طولیٰ
اصل تھا۔ علوم دینیہ پر بھی کامل دستگاہ تھی۔ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے اور کبھی چہرے
پر حزن و ملال کے آثار ظاہر نہ ہونے دیتے۔ ہر کہ و مہ سے بڑے اخلاق سے پیش آتے لباس
بھی شوق تھا ان کے جسم پر معمولی کپڑا کبھی نہیں دیکھا گیا ۷۰ سال کی عمر پائی اور ۱۱۲۹ھ میں
ن کی وفات ہوئی۔ شاہ جہاں نے انھیں "جملۃ الملک" کے خطاب سے نوازا تھا حسن سیرت اور
سن صورت، پاک باطنی اور جمال ظاہری میں دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے انھیں اس دربار
سے "اسد خاں" کا لقب بھی دیا گیا خاندانی اور حسب نسب کے اعتبار سے خاص علم اور خاصی
دولت کے حامل تھے۔ پہلے آختہ بیگی کے عہدہ پر رہے پھر ترقی کر کے بخشی گری کے منصب جلیلہ پر ممتاز کئے گئے[۱]

---

[۱] مآثر عمرا

ابراہیم بن علی الفارسی

یہ بڑے پایہ کے امیر تھے اور دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ علمی فضل و کمال بھی رکھتے تاریخ اسلام پر خاصی نظر تھی، مذہباً اور مشرباً اہل تشیع میں سے تھے سنہ ۱۰۷۲ھ میں عالم گیر نے انھیں کشمیر کا گورنر بنا کے بھیجدیا تھا۔ کشمیری شیعوں نے ان کے منصب جلیل سے فائدہ اٹھایا اور آئے دن سنیوں کو اپنی دست درازیوں اور بیجا تعدیوں کا شکار بناتے رہے، عالمگیر کو یہ رپورٹیں ملیں تاہم سیاستہً کچھ دن انھوں نے اغماض سے کام لیا لیکن بالآخر انھیں پہلے لاہور منتقل کیا اور پھر بہار بھیجدیا۔ حالات سدھرنے کے بعد ان کو دوبارہ کشمیر کی ایالت سپرد کی گئی اور آٹھ سال تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور اپنے دوران قیام اور عہد حکومت میں انھوں نے خوب خوب شہر آباد کئے اور زراعتی پیداوار کی ترقیوں میں ان کی مساعی مشکور رہیں۔ بظاہر دلداری اور دل جوئی اپنا شعار بنائے رہے لیکن جب پھر اہل السنت والجماعت اور اہل تشیع میں کشمکش کے واقعات رونما ہوئے اور شیعوں نے انھیں اپنا حامی اور مددگار سمجھ کے اہل سنت پر جور و ستم اور قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا اور یہ ایک عالمگیر بلا اور مصیبت بن گئی تو شاہ عالمگیر کے ضبط و تحمل سے معاملہ باہر ہوگیا اور انھوں نے سنہ ۱۰۹۰ھ میں ان کو ہٹا کے بنگالہ بھیجدیا۔ وہاں عرصہ تک قیام کے بعد الہ آباد کی زمام حکومت ان کو تفویض کردی لیکن کشمیر کی آب و ہوا ان کو ایسی بھائی تھی کہ پھر بادشاہ کو متاثر کر کے کشمیر کی گورنری پر تیسری بار پہنچ گئے۔ لیکن اس بار ان کے افتاد طبع اور مزاج میں پورا پورا تغیر رونما رہا اور اسے سنہ ۱۱۱۸ھ تک نباہتے رہے اس بار ان کی عصبیت اور جا و بیجا حمایت پر چنداں حرف گیری نہیں ہوئی۔ آخری عمر میں گجرات کی گورنری پر مقرر کئے گئے۔ ان کا ستارۂ اقبال بلندی پر تھا اور بخت و نصیب ان کا پورا یاور۔ یہاں چندے قیام کے بعد زمانہ پلٹا۔ حکومت بدلی اور ماحول میں تغیرات رونما ہوئے عالم گیر کے بیٹے شاہ عالم نے انھیں "علی مردان خاں" کہہ کے مخاطب کرنا شروع کردیا۔ یہی نام ان کے باپ کا بھی تھا اور انھیں کا بجا حکمراں

بنا دیا لیکن اس عہدہ پر عرصہ تک فائز نہ رہ سکے بالآخر استعفا دے کے ابراہیم آباد میں آ کے رہنے لگے۔ ابراہیم آباد لاہور سے کوئی تیس میل پر ایک قصبہ تھا۔ یہاں انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا سب بند کر دیا عزلت نشینی اور گوشہ گزینی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ تصنیف تالیف کا بھی شوق تھا "بیاض ابراہیمی" کے نام سے سات جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی جس کی پہلی دوسری اور تیسری جلد میں خلفائے ثلٰثہ پر بحث کی اور چوتھی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو موضوع سخن بنایا، پانچویں میں حضرت معاویہؓ اور چھٹی میں حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی امامتیں زیر بحث آئیں۔ بیاض ابراہیمی کی ساتویں جلد میں دوسرے فرعی مسائل لکھے گئے ہیں تقریباً ۱۱۲۱ھ میں ان کی وفات ہوئی[1]

مفتی ابوالبرکات دہلوی

ان کے والد بزرگوار کا نام حسام الدین تھا۔ یہ حنفی مذہب کے پیرو تھے۔ ان کی ولادت دارالحکومت دہلی میں ہوئی تھی اور اپنے عہد میں فقہائے حنفیہ میں ان کو ایک خاص الخاص درجہ حاصل رہا ان کی وسعت نظر درایت ذکاوت اور دقت آفرینی ان کے لئے وجہ امتیاز بنی شروع میں انھیں دارالخلافت کا مفتی بنایا گیا لیکن عہد عالمگیری میں ان کو منصب قضا تفویض کر دیا گیا تھا۔ ہیں ان کی ایک کتاب "مجمع البرکات" کے نام سے دو جلدوں میں ہے جو خاصی ضخیم ہیں اور اس کے دیباچہ میں یہ الفاظ درج ہیں۔

الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان الخ

اس کتاب کا سبب تالیف یہ لکھا ہے۔

لما کانت الروایات اشتاتا متفرقۃ	چونکہ (فقہی) روایات منتشر تھیں میں نے
جمعتھا جمعا لیسہل الوقوف بھا و	انھیں اس طور سے جمع کر دیا کہ ان تک رسائی
رتبتھا ترتیبا لیتیسر الاطلاع علیھا	آسان ہو جائے اور ان کی ترتیب دیا میرے ملحوظ
فی ھذا المختصر الخ	خاطر یہ رہا کہ ان حالات میں ان تفرقے ملانا کا حصول دشوار نہ ہو۔

[1] ماثر الامراء - عجب الاباب

سنہ ۱۱۱۶ھ میں اس کی تسوید اور تبییض سے فراغت پائی۔ انہیں فقہ اور اصول فقہ پر پورا پورا عبور تھا (رحمہ اللہ)۔ فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں بھی شمار کئے جاتے ہیں[1]

ابوالحسن تاناشاہ

یہ نسباً چغتائی تھے۔ ان کی ولادت اور نشوونما حیدرآباد میں ہوئی۔ سنہ ۱۰۸۳ھ میں عبداللہ قطب شاہ کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھے لیکن حکومت کا نظم ونسق دو ایسے وزیروں کے ہاتھ میں رہا جنھوں نے پوری آزادی کے ساتھ رسوم کفر کا احیاء کیا اور قلمرو میں پوری جاہلیت کی شانیں پیدا کردیں۔ تاناشاہ کے اوقات ملاہی و ملاعب رقص وسرود، جام ومینا کے مشاغل میں گزرتے رہے۔ یہ صورت حال عالمگیر کے لئے ناقابل برداشت تھی بالآخر انھوں نے اس صورت حال کے ختم کرنے کے لئے ایک جرار لشکر بھیجا جس نے بڑے گھمسان کے جدال وقتال کے بعد غلبہ حاصل کیا۔ تاناشاہ نے گولکنڈہ کے قلعہ میں پناہ لی، لشکر عالمگیری نے اس کا محاصرہ کیا اور سخت مدافعت کے بعد تاناشاہ اور اس کے ہمنوا مغلوب ہوئے۔ تاناشاہ گرفتار کرکے دربار عالمگیری میں لائے گئے۔ عالمگیر نے انھیں دولت آباد کے قلعہ میں مقید رکھا اور اس طرح قطب شاہی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

تاناشاہ کا اس عہد کے ممتاز اور اکابر علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ان کی ایک کتاب علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف پر نوٹ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ مولانا حاجی حبیب الرحمٰن خاں شیروانی سابق ٹریزرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے موروثی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ تاناشاہ نے اپنے اساتذہ وقت سے علوم متداولہ کی تحصیل کی اور درویشوں اور فقیروں کی صحبت کے بھی شروع شروع بہت ہی دلدادہ رہے۔ یہ مذہباً اور مشرباً شیعہ تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے اور تواضع اور ایثار سے پیش آتے حسن معاشرت میں یکتائے زمانہ متصور ہوتے۔ سنہ ۱۱۱۱ھ میں ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن ان کی تاریخ وفات ہے۔ یہ ایک اتفاق اور قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے کہ ۷۰ سال کی عمر پائی اور عمر کے ۵ دور گزرے وہ بھی اس طرح کہ ۱۴ سال لڑکپن کی لاپرواہیوں اور تغافل میں، ۱۴ سال علوم دینیہ کی تحصیل میں، اسی طرح ۱۴ سال صوفیا، اتقیا اور اولیاء کی

[1] شمس التواریخ بحوالہ نزہۃ الخواطر

مجلسوں ۱۲ برسوں میں ۱۲ سال تخت مملکت پر اور بقیہ ۱۴ سال قلعہ دولت آباد میں اسارت و قید کی حالت میں۔ طبعاً شاعر بھی تھے اور ان کا فارسی اور ہندی کلام موجود بھی ہے۔

ابو محمد ملا محمد غوث کاکوروی

یہ ملک ابوالخیر ملک زادے کے بیٹے تھے، ان کی کنیت ابو محمد ہے ۱۰۵۶ھ میں پیدا ہوئے، اپنے عہد کے بڑے فاضل اور بڑے عالم تھے، درس و تدریس کے مشاغل میں اوقات گزاری کرتے۔ ملا محمد زماں کاکوروی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مختصرات اور مطولات کتب کی تحقیق ان سے ہی کی، ملا ابوالخیر خیرآبادی سے بھی انھیں تلمذ حاصل رہا، ملا قطب الدین سہالوی سے دینیات کے علاوہ دوسری کتب پڑھیں، ملا یعقوب بنبانی سے لاہور جاکے حدیث کی سند لی، علوم متداولہ میں انھیں پوری مہارت حاصل تھی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں یگانۂ عصر شمار کئے گئے۔ شاہ میر لاہوری سے سلوک اور طریقت میں رجوع کیا اور ان سے ہی بیعت ہوئے۔ دارالحکومت دہلی میں زیادہ قیام رہا اور درس تدریس میں وہ کمال اور شہرت حاصل کی کہ دور دور سے تشنگان علوم ان کے حلقہ درس میں آتے اور سیراب ہوتے۔ تبحر علمی اور وسعت معلومات و نظر کی بدولت شاہ عالمگیر تک رسائی حاصل ہوئی اور فتاویٰ عالمگیری کے مولفین اور جامعین میں ان کو بھی شامل کر لیا گیا قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین علی خاں بہادر اپنی کتاب "رشک ریاض" میں لکھتے ہیں۔

"ہرگاہ مکاسب علمیہ دست داد متوجہ اردوئے معلیٰ سلطانی گردید و در اندک مدت بہ تقریب عالمگیر اختصاص یافت چنانچہ آں شاہ پر تشرع سند نمودن کتب حدیث نبوت ایں علامۂ عصر بتوسط نواب عنایت اللہ خاں استدعا فرمودہ فہرست سلسلہ ایشان طلب فرمودہ آثار رضائے جد بزرگوار ہم ازیں باب بظہور آمد۔ اما چوں شاہ درہ ایں مقدمہ بانواب موصوف بکار رفت فرمودہ کہ بعد اجابت ایں تقرب کہ بالاتر ازیں مرتبہ نہ باشد تحسین جہت وطن و ملاقات اعزہ ما انجا بہ فرصت از مملکت دکن کہ تکمیل جذبات آں صوبہ مطلوب می باشد از دائرۂ مقدرت بندہ خارج خواہد بود قریب صلاح آنکہ قبائل و لواحق را طلب فرمایند و بمعاشرت ہمدرین ملک بسر برند شاہ علیہ الرحمۃ از قبول ایں امر خطیر پہلو تہی کردند"

ملا غوث فطرۃً سلیم الطبع اور وجیہ تھے ان کے اخلاق کی دست ہر کہ ومہ کی زبانوں پر تھی۔ عالمگیر کے دربار میں جب جب باریابی ہوتی تو بڑی توقیر و تعظیم سے پیش آیا جاتا۔ بادشاہ کا تقرب اور مصاحبت حاصل ہونے کے باوجود طبیعت استغنا پسند تھی بارہ سال تک بادشاہ کے قیام دکن میں ہمراہ ہی رہے کچھ دنوں یہ بھی ہوا کہ شاہزادہ کام بخش کے یہاں میر سامان رہے تھے اور اس میں بھی پورا پورا اعتماد اور امتیاز حاصل رہا۔ صوبۂ اکبر آباد کے "شعبۂ احتساب" کے انچارج بھی رہے کچھ زمانہ بہادر شاہ کے ساتھ گزارا۔ الہ آباد میں صدر الصدور رہے۔ اسی زمانہ میں وہاں کے علماء وقت سے علمی مناظرے اور مناقشے بھی کئے فقہ و حدیث کے موضوع میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ کوئی ان کے مقابلے میں گوئے سبقت نہ لیجا سکا۔ لکھنؤ میں بھی برائے چندے قیام رہا اور صوبہ اودھ کے جزیہ کا محکمہ انھیں کی نگرانی اور نظارت میں تھا۔ درس و تدریس سے چونکہ قلبی دلچسپی تھی اس لئے یہ سلسلہ خواہ کسی حال میں یا کسی منصب پر ہوں چھوڑا نہیں۔ طلبہ کا ایک ہجوم تھا جو سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتا۔ مطالعہ کتب کا سلسلہ برابر جاری رہتا شاہ محمد وارث ابن حافظ ابو المعالی شیخ عبد اللہ بن شیخ امان اللہ اور مولوی غلام مرتضیٰ مولف جواہر الانشاء آپ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں کاکوری میں ایک مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے لئے حکومت سے زمین کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور اس کی معافی کا فرمان جاری کیا گیا۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی ان کے نواسہ ملا حمید الدین نے مدرسہ کا اجرا کیا لیکن افسوس کہ اس کا اب نام و نشان بھی نہیں ہے۔

آپ اپنے تبحر علمی اور کمالات عملی میں نادرۂ روزگار رہے ہیں۔ اکتساب [illegible] طریقت و سلوک میں ہمیشہ کوشاں اور اوراد و وظائف میں اپنے پیر مرشد کی رہنمائی میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ ۶۲ سال عمر پائی اور صفر ۱۱۱۸ھ میں رہگزرے عالم جاودانی ہوئے لکھنؤ میں وفات ہوئی اور ان کی میت کو ایک جم غفیر کی شالیت میں کاکوری لایا گیا اور "محلہ مولوی محلہ" میں اپنے دیوان خانے کے صحن میں دفن کئے گئے۔ مزار کے گرد ایک خشتی حظیرہ بنا ہوا ہے قاضی القضاۃ مولوی نجم الدین خاں بہادر نے "اروح اللہ سرہ المتعال" سے مادۂ تاریخ وفات نکالا۔ اس کے بعد مولوی محمد عالم قیصری نے منظوم تاریخ